نخبۃ المسائل

تتمہ: کتاب النوازل

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

وسابق نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

سوم

فسخ وتفریق - اللقطۃ

ترتیب و مراجعت

مفتی محمد ابوبکر صدیق منصورپوری

مفتی محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول الله ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ١٦/١ رقم: ٧١، صحيح مسلم ٣٣٣/١ رقم: ١٠٣٧)

نخبۃ المسائل

(تتمہ: کتابُ النوازل)

منتخب فتاویٰ:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

وسابق نائب مفتی واُستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ سوم)

فسخ تفریق - تا - کتابُ اللقطہ

ترتیب ومراجعت:

(مفتی) محمد ابوبکر صدیق منصورپوری

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری

ناشر

مکتبہ ''التذکیر'' دیوبند

9058602750

○ نام کتاب : نخبۃ المسائل تتمہ کتاب النوازل (جلد سوم)

○ منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

○ ترتیب ومراجعت : مفتی محمد ابوبکر صدیق منصور پوری

: مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

○ کمپیوٹر کتابت : محمد انظار قاسمی ہردوئی، محمد شعیب قاسمی بجنوری

○ سیٹنگ : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

○ طابع : المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد

9412635154 - 9058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اشاعتِ اول : صفر المظفر ۱۴۴۶ھ مطابق اگست ۲۰۲۴ء

○ صفحات : ۶۰۰

○ قیمت : ۵۵۰/روپئے

ملنے کے پتے:

○ مکتبہ ''التذکیر'' نزد چھتہ مسجد دیوبند

○ مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰہُ تبارَکَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبيآء، جزء آيت: ۷]

ترجمہ : پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۴۹/۱ رقم: ۳۳۶، سنن ابن ماجة ۴۳/۱ قم: ۵۷۲)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

فہرست عناوین

کتاب الفسخ والتفریق

فسخ وتفریق

عدت کے مسائل

نفقہ کے مسائل

ثبوتِ نسب اور حق پرورش کے مسائل

کتاب الایمان والنذور

قسم اور نذر کے مسائل

اَمانت، جرمانہ اور صلح کے مسائل

کتاب البیوع

بیع صحیح کے مسائل

بیع فاسد اور بیع باطل

بیع مکروہ کے مسائل

بیع کے متفرق مسائل

كتاب الربوا

سود سے متعلق مسائل

مصارفِ سود

سودی قرض کے مسائل

رشوت کے مسائل

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

شرکت ومضاربت

کتاب الاجارۃ

اِجارۂ صحیحہ کے مسائل

اِجارۂ فاسدہ

کمیشن اور دلالی

کتاب الهبة

ہبہ کے مسائل

کتاب اللقطة

گری پڑی چیزوں کے مسائل

لاوارث بچہ کے مسائل

کتابُ الفسخ والتفریق

فسخ وتفریق

محکمۂ شرعیہ کے فیصلے کی تنفیذی قوت

سوال (۸۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شرعی عدالت میں زید نے مقدمہ قائم کیا کہ اس کی بیوی میکے سے نہیں آرہی ہے، اُس کو بلایا جائے، عدالت شرعی نے نوٹس کے ذریعہ اس کی زوجہ کو طلب کیا؛ لیکن زوجہ نے تحریری طور پر جواب داخل کرکے عدالت شرعی کو بتلایا کہ اس کا شوہر نہایت چالاک آدمی ہے اور جھوٹ بول کر اس کو بلانا چاہتا ہے وہ بڑا ظالم بھی ہے، جس کے پاس جانے سے اس کی زندگی کو خطرہ ہے؛ لیکن عدالت شرعی نے اس کے بیان پر کوئی توجہ نہیں دی اور اس کو دوبارہ اور تیسری بار نوٹس دے کر طلب کیا کہ عدالت شرعی جو شوہر کے علاقہ میں ہے وہاں جانے پر شوہر اس کے ساتھ زیادتی کر سکتا ہے، اس لئے اس کو ضمانت دی جائے کہ وہ اس کے ساتھ بدسکونی نہیں کرے گا، زوجہ نے ہی درخواست بھی کی کہ اس کے شوہر سے ضمانت لی جائے کہ وہ بدسلوکی نہیں کرے گا اور اس کو یہ بتایا جائے کہ وہ اس کے گھر نہ جانے کی وجہ کیا بیان کررہا ہے؛ تاکہ اگر وہ سچ بول رہا ہے تو جانے کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکے، لیکن شرعی عدالت نے کسی بات پر توجہ نہ دی اور کوئی ضمانت دیئے بغیر یا شوہر کا بیان بتائے بغیر یہ کہہ کر مقدمہ خارج کردیا کہ بیان بتانا اور ضمانت دینا ہمارے اُصول کے خلاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدالت کا یہ طریقہ شریعت کے کس حکم سے ہے؟ یا خودساختہ ہے؟ اور کیا ایسا کرنا مناسب ہے؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ہندوستان میں قائم شرعی عدالتوں (دارالقضایا

محکمہ شرعیہ) کے پاس قوت نافذہ نہیں ہے، یعنی بزور طاقت یہ عدالتیں اپنے فیصلے نافذ نہیں کرسکتیں، اُن کے فیصلے اِسی حد تک نافذ ہوتے ہیں جہاں طاقت کے استعمال کی ضرورت نہ ہو، پس اگر مقدمہ کسی مظلوم عورت کی طرف سے داخل کیا جاتا ہے تو محکمہ شرعیہ زوجین میں مصالحت یا شوہر کے ظلم وتعنت وغیرہ کی صورت میں عورت کی گلوخلاصی کی کوشش کرتا ہے؛ لیکن اگر مقدمہ مرد کی طرف سے کیا جائے اور عورت اُس مرد کے ساتھ رہنے کو تیار نہ ہو اور نہ ہی محکمہ شرعیہ کے پاس آکر اپنا بیان درج کرائے، تو ایسی صورت میں محکمہ شرعیہ یا شرعی عدالت کے پاس اُس مقدمہ کو خارج کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہ جاتا؛ کیوں کہ وہ زبردستی بیوی کو شوہر کے پاس بھیجنے کی طاقت نہیں رکھتا اور تفریق کا فیصلہ بھی نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ مدعی شوہر کی طرف سے تفریق کا مطالبہ ہے ہی نہیں؛ اِس لئے اِس صورتِ حال میں مقدمہ خارج کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

برین بنا مسئولہ صورت میں شرعی عدالت کی طرف سے مقدمہ خارج کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ (مستفاد: انوار رحمت: ۴۳۹، فتاویٰ قاسمیہ ۱۷/۴۲۷ اَشرفی بک ڈپو دیوبند، کفایت المفتی ۲/۲۶۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عائلی مسائل اور نزاعی معاملات کہاں حل کریں؟

سوال (۸۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلمان اپنے اختلافات اور نزاعات کے مسائل کہاں حل کرائیں؟ دارالافتاء یا دارالقضاء میں یا کورٹ میں؟

(۲) اگر دارالافتاء یا دارالقضاء فتویٰ دے یا فیصلہ صادر کرے اور کوئی فریق یہ کہے کہ میں یہ فتویٰ نہیں مانتا، تو اُس کے ایمان اور نکاح پر اثر پڑے گا یا نہیں؟ اور اس فریق کے حامیوں کے اِیمان ونکاح کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمانوں کو اپنے عائلی، نزاعی معاملات محکمۂ شرعیہ یا معتبر دار القضاء میں حل کرانے چاہئیں اور سبھی فریقوں کو خوش دلی کے ساتھ شریعت کے فیصلے پر عمل کرنا چاہئے، اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ اگر کوئی فریق فتویٰ یا شرعی فیصلے کا انکار کرے تو اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے گی، اگر وہ کوئی معقول وجہ بتائے تو اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا، بہر حال محض فیصلے سے انکار کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔

لا یفتی بکفر مسلم أمکن حمل کلا مه علی محمل حسن (الدر المختار) وقد سئل في الخيرية عمن قال له الحاكم: ارض بالشرع فقال: لاأقبل، فأفتى مفت بأنه كفر وبانت زوجته، فهل يثبت كفره بذلک؟ فأجاب بأنه لا ينبغي للعالم أن يبادر بتكفير أهل الإسلام. (رد المحتار، كتاب الجهاد / باب المرتد، مطلب في حكم من شتم دين مسلم ٣٦٧/٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ہندوستان کے محاکم شرعیہ حکومت سے رجسٹرڈ ہیں؟

سوال (۸۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِس وقت شہر ممبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے متعدد دار القضاء کام کررہے ہیں، اسی شہر ممبئی میں محکمۂ شرعیہ (شرعی پنچایت) حضرت تھانویؒ کے ارشاد کے طرز پر کام کرنے کی کوشش کررہا ہے، اس میں خود بندہ عبد الاحد فلاحی (فراغت: دار العلوم فلاح دارین ترکیسر) جنہیں کارِ قضاء کا باضابطہ تجربہ ہے (آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قاضی کی حیثیت سے ایک عرصہ کام کیا ہے، پھر مستعفی ہوگئے، امام وخطیب پتھر والی مسجد، محمد علی روڈ ممبئی) مفتی جنید پالن پوری (فراغت: جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، مفتی دار الافتاء والارشاد مجلس البرکۃ

قلابہ، امام وخطیب قلابہ مسجد ممبئی) مفتی حبیب یوسف قاسمی (فراغت: دارالعلوم دیوبند، امام وخطیب پٹیل مسجد ملاڈ ممبئی) مفتی لطیف الرحمٰن فلاحی (فراغت: دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، مفتی دارالافتاء والارشاد انجمن اتحاد المسلمین کرلا ممبئی) مفتی عبدالرحیم (فراغت: بیت العلوم سرائے میر، بانی حرا انگلش اسکول) مفتی طاہر ذاکر چوہان (فراغت: جامعہ مظہر سعادت، مفتی دارالافتاء والارشاد انور محمد ملاڈ ممبئی) اس طرح محکمہ میں باضابطہ دو تربیت یافتہ قاضی اور پانچ باضابطہ مفتی ہیں، جب کہ اُن میں سے تین ممبئی کی مؤقر مسجدوں کے اِمام، تین باضابطہ دارالافتاء میں کام کرنے والے مفتیان کرام ہیں۔

اس وقت مسلم پرسنل لا بورڈ کے قاضی صاحب کی طرف سے باضابطہ محکمۂ شرعیہ کے خلاف قصداً واِرادۃً ایک مہم چھیڑی گئی ہے، ایک قاضی جن کو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے ناگپاڑہ میں قاضی بنایا گیا ہے وہ تعلیم یافتہ لوگوں کو یہ کہہ کر ورغلانے کی کوشش کررہے ہیں کہ دیکھو ہمارا دارالقضاء رجسٹرڈ اور حکومت سے منظور شدہ ہے، محکمہ شرعیہ حکومت سے منظور شدہ نہیں ہے اِس لئے محکمہ شرعیہ کے فیصلوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جب کہ دارالقضاء بحیثیت دارالقضاء رجسٹرڈ نہیں ہے وہ ایک ٹرسٹ کے ماتحت کام کررہا ہے، اس لئے دارالقضاء کے لیٹر پیڈ پر اُس ٹرسٹ کا رجسٹرڈ نمبر لکھا ہوا ہے، اِس طرح وہ تعلیم یافتہ طبقہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں، دوسری جانب دین دار طبقہ کو یہ کہا جارہا ہے کہ جس جگہ شرعی قاضی ہو، وہاں محکمہ کا کام غیر شرعی ہوتا ہے، محکمہ کو وہاں شرعاً کام کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے، اُن کے فیصلے از روئے شرع معتبر نہیں ہوئے۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے دوسرے قاضی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ صدر بورڈ امیر المؤمنین فی الہند ہے؛ اِس لئے اُن کے مقرر کردہ قاضی کے ہوتے ہوئے محکمۂ شرعیہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اور اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ بات آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں نے اُن سے کہی ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ کیا محکمہ شرعیہ کا شرعی ضابطوں کے مطابق ایسے علاقہ میں کام کرنا

جہاں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قاضی موجود ہو، ناجائز ہے؟ اُن کی جانب سے شرعی ضابطوں کے مطابق کئے ہوئے فیصلے باطل ہوں گے؟

واضح رہے کہ بعض علاقوں میں محکمۂ شرعیہ پہلے سے کام کر رہا ہوتا ہے، دار القضاء کی ضرورت ہوتی ہے؛ اِس لئے وہ بعد میں شروع ہوتا ہے، بعض علاقوں میں دار القضاء پہلے سے کام کررہا ہوتا ہے، ضرورت کے پیش نظر محکمۂ شرعیہ بعد میں شروع ہوتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- ہندوستان جیسے غیر مسلم جمہوری ممالک میں نظامِ قضاء کا تعلق حکومت سے نہیں ہے؛ بلکہ ملی تنظیمیں اور اِدارے اپنے اپنے دائرۂ اثر میں اس خدمت کوانجام دیتے ہیں؛ لہٰذا کسی اِدارے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے معتبر اِدارے کے خلاف ماحول بنا کر اسے روکنے کی کوشش کرے؛ بلکہ ہر ادارے کو آپس میں تعاون وتناصر کے ساتھ اِس اہم کام کوانجام دینا چاہئے؛ تاکہ عوام میں کسی قسم کا انتشار نہ ہو۔

ولـو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين والٍ. (الدر المختار، كتاب القضاء / مطلب في العمل بالسجلات و كتب الأوقاف القديمة ٨/٤٤ زكريا)

ويـصيـر الـقاضي قاضيًا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليًا مسلمًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٣/١٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۶/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا محکمہ شرعیہ کا جمعیۃ علماء یا پرسنل لاء بورڈ کے ماتحت ہونا ضروری ہے؟

سوال (۸۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر ممبئی میں ’’گورے گاؤں‘‘ ایک محلّہ ہے جس میں ایک بڑی مسجد ہے، اُس کے ماتحت بچوں کا ایک بڑا مکتب مدرسہ ہے، اُس مسجد اور مکتب کے ٹرسٹ کے ماتحت محکمہ شرعیہ

(شرعی پنچایت) بھی ہے، جس میں شہر کے ۵؍مفتیانِ کرام بیٹھتے ہیں اور اِن ۵؍مفتیانِ کرام میں ۲؍قاضی شریعت بھی ہیں، یہ پانچ حضرات اس محکمہ کے آفس میں بیٹھ کر شرعی طور پر مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں؛ لیکن خلش صرف اتنی ہے کہ اِن حضرات کا قائم کردہ محکمہ شرعیہ نہ تو مسلم پرسنل لاء کے ماتحت ہے اور نہ ہی جمعیۃ علماء ہند سے منسلک ہے۔

تو اِن حضرات کا شرعی طور پر مقدمات کا فیصلہ کرنا قرآن وحدیث اور فقہاء کے اجتہادات کی روشنی میں درست ہے؟ اور اِس طرح ان حضرات نے کسی مظلوم عورت کا مقدمہ نکاح فسخ فرمادیا تو یہ فیصلہ شرعاً نافذ ہوگا؟

آیا یہ بہتر ہے کہ اِن حضرات کی شرعی پنچایت جمعیۃ علماء ہند کے امارت شرعیہ ہند سے ملحق ہوجائے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جس ملک میں اسلامی حکومت نہ پائی جائے، وہاں مذہب مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کا فیصلہ شرعی قاضی کے فیصلہ کے درجہ میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر کسی علاقہ کے معتبر علماء اور دانشورانِ ملت نے شرعی پنچایت قائم کر رکھی ہے جس میں تجربہ کار اور تربیت یافتہ علماء کتاب وسنت کی روشنی میں فیصلے کرتے ہوں تو اِس طرح کی شرعی پنچایت کا فیصلہ حسب شرائط معتبر اور نافذ ہوگا۔ اِس شرعی پنچایت کا فی نفسہٖ کسی ملکی یا ریاستی تنظیم سے اپنے کو ملحق کرنا ضروری نہیں ہے؛ تاہم اگر ملحق کرلیا جائے تو بہتر ہے؛ کیوں کہ اِس سے اعتماد میں اِضافہ ہوگا اور فیصلوں کے نفاذ میں اگر کوئی رکاوٹ پیش آئے تو اُس کو دور کرنے میں مدد ملے گی۔ (الحیلۃ الناجزہ جدید ۶۳-۱۳۰ اِمارتِ شرعیہ ہند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۷/۸/۱۵

محکمہ شرعیہ سے طلاقِ بائن کا فیصلہ

سوال (۸۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: محکمۂ شرعیہ مئو (شرعی پنچایت نے اپنی منعقدہ میٹنگ ۴؍ مارچ ۲۰۲۱ء میں فہیم احمد اوراُن کی بیوی رابعہ خاتون کے مابین طلاقِ بائن کا فیصلہ صادر کیا۔ معاملہ کی تفصیل یہ ہے کہ:

فہیم احمد نے کہا ''طلق ہن'' تم اپنے گھر چلی جاؤ، اُس کے بعد رابعہ ۶؍ ماہ میرے ساتھ رہی، رابعہ خاتون کا کہنا ہے کہ میرے شوہر نے ایک بار کہا ''طلق ہن'' تم کو ہم نے طلاق دیا، تم اپنے گھر چلی جاؤ، ہم کچھ نہیں بولے، پھر دوسری بار کہا کہ ''ہم تم کو طلاق دے رہے ہیں، تم اپنے گھر چلی جاؤ'' پھر ہم کچھ نہیں بولے، پھر تیسری بار یہی الفاظ استعمال کئے کہ ''طلاق دے رہے ہیں تم چلی جاؤ''۔

فیصلہ

محکمۂ شرعیہ مئو نے دونوں قول کو سامنے رکھ کر گواہوں کی گواہی لے کر یہ فیصلہ کیا کہ ''طلق ہن'' سے ایک طلاقِ رجعی پڑ گئی اور اُس کے بعد کے جملہ سے کہ ''تم اپنے گھر چلی جاؤ'' یہ طلاق کے کنائی الفاظ ہیں، اِس سے ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی، جس سے نکاح ختم ہوگیا، جب نکاح میں رابعہ خاتون رہی نہیں تو پھر تیسری طلاق بیکار ہوگئی؛ چوں کہ بیوی ان جملوں کے بعد ۶؍ ماہ اُن کے ساتھ رہی، اس لئے عدت بھی ختم ہوگئی، رابعہ خاتون جس سے چاہے شادی کرسکتی ہے، اوراگر میاں بیوی آپس میں نکاح پر رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کرکے رہ سکتے ہیں، فہیم احمد کو اِس پر اعتماد نہیں ہوا، اُنہوں نے متعدد مفتیوں: مفتی منیر احمد بہوروا ں بلیا اور ایک گھوسی کے مفتی صاحب کا فتویٰ دکھلایا کہ صرف ایک طلاق رجعی پڑی اور بیوی ۶؍ ماہ اُن کے پاس رہی اور ہم بستری بھی ہوئی، اِس لئے وہ اُن کی بدستور بیوی ہے؛ کیوں کہ ہم بستری سے رجعت ہوگئی، جس میں اُنہوں نے طلاقِ رجعی اور رجعیت کا حوالہ دیا ہے، حاجی شکیل احمد صاحب نے کہا کہ آپ نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے یہ صرف آپ لوگوں کی رائے ہے، اِس لئے غیر معتبر ہے، اُن کے اطمینان کے لئے حوالجات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مرد نے اپنی بیوی سے کہا: ''طلاقن'' تو نے میرے لئے بچھونا کیوں نہیں بچھایا'' اس

لفظ کے کہنے سے بیوی مطلقہ ہوگئی اور صریح لفظ میں طلاق کی نیت کی ضرورت نہیں ہے؛ اِس لئے ایک طلاق رجعی پڑی، عدت کے اندر رجعت بلا نکاح کے صحیح ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹/۲۳۶)

(۲) ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تجھ کو طلاق تو چلی جا'' اِس کے جواب میں مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ ''طلاقِ بائنہ واقع ہوگئی''۔ (ردالمحتار/ کتاب الطلاق ۲/۵۷۹، بحوالہ: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹/۲۰۷، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ. (رد المحتار / كتاب الطلاق ٤/٤٣٨ زكريا)

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الكنايات ٣ دار الفكر بيروت، ٤/٥٤٠ زكريا)

وإذا لحق الصريح البائن كان بائنًا لأن البينونة السابقة عليه تمنع الرجعة أيضًا. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الكنايات ٤/٥٤٠ زكريا)

(۳) ایک شخص نے کہا: ''طلاق دی جہاں اُس کی مرضی ہو چلی جائے، اِس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہوگئی''۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹/۲۱۷)

(۴) ایک شخص نے کہا: ''طلاق دی جہاں چاہو چلی جاؤ'' عورت گئی نہیں، اُن کے پاس رہی اور اُس سے ہم بستری بھی کی، پھر دوبارہ کہا کہ ''طلاق تم چلی جاؤ''۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی تو اُس سے دو طلاق بائن واقع ہوئی تھیں، ایک الفاظ کنایہ سے اور ایک لفظ صریح سے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹/۲۲۲، بحوالہ: ہدایہ/ باب الرجعۃ ۲/۳۷۹)

وإذا كان الطلاق بائنًا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (الهداية، كتاب الطلاق / باب الرجعة ٢/٤٠٩)

(۵) شوہر کا لفظ اپنی بیوی کے لئے میں نے اپنے حق زوجیت سے تم کو آزاد کردیا، یہ ترجمہ ہے ''أنت حر'' کا، جو اُن کنایات میں سے ہے، جن سے بوقت مذاکرۂ طلاق، طلاق پڑجاتی ہے،

پس اِس لفظ سے فی الحال ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹/۲۴۴)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی روشنی میں محکمۂ شرعیہ مئو (شرعی پنچایت) کا طلاقِ بائن کا فیصلہ صحیح ہے یا نہیں، مدلل جواب مطلوب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آں جناب کے سوال اور منسلک فتاویٰ پر غور کیا گیا اور کتب فتاویٰ میں درج فرمودہ وقوعِ طلاق کے ضابطوں پر بھی نظر ڈالی گئی، تو خلاصے کے طور پر یہ بات سامنے آئی کہ شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ ''تم اپنے گھر چلی جاؤ'' یہ ان الفاظِ کنایہ میں سے ہے، جن میں بہرحال شوہر کی نیت کا اعتبار کیا جاتا ہے، خواہ مذاکرۂ طلاق غصے کی حالت ہو یا عام حالت ہو، اِس ضابطے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب تک شوہر یہ اِقرار نہ کرے کہ میں نے اس لفظ سے نئی طلاق مراد لی تھی، اُس وقت تک اس سے مزید کسی طلاق یا طلاقِ بائنہ کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

اِسی طرح کی بات فتاویٰ محمودیہ کے ایک فتویٰ میں مذکور ہے، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسنؒ فرماتے ہیں کہ ''ہمارے عرف عام میں شوہر کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ ''میں نے تجھے چھوڑ دیا'' بمنزلۂ صریح طلاق کے ہے، اس سے شرعاً ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے، شوہر نے دوسرا لفظ یہ کہا کہ ''تو نکل جا'' یہ کنایہ طلاق سے ہے، اگر اس سے طلاق کی نیت کی تو اس سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی؛ بلکہ پہلے لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر رجعت درست ہے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۵۷-۳۵۶ ڈابھیل)

نیز طلاق دینے کے بعد والے لفظ کو اردو محاورہ کے اعتبار سے پہلی طلاق کی خبر پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے گویا کہ شوہر نے یہ کہا کہ ''تجھے طلاق ہوگئی اب تو گھر چلی جا'' یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ اگلے جملہ سے کوئی نئی طلاق واقع نہیں ہونی چاہئے اور مسئولہ صورت میں صرف ایک طلاق رجعی کا ہی حکم ہونا چاہئے اور آنجناب نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے جو حوالے دئے

ہیں، کسی صریح جزئیہ یا اُصول سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

والکنایات ثلاث: ما یحتمل الرد أو ما یصلح للسبّ أولا ولا، فنحو: أخرجي واذهبي وقومي یحتمل ردا الخ. (الدر المختار، کتاب الطلاق / باب الکنایات ٥٢٩/٤ زکریا)

وقال الشامي بحثًا: والحاصل أن الأول یتوقف علی النیة في حالة الرضا والغضب والمذاکرة الخ. (رد المحتار، کتاب الطلاق / باب الکنایات ٥٣٣/٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۹/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا شوہر سے تحقیق کے بغیر محکمہ شرعیہ زوجین میں تفریق کرسکتا ہے؟

سوال (۸۲٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محکمۂ شرعیہ حیدرآباد سے ایک عورت رجوع ہوئی، جس کا مطالبہ ہے کہ اُسے اس کے شوہر سے خلع دلائی جائے اور اگر اُس کا شوہر خلع قبول نہ کرتا ہو تو اُس کا نکاح فسخ کردیا جائے۔

مدعیہ نے اپنے عرضی دعویٰ میں شوہر کی جانب سے جن شکایتوں کا ذکر کیا، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب شوہر نے اُس عورت کو میکے بھیج دیا اور واپس آنے سے منع کردیا، تب سسرال والوں نے جھوٹی خبر عام کردی کہ اس عورت کو طلاق دے دی گئی ہے، عورت کہتی ہے کہ اِس خبر کو اس عورت نے جھوٹا سمجھا۔

جب مدعیہ اور مدعی علیہ کو اطلاعی فارم بھیجا گیا تو اگلی نشست میں مدعیہ نے ایک اور درخواست داخل کی کہ مدعیہ نے طلاق کی جس خبر کو جھوٹا سمجھا تھا، وہ بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ صحیح ہے اور مدعیہ نے اُن لوگوں سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ خود لڑکے سے یہ سننے والے شاہد موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ لڑکے نے خود اُنہیں کہا ہے کہ وہ اس عورت کو طلاق دے چکا ہے۔

لڑکے کو لڑکی کا پہلا دعویٰ برائے خلع وفسخ نکاح اور اب طلاق دے دینے کا یہ دوسرا دعویٰ دونوں کی اطلاع پوسٹ کے ذریعہ بھیج دی گئی ہے؛ لیکن لڑکے/ مدعی علیہ کی جانب سے اب تک محکمۂ شرعیہ سے کوئی رابطہ نہیں کیا گیا ہے۔

اِس بارے میں اَب سوال یہ ہے کہ اِس مقدمہ میں اگر مدعیہ کے پاس واقعی طلاق کی شہادت موجود ہو تو ضابطۂ عمل کے مراحل پورے کرتے ہوئے فسخ کی کارروائی کے بجائے کیا طلاق کی شہادت لے کر طلاق کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں محکمۂ شرعیہ کو چاہئے کہ وہ باقاعدہ کمیشن بھیج کر شوہر سے تحقیق کرے اور اُس کے حلفیہ بیان کی روشنی میں کارروائی کرے، جب تک شوہر سے رابطہ اور تحقیق نہ ہو اُس وقت تک اِس بارے میں فیصلہ نہ کیا جائے۔

أما إذا كانت الزوجة هي المتضررة والراغبة في المفارقة فليس الطلاق منقذًا لها؛ لأن أمره ليس بيدها. (هامش رد المحتار للشيخ عادل عبد الموجود، كتاب طلاق / باب الخلع ٥٤/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۱/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محض عورت کے دعویٰ کرنے سے فسخ نکاح کا حکم

سوال (۸۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رابعہ خاتون بنت شہاب الدین کی شادی ہمراہ اناء اللہ بن حفیظ اللہ کے ساتھ تقریباً پانچ سال قبل ہوئی ہے؛ لیکن کبھی بھی میاں بیوی میں خوش گوار اِزدواجی زندگی نہیں گذری، اُس کی وجہ یہ رہی کہ اناء اللہ کے اندر شراب نوشی وچوری وغیرہ کی بری لت ہے، منع کرنے پر الٹے بیوی کو مارتا پیٹتا ہے، اور طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا ہے، دوسال قبل اُس نے موبائل سے کئی مرتبہ

اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو طلاق دے دی ہے جاؤ تم دوسری شادی کرلو، میں تم کو نہیں رکھوں گا، میں نے ممبئی میں دوسری شادی کر لی ہے، مگر اس بات کے کوئی ثبوت مثلاً فون ریکارڈنگ یا تحریر یا گواہ موجود نہیں ہیں اور اب تقریباً دو سال سے اس کا اپنے بیوی بچوں سے یا گھر کے کسی فرد سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور وہ اس وقت ممبئی میں کسی جگہ قیام پذیر ہے؛ مگر کسی رشتہ دار یا اہل خانہ کو اس کا پتہ یا موبائل نمبر معلوم نہیں ہے کہ اس سے رابطہ کر کے تصدیق کی جاسکے، ایسی صورتِ حال میں رابعہ خاتون نے محکمہ شرعیہ نوتنواں میں دعوی دائر کیا ہے اور اَراکین سے مطالبہ کیا ہے کہ خدارا میرے معاملہ کی تحقیق فرما کر اگر طلاق پڑگئی ہو، تو کوئی تحریر دے دیں یا میرا نکاح فسخ فرمادیں؛ تاکہ میں پاک وصاف ہوکر دوسری شادی کر کے باشرع وباعفت زندگی گذار سکوں۔

تو معلوم یہ کرنا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں وقوعِ طلاق کے لئے صرف مدعیہ کا اقرار ہی کافی ہے یا فسخ نکاح کی ضرورت باقی ہے؟ آپ سے درخواست ہے کہ براہ کرم قرآنِ کریم اور اَحادیث شریفہ کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں؛ تاکہ اُس کے مطابق فیصلہ تحریر کیا جاسکے، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال چوں کہ مدعیہ کے پاس شوہر کے طلاق دینے پر کوئی گواہ وغیرہ موجود نہیں ہے، اِس لئے محض مدعیہ کے دعویٰ کی بنیاد پر اس پر وقوعِ طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ زوجِ مفقود کے بارے میں ضروری کارروائی کر کے حسبِ ضابطہ فسخ نکاح کرنے کی ضرورت ہوگی، اس کے بغیر مدعیہ کسی اور جگہ نکاح کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲۸۴/۵-۲۸۵، فتاویٰ قاسمیہ ۲۶۰/۱۶)

ونصابها لغيره من الحقوق، سواء كان الحق مالا أو غيره كنكاح وطلاق …… رجلان …… أو رجل وامرأتان. (رد المحتار / كتاب الشهادات ۱۷۸/۸ زكريا)

ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن ما لم يمت زوجها أو يطلقها

وتنقضي عدتها من الوفاة أو الطلاق. (تفسير المظهري [النساء: ٢٤] ٦٤/٢ زكريا، ٢٧٤/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۲/۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر کو عمر قید کی سزا ہو گئی تو کیا اُس کی بیوی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے؟

سوال (۸۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کے شوہر کو عمر قید کی سزا ہے، وہ عورت دوسری شادی کرنا چاہتی ہے، اُن کے یہاں ایک بچہ بھی ہے، کیا وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر شوہر سے الگ رہنے کی وجہ سے جوان العمر ہونے کی بنا پر معصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو یا گذارے کا انتظام نہ ہو، تو ایسی صورت میں عورت محکمہ شرعیہ میں تفریق کی درخواست دے سکتی ہے، اور تحقیق کے بعد محکمہ شرعیہ تفریق کا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔ جب تفریق کا فیصلہ ہو جائے تو اُس کی عدت یعنی ۳/ ماہواری گذارنے کے بعد وہ عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے، جب تک یہ کارروائی نہ ہو یا شوہر خود طلاق نہ دے، اس وقت تک اُس عورت کے لئے دوسرا نکاح حلال نہ ہوگا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲۹۲/۵، فتاویٰ دار العلوم ۲۳۱/۱۰)

وذهب المالكية إلى جواز التفريق على المحبوس إذا طلبت زوجته ذلك وادعت الضرر وذلك بعد سنة من حبسه الخ. (الموسوعة الفقهية / التفريق للحبس ٦٧٦٦/٢٩ الكويت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

شوہر طلاق کا منکر ہے اور عورت کے پاس گواہ نہیں ہے

سوال (۸۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے شوہر اسلام احمد ولد رؤف احمد ساکن امروہہ نے مؤرخہ ۱۸/۱/۲۰۱۹ء کو تین طلاق دے دی ہیں، ''میں نے تجھے طلاق دی، طلاق، طلاق'' یہ الفاظ زبان سے کہے تھے؛ لیکن میرے پاس کوئی گواہ نہیں ہیں، میرا شوہر اب طلاق کا انکار کر رہا ہے؛ لیکن میں نے اپنے کانوں سے تین طلاق سنا ہے، اب میرے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

نوٹ:- شوہر سے زبانی بات کی گئی تو اس نے کہا میں نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ''زیادہ بدتمیزی کرے گی تو طلاق دے دوں گا'' شوہر اس بات پر قسم کھانے کو تیار ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - صورتِ مسئولہ میں چوں کہ شوہر طلاق کا منکر ہے اور اس پر قسم کھانے کو تیار ہے اور آپ کے پاس طلاق کے دعویٰ پر گواہ موجود نہیں ہیں، اس لئے طلاق کے وقوع کا حکم تو نہ ہوگا؛ لیکن اگر آپ نے واقعۃً اپنے کانوں سے تین طلاق کے الفاظ سنے ہیں تو آپ کے لئے اس شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم رکھنا درست نہیں ہے، آپ کو چاہئے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ شوہر سے تفریق حاصل کرلیں اور اگر وہ خلع پر تیار نہ ہو اور آپ کو مجبوراً اس کے ساتھ رہنا پڑے تو ایسی صورت میں سارا گناہ شوہر پر ہوگا، آپ ذمہ دار نہ ہوں گی۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: البينة على المدعي واليمين على من أنكر. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما جاء في أن البينة على المدعي ٢٤٩/١ رقم: ١٣٤١)

ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا أو غيره كنكاح وطلاق …… رجلان أو رجل وامرأتان. (الدر المختار / كتاب الشهادة ١٧٨/٨ زكريا، مجمع الأنهر / كتاب الشهادات ٢٦١/٣ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولاتقتل نفسها، بل تفدى نفسها بمال أو تهرب …… فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الصريح ٤/٤٦٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

شوہر کے عیسائی ہوجانے کے بعد اُس کے نکاح اور تجہیز وتکفین کا حکم

سوال (۸۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، بعد میں اس نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا، زید کی چار اولادیں ہیں، اُن میں تین لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا، تین لڑکیوں میں سے ایک کی شادی ایک عیسائی لڑکے کے ساتھ ہوچکی ہے، زید کی بیوی اور اُن کی تین اولادیں زید کے گھر میں ایک ساتھ رہتی ہیں؛ لیکن زید کی بیوی اوران کی اولادیں مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اورعبادات (نماز، روزہ وغیرہ) بھی کرتے ہیں۔ اَب یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا زید کی بیوی اور اُن کی اولادوں کا زید کے ساتھ اُن کے گھر میں ایک ساتھ رہنا درست ہے۔

(۲) زید کے خاندان اور محلّہ والوں کا ان کے ساتھ تعلق رکھنا، میل جول رکھنا اوران کی تقریبات میں شریک ہونا یاان کو اپنی تقریبات میں شریک کرنا کیسا ہے؟

(۳) زید کی بیوی یا اُن کی اَولادوں میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو کیا اُن کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ اور اُن کو مسلمان کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) زید نے نعوذ باللہ جس وقت سے عیسائی مذہب اختیار کیا ہے، اُسی وقت سے اس کا اپنی مسلمان بیوی سے اِزدواجی رشتہ فوری طور پر ختم ہو چکا ہے، اب اُس کی بیوی کے لئے اس کے ساتھ بے تکلف رہنا سہنا اور زن وشوئی کا تعلق رکھنا قطعاً حرام ہے، اگر وہ کسی مصلحت یا مجبوری سے شوہر کے گھر میں رہتی ہے، تو اپنے مسلمان بچوں کے ساتھ الگ تھلگ پردہ میں رہے، شوہر سے میل جول نہ رکھے، تا آں کہ شوہر سچی توبہ کرلے اور توبہ کے بعد زوجین میں تجدید نکاح کیا جائے۔

وارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ، فلا ينقص عددًا عاجل بلا قضاء.
(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب النكاح / باب نكاح الكافر ٣٦٦/٤ زكريا)

ارتد أحد الزوجين عن الإسلام ووقعت الفرقة بغير طلاق في الحال، قبل الدخول وبعده. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح / الباب العاشر في نكاح الكفار ٣٣٩/١ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب النكاح / كيفية الفرقة عند آباء الزوج الإسلام ٦٥٥/٢ المكتبة النعيمية ديوبند)

(۲) زید کے خاندان والوں کا زید کے مرتد ہوجانے کے باوجود اس سے تعلق رکھنا درست نہیں ہے؛ البتہ اُس کے مسلمان بچوں اور بیوی سے تعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال السيوطي: وأما ما كان من جهة الدين والمذهب فهجران أهل البدع والأهواء واجب إلى وقت ظهور التوبة، ومن خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه الدين، أو يدخل مضرّة في دنياه، يجوز له مجانبته والبعد عنه. (بذل المجهود، كتاب الأدب / باب هجرة الرجل أخاه ٣٢١/١٣ تحت رقم: ٤٩١٠)

وحاصل ذلک أن الهجران إنما يحرم إذا كان من جهة غضبٍ نفسانيٍ، أما إذا كانت على وجه التغليظ على المعصية والفسق فإنه ليس من الهجران الممنوع. (تكملة فتح الملهم، كتاب البر والصلة والآداب / باب تحريم الهجر فوق ثلاث ٢٧٥/٥ دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) زید مرتد کی بیوی اور مسلمان بچوں میں سے اگر کسی کا انتقال ہوجائے، تو حسبِ قاعدہ مسلمانوں کی طرح اُس کی تجہیز وتکفین کی جائے گی، اور نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

ویصلّی علی کل مسلم مات بعد الولادة صغیرًا کان أو کبیرًا، ذکرًا کان أو أنثی. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة / الفصل الخامس في الصلاة علی المیت ۱۶۳/۱ زکریا)

فمن أظهر شعار الدین أجریت علیه أحکام أهله ما لم یظهر منه خلاف ذلک. (فتح الباري شرح صحیح البخاري ۴۹۷/۱ تحت رقم: ۳۹۱ دار المعرفة بیروت)

ولا ینبغي أن یدفن المیت في الدار (تنویر الأبصار) وتحته في الشامیة: بل ینقل إلی مقابر المسلمین. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۱۴۰/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نافرمان، بدکردار اور بداخلاق عورت سے چھٹکارا پانے کی صورت

سوال (۸۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا نکاح جے پور کی ایک سات سال کی طلاق شدہ لڑکی جو اپنی پھوپھی کے لڑکے کی بیوی تھی، سات سال کی لڑکی چھوڑ کر آئی تھی، کے ساتھ ۲۰۰۳ء میں بغیر جہیز کے نکاح کیا تھا، جس کو آج لگ بھگ ۱۶؍سال ہوگئے ہیں، اس وقت میری عمر لگ بھگ ۶۳؍سال ہے اور بیوی کی عمر لگ بھگ ۳۶؍سال ہے، اس سے میرے دو بچے ایک لڑکا عمر لگ بھگ ۱۰؍سال اور ایک لڑکی عمر لگ بھگ ۱۲؍سال کے ہیں جو اس وقت میری بیوی کے ساتھ میرے گھر مرادآباد میں رہ رہے ہیں۔

(۱) میرے سسرال والوں نے مجھے اکیلا، کوٹھی، اچھا کاروبار دیکھ کر لالچ میں نکاح کیا

تھا، اس ۱۶؍سال کے وقفے میں سوائے لالچ، مجھ سے ناجائز اُمیدیں اور زمین و جائیداد نام کرانے کا دباؤ بنانا جوان کا اصلی مقصد تھا، شروع کردیا، بیوی جب میکے جاتی، میرا زیور و قیمتی کپڑے وغیرہ اپنے میکے میں چھوڑ کر آجاتی، میرا گھر خود ہی لوٹتی رہی، حقوق زوجیت بھی ادا نہ کرتی اور طرح طرح سے ہمیشہ جھگڑے پیدا کرتی رہتی، جس میں اس کے سب گھر والے برابر کے شریک ہیں، میرے گھر پر ہم میاں بیوی اور میرے دو بچوں کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا ہے، اس وجہ سے میں اپنے گھر کی کوئی حفاظت کرنے میں قاصر ہوں، میرا مال و جان تک محفوظ نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ جائیداد نام کرانے کا ناجائز دباؤ بنانے کے لئے ۲۰۱۲ء میں میرے ہی گھر مرادآباد کے تھانے میں ایک جھوٹی رپورٹ لکھانے چلی گئی، جس میں وہ ناکام رہی، محلے والے مجھے تھانے سے چھڑا کر لے آئے۔

(۳) پھر میرے خلاف ایک جھوٹی ایف آئی آر نکاح کے ۱۰؍سال بعد ۲۰۱۳ء میں اپنے میکے جے پور جا کر ۳۰؍لاکھ روپئے جہیز میں مانگنے کی دھارا: ۴۹۸اے، و مار پیٹ وغیرہ خطرناک دھاراؤں میں لکھادی، بمشکل تھانے میں فیصلہ کر کے جان چھڑا کر میں نے بیوی بچوں کو لاکر گھر بسالیا، پھر بھی اس نے مجھے بلیک میل و دھمکانے کا پرانا رویہ برابر جاری رکھا اور دباؤ بناتی رہی۔

(۴) پھر جولائی ۲۰۱۵ء ماہ رمضان کے مقدس مہینے میں میرے گھر پر میرے ساتھ رہتے ہوئے ایک جھوٹی ایف آئی آر، دھارا: ۳۷۷؍زنا، ۴۹۸اے، تیس لاکھ روپئے جہیز مانگنا قتل و مار پیٹ جیسی خطرناک دھاراؤں میں لکھادی، اس کے بعد دل برداشتہ ہوکر پولیس کے خوف سے گھر و کاروبار سب کچھ چھوڑ کر ننگے پاؤں یہاں تک کے کپڑے لے کر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا اور آج تک لگ بھگ ساڑھے تین سال کا عرصہ گذر جانے کے بعد بھی اپنے گھر واپس نہیں گیا ہوں، اس نے مجھے اور میرا سب کچھ برباد کردیا ہے، آج تک بچوں کی شکل تک نہیں دیکھ سکا ہوں، رشتے داروں کے گھر پڑا ہوا ہوں، شہر بدر ہوں، صرف مقدموں کی تاریخوں پر عدالت میں شہر جاتا ہوں۔

(۵) اللہ پاک نے میرے حال پر اپنا خاص رحم وکرم کیا ہوا ہے، اسی کے رحم وکرم سے میں پولیس کیس زنا جیسی خطرناک تمام دھاراؤں سے بری ہوگیا ہوں اور اس پر جھوٹی رپورٹ لکھانے کی وجہ سے پولیس نے دھارا: آئی پی سی ۱۸۲ میں پولیس کیس عدالت میں فائل کردیا ہے۔

اِس حسن سلوک کے علاوہ میرے ساتھ ہمیشہ مندرجہ ذیل الفاظ استعمال کرتی رہتی تھی:

(۱) تو کتا کمینہ اور عیاش ہے۔

(۲) تیری قبر تیرے ہی گھر میں بنوادوں گی۔

(۳) پیسہ تو ہے تیرے پاس مگر کہاں ہے میں پتہ لگالوں گی۔

(۴) میری جیب سے ضروری کاغذات جیسے بینک اکاؤنٹ، نمبر آئی ڈی وغیرہ ضروری کاغذ چرالیتی تھی۔

(۵) معصوم بچوں سے کہتی، باپ کو مارو۔

(۶) موبائل واٹس ایپ پر اپنی تصویریں ڈالتی رہتی ہے، لوگوں نے مجھے دکھایا ہے۔

(۷) یہ اپنے گھر والوں کے ساتھ مل کر میری غیر موجودگی میں جعلی کاغذات کے ذریعہ میرا مکان بیچنا چاہتی ہے، اطلاع ملنے پر میں نے مکان پر دعویٰ کردیا ہے۔

(۸) بغیر اجازت نوکری کرتی ہے اور ہر جگہ اسکوٹر سے گھومتی ہے۔

(۹) جے پور والے پرانے کیس کی کھلے رہنے کی ہمیشہ دھمکیاں دے کر بلیک میل کرتی رہتی تھی کہ ابھی کیس کھلا ہے۔

(۱۰) میرے گھر میں رہتے ہوئے میرے ساتھ میرا ہی مال کھاتی تھی اور میرے لئے کہتی تھی، تجھے تھورنے کو دے دوں۔

(۱۱) کہتی تھی کہ ابھی تو نے عورتیں دیکھی ہی کہاں ہیں؟

(۱۲) کہتی تھی کہ ابھی میں نے تیرے ساتھ بہت رعایت کی ہے، ابھی میں نے کیا ہی کیا ہے؟

(۱۳) زیورات چرانے کا طریقہ یہ تھا کہ جو پہن کر میکے جاتی وہیں چھوڑ کر آجاتی تھی، معلوم کرنے پر کہتی تھی کہ میں بھول آئی ہوں۔

(۱۴) اپنے بہنوئی سے میرے سامنے کھڑے ہو کر دھمکیاں دلواتی کہ میں تیرا قتل کرا دوں گا۔

(۱۵) گھر سے اسکول پڑھانے جا کر وہاں سے بغیر شوہر کی اجازت بغیر اطلاع کورٹ کچہری جا کر میرے خلاف ہی جھوٹا مقدمہ عدالت میں دائر کر دیا، مجھے ایف آئی آر لکھنے کے بعد پولیس کے ذریعہ علم ہوا۔

(۱۶) جو بھی جھوٹے مقدمے دائر کر رکھے ہیں، اس میں ہر مہینے پچاس ہزار روپۓ لینے کی مانگ کر رہی ہے، جس سے ان کی ذہنیت صاف ظاہر ہے۔

(۱۷) جو شوہر کے ساڑھے تین سال سے لاپتہ ہونے کے بعد بھی اسکول جانے کے بہانے دن دن بھر اسکوٹر سے میرے شہر میں گھومتی ہے، لوگوں نے مجھے بتایا، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے، محلے دار بھی گواہ ہیں۔

(۱۸) کیا حکم ہے اس کے لئے جو جھوٹی ایف آئی آر لکھانے والی، پوری ایک رات اور پورا ایک دن گھر سے غائب رہی ہو، پورا محلّہ گواہ ہے، کہاں تھی، کس کے ساتھ تھی؟

(۱۹) یہ کل سات بہنیں ہیں، ان کے سب دامادوں کے ساتھ ایسے ہی سلوک کی وجہ سے اس کی تین بہنوں کو طلاق ہو چکی ہے۔

(۲۰) ایک بہن نے اپنے شوہر کا پچاس لاکھ روپیہ اپنے والدین کی مدد سے غبن کر لیا ہے، جس پر اب وہ سب ضمانت پر چھوٹے ہوئے ہیں۔

کیا حکم ہے اس بیوی کے لئے جو شوہر کا علی الاعلان قتل کرانا، جیل بھجوانا چاہتی ہو اور زنا جیسے خطرناک جھوٹے مقدموں میں پھنسا کر عمر قید، پھانسی کی سزا کرانا چاہتی ہو، جس نے غائب شوہر کو ساڑھے تین سال کے عرصے میں تلاش نہ کیا نہ کرایا ہو یا اس سلسلے میں کسی رشتہ دار یا محلّہ

دار سے بھی معلومات نہ کی ہو، ان کی سوچ ہے کہ مرنے کی خبر ملنے پر سب کچھ ہمارا ہو ہی جائے گا، تو پھر ہم تلاش کیوں کریں۔

کیا حکم ہے اس کا جو بچوں سے کہلواتی ہے کہ ہمارے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور میری برسی بھی منائی گئی ہے۔

ایسے حسن سلوک و نازک حالات میں میرا گھر جانا، ساتھ رہنا، میری جان و مال کو پورا پورا خطرہ ہے، وہ کھانے پینے میں زہر بھی دے سکتی ہے، کیا ایسی عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کی کوئی گنجائش ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- سوال میں ذکر کردہ تفصیلات اگر درست ہیں تو آپ ایسی نافرمان بیوی کو ایک طلاق دے کر اپنے نکاح سے الگ کر سکتے ہیں۔

سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق. (مجمع الأنهر / أول كتاب الطلاق ۳۸۰/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

يستحب لو مؤذية أو تاركة صلاة. (رد المحتار / كتاب الطلاق ٤٢٨/٤ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نکاح کے بعد پتہ چلا کہ بیوی بالکل بھی جماع کے قابل نہیں

سوال (۸۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ہندہ سے نکاح کیا؛ لیکن ہندہ کو قابل وطی نہیں پایا (کہ شرم گاہ کا منہ انتہائی تنگ ہے) تقریباً دو مہینہ تک کوشش کرتا رہا؛ لیکن کامیاب نہیں ہوسکا اور ہندہ کو اس پوری مدت میں کوئی شہوت محسوس نہیں ہوئی۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ دومہینہ میں زید نے ہندہ کو ایک طلاق رجعی وکیل کی معرفت دی دی، ایسی صورت سے خلوت صحیحہ ہوئی یا نہیں؟ کون سی طلاق واقع ہوئی، رجعی یا بائن؟ مہر کتنی واجب ہوگی، نیز عدت ونفقہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں نکاح منعقد ہو چکا ہے؛ البتہ حسبِ تحریرِ سوال چوں کہ بیوی قابل جماع نہیں ہے؛ اِس لئے مہر کے حق میں اُس کے ساتھ تنہائی معتبر نہ ہوگی اور طلاق کی صورت میں صرف نصف مہر واجب ہوگا؛ تاہم احتیاطاً اس عورت کو دی گئی طلاقِ بائن شمار ہوگی اور شوہر کو عدت میں تجدید نکاح کے بغیر رجعت کا حق حاصل نہ ہوگا، اور بیوی اگر شوہر کے گھر عدت گذارے تو عدت کا نفقہ بھی شوہر پر لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۱۰۵-۱۰۶ ڈابھیل)

والخلوة بلا مانع حسي ...... ومن الحسي رَتَقٍ بفتحتين: التلاحم، وقرن بالسكون عظم وعَفَلٍ بفتحتين: غدة. (الدر المختار، كتاب النكاح / باب المهر ٢٥٠/٤ زكريا)

قوله والعدة: وجوبها من أحكام الخلوة سواء كانت صحيحة أم لا أي إذا كانت في نكاح صحيح الخ، قوله: والرجعة أي لا يصير مراجعًا بالخلوة ولا رجعة له بعد الطلاق الصريح بعد الخلوة أي لوقوع الطلاق بائنًا كما قدمناه. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ٢٥٦/٤- ٢٥٧ زكريا)

وفي الخانية: أن العدة تجب على الرتقاء ولها نصف المهر. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح / باب المهر ٢١٨/٤ زكريا)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنىٰ كان الطلاق رجعيًا أو بائنًا أو ثلاثًا حاملًا كانت المرأة أو لم تكن. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق / الفصل الثالث في نفقة المعتدة ٥٥٧/١ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

عورت کا مطالبہ طلاق اور جہیز و منگنی میں دئے گئے سامان کا حکم

سوال (۸۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری بیوی ثنا قاسم مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، میرے ساتھ رہنے کے لئے تیار نہیں ہے، اب اگر طلاق دی جائے تو کتنی دینی چاہئے؟

(۲) اگر بیوی طلاق طلب کرے تو میں مہر کے بدلے میں طلاق دینے کی شرط لگا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۳) نکاح کے دن جو جوڑا دولہا پہن کر جاتا ہے وہ سسرال سے آتا ہے، اُس کی قیمت لڑکی والے طلب کر رہے ہیں، جب کہ جوڑا اسلا ہوا تھا اور پہن لیا گیا ہے، اَب شرعی حکم کیا ہے؟

(۴) جو اُنہوں نے ساس نند اور دیگر رشتہ داروں کو گفٹ کے طور پر کمبل وغیرہ دئے ہیں وہ واپس ہوں گے یا نہیں؟

(۵) دولہا کو سلامی میں ۴۶۰۰/روپئے ملے تھے، وہ واپس لڑکی والوں کو ملیں گے یا نہیں؟

(۶) جہیز جس حالت میں ہے اسی طرح واپس ہوگا یا جو ٹوٹ پھوٹ گیا وہ بھی دینا ضروری ہے؟

(۷) منگنی میں جو جوڑے، جرسی، جائے نماز وغیرہ دئے گئے تھے، وہ واپس ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شریعت میں طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے، اِس لئے میاں بیوی دونوں کی ذمہ داری ہے کہ حتی الامکان آپس میں نبھاؤ کی شکل پیدا کریں اور طلاق کی نوبت نہ آنے دیں؛ تاہم اگر نبھاؤ کی کوئی شکل نہ باقی رہے تو طلاق دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایسے پاکی کے زمانہ میں جس میں ہم بستری نہ ہوئی ہو، بیوی کو ایک طلاق دے کر الگ کر دیا جائے، ایک سے زائد طلاق نہ دی جائے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال:

أبغض الحلال إلى اللّٰه تعالیٰ الطلاق. (سنن أبي داؤد، کتاب الطلاق / باب في کراهية الطلاق ۳۰۳/۱ رقم: ۲۱۷۸، المستدرك للحاکم ۲۱۸/۲، رقم: ۲۸۰۹)

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود اللّٰه فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به. (الهداية، کتاب الطلاق / باب الخلع ۴۱۳/۲ المکتبة النعیمیة دیوبند)

ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق بما یصلح للمهر. (الدر المختار، کتاب الطلاق / باب الخلع ۸۷/۵ زکریا، ۴۴۱/۳ کراچی)

(۲) بیوی کے مطالبہ پر شوہر مہر کی معافی کی شرط پر طلاق دے سکتا ہے، بشرطیکہ بیوی اِس شرط کو قبول کرلے، شریعت میں اسے خلع کہا جاتا ہے جس میں ایک طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے۔

وإن طلقها علی مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وکان الطلاق بائنًا. (الهداية ۴۰۵/۲ وکذا في الفتاویٰ الهندية ۳۸۴/۱، خلاصة الفتاویٰ ۸۱/۲ رشیدیة)

(۳-۷) نکاح کے موقع پر طرفین کی طرف سے زوجین یا اُن کے رشتہ داروں کو جو تحفہ تحائف دئے جاتے ہیں، اُن میں خاندانوں اور برادریوں کے عرف کا اعتبار ہے، اگر واپسی کا عرف ہو تو لوٹایا جائے گا اور اگر عرف نہ ہو تو لوٹانا واجب نہیں ہے، یہی تفصیل منگنی میں دئے گئے سامان کے بارے میں بھی ہے۔

وفي الفتاویٰ الخیریة: سئل عما یرسله الشخص إلی غیره في الأعراس ونحوها، هل یکون حکمه حکم القرض فیلزمه الوفاء به أم لا؟ أجاب: إن کان العرف بأنهم یدفعونه علی وجه البدل یلزم الوفاء به مثلیًا فبمثله، وإن قیمًا فبقیمته، وإن کان العرف خلاف ذلک بأن کانوا یدفعونه علی وجه الهبة، ولا ینظرون في ذلک إلی إعطاء البدل، فحکمه حکم الهبة ...... والأصل فیه المعروف عرفًا کالمشروط شرطًا. (رد المحتار / کتاب الهبة ۵۰۱/۸ زکریا)

(۶) جہیز یعنی لڑکی والوں کی طرف سے بیوی کو دیا گیا سامان سب لڑکی کی ملکیت ہوتا

ہے اور طلاق وغیرہ کی صورت میں وہ اس وقت جس حالت میں ہے، اُسی حالت میں لوٹانا واجب ہے؛ اگرچہ وہ استعمال کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گیا ہو، تو پرانے سامان کی جگہ نیا سامان لوٹانا ضروری نہیں ہے۔

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة وأنه إذا طلقها تأخذه كله.

(رد المحتار، كتاب الطلاق / باب النفقة / مطلب فيما لو زفت إليه بلا جهاز ٢٩٩/٥ زكريا، ٥٨٥/٣ كراچی، كتاب النكاح / باب المهر ٣١١/٤ زكريا)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم المفتی: ٢٥)

والفتوىٰ أنه إن كان العرف مستمرًا أن الأب يدفع ذلك الجهاز ملكًا لا عاريةً لم يقبل قوله. (الأشباه والنظائر، القاعدة السادسة: العادة محكمة ص: ٢٨٠ مكتبة الحرمين داكا، ص: ٨٥ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۱/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

○❖○

عدت کے مسائل

کیا عدت گذارنی ضروری ہے؟

سوال (۸۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، لڑکی سسرال صرف تین بار گئی ہے اور تین سال سے حق زوجیت بھی ادا نہیں ہوئی ہے اور جہاں پر رہائش ہے وہ گھر پانچ فیملی کا ہے اور ایک ہی راستہ ہے اور ایک ہی جگہ رہتے ہیں، دوران عدت جو پردہ ہوتا ہے اس کا معقول انتظام نہیں ہے، والد بیمار ہیں اور چل پھر نہیں سکتے ان کی خدمت بھی کرنی ہوتی ہے، والدہ بھی ضعیف ہیں؛ لہٰذا یہ بتانے کی زحمت فرمائیں کہ عدت کی شکل کیا ہوگی؟ اگر عدت نہ کی جائے تو اس کا کوئی کفارہ ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- طلاق کے بعد عدت گذارنا بہر حال ضروری ہے اور مطلقہ عورت کی عدت تین ماہواری ہے جب تک یہ عدت پوری نہ ہو اُس کے لئے دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور بہتر ہے کہ عدت شوہر کے یہاں پردے کے ساتھ گذارے؛ لیکن اگر شوہر کے یہاں پردے کا معقول نظم نہ ہو تو وہ عدت اپنے میکے میں جا کر بھی عدت گذار سکتی ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۱۶/۵۷۲)

وإن كانت في منزل مخوف على نفسها أو مالها وليس معها رجل كانت في سعة من الرحلة؛ لأن المقام مع الخوف لا يمكن، والمقام ضرر عليها في نفسها ومالها وذلك عذر في إسقاط حق الشرع. (المبسوط للسرخسي ٣٤/٦ بيروت، مجمع الأنهر ١٥٤/٢)

إذا طلق الرجل امرأته طلاقًا بائنًا أو رجعيًا أو ثلاثًا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب الثالث عشر في العدة ٥٢٦/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۷/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر بیماری کا جھوٹا سرٹیفکٹ یا رشوت دئے بغیر معتدہ کو چھٹی نہ ملے تو کیا کرے؟

سوال (۸۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاتون سرکاری ٹیچر ہیں، اُن کو عدت گذارنی ہے، اَب اگر وہ اسکول سے تین ماہ کی چھٹی لیں تو اُن کو بیماری کا جھوٹا سرٹیفیکٹ دینا ہوگا، یا پھر اپنی نوکری باقی رکھنے کے لئے ۳۰؍ ہزار روپئے سرکاری آفس کو رشوت دینی پڑے گی، اِس کے بغیر عدت کے لئے چھٹی ملنا مشکل ہے؟ اور دوسری صورت یہ ہے کہ روزانہ تھوڑی دیر کے لئے اسکول جاکر صرف اپنی حاضری لگاکر آجائے، آج کل اسکول چوں کہ بند ہیں تو کس صورت پر عمل کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر اس معتدہ کا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے تو دن کے وقت میں کچھ دیر کے لئے اسکول جاسکتی ہے۔ (کتاب المسائل ۴۰۶/۵ فرید بک ڈپو دہلی)

والحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع فإن علم في واقعة عجز هذه المختلعة عن المعيشة إن لم تخرج أفتاها بالحل؛ وإن علم قدرتها أفتاها بالحرمة. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة ٢٢٣/٥ زكريا)

والحاصل أن مدار الحل كون خروجها بسبب قيام شغل المعيشة، فيتقدر بقدره فمتى انقضت حاجتها لا يحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها. (البحر الرائق، كتاب الطلاق / باب العدة، فصل في الحداد ١٥٣/٤ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کا ترکِ زینت نہ کرنا

سوال (۸۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ٹانڈہ میں ہمارے نندوئی کا انتقال ہوگیا، اُن کی بیوی جو کچھ پہنے ہوئے تھیں، ایسے ہی پہنے رہیں، اُن کی عمر ۵۲؍سال ہوگی؛ لیکن ناک، کان، گلا وغیرہ کے زیورات اور چوڑیاں بھی ہاتھوں میں اِسی طرح پہنے رہیں، کچھ نہیں اُتارا، اُن سے اُتارنے کے لئے کہا گیا، تو اُنہوں نے کہا کس حدیث میں لکھا ہے کہ عورت شوہر کے مرنے پر سب چیز اُتار دے، وہ ایسے ہی سجی بیٹھی رہیں، آپ بتائیں کیا غلط ہے اور کیا صحیح؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- عدت کے دوران عورت کے لئے زینت اختیار کرنا اور زیور وغیرہ پہننا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں اِس کی ممانعت وارد ہے؛ لہٰذا مذکورہ بیوہ نے عدت میں زیور پہن کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اُس پر توبہ لازم ہے۔

عن أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المتوفىٰ عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثياب ولا الممشقة ولا الحلي ولا تختضب ولا تكتحل. (سنن أبي دارد، كتاب الطلاق / باب فيما تجتنبه المعتدة في عدتها ٣١٥/٢ رقم: ٢٣٠٤)

وتترک أنواع الحلي والزينة. (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق / فصل في الحداد ٢٦٧/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس عورت کا ذہنی توازن ٹھیک نہ ہو وہ عدت کیسے گذارے؟

سوال (۸۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عمر دراز شخص کا انتقال ہوگیا، اُن کی بیوی بھی عمر دراز ہیں اور اُن کا ذہنی توازن بھی صحیح نہیں رہتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں اُن پر عدت ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں عدت یعنی ۴؍مہینے ۱۰؍دن تک دوسرے نکاح سے رکے رہنا یہ تو بہر حال واجب ہے؛ البتہ دورانِ عدت جو پابندیاں ہوتی ہیں، مثلاً گھر سے باہر نہ نکلنا، زیب وزینت نہ کرنا وغیرہ۔ تو اِس میں یہ تفصیل ہے کہ جب ذہنی توازن درست ہو تو اس کا خیال رکھا جائے اور جب ذہنی توازن درست نہ رہے تو ان پابندیوں کی خلاف ورزی پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا اور وہ عورت معذور شمار ہوگی۔

هي انتظار مدة معلومةٍ يلزم المرأة بعد زوال النكاح حقيقة أو شبهة المتأكد بالدخول أو الموت. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب الثالث عشر في العدة ٥٢٦/١ زكريا)

على المبتوتة والمتوفىٰ عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد في عدتها كذا في الكافي الخ، ولا يجب الحداد على الصغيرة والمجنونة الكبيرة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب الرابع عشر في الحدود ٥٣٣/١-٥٣٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا لمبی مدت تک الگ رہنے والی عورت پر بھی عدت لازم ہے؟

سـوال (۸۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے، کیا طلاق کے بعد فوراً دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے؟ میں اپنے شوہر سے ۱۳؍سال سے الگ ہوں، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- طلاق کے بعد عدت گذارنا ضروری ہے، عدت کے دوران کسی دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں ہے، لمبی مدت تک شوہر سے الگ رہنے کی وجہ سے عدت کا حکم ساقط نہیں ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲؍۲۵۰ ڈابھیل)

الطلاق هو رفع قيد النكاح في الحال أو في المآل بلفظ مخصوص.

(تنوير الأبصار مع رد المحتار / كتاب الطلاق ٤/٤٢٤-٤٢٦ زكريا)

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ٤/٢٧٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۹؍۱؍۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس عورت کو سال میں ایک بار حیض آتا ہو وہ عدت کیسے گذارے؟

سـوال (۸۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کو طلاق ہوئی اور وہ عدت گذارنے لگی؛ لیکن پہلے سے حیض کے بارے میں اُس کی یہ عادت بنی ہوئی ہے کہ ایک دوسرے حیض کے درمیان لمبا وقفہ ہوتا ہے اور سال میں صرف ایک مرتبہ حیض آتا ہے۔ اب اگر اِس کا اعتبار کیا جائے تو عدت گذرنے میں تقریباً تین سال لگیں گی اور اتنی مدت تک اسے انتظار کرنا دشوار ہے، تو ایسی عورت کے بارے میں عدت کی مدت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اَولاً اِس بات کی کوشش کی جائے گی کہ دوا وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا خون جاری کرادیا جائے؛ تاکہ عورت کا وقفہ طویل نہ ہو اور اگر علاج اور دوا سے کوئی فائدہ نہ ہو اور طویل مدت تک انتظار دشوار ہو، تو اِمام مالکؒ کے قول کے مطابق طلاق کے بعد ایک سال انتظار کرنے سے اُس کی عدت پوری مان لی جائے گی اور اُس مدت کے بعد اُس کے لئے دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا۔

سئل بعض المشائخ عن المرضعة إذا لم تر حيضًا فعالجته حتى رأت صفرة في أيام الحيض، قال: هو حيض، تنقضي به العدة. (رد المحتار / كتاب الطلاق ٥٠٣/١ زكريا)

وقد صرح الحنفية بأنه إذا شربت دواء، فنزل الدم في أيام الحيض، فإنه حيض وتنقضي به العدة. (الموسوعة الفقهية ٣٢٧/١٨ الكويت)

الشابة الممتدة بالطهر بأن حاضت ثم امتد طهرها، فتعتد بالحيض إلى أن تبلغ سن الأياس (الدر المختار) قوله: نعم لو قضى مالكي بذلک نفذ؛ لأنه مجتهد فيه. قال العلامة: والفتویٰ في زماننا على قول مالک وعلى ما في جامع الفصولين: لو قضیٰ قاض بانقضاء عدتها بعد مضي تسعة أشهر نفذ – إلیٰ قولهٖ – قال الزاهدي: وقد كان بعض أصحابنا يفتون بقول مالک في هذه المسألة للضرورة. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة، مطلب: في الافتاء بالضعيف ١٨٥/٥-١٨٦ زكريا، ٥٠٨/٣-٥٠٩ كراچی، البحر الرائق، كتاب الطلاق / باب العدة ٢٢٠/٤ زكريا، ١٣١/٤ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۱/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مہینوں کے ذریعہ عدت گذارنے کے بعد حیض شروع ہوگیا

سوال (۸۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت طلاق کی عدت حیض بند ہونے کی وجہ سے مہینوں کے ذریعہ گذار رہی تھی، تین مہینے پورے ہونے کے بعد چوتھے مہینے میں اس کو حیض آنا شروع ہوگیا تو اس کی عدت پوری ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو مطلقہ عورت سن ایاس کو پہنچ چکی ہو اور اُس نے اپنے کو آئیسہ سمجھ کر مہینوں کے ذریعہ عدت پوری کرلی، پھر بعد میں اُسے حیض کا خون آنا شروع ہوگیا، تو ایسی عورت کے متعلق راجح قول یہی ہے کہ اُس کی عدت تین مہینوں کے ذریعہ پوری سمجھی جائے گی، اَب وہ دوسرے شخص سے نکاح بھی کرسکتی ہے۔

ولا یفتی بہ ببطلان اعتداد بالأشہر إن کانت رأت الدم بعد تمام الاعتداد بالأشہر. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۳۰/۵ رقم: ۷۷۲۸ زکریا)

آئسة اعتدت بالأشہر ثم عاد دمہا ...... و استأنفت بالحیض ...... لکن اختار البہنسي ما اختارہ الشہید أنہا إن رأت قبل تمام الأشہر استانفت لا بعدہا قلت وہو ما اختار صدر الشریعة وملا خسرو الباقاني ...... وفي الجوہرة والمجتبیٰ: أنہ الصحیح المختار وعلیہ الفتویٰ الخ. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الطلاق / باب العدة ۱۹۴/۵-۱۹۵ زکریا)

ذکر الصدر الشہید أن المرئي بعد الحکم بالإیاس إذا کان دمًا خالصًا فہو حیض وانتقض الحکم بالإیاس لکن فیما یستقبل من الزمان لا فیما مضی علیہا من الأحکام. (الفتاویٰ الہندیة، کتاب الطلاق / الباب الثالث عشر في العدة ۵۲۹/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس عورت کو نفاس کے بعد ایک سال خون نہ آتا ہو وہ عدت کیسے پوری کرے؟

سوال (۸۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کو حالت نفاس میں شوہر نے طلاق بائن دے دی اور اُس کی عادت یہ ہے کہ نفاس کے بعد تقریباً ایک سال تک اسے حیض نہیں آتا، تو اَب اُس کی عدت طلاق کس حساب سے گذرے گی؟ کیا وہ جلدی عدت کے لئے کوئی تدبیر اپنا سکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اصل حکم تو یہی ہے کہ مذکورہ عورت بذریعہ حیض عدت پوری کرے خواہ اس میں کتنا کتنا ہی وقت لگ جائے؛ تاہم اگر وہ اِس دوران کوئی ایسی دوا استعمال کرلے جس سے حیض شروع ہوجائے اور وہ تین دن سے زیادہ جاری رہے تو ماہ بماہ تین مرتبہ اِس طرح خون آنے پر بھی اُس کی عدت مکمل ہوجائے گی۔

لو انقطع دمها فعالجتها بدواء حتى رأت صفرة في أيام الحيض، أجاب بعض المشائخ بأنه تنقضي به العدة. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة ۱۸۲/۵ زكريا)

وفي القنية: ولدت ثم طلقها ومضى سبعة أشهر فنكحت آخر لم تصح إذا لم تحض فيها ثلاث حيض ...... وفي الشامي: فالمعنى أنه لم يصح ما لم تحض وإن مضى تسعة أشهر. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة ۲۱٤/۵ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: محمد احسان غفرلہ

جڑواں بچوں کی حاملہ کی عدت کب پوری ہوگی؟

سوال (۸۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: معتدہ حاملہ کے پیٹ میں جڑواں بچے تھے، تو اس کی عدت ایک بچے کی ولادت سے پوری ہوگی یا دونوں کی پیدائش سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر معتدہ حاملہ کے پیٹ میں کئی بچے ہوں تو سب کی پیدائش کے بعد ہی عدت پوری ہوگی۔

فالتوأمان هما الولدان في بطن واحد إذا كان بينهما أقل من ستة أشهر ...... فإن كان بين الأول والثاني أقل من ستة أشهر فالدم الذي تراه النفساء بين الولادتين دم صحيح أي نفاس ...... وذلک بناء على أن المرأة إذا ولدت وفي بطنها ولد آخر فالنفاس من الولد الأول ...... وانقضاء العدة بالولد الثاني بالإجماع. (الموسوعة الفقهية ۲۰۷/۳ الكويت)

وإذا كانت المعتدة حاملا فولدت ولدين انقضت عدتها بالأخير منهما عند عامة العلماء. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق / فصل في بيان ما يعرف به انقضاء العدة ۱۹۸/۳ دار الكتب العلمية بيروت، ۳۱۳/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مطلقہ عورت عدت کہاں گذارے؟

سوال (۸۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری بیٹی کو اس کے شوہر نے تین طلاق دی ہیں تین مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں، اب رجعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ مگر مسئلہ یہ ہے کہ بھائی لڑکی کے سوتیلے ہیں، پہلے

شوہر کے ہیں، لڑکی اَب عدت کہاں کرے؟ بہتر کیا ہوگا؟ کیوں کہ لڑکی کے شوہر کے گھر والے بہت پریشان کر رہے ہیں کہ بھائی سوتیلے ہیں جب کہ وہ چار سال کی عمر سے بھائی بہن ایک ساتھ پلے بڑھے ہیں۔

نوٹ:- طلاق کی عدت میں اُس کا خرچ باشرع کیا ہونا چاہئے وہ بھی بتا دیجئے، دو بچے بھی ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں بہتر تو یہی ہے کہ مطلقہ عورت اپنے شوہر کے گھر رہ کر بحفاظت عدت گذارے اور اگر شوہر کے گھر والے زیادہ پریشان کریں تو میکے میں بھی عدت گذار سکتی ہے؛ البتہ عدت کے دوران سوتیلے بھائی (یعنی سوتیلی ماں کے پہلے شوہر کے لڑکے) سے پردہ کرنا ہوگا اور عدتِ طلاق کا مناسب خرچہ شوہر کے ذمہ ہے، جو اس کی مالی حیثیت کے اعتبار سے متعین کیا جائے گا اور بچوں کے سبھی ضروری مصارف باپ کے ذمہ ہوں گے۔

وتعتدان أي معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه ولايخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل ...... ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه. (رد المحتار، کتاب الطلاق / باب العدة ۲۲۵/۵ زکریا)

ثم في ظاهر رواية الأصل المعتبر في فرض النفقة حال الزوج في اليسار والإعسار وعليه الفتویٰ. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب النفقات / الفصل الأول نفقة المرأة علی الزوج ۳۷۱/۵ رقم: ۸۲۳۰ زکريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ عدت اکیلے رہنے کی وجہ سے دوسرے گھر میں منتقل ہونا

سوال (۸۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور وہ عدت میں ہے، اب جس گھر میں یہ عورت اپنے بیٹے کے ساتھ رہ رہی ہے، وہ بیٹا اپنا گھر بدلنا چاہتا ہے، تو کیا یہ عورت دورانِ عدت دوسرے گھر میں جاسکتی ہے؟ واضح رہے کہ اس عورت کے پاس بیٹے کے علاوہ کوئی سہارا نہیں ہے، نیز وہ اکیلے رہنے کے قابل بھی نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال نامے میں جن اَعذار کا تذکرہ ہے کہ اُس بیٹے کے علاوہ کوئی بھی اُس معتدہ کا سہارا نہیں ہے اور وہ الگ رہنے کے قابل بھی نہیں ہے تو ان اعذار کی وجہ سے معتدہ کا بیٹے کے ساتھ دوسرے گھر میں منتقل ہونا جائز ہے۔

ذهب الفقهاء إلى أنه يجوز للمعتدة من طلاق أو فسخ أو وفاة الخروج والانتقال من مكان المعتدة إلى مكان آخر في حالة الضرورة. (الموسوعة الفقهية ۳۵۱/۲۹ الكويت)

وأما في حالة الضرورة فإن اضطرت إلى الخروج من بيتها بأن خافت سقوط منزلها أو خافت على متاعها أو كان المنزل بأجرة ولا تجد ماتؤديه في أجرته عدة الوفاة فلا بأس عند ذلک أن تنتقل وإن كانت تقدر على الأجرة لا تنتقل. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق / فصل في أحكام العدة ۳۲۵-۲۶/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۲/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیماری اور وحشت کی وجہ سے معتدہ کو اُس کے میکے لانا

سوال (۸۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری لڑکی یاسمین بانو کا نکاح ۹ رمہینہ پہلے مولانا محمد شعیب صاحب سے ہوا تھا، لڑکی کے شوہر مولانا کا انتقال ہوگیا ہے جو کہ ممبئی میں مقیم تھے اور لڑکی بھی شوہر کے ساتھ وہیں رہ

رہی تھی، اس وقت لڑکی کافی بیمار ہے لڑکے کے گھر والے لڑکی کے باپ سے کہہ رہے ہیں کہ اب لڑکی کو آپ لے جائیں اُن کا خیال ہے کہ لڑکی پر آسیبی اثرات ہیں؛ لہٰذا آپ لے جا کر لڑکی کا علاج کرائیں، کیا ایسی حالت میں لڑکی کو لایا جاسکتا ہے، جب کہ ابھی عدت کو صرف چند دن ہی ہوئے ہیں یا شوہر ہی کے گھر ممبئی میں رہ کر عدت پوری کرے؟ جو بھی شریعت کی رو سے حکم ہو اُس کو واضح فرما کر مشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں اولاً پوری کوشش کی جائے کہ مذکورہ معتدہ مریضہ کا علاج دورانِ عدت ممبئی ہی میں کیا جائے، اگر بالفرض وہاں علاج کی کوئی صورت نہ ہو اور معتدہ زیادہ بیمار اور وحشت زدہ ہو، تو اُس کو ضرورت کی بناء پر ممبئی سے اُس کے میکے لایا جاسکتا ہے اور مابقیہ عدت کے ایام وہ میکے میں ہی گذارے گی۔

لا تخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة، فإن المطلقة تخرج للضرورة ليلاً أو نهارًا – إلیٰ قوله – وأما الخروج للضرورة فلا فرق فيه، بينهما كما نصوا عليه فيما يأتي، فالمراد به هنا غير الضرورة، ولهٰذا بعد ما أطلق في كافي الحاكم منع خروج المطلقة قال: والمتوفى عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها ولا تبيت في غير منزلها. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة ۲۲۵/۵ زكريا)

وإن اضطرت إلى الخروج فلا بأس بذلک. (الفتاویٰ الولوالجية، كتاب الطلاق / الفصل الرابع ۸۶/۲ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

عدت میں بیٹھی ہوئی عورت پر وارثین کا دباؤ ڈالنا

سوال (۸۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مرحوم کی اہلیہ جن کے شوہر کا انتقال ابھی چند ہفتہ پیشتر ہی ہوا ہے، وہ شرعی عدت کررہی ہیں، جس کی وجہ سے وہ کسی نامحرم سے بات بھی نہیں کرسکتیں اور نہ ہی گھر سے باہر جاسکتی ہیں، ایسے مجبور اور غم زدہ ماحول میں اُن پر جائیدادی مسائل ودیگر فتنہ انگیزی دباؤ ڈالنا یا پریشان کرنا کیسا ہے؟ کیا شرعی طور پر اُن افراد پر کوئی تنبیہ وارد ہوئی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - وراثت وغیرہ کے معاملات کو خوش اُسلوبی اور آپسی اعتماد کے ساتھ حل کرانا چاہئے، ایسی صورت اپنانا جس سے کسی وارث کو اَذیت ہو اور خاندان میں فتنہ پھیلے، اِس کی ہرگز اِجازت نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ سبھی وارثین شریعت کے موافق تقسیم پر راضی ہوجائیں اور جس کا جو شرعی حق بنتا ہو اُس کو دینے میں رکاوٹ نہ بنیں۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ الخ. (صحیح البخاري، کتاب الإیمان / باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ رقم: ۱۰)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۱۹۲]

فقسمۃ التراضي ہي التي تکون باتفاق الشرکاء. (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۱۵/۳۳ الکویت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۳/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معتدہ کا بیٹی کے علاج کے لئے اسپتال جانا

سوال (۸۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: دو ماہ پہلے میری بیٹی کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا، میری بیٹی عدت کررہی ہے اور عدت پوری ہونے میں قریب دو ماہ اور باقی ہیں، میری بیٹی کے دولڑکیاں ہیں، اُن میں چھوٹی لڑکی جس کی عمر قریب چار سال ہے، اُس کا علاج دہلی میں چل رہا ہے، اُس کا آپریشن ہونا ہے اور آپریشن کی تاریخ بھی آگئی ہے، مگر میری بیٹی عدت میں ہے اور بچی کا آپریشن بھی ہونا ضروری ہے، اور بچی اپنی ماں کے بغیر ایک منٹ بھی نہیں رہتی، بچی کی کچھ ضروریات بھی ایسی ہیں جو صرف ماں ہی کرتی ہے؛ مگر ماں عدت میں ہے، ایسی حالت میں ماں کو بچی کے ساتھ جانے کی گنجائش قرآن وحدیث میں ہوتو برائے مہربانی تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں ذکر کردہ سخت ضرورت کی بنا پر معتدہ ماں اپنی چھوٹی بیٹی کے علاج کے لئے اسپتال جاسکتی ہے؛ لیکن جب ضرورت پوری ہوجائے تو فوراً گھر واپس آجائے۔

لا تخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة ۵/۲۲۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۱۱/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عدت کے دوران آنکھ کے علاج کے لئے اسپتال جانا

سوال (۸۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری عمر ۶۵ رسال ہے میرے شوہر کے انتقال کو ایک مہینہ ہوگیا ہے، اور میں عدت میں ہوں میری ایک آنکھ بنی ہوئی ہے؛ لیکن اُس سے صاف نظر نہیں آتا، اور دوسری آنکھ میں موتیا بند ہے جو کافی بڑھ گیا ہے، شوہر کے انتقال سے کچھ دن پہلے ڈاکٹر کو دکھایا تھا اُن کا کہنا تھا کہ دو تین دن کے اندر آپریشن کرانا ضروری ہے، اب سوچا تو یہی تھا کہ عدت گذرنے کے بعد

ہی آپریشن کراؤں گی؛ لیکن آنکھ کی تکلیف اور دھندلا پن بڑھتا جارہا ہے، اب ڈر ہے کہ آنکھ میں زیادہ تکلیف نہ ہوجائے، اِس لئے بتائیں کہ عدت میں ڈاکٹر کے پاس جاکر آپریشن کراسکتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر تکلیف زیادہ ہوتو آپ آنکھ بنوانے اور علاج کے لئے اسپتال جاسکتی ہیں۔

لا تخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة. (رد المحتار / کتاب الطلاق، باب العدة ۵/۲۲۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

عدتِ وفات کتنی ہے اور دورانِ عدت میکے منتقل ہونا کیسا ہے؟

سوال (۸۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں آصفہ بیگم قریشیان نئی بستی چندوسی میں رہتی ہوں، میرے شوہر کا اچانک انتقال ہوگیا، میرے چار چھوٹے بچے ہیں، بڑا لڑکا محمد ریحان عمر ۱۰/سال ہے، چھوٹا محمد سبحان عمر ۸/سال ہے، میرے ساس سسر ضعیف العمر ہیں اور میرے دیور جیٹھ مزدور ہیں اور میرے سب بچے بیمار رہتے ہیں، میں یہاں تنہا عدت میں رہ کر بچوں کی دیکھ بھال کیسے کروں؟ میرے بچے مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کررہے ہیں، میں اپنے میکے میں جاکر عدت پوری کرسکتی ہوں یا پھر چالیسویں تک عدت ختم کردوں؛ لہٰذا آپ سے التماس ہے شریعت کے حکم سے آگاہ فرمائیں کہ اس مجبوری میں شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر مرحوم شوہر کے گھر کوئی

دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو، اور وہاں رہنے سے وحشت ہوتی ہو، تو وہ بیوہ میکے میں جا کر عدت پوری کرسکتی ہے، اور عدت ۴۰/دن میں پوری نہیں ہوتی؛ بلکہ ۴/مہینے ۱۰/دن میں پوری ہوگی جب کہ بیوہ حاملہ نہ ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [البقرة، جزء آيت: ۲٤۰]

لو خافت بالليل من أمر الميت والموت ولا أحد معها لها التحول والخوف شديدًا وإلا فلا. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة ۵/۲۲٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مطلقہ بائنہ کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہوگیا

سوال (۸۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مطلقہ بائنہ کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہوجائے تو اُس کی عدت کیا ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر شوہر نے حالتِ صحت میں طلاقِ بائن دی ہے یا مرض الوفات میں بیوی کی مرضی سے طلاقِ بائن دی ہے اور دورانِ عدت شوہر کا انتقال ہوجائے تو یہ مطلقہ بائنہ صرف عدتِ طلاق ہی گذارے گی، موت کی عدت اُس پر لازم نہیں۔

وخرج أيضًا ما لو طلقها بائنًا في صحته ثم مات لا تنتقل عدتها ولا ترث اتفاقًا صرح به في الفتح؛ لأنه ليس فارًا. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة، مطلب: في عدة الموت ۵/۱۹۲)

وإذا مات زوج المطلقة ففي الرجعة تنتقل إلى عدة الوفاة وفي البائن لا

إن لم ترث الخ. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / الفصل الثامن والعشرون في العدة ٢٣٥/٥ زكريا)

إذا طلق امرأته ثم مات فإن كان الطلاق رجعيًا انتقلت عدتها إلى الوفاة سواء طلقها في حالة المرض أو الصحة وانهدمت عدة الطلاق وإن كان بائنًا أو ثلاثًا، فإن لم ترث بأن طلقها في حالة الصحة لا تنتقل عدتها الخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب الثالث عشر في العدة ٥٣٠/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۶/۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلاقِ رجعی کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہوگیا

سوال (۸۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت طلاقِ رجعی کی عدت گذار رہی تھی، اِسی دوران شوہر کا انتقال ہوگیا تو اُس کی عدت کس طرح گذرے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - معتدہ رجعیہ دورانِ عدت شوہر کی وفات کی صورت میں عدت وفات گذارے گی اور وفات سے قبل عدت میں گذرا ہوا زمانہ کالعدم سمجھا جائے گا۔

رجل طلق امرأته طلاقًا رجعيًا فاعتدت بثلاث حيض إلا يومًا فمات الزوج يلزمها أربعة أشهر وعشرًا، كذا في غاية البيان. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب الثالث عشر في العدة ٥٣١/١ زكريا، ٥٨٤/١ مكتبة الاتحاد ديوبند)

إذا طلق امرأته ثم مات فإن كان الطلاق رجعيًا انتقلت عدتها إلى الوفاة سواء طلقها في حالة المرض أو الصحة وانهدمت عدة الطلاق. (الفتاویٰ الهندية،

كتاب الطلاق / الباب الثالث عشر في العدة ۵۳۰/۱ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب الطلاق / فصل في بيان ما يعرف به انقضاء العدة ۳۱۷/۳ المكتبة النعيمية ديوبند)

فإذا كان الطلاق رجعيًا في صحة أو مرض فعليها أربعة أشهر وعشرًا وقد بطل عنها الحيض في قولهم جميعًا. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / الفصل الثامن والعشرون في العدة ۲۳۵/۵ زكريا)

حاصل المسألة أن الزوج إذا طلق زوجته طلاقًا رجعيًا في صحته أو مرضه ودخلت في عدة الطلاق ثم مات والعدة باقية تنتقل عدتها إلى عدة الموت إجماعًا؛ لأنها حينئذ زوجته وترث منه. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة، مطلب: في عدة الموت ۱۹۳/۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عدت میں پھوپھی زاد بہن سے پردہ

سوال (۸۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری پھوپھی زاد بہن جن کی عمر ۶۰/ سال ہے، وہ عدت میں ہے، تو ہمارا اُن سے پردہ ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- واضح ہو کہ عدت میں پردہ کے بارے میں کوئی الگ حکم نہیں ہے؛ بلکہ جو بھی نامحرم خواتین ہیں اُن سے بہر حال پردہ کرنا چاہئے۔ اور پردہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے ساتھ تنہائی نہ ہو، اُن کو نظر جما کر نہ دیکھیں اور اُن کے اَعضاء پر نظر نہ ڈالیں۔ اَب اگر ایسا نامحرم شخص ہے جو پہلے سے گھر میں آتا جاتا رہا ہے تو وہ حسبِ ضرورت نظر جھکا کر بات چیت کرسکتا ہے، یہ کوئی ناجائز نہیں ہے اور یہ حکم عام ہے؛ خواہ عدت ہو یا نہ ہو، عام

طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ عدت میں تو بہت زیادہ پردے کا اہتمام کرتے ہیں اور عدت کے بغیر پردے میں بہت بے احتیاطی برتتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں ہے، پردے کے احکام کا ہر وقت لحاظ رکھنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۴۰٦ ڈابھیل)

قال اللّٰه تعالیٰ: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ [النور، جزء آيت: ۳۱]

وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَحِيْمًا﴾ [الأحزاب: ٥٩]

قال أبو بكر: في هذه الآية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين وإظهار الستر والعفاف عند الخروج؛ لئلا يطمع أهل الريب فيهن. (أحكام القرآن للجصاص، الأحزاب / باب حجاب النساء، قبيل: سورة سبأ ٤٨٦/٣ زكريا، ٢٤٥/٥ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة (الدر المختار) والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة؛ لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة، مطلب: في ستر العورة ٧٩/٢ زكريا، ٤٠٦/١ كراچی)

لا يحل النظر للأجنبي من الأجنبية الحرة إلى سائر بدنها إلا الوجه والكفين. (بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان / حكم الأجنبيات الحرائر ٢٩٣/٤ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل له ٣٢٩/٥ زكريا، مجمع الأنهر / كتاب الكراهية ٢٠٢/٤ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عدت میں پھوپھا اور ماموں سے پردہ کرنے کا حکم

سوال (۸۵۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکی جس کا نام زیبا خانم ہے، اُس کے شوہر کا نام محمد معین ہے، اُس کا انتقال ہوگیا، مؤرخہ ۳۱/۷/۲۰۱۶ء بروز اتوار انتقال کی تاریخ ہے، کیا لڑکی کے ماموں عدت میں اُس کے پاس آسکتے ہیں، ایسے ہی پھوپھا جو زیبا خانم کے سگے ماموں کے تایا زاد بھائی ہیں اور زیبا خانم والد کے سگے ماموں زاد بھائی ہیں، کیا یہ دونوں عدت میں لڑکی سے مل سکتے ہیں یا نہیں؟ دونوں میں کس کو ملنے کی اجازت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سگا ماموں محرم ہے اُس سے کوئی پردہ نہیں ہے؛ البتہ پھوپھا نامحرم ہے اُس سے پردہ کرنا چاہئے اور پردہ کے معاملہ میں عدت یا بلا عدت ہر حال میں حکم یکساں ہے، جو لوگ نامحرم ہیں اُن کے ساتھ تنہائی، بے تکلفی وغیرہ نہیں ہونی چاہئے؛ البتہ اگر اُن کی گھر میں بکثرت آمد ورفت ہو اور اُن سے مکمل پردہ دشوار ہو تو نگاہ نیچی رکھتے ہوئے صرف چہرہ اور ہتھیلیاں اُن کے سامنے کھولنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

وأما النوع السادس وهو الأجنبيات الحرائر فلا يحل النظر للأجنبي من الأجنبية الحرة إلى سائر بدنها إلا الوجه والكفين الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان / المملوكات الأغيار والأجنبيات ٤/٢٩٣ المكتبة النعيمية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۱۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا معتدہ کو کھلے آسمان کے نیچے نہیں آنا چاہئے؟

سوال (۸۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: شوہر کا انتقال ہوگیا اَب بیوی عدت میں ہے، تو وہ اپنے ماں کے گھر کس کے ساتھ آئے؟ نیز کیسے آئے ڈولی پر یا بائک گاڑی پر؟ کیوں کہ عوام میں مشہور ہے کہ معتدہ آسمان کے نیچے نہ آئے۔ برائے کرم مدلل جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کوئی مانع اور معقول وجہ نہ ہو تو معتدہ کو اپنے شوہر ہی کے گھر میں عدت گذارنی چاہئے؛ تاہم اگر وہاں سے نکلنا ناگزیر ہو، تو دن کے وقت میں کسی بھی سواری پر بیٹھ کر میکے جاسکتی ہے، اور یہ تصور کہ معتدہ کسی بھی حال میں کھلے آسمان کے نیچے نہ آئے، محض جاہلانہ اور بے دلیل ہے۔

أما في حالة الضرورة، فإن اضطرت إلى الخروج من بيتها بأن خافت سقوط منزلها أو خافت على متاعها، أو كان المنزل بأجرة ولا تجد ما تؤدّيه في أجرته في عدّة الوفاة، فلا بأس عند ذلك أن تنتقل ...... وإن كان المنزل لزوجها وقد مات عنها، فلها أن تسكن في نصيبها، إن كان نصيبها من ذلك ما تكتفي به في السكنى، وتستتر عن سائر الورثة ممن ليس بمحرم لها، وإن كان نصيبها لا يكفيها أو خافت على متاعها منهم، فلا باس أن تنتقل. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق / فصل في أحكام العدة ۳/۳۲٦ زكريا)

وعلى المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت ...... وإن كان نصيبها من دار الميت لا يكفيها، فأخرجها الورثة من نصيبهم انتقلت؛ لأن هذا انتقال بعذر. (الهداية، كتاب الطلاق / باب العدة ۲/۴۳۴)

وإن كانت في منزل زوجها فمات الزوج إن كان نصيبها من ذلك يكفيها، فعليها أن تسكن في نصيبها في العدة، ولا يخلو بها من ليس بمحرم لها من ورثة الزوج وإن كان نصيبها لا يكفيها، فإن رضي ورثة الزوج أن

تسـكـن فيه سكنت، وإن أبوا كانت في سعةٍ من التحول للعذر، وإن كانت في منزل مخوف على نفسها أو مالها وليس معها رجلٌ كانت في سعة من الرحلة؛ لأن الـمـقـام مـع الـخـوف لا يمكن وفي المقام ضررٌ عليها في نفسها ومالها، وذلك عـذرٌ فـي إسقاط حق الشرع. (الـمبسـوط، كتـاب الـطلاق / باب العدة وخروج المرأة من بيتها ٢٨/٦ دار الفكر بيروت)

ولـلمعتدة أن تخرج من بيتها إلى الدار وتبيت في أيّ بيوت الدار شائت؛ لأن جـميع الدار منزل واحدٌ ...... وبالخروج إلى صحن الدار لا تصير خارجة من منزلها. (الـمبسوط للسرخسي، كتاب الطلاق / باب العدة وخروج المرأة من بيتها ٣٠/٦ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۳/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

❍❖❍

نفقہ کے مسائل

عدت گذرنے کے بعد عدت کا خرچہ مانگنا

سوال (۸۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے بھائی محمد رفیع نے ۷/ستمبر ۲۰۱۶ء کو اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، اُس نے ایک ساتھ تین طلاقیں صحیح دی تھیں، لڑکی کے گھر والے اُسی دن اپنی بیٹی کو لے کر اپنے گھر چلے گئے، میرا بھائی دوبارہ سے اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا تھا وہ اُس سے برابر فون پر بات کررہا تھا، لڑکی کے گھر والے بھی لڑکی کو ہمارے گھر بھیجنا چاہتے تھے؛ لیکن ہم نے منع کردیا، چار مہینے سے یہی مسئلہ چل رہا تھا، لڑکی نے کوئی عدت نہیں کی، ۱۵/جنوری ۲۰۱۷ء کو ہم نے مہر کی رقم ادا کردی، جو کہ پچیس ہزار روپئے تھے، اب وہ کہہ رہے ہیں کہ عدت کے روپئے دیے جاتے ہیں، فیصلہ کرانے والے لوگوں نے کہا کہ ۱۰۰/روپئے روز کے حساب سے چار مہینے دس دن کے تیرہ ہزار روپئے ہوئے۔

اَب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا عدت کے روپئے دیے جاتے ہیں اور طلاق کی عدت کتنے دن کی ہوتی ہے، میرے بھائی کا کوئی بچہ نہیں ہے، ایک سال پہلے ہی شادی ہوئی تھی اور لڑکی حمل سے بھی نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- طلاق دینے کے بعد مطلقہ پر عدت گذارنی ضروری ہوتی ہے، جس کی مدت تین ماہواری ہے اور یہ عدتِ طلاق کے بعد خود بخود شروع ہوجاتی ہے اور وقت مقررہ گذرنے کے بعد خود بخود ختم ہوجاتی ہے اور عدت کے دوران

بلاضرورت گھر سے نکلنا درست نہیں ہوتا اور شوہر کی وسعت کے اعتبار سے عدت کے زمانہ کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے؛ لیکن یہ اُسی وقت ہے جب کہ عدت کے وقت آپسی رضامندی سے نفقہ طے کردیا گیا ہو، عدت گذرنے کے بعد نفقہ کے مطالبہ کو پورا کرنا شوہر پر لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر اپنی خوشی سے اَدا کردے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ [البقرة: ۲۲۸]

واصطلاحا: تربص يلزم المرأة عند زوال النكاح. (تنوير الأبصار على رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة، مطلب: عشرون موضعًا يعتد فيها الرجل ۱۷۹/۵)

ومبدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور وتنقضي العدة وإن جهلت المرأة بهما أي بالطلاق والموت؛ لأنها أجل فلا يشترط العلم بمضيه سواء اعترف بالطلاق أو أنكر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة، مطلب: في وطء المعتدة بشبهة ۲۰۲/۵ زكريا)

وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الطلاق / باب العدة، مطلب: الحق أن على المفتي الخ ۲۲۵/۵ زكريا)

والنفقة لا تصير دينًا إلا بالقضاء أو الرضاء أي اصطلاحهما على قدر معين (الدر المختار) وفي الشامية: فأما ما توهمه بعض حنفية العصر من أن المراد به إذا مضت مدة بغير فرض ولا رضا، ثم رضي الزوج بشيء؛ فإنه يلزمه فخطأ ظاهر لا يفهمه من له أدنى تأمل آه، ومقتضاه أنه لا يلزمه شيء بهذا الرضا لكون ما مضى قبله لم يجب عليه فهو التزام ما لا يلزم. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب النفقة، مطلب: لا تصير النفقة دينًا إلا بالقضاء أو الرضاء ۳۱۱/۵-۳۱۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۳۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

عدت کا خرچ کتنا دینا چاہئے؟

سوال (۸۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عدت کا خرچ کتنا دینا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - عدت کے خرچہ میں اَصلاً شوہر کی مالی وسعت کا اعتبار ہے؛ تاہم آپسی رضامندی سے جو بھی مناسب رقم طے کردی جائے اُس میں حرج نہیں ہے۔

يعتبر حال الزوج في اليسار والإعسار كذا في الكافي، وبه قال جمع كثير من المشائخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب السابع عشر في النفقات ۱/۵٤۸ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وإذا صالحت المرأة زوجها من نفقتها على ثلاثة دراهم كل شهر فهو جائز .... وفائدة اعتبار التقدير أن تجوز الزيادة على ذلک والنقصان عنه. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب السابع في النفقات ۱/۵۵۳ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عدت کے بعد مطلقہ عورت کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

سوال (۸۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد عورت اپنی معاشی ضروریات کے لئے مجبور ہوجاتی ہے، پھر اُسے ہی اپنے بچوں کا بوجھ اُٹھانا پڑتا ہے، اِس لئے اِس کی وضاحت کی جائے کہ مطلقہ عورتوں کا نفقہ کن رشتہ داروں پر واجب ہوگا؟ اور اگر وہ نفقہ اَدا نہیں کررہا ہے تو اَب اُس کی گذر اَوقات کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مطلقہ بے سہارا عورتوں اور اُن کے چھوٹے بچوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اَولاً اُن کے والد پر ہے۔ اور اگر والد نہ ہوں تو ذی رحم محرم رشتہ دار جیسے بھائی، چچا، تایا وغیرہ پر ہوگی۔ اور اگر یہ لوگ اپنی ذمہ داری اَدا نہ کریں تو خاندان کے دیگر اَفراد پر اَخلاقاً لازم ہے کہ وہ اُن کی مدد کریں۔

فالقرابة الموجبة للنفقة وبيان درجاتها ...... فذهب الحنفية إلى أن مستحقيها هم الآباء وإن علوا والأولاد وإن سفلوا والحواشي ذوو الأرحام المحرمة كالعم والأخ وابن الأخ والعمة والخال والخالة الخ. (الموسوعة الفقهية الكويت ٤١/٧٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۲/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: محمد احسان غفرلہ

عدت کے بعد بچوں کے نفقہ کی ذمہ داری کس پر ہے؟

سوال (۸۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے بھائی نے اپنی بیوی کو وقفہ وقفہ سے تین طلاقیں دی تھیں اور وہ اَب عدت گذار کر اپنے میکے میں سکونت پذیر ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ بھائی کے دو بچے بھی ہیں، ایک ساڑھے چار سال کا اور دوسرا شیر خوار ہے، تو اَب تکمیل عدت کے بعد بچوں کے نفقہ وغیرہ کے سلسلے میں میرے بھائی پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اپنی مالی حیثیت اور وسعت

کے مطابق بچوں کے ضروری اِخراجات کی ذمہ داری باپ پر عائد ہوتی ہے، اُس کی وسعت سے زائد اُس پر کوئی ذمہ داری لازم نہیں کی جائے گی اور بچوں کی تعلیم وغیرہ کے بارے میں باپ کی رائے ہی کو فوقیت دی جائے گی۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۳۳]

یعتبر حال الزوج في الیسار والإعسار کذا في الکافي، وبه قال جمع کثیر من المشائخ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطلاق / الباب السابع عشر في النفقات ۱/۵۴۸ دار إحیاء التراث العربي بیروت)

نفقة الأولاد الصغار علی الأب لا یشارکه فیها أحد. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطلاق / فصل في النفقات ۱/۵۶۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۳/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلاق کے بعد شوہر کے گھر رہائش، زیور، جہیز اور نفقہ کے مسائل

سوال (۸۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) میں نے اپنی بیوی ریشہ سید کو بعض وجوہات کی وجہ سے مؤرخہ ۱۲/ جنوری ۲۰۱۹ء کو پہلی طلاق دی، پھر ۱۵/ اپریل ۲۰۱۹ء کو دوسری طلاق دے دی، دوسری طلاق کے بعد میں نے رجعت نہیں کی، پھر ۱۹/ جون ۲۰۲۰ء کو اپنے میکے چلی گئی، اِس درمیان عدت بھی گذر گئی، پھر ۱۷/ نومبر ۲۰۲۰ء کو میں نے آخری طلاق دے دی۔

(۲) اب ۴/ اکتوبر ۲۰۲۱ء کو میرے گھر میں گھس کر رہنے لگی تو اسے میرے گھر میں طلاق کے بعد رہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بیوی کا مہر ایک لاکھ روپئے ہیں اور جہیز ہے اسے کس طرح واپس کرنا ہے؟

(۴) زیور میں نے بطور عاریت پہننے کے لئے چڑھایا تھا، جو میری ملکیت ہے وہ کس کو ملے گا؟

(۵) عدت کے خرچ کے بارے میں کیا حکم ہے؛ جب کہ بیوی نافرمان و ناشذہ ہے، جوابات تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱-۲) برتقدیر صحتِ سوال جب آپ نے اپنی بیوی کو دوسری طلاق دینے کے بعد رجعت نہیں کی اور بیوی میکے چلی گئی، ۷-۸؍ مہینے تک میکے میں رہی ہے، اس درمیان میں رجعت نہیں کی گئی ہے، تو بیوی بائنہ ہوکر نکاح سے نکل گئی ہے؛ لہٰذا میاں بیوی کا تعلق بالکل باقی نہیں رہا، اب اُس کو گھر پر رکھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

ولو قال لها: أنت طالق طالق ...... تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب الثاني في إيقاع الطلاق ۳۵۵/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذلك فلا شيء لها. (الهداية، كتاب النكاح / الباب السادس في المهر ۴۴۴/۲ المكتبة النعيمية ديوبند)

(۳) جب بلا شرط طلاق دی گئی ہے، تو پورا مقررہ مہر بیوی کو دیا جائے گا اور جہیز کا سامان اِس وقت جس حالت میں بھی ہو وہ بیوی کو واپس کیا جائے گا؛ استعمال شدہ سامان کی جگہ نئے سامان کا مطالبہ نہ ہوگا۔

المهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين. (الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح / الباب السابع في المهر ۳۰۳/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ۳۱۱/۴ زكريا)

(۴) اگر واقعۃً آپ نے صرف عاریت کے طور پر بیوی کو زیور دیا تھا تو وہ آپ ہی کی ملکیت ہے، اُس پر بیوی کا کوئی حق نہیں ہے۔

ولو بعث إلى امرأته شيئًا ولم يذكر جهة عند الدفع غير المهر فقالت: هو أي المبعوث هدية، وقال هو من المهر أو من الكسوة أو عارية فالقول له.

(رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ٣٠١/٤ زكريا)

(۵) عدت کے بعد شوہر پر عدت کا نفقہ اسی وقت لازم ہوتا ہے جب کہ وہ شوہر کی مرضی کے مطابق عدت گذارے، پس اگر وہ نافرمان اور ناشزہ ہوتو اُس کی عدت کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہے؛ اِسی طرح عدت کا وقت گذر جانے کے بعد عام حالت میں بھی نفقہ کے مطالبہ کا بیوی کو حق نہ ہوگا۔

وإذا تعنت المرأة عن زوجها أو أبت أن تتحول معه إلى منزله أو حيث يريد من البلدان وقد أوفاها مهرها فلا نفقة لها عليه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب النفقات / الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة ومن الزوجات من لا يستحق ٣٦٧/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ثبوتِ نسب اور پرورش کے مسائل

مصنوعی طریقۂ تولید کی مختلف شکلیں

اور اُن میں ثبوتِ نسب کا حکم

''مصنوعی طریقۂ تولید کی مختلف شکلیں اور اُن میں ثبوت نسب کا حکم'' سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے چودھویں فقہی اجتماع بتاریخ: ۵-۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۱-۲۳؍ فروری ۲۰۱۸ء بروز بدھ جمعرات جمعہ (بمقام: جامعہ علوم القرآن جمبوسر گجرات) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (اَز: مرتب)

موجودہ دور میں میڈیکل سائنس کے ارتقاء کی وجہ سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، اُن میں ایک اَہم مسئلہ مصنوعی طریقۂ تولید سے پیدا شدہ بچوں کے ثبوت نسب کا بھی ہے۔

یہ بات کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ اِسلام میں نسب کی بڑی اَہمیت ہے، اور اُس کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح ہدایات دی گئی ہیں، اور معاملہ صرف نسب تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ نسب کے ساتھ حق پرورش، نان ونفقہ، حرمت اِزدواج، حرمت مصاہرت اور میراث وغیرہ کے مسائل بھی جڑے ہوئے ہیں۔

بریں بنا اگرچہ اُصولی طور پر مصنوعی طریقۂ تولید کی اِسلام ہرگز حوصلہ افزائی نہیں کرتا، اور اِس سلسلہ میں اپنائے جانے والے بہت سے طریقے بلاشبہ ناجائز اور حرام ہیں؛ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی اُن طریقوں کو اپنا لے اور اُس سے اَولاد وجود میں آجائے تو اُس اولاد پر

کیا اَحکام جاری ہوں گے، اُس کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ اور کس سے ثابت نہیں ہوگا؟ اس کی تحقیق و تنقیح کر کے حکم کو واضح کرنا ضروری ہے، چناں چہ اِس سلسلہ میں چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

براہِ راست مصنوعی ٹیوب کے ذریعہ پیدائش؟

سوال (۱/۸۶۰):- اگر زوجین اپنے نطفوں کو مصنوعی ٹیوب میں رکھوائیں یا خود رکھیں اور ٹیوب ہی میں بچہ کی نشو ونما ہو، اُس کو بالکل بھی رحم میں نہ رکھا جائے، تو اُس بچہ کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) جانکار ڈاکٹر حضرات کی تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ابھی تک سائنسی اعتبار سے یہ ممکن نہیں ہے کہ براہِ راست کسی ٹیوب سے بغیر رحم کے استعمال کئے ہوئے زندہ بچہ کی پیدائش ہوجائے۔ پھر بھی فرضی صورت مان کر جواب لکھا جارہا ہے کہ ثبوتِ نسب کے لئے میاں بیوی کے محض اجزاء تولید کا یکجا پایا جانا کافی نہیں ہے؛ بلکہ یہ لازم ہے کہ بچے کی ولادت حلال منکوحہ یا باندی کے بطن سے ہوئی ہو۔ اَب جس بچے کی پیدائش بالفرض مصنوعی طریقہ پر ٹیوب سے ہورہی ہے، جس میں کسی عورت کا رحم استعمال نہیں ہورہا، تو یہ ایسی صورت ہے جس میں زوجین کے اجزاء تولید کا اجتماع تو پایا جارہا ہے؛ لیکن تولید حقیقی یا تولید فطری متحقق نہیں ہے، اِس لئے اِس طرح پیدا شدہ بچہ کا نسب ماں باپ سے اُسی وقت ثابت ہوگا جب کہ وہ باقاعدہ اُس سے اپنے نسب کا دعویٰ کرے، تو عدمِ معارض کی وجہ سے شرعاً اُن کا دعویٰ قبول کرلیا جائے گا اور جس طرح لقیط کا نسب حکماً ثابت مانا جاتا ہے، اِسی طرح اُس بچے کا نسب بھی حکماً ثابت ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایسی شکل ہے جو ابھی تک ناقابل تصور ہے، اِس لئے اس سے متعلق صریح جزئیہ ملنا تو دشوار ہے؛ لہٰذا اُصول وضوابط ہی کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہوگا۔

ویثبت نسبه من واحدٍ بمجرد دعواه، ولو غیر الملتقط استحسانًا. (الدر المختار) **وتحته في الشامي: والقیاس أن لا تصح دعواهما ...... وجه الاستحسان أنه إقرار للصبي بما ینفعه.** (الدر المختار مع رد المحتار / کتاب اللقیط ۴۲٦/٦ زکریا، إعلاء السنن ۸/۱۳ کراچی)

فإن ادعیٰ مدع أنه ابنه فالقول قوله، والقیاس أن لا یقبل قوله؛ لأنه بتضمن إبطال حق الملتقط. وجه الاستحسان أنه إقرار للصبي بما ینفعه؛ لأنه یتشرف بالنسب، یعبر بعدمهٖ. (الهدایة ۵۹۵/۲ نعیمیة)

وإذا ادعیٰ الملتقط نسب اللقیط بعد ما بلغ اللقیط أو هو صغیر یعبر عن نفسهٖ، فالقیاس أن لا تصح دعوته. وفي الاستحسان تصح دعوته. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۴۰۷/۷ رقم: ۱۰۷٦۷ زکریا)

ولو ادعیٰ الملتقط أو غیره أنه ابنه یصح من غیر بینةٍ استحسانًا. (الفتاویٰ السراجیة ۳۳۹ مکتبة الإتحاد دیوبند)

خارجی ٹیوب میں بارآوری کے بعد بیوی کے رحم سے پیدائش

سوال (۸٦۱/۲):- اگر میاں بیوی کے اَجزائے منویہ کو خارجی ٹیوب میں رکھ کر اَفزائش کی جائے اور کچھ وقت کے بعد اُس کو بیوی کے رحم میں منتقل کیا جائے اور وہیں سے بچہ کی پیدائش ہو، تو اُس بچہ کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۲) مذکورہ صورت میں چوں کہ بچہ کی پرورش اور پیدائش بیوی ہی کے رحم سے ہوئی ہے، اِس لئے اُس بچہ کا نسب شوہر ہی سے ثابت ہوگا۔ (مستفاد: کتاب النوازل ۲۰۷/۱٦)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنْ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا اللّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ﴾ [المجادلة، جزء آیت: ۲]

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: ...... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب تفسير المشتبهات ٢٧٦/١ رقم: ٢٠٠٧، صحيح مسلم ٤٧١/١ رقم: ١٤٥٧، سنن الترمذي ٢١٩/١، مرقاة المفاتيح / باب اللعان، الفصل الأول ٣١٤/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند)

الولد لصاحب الفراش لا ينتفي عنه أبدًا ...... ولا بوجه من الوجوه إلا باللعان. (أوجز المسالك / كتاب الأقضية ٧٥/١٤ رقم: ١٤٤٥ دار القلم دمشق)

عالج جاريته فيما دون الفرج فأخذت ماءه وجعلته في فرجها وعلقت منه، صارت أم ولد. (بزازية علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية ٣٥٩/٥ قديم زكريا)

ويحتاط في إثبات النسب ما أمكن. (رد المحتار ١٤٢/٤ زكريا)

اَجنبی عورت کا نطفہ ملاکر بیوی کے رحم میں پرورش

سوال (۸۶۲/۳): - اگر کوئی شوہر یہ عمل کرے کہ اپنے نطفہ اور کسی اَجنبی عورت کے انڈے کو ٹیوب میں بارآور کرائے اور پھر اُسے ایک مدت کے بعد اپنی بیوی کے رحم میں ڈلوادے، اور بیوی کے رحم ہی سے اُس کی ولادت ہو، تو اگر چہ یہ عمل شرعاً ناجائز اور حرام ہوگا؛ لیکن اُس نومولود بچہ کا نسب کس سے ثابت مانا جائے گا؟ اگر اُنہی میاں بیوی سے ثابت ہو تو جس عورت کے انڈے استعمال کئے گئے ہیں، اُس سے اُس بچہ کا شرعاً کیا تعلق ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - (۳) مسئولہ صورت میں شوہر کا اَجنبی عورت سے اپنے نطفہ کا اختلاط کرانا قطعاً ناجائز ہے؛ لیکن جب کہ خارج میں بارآوری کے بعد ان مخلوط اجزاء کو منکوحہ بیوی کے رحم میں منتقل کرادیا گیا، اور اس کے رحم سے بچہ کی پیدائش ہوئی، تو اُس بچہ کا نسب بلاشبہ ''الولد للفراش'' کی بنیاد پر جننے والی عورت اور اُس کے شوہر سے ثابت

ہوجائے گا، اور جس عورت کا مادۂ منویہ شوہر کے نطفہ کے ساتھ ملایا گیا ہے، اُس سے اُس بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا، اور وہ اُس کی حقیقی ماں نہ کہلائے گی؛ تاہم چوں کہ اُس کا مادہ شوہر کے نطفہ کے ساتھ مل گیا ہے، اِس لئے احتیاطاً اُسے مزنیۃ الاب کے درجہ میں رکھ کر حرمت مصاہرت کا حکم ثابت کیا جائے گا؛ گویا کہ یہ عورت اُس کے لئے مزنیۃ الاب کے درجہ میں ہوگی، اور اُس عورت کی اَولاد سے اُس بچہ کا نکاح درست نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ في کتابه العظیم: ﴿اِنْ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا اللّٰٓـئِیْ وَلَدْنَهُمْ﴾ [المجادلة، جزء آیت: ۲]

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: ...... قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحیح البخاري، کتاب البیوع / باب تفسیر المشتبهات ۲۷۶/۱ رقم: ۲۰۰۷، صحیح مسلم ۴۷۱/۱ رقم: ۱۴۵۷، سنن الترمذي ۲۱۹/۱، مرقاة المفاتیح / باب اللعان، الفصل الأول ۳۱۴/۶ المکتبة الأشرفیة دیوبند)

الولد لصاحب الفراش لا ینتفي عنه أبدًا ...... ولا بوجه من الوجوه إلا باللعان. (أوجز المسالك / کتاب الأقضیة ۷۵/۱۴ رقم: ۱۴۴۵ دار القلم دمشق)

ویحتاط في إثبات النسب ما أمکن. (رد المحتار / قبیل: مطلب فیما لو زوج المولیٰ أمته ۱۴۲/۴ زکریا)

فحرمت مزنیة الأب کحلیلته. (الأشباه والنظائر ۲۱۵ زکریا)

أما الزنا ...... ویثبت به حرمة المصاهرة نسبًا ورضاعًا ...... فمن زنا بامرأة حرمت علیٰ أصوله وفروعه، فلا تحل لأبیه ولا لابنه. (الفقه علی المذاهب الأربعة ۵۶/۴ دار الحدیث القاهرة)

وکذا الأب إذا وطي امرأة حرامًا کان أو حلالاً؛ فإنها حرام علی الابن. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۴۹/۴ رقم: ۵۴۸۹ زکریا)

اَجنبی مرد کا نطفہ بیوی کے رحم میں ڈالنا؟

سوال (۸۶۳/۴):- اگر کسی شوہر کی منی میں تولید کے اجزاء معدوم یا نہایت ضعیف ہوں، جن سے استقرار حمل نہیں ہوسکتا اور وہ یہ تدبیر کرے کہ کسی دوسرے شخص کے مادۂ منویہ کو اپنی بیوی کے انڈوں سے ملاکر خارجی ٹیوب میں بارآور کرائے اور پھر اپنی بیوی کے رحم میں منتقل کرادے، اور بیوی کے رحم ہی سے بچہ کی پیدائش ہو، تو اُس بچہ کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ اور جس مرد کا نطفہ اُس میں ملایا گیا ہے، اُس سے بچہ کا کیا تعلق ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- (۴) اولاد کے حصول کے لئے دوسرے مرد کے نطفہ کو اپنی منکوحہ بیوی کے مادۂ منویہ میں ملانا کھلی ہوئی بے حیائی اور بدکاری ہے، اور یہ بدترین عمل ایک طرح سے زناکاری ہے؛ لیکن چوں کہ بچہ کی پیدائش منکوحہ بیوی کے رحم سے ہوئی ہے، اِس لئے اُس بچہ کا نسب اُنہی میاں بیوی سے ثابت ہوگا، اور جس غیر مرد کا مادہ شامل کیا گیا ہے، وہ اُس بچہ کا حقیقی باپ نہ کہلائے گا؛ تاہم اجزاء کے اختلاط کی وجہ سے اُس غیر مرد کو زانی کے حکم میں رکھ کر حسبِ ضابطہ حرمتِ مصاہرت کے اَحکام جاری ہوں گے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: …… قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب تفسير المشتبهات ٢٧٦/١ رقم: ٢٠٠٧، صحيح مسلم ٤٧١/١ رقم: ١٤٥٧، سنن الترمذي ٢١٩/١، مرقاة المفاتيح / باب اللعان، الفصل الأول ٣١٤/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: …… قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب تفسير المشتبهات ٢٧٦/١ رقم: ٢٠٠٧، صحيح مسلم ٤٧١/١ رقم: ١٤٥٧، سنن الترمذي ٢١٩/١، مرقاة المفاتيح ٤٢٩/٦ رقم: ٣٣١٢ دار الكتب العلمية بيروت)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ﴾ أي ما أمهاتهم إلا الوالدات. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي [المجادلة، جزء آيت: ۲] ۲۷۹/۱۷ دار إحياء التراث العربي بيروت)

فالولد لصاحب الفراش، لا ينتفي عنه أبدًا بدعوىٰ غيره، ولا بوجه من الوجوه إلا باللعان. (أوجز المسالك / كتاب الأقضية ۷۵/۱٤ رقم: ۱٤٤٥ دار القلم دمشق)

أما الزنا ...... وتثبت بهٖ حرمة المصاهرة نسبًا ورضاعًا ...... فمن زنا بامرأة حرمت علىٰ أصولهٖ وفروعهٖ، فلا تحل لأبيه ولا لابنهٖ. ويحرم على الزاني أصولها وفروعها، فلا يحل له أن يتزوج بنتها، سواء كانت متولدة من مائهٖ أوغيره. (الفقه على المذاهب الأربعة / كتاب النكاح ٥٦/٤ دار الحديث القاهرة)

والزنا يوجب حرمة المصاهرة، حتى لو زنا بامرأة حرمت عليه أصولها وفروعها، وحرمت المزنية علىٰ أصولهٖ وفروعهٖ. (مجمع الأنهر / كتاب النكاح ٤٨١/۱ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

میاں بیوی کا نطفہ غیر عورت کے رحم میں رکھنا؟

سوال (۸٦۴/۵):- بعض مرتبہ بیوی کا رحم حمل کا تحمل کرنے کے قابل نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں یہ شکل اپنائی جاتی ہے کہ میاں بیوی کا مادۂ منویہ ٹیوب میں بارآور کرکے کسی اجنبی عورت کے رحم میں پہنچا دیا جاتا ہے، اور اُسی عورت کے ذریعہ باقاعدہ اُس بچہ کی پیدائش ہوتی ہے، تو اِس شکل میں پیدا شدہ بچہ کس کا کہلائے گا؟ آیا اُن میاں بیوی کا جن کے نطفہ سے افزائش ہوئی ہے یا اُس عورت کا کہ جس کے رحم سے ولادت ہوئی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۵) میاں بیوی کے اَجزاءِ منویہ خارج میں بارآور کرکے کسی غیر عورت کے رحم میں رکھنا قطعاً حرام ہے، اِسلام میں اِس بے حیائی اور بہیمیت

کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اِس طرح غیر عورت کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوگا، وہ اگر منکوحہ ہے تو اُس کا نسب اُس عورت کے شوہر سے ثابت ہوگا، اور اگر وہ غیر منکوحہ ہے تو وہ بچہ صرف اُسی عورت کی طرف منسوب ہوگا۔ اور جن شوہر اور بیوی کا نطفہ ڈالا گیا ہے، اُن کی طرف بچے کی نسبت نہ ہوگی۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: ...... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب تفسير المشتبهات ٢٧٦/١ رقم: ٢٠٠٧، صحيح مسلم ٤٧١/١ رقم: ١٤٥٧، سنن الترمذي ٢١٩/١، مرقاة المفاتيح / باب اللعان، الفصل الأول ٣١٤/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند)

فنسب الولد من الرجل لا يثبت إلا بالفراش، وهو أن تصير المرأة فراشًا له، لقوله عليه السلام: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". (بدائع الصنائع ٣٦٢/٥ زكريا)

فعلىٰ هٰذا إذا زنا رجل بامرأة فجاء ت بولد فادعاه الزاني لم يثبت نسبه منه لانعدام الفراش، وأما المرأة فيثبت نسبه منها. (بدائع الصنائع ٣٦٣/٥ زكريا)

اَجنبی مرد وعورت کا نطفہ بیوی کے رحم میں رکھنا؟

سوال (۸۶۵/۶):- اگر کوئی شوہر کسی اَجنبی مرد اور اَجنبی عورت کے نطفوں کو بارآور کرکے اپنی منکوحہ بیوی کے رحم میں منتقل کرکے ولادت کرائے، تو اُس سے پیدا شدہ بچہ کے نسب کا کیا حکم ہوگا؟ کیا اِس صورت میں **"الولد للفراش"** کا اُصول صادق آئے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- (۶) غیر مرد وعورت کے اَجزاء بارآور کرا کر اپنی منکوحہ کے رحم میں ڈلوانا دراَصل زناکاری ہی کی ایک جدید شکل ہے، اور جس طرح منکوحہ عورت کے زنا کرانے سے اگر بچہ کی پیدائش ہو تو وہ بچہ زانی کی طرف نہیں؛ بلکہ حلال شوہر ہی کی

طرف منسوب ہوتا ہے۔ اِسی طرح مذکورہ طریقہ پر پیدا شدہ بچہ بھی جننے والی بیوی اور اُس کے شوہر کی طرف منسوب ہوگا۔ اور جن غیر مرد وعورت کے اَجزاء رحم میں ڈالے گئے ہیں، اُن سے حسبِ ضابطہ حرمتِ مصاہرت کے مسائل ثابت ہوں گے؛ کیوں کہ وہ زانی کے درجہ میں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ﴾ أي ما أمهاتهم إلا الوالدات. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي [المجادلة، جزء آيت: ۲] ۲۷۹/۱۷ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: ...... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب تفسير المشتبهات ۲۷٦/۱ رقم: ۲۰۰۷، صحيح مسلم ٤۷۱/۱ رقم: ۱٤٥۷، سنن الترمذي ۲۱۹/۱، مرقاة المفاتيح / باب اللعان، الفصل الأول ۳۱٤/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وفي حديث طويل: ...... قال: لا يحل لامرئٍ يؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن يسقي ماءه زرع غيره. (سنن أبي داؤد / باب في وطي السبايا ۲۹۳/۱)

الولد لصاحب الفراش لا ينتفي عنه أبدًا بدعوىٰ غيره، ولا بوجهٍ من الوجوه. (أوجز المسالك / كتاب الأقضية ۷٥/۱٤ دار القلم دمشق)

والزنا يوجب حرمة المصاهرة، حتى لو زنا بامرأة حرمت عليه أصولها وفروعها، وحرمت المزنية علىٰ أصوله وفروعه. (مجمع الأنهر / باب المحرمات ٤۸۱/۱ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

وأما الزنا؛ تثبت به حرمة المصاهرة نسبًا ورضاعةً، فمن زنا بامرأة حرمت علىٰ أصوله وفروعه، فلا تحل لأبيه ولا لابنه، ويحرم على الزاني أصولها وفروعها، فلا يحل له أن يتزوج بنتها، سواء كانت متولدة من ماءه أو غيره.

(الفقه على المذاهب الأربعة / مبحث فيما تثبت به حرمة المصاهرة ٥٦/٤ بيروت)

ایک بیوی کا نطفہ دوسری بیوی کے رحم میں رکھنا؟

سوال (۸۶۶/۷):- اِسی ضمن میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، جن میں سے ایک بیوی حمل کی متحمل نہیں ہے، جب کہ دوسری بیوی متحمل ہے، اَب اُس شخص نے غیر متحمل بیوی کے انڈے اور اپنے نطفہ کو لے کر خارج میں بارآور کرایا، اور پھر اُسے دوسری بیوی (جو متحمل ہے) اُس کے رحم میں ڈلوا کر پیدائش کرائی، تو اِس صورت میں بچہ کا نسب باپ سے تو ضرور ثابت ہوگا؛ لیکن اُن دونوں بیویوں میں سے یہ بچہ کس کا کہلائے گا؟ یہ امر قابل تحقیق ہے؛ کیوں کہ پیدائش اگرچہ ایک بیوی سے ہوئی ہے؛ لیکن نطفہ دوسری بیوی کا ہے، اِس لئے واضح شرعی حکم بیان فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۷) مسئولہ صورت میں بچہ کی حقیقی ماں وہی کہلائے گی جس کے بطن سے بچہ کی پیدائش ہوئی ہے؛ لہٰذا حق وراثت، حضانت وغیرہ میں سارے حقوق اُسی عورت کو حاصل ہوں گے جس عورت کا نطفہ شوہر کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، اس سے صرف حرمتِ مصاہرت کا حکم متعلق ہوسکتا تھا؛ لیکن چوں کہ وہ پہلے ہی سے ''منکوحۃ الاب'' ہے، اِس لئے مزید کوئی حکم ثابت نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِیْ وَلَدْنَهُمْ﴾ أي ما أمهاتهم إلا الوالدات. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي [المجادلة، جزء آيت: ۲] ۲۷۹/۱۷ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وفي حديث طويل: …… قال: لا يحل لامرئٍ يؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن يسقي ماءه زرع غيره. (سنن أبي داؤد / باب في وطي السبايا ۲۹۳/۱)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: …… قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب تفسير المشتبهات ۲۷٦/۱ رقم: ۲۰۰۷، صحيح مسلم ٤۷۱/۱ رقم: ۱٤٥۷، سنن الترمذي ۲۱۹/۱، مرقاة المفاتيح / باب اللعان، الفصل الأول ۳۱٤/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند)

فحرمت مزنية الأب كحليلته. (الأشباه والنظائر ۲۱٥ زكريا)

والزنا يوجب حرمة المصاهرة، حتى لو زنا بامرأة حرمت عليه أصولها وفروعها، وحرمة المزنية علىٰ أصوله وفروعه. (مجمع الأنهر / باب المحرمات ٤۸۱/۱ مكتبة فقيه الأمة ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲؍جنوری ۲۰۱۸ء

منظور شدہ تجویز: مصنوعی طریقۂ تولید کی مختلف شکلیں اور اُن میں ثبوتِ نسب کا حکم

چودھواں فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند
منعقدہ ۵-۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲-۱۴؍فروری ۲۰۱۸ء بروز بدھ جمعرات جمعہ
بمقام: جامعہ علوم القرآن جمبوسر گجرات

موجودہ دور میں میڈیکل سائنس کے ارتقاء کی وجہ سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، اُن میں مصنوعی طریقۂ تولید اور اُس سے پیدا شدہ بچوں کا نسب کا مسئلہ بھی ہے۔

بلاشبہ اَولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اُس کے حصول کے جائز اسباب اختیار کرنا شریعت میں مطلوب ہے؛ لیکن اِس مقصد کے لئے ایسے ذرائع اختیار کرنا ہرگز درست نہیں جو خلاقِ دوجہاں کے مقرر کردہ فطری نظام سے مختلف ہوں؛ کیوں کہ اُن کی وجہ سے رشتوں میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں، بالخصوص بے دین معاشرہ میں ''سروگیٹ مدر'' (کرائے

کی کوکھ) کا رواج کھلی ہوئی بے حیائی اور فطری نظام سے بغاوت کے مرادف ہے، جس کی اسلام بلکہ کوئی بھی مہذب معاشرہ ہرگز تائید نہیں کرسکتا۔ درحقیقت یہ صنفِ نازک کی بدترین توہین ہے؛ کیوں کہ اِس عمل سے عورت کی ایک بچہ پیدا کرنے والی مشین کی حیثیت بن کر رہ جاتی ہے۔

یہ بات بھی کسی پر مخفی نہیں ہے کہ اسلام میں نسب کی بڑی اہمیت ہے اور اِس کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح ہدایات موجود ہیں اور معاملہ صرف نسب تک محدود نہیں؛ بلکہ نسب کے ساتھ حقِ پرورش، نان ونفقہ، حرمتِ ازدواج، حرمتِ مصاہرت اور میراث وغیرہ کے مسائل بھی جڑے ہوئے ہیں۔

اسلام اگرچہ اُصولی طور پر ''مصنوعی طریقۂ تولید'' کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور اِس سلسلے میں اپنائے جانے والے بہت سے طریقے بلاشبہ ناجائز وحرام ہیں؛ تاہم اگر کوئی اِن طریقوں کو اپنانے اور اَولاد وجود میں آجائے تو ثبوتِ نسب کے بارے میں درج ذیل احکام ہوں گے:

(۱) اگر زوجین اپنے مادّۂ تولید کو مصنوعی ٹیوب میں رکھوائیں یا خود رکھیں اور بالفرض ٹیوب ہی میں بچے کی نشو ونما ہو اور اُس سے پیدائش ہو تو بچے کا نسب انہی زوجین سے ثابت ہوگا۔

(۲) اگر میاں بیوی کے اَجزائے منویہ کو خارجی ٹیوب میں رکھ کر افزائش کی جائے اور کچھ وقت کے بعد اُسے بیوی کے رحم میں منتقل کیا جائے اور وہیں سے بچے کی پیدائش ہو تو اس کا نسب بھی زوجین سے ثابت ہوگا۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنے نطفہ اور کسی اجنبی عورت کے بیضہ کو ٹیوب میں بارآور کرائے اور پھر اسے ایک مدت کے بعد اپنی بیوی کے رحم میں منتقل کرادے اور بیوی کے رحم ہی سے بچے کی ولادت ہو تو یہ عمل شرعاً ناجائز وحرام ہوگا؛ لیکن جو بچہ پیدا ہوگا اس کا نسب زوجین سے ثابت ہوگا اور جس عورت کے بیضے استعمال کئے گئے ہیں اس سے نسب کا تعلق نہ ہوگا؛ البتہ اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی۔

(۴) اگر شوہر کی منی قابلِ تولید نہ ہو یعنی اس سے استقرارِ حمل نہ ہوسکے اور وہ یہ تدبیر

کرے کہ کسی دوسرے شخص کے مادّۂ منویہ کو اپنی بیوی کے بیضوں سے ملا کر خارجی ٹیوب میں بار آور کرائے اور پھر اپنی بیوی کے رحم میں منتقل کرادے اور بیوی کے رحم سے ہی بچے کی پیدائش ہو تو یہ طریقہ بھی حرام ہے؛ لیکن چوں کہ بچے کی پیدائش منکوحہ بیوی کے رحم سے ہوئی ہے اس لئے اس بچے کا نسب بھی انہی میاں بیوی سے ثابت ہوگا، اور جس غیر مرد کا مادّہ شامل کیا گیا ہے اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا، البتہ اس سے حسب ضابطہ حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی۔

(۵) اگر بیوی کا رحم حمل کا متحمل نہ ہو اور یہ شکل اپنائی جائے کہ میاں بیوی کا مادّہ منویہ ٹیوب میں بار آور کرا کے کسی اجنبی عورت کے رحم میں پہنچا دیا جائے اور اس عورت سے بچے کی پیدائش ہو تو یہ طریقہ بھی یقیناً کھلی بے حیائی اور حرام ہے؛ لیکن بچے کا نسب اسی عورت سے ثابت ہوگا جس کے بطن سے پیدائش ہوئی ہے۔ اور اگر وہ عورت منکوحہ ہو تو اس کے شوہر سے بھی نسب ثابت ہوگی اور جن زوجین کے نطفوں سے افزائش ہوئی ہے ان سے نسب ثابت نہ ہوگا؛ بلکہ صرف حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی۔

(۶) اگر شوہر کسی اجنبی مرد اور اجنبی عورت کے نطفوں کو بار آور کرا کے اپنی منکوحہ کے رحم میں منتقل کرائے اور اسی سے ولادت ہو تو ایسا کرنا اگرچہ حرام ہے؛ لیکن بچے کا نسب زوجین سے ہی ثابت ہوگا اور اجنبی مرد وعورت جن کا مادّہ استعمال کیا گیا ہے ان سے صرف حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی۔

(۷) اگر کوئی شخص اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کے بیضہ کو اپنے نطفہ کے ساتھ ملا کر خارج میں بار آور کرا کے دوسری بیوی کے رحم میں منتقل کرائے اور اسی سے بچہ کی پیدائش ہو تو یہ عمل قطعاً ناجائز اور سراسر بے حیائی ہے اور اس صورت میں بچے کا نسب تو باپ سے ثابت ہوگا ہی لیکن حقیقی ماں وہی کہلائے گی جس کے بطن سے بچے کی پیدائش ہوئی اور جس بیوی کا بیضہ شوہر کے نطفہ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے اس سے صرف حرمتِ مصاہرت کا حکم متعلق ہوگا۔

ڈیڑھ سال کے بچہ کی پرورش اور اس کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

سوال (۸۶۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا بچہ ڈیڑھ سال کا ہے اُس کی پرورش کا حق کس کو ہوگا؟ کیا باپ پر اُس بچہ کا نفقہ لازم ہوگا اور کب تک رہے گا؟ سن شعور کو پہنچنے پر باپ بچے کو لے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سات سال تک لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہوتا ہے؛ لیکن اِس دوران باپ بچہ سے مل جل سکتا ہے اور اُس سے شفقت ومحبت کا اظہار کرسکتا ہے، اِس میں کسی کو رکاوٹ ڈالنے کی اِجازت نہیں ہے اور بچہ کے ضروری اخراجات باپ کی قدرت اور استطاعت کے مطابق اگرچہ اُس پر لازم ہیں؛ لیکن اِس بارے میں فریقین اگر کوئی صلح کرلیں تو اِس کی بھی گنجائش ہے۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٢٦٧/٥ زكريا)

وفي الحاوي: الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه وعن تعاهده. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / الفصل الثلاثون في حكم الولد عند افتراق الزوجين ٢٧٤/٥ رقم: ٧٨٣٥ زكريا)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع عشر في النفقات / الفصل الرابع في نفقة الأولاد ٥٦٠/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلاق کے بعد اَولاد کی پرورش کا حق کس کو ہے؟

سوال (۸۶۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وقوعِ طلاق کے بعد میری ایک لڑکی تقریباً ۹-۱۰/ مہینے کی وہیں ہے، اُسے کون رکھے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ بچی کی پرورش کا حق بالغ ہونے تک ماں کو حاصل ہے؛ البتہ اگر اِس دوران ماں بچی کے نامحرم شخص سے نکاح کرلے تو بچی کی پرورش کا حق اُس سے ساقط ہوجائے گا، پھر باپ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمة أي الصغير …… والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أي بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ في ظاهر الرواية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٥/٢٦٦-٢٦٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۷/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین طلاق اور بچوں کی پرورش کا حکم

سوال (۸۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری شادی زینب بنت مولانا محمد اعظم صاحب ہندوپورہ کھیڑا سنبھل سے ۲۰۰۷ء میں ہوئی، مجھے اُن سالوں میں کافی تناؤ رہا۔

(۱) میری شادی کو تین چار مہینے ہوئے تھے کہ تب میں نے پہلی طلاق اپنی بیوی کو دی تھی، پھر میں اور میری بیوی بنا عدت کے ایک ساتھ ہم بستر ہوئے، پھر ایک سال بعد میرا پہلا بیٹا ہوا، پھر میری بیوی اپنے گھر آ گئی تھی۔

(۲) ہم دونوں میں پھر ایک سال بعد جھگڑا ہوا اور میں نے غصہ میں آکر دوبارہ اُسے ایک طلاق دے دی، طلاق دینے کے بعد اُسی دن ہماری صلح ہوگئی، عدت کے بغیر ہی ہم دونوں پھر سے ہم بستر ہوگئے، اِس بات کو نو سال ہوگئے ہیں، ہم دونوں ایک ساتھ رہ رہے تھے کہ ہم دونوں کے درمیان پھر سے جھگڑا ہوجاتا ہے اور میں نے اپنی بیوی کو غصہ میں آکر تیسری مرتبہ تین طلاق ایک ساتھ دے دی۔ آپ یہ بتائیں کہ اَب وہ میری بیوی رہی یا نہیں؟ نیز ہمارے تین بچے ہیں:

پہلا لڑکا ۱۰ ر سال کا ابوسفیان، دوسرا لڑکا ۷ ر سال کا ابوذر، تیسرا لڑکا ۳ ر سال کا ابوطلحہ۔

واضح فرمائیں کہ شرعی اعتبار سے اُن کا مستحق کون ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں بلاشبہ آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں اور اُس سے آپ کا اِزدواجی رشتہ باقی نہیں رہا، اور آپ کے بچوں میں جو دو لڑکے دس سال اور سات سال کے ہوچکے ہیں، اُن کی پرورش کا حق اَب ماں کو حاصل نہیں ہے؛ البتہ جو چھوٹا بچہ تین سال کا ہے، تو اُس کی سات سال عمر ہونے تک ماں کو حق پرورش حاصل ہے۔

إن كان الطلاق ثلاثًا في الحرة ...... لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحًا صحيحًا، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق / الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة ٤٧٣/١ زكريا)

إذا وقعت الفرقة بين الزوجين، فالأم أحق بالولد ...... والنفقة على الأب ...... حتى يستغني فيأكل وحده ويشرب وحده ويلبس وحده ...... والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنين اعتبارا للغالب وعليه الفتویٰ. (الهداية، كتاب الطلاق / باب حضانة الولد ومن أحق به ٤٣٨/١-٤٤٠ مكتبة بلال ديوبند)

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء، وقدر بسبع وبه يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٢٦٧/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مطلقہ عورت کی شادی کے بعد اس کے بچہ یا بچی کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے؟

سوال (۸۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شفا نامی لڑکی کو اُس کے شوہر نے جب طلاق دی، اُس وقت وہ ۵؍ مہینے کے حمل سے تھی، وضع حمل کے کافی وقت کے بعد شفا نامی لڑکی نے دوسری شادی کرلی، اَب مسئلہ بچے کو

شرعاً رکھنے کا حق کس کا ہے اور اُس کی ماں اُس بچہ کو دینا بھی نہیں چاہتی اور خوشی سے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے اور اگر بچے کو دے دیا جائے تو اُس کے ماں باپ کو مرنے کی دھمکی دے رہی ہے، تو شرعاً اِس مسئلے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں مطلقہ شفاء کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ اگر لڑکا ہے تو اُسے سات سال تک اُس کی پرورش کا حق حاصل ہے۔ اور اگر لڑکی ہے تو بالغ ہونے تک اُس کو پرورش کا حق ہوگا؛ لیکن اگر وہ ایسے شخص سے شادی کرلے جو بچی یا بچہ کے لئے نامحرم ہو تو اُس کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا اور اُس کے بعد بچے یا بچی کی نانی کو پرورش کا حق ہوگا اور نانی نہ ہو تو پھر دادی کو حق ہوگا اور جب تک ماں یا نانی کو حق پرورش حاصل ہے تو باپ زبردستی اُس بچے یا بچی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى ...... والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أي بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ في ظاهر الرواية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٢٦٧/٥ زكريا)

والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٢٦٦/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: محمد احسان غفرلہ

مطلقہ عورت دوسری جگہ نکاح کرلے تو بچہ کی پرورش کا ذمہ دار کون ہوگا؟

سوال (۱۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مطلقہ اگر دوسری جگہ اپنا نکاح کرے تو اِس صورت میں بچے کی پرورش اور بچہ لینے کا حق کس کو ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مطلقہ عورت اگر ایسے شخص سے دوسرا نکاح کرے جس کا لڑکے سے خونی رشتہ نہ ہو تو اُس عورت کا حق پرورش ساقط ہو جاتا ہے اور بچہ کی نانی کو حق حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر نانی نہ ہو تو پھر دادی کو حق حاصل ہو جاتا ہے۔

والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمة أي الصغير. (الدر المختار، كتاب الطلاق / باب الحضانة، مطلب: لو كانت الإخوة أو الأعمام غير مأمونين الخ ٢٦٦/٥ زكريا)

وإذا بطل حق الأم كانت الحضانة للجدة من قبل الأم وإن علت، فإن لم تكن الجدة من قبل الأم فالجدة من قبل الأب. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / الفصل الثلاثون في حكم الولد عند افتراق الزوجين ٢٧٥/٥ رقم: ٧٨٣٩ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶؍۷؍۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مفلوج نادار شوہر سے طلاق لینے پر بچی کی پرورش کا ذمہ دار کون؟

سوال (۸۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص شانِ عالم ولد محمد کامل ساکن محلّہ فیل خانہ سردار چوک مرادآباد عمر ۳۲؍سال کا نکاح ۴؍سال قبل ہوا، شادی کے چار سال بعد مجھے بیماری نے گھیر لیا، جس کی وجہ سے میرا سیدھی جانب والا جسم کام نہیں کر پا رہا ہے، اِسی دوران میری بچی کی پیدائش ہوئی، اَب بچی تین سال کی ہے، میری بیماری اور زیادہ بڑھ گئی ہے، ٹھیک ہونے کی اُمید نہیں لگتی، جس کی وجہ سے میری بیوی مجھ سے خلع چاہتی ہے، وہ مہر کی رقم اور نان ونفقہ کا بھی مطالبہ نہیں کر رہی ہیں؛ لیکن مسئلہ تین سال کی بچی کا ہے، بچی کے والد یعنی میں اِس قابل نہیں ہوں کہ بچی کو پال سکوں اور میری بیوی یعنی بچی کی والدہ بچی کو رکھنا نہیں چاہتی ہے، میں بچی کا خرچہ اُٹھانے کے بھی لائق نہیں ہوں، دین اور اِسلام کی روشنی میں مجھے مشورہ دیں کہ اِن حالات میں کیا کیا جا سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں شوہر کے مفلوج ہونے اور بیوی کے جوانی کی عمر ہونے کی بنا پر بیوی خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے اور چھوٹی بچی کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے؛ لیکن اگر وہ انکار کرے اور دوسری کوئی قریبی عورت مثلاً نانی اور دادی وغیرہ بھی نہ ہوتو والد پر اُس کی پرورش کی ذمہ داری ہوگی، والد کے بس میں نہ ہوتو دادا یا چچا حسبِ ترتیب اِس ذمہ داری کو اُٹھائیں گے۔

لا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق. (الدر المختار، كتاب الطلاق / باب الخلع ۸۷/۵ زكريا)

إذا لم يكن للأب مال والجد أو الأم أو الخال أو العم موسر يجبر على نفقة الصغير ويرجع بها على الأب إذا أيسر. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب النفقة، مطلب الكلام على نفقة الأقارب ۳۳۸/۵ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳؍۶؍۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

ماں کی وفات کے بعد بچہ کی پرورش کا حکم

سوال (۳۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری بیٹی کا یکم جون ۲۰۱۸ء میں انتقال ہوگیا، مرنے سے پہلے اپنی بیماری میں وہ بار بار یہ وصیت کرتی تھی کہ میرے بیٹے کو اپنے پاس رکھنا، میری دو بہنیں اور بہنوئی بھی اِس کا خیال رکھیں گے، ہم پانچ لوگ اِس کے گواہ ہیں، بچہ کو باپ کو نہ دینا؛ کیوں کہ باپ نے بھی ابھی بچے کی کوئی ذمہ داری نہیں اُٹھائی ہے۔

میری بیٹی کا لڑکا اَب پورے تین سال کا ہوگیا ہے، وہ لگاتار میرے پاس ہے، اُس کا سارا خرچ میں ہی اُٹھا رہی ہوں، جب ہم نے بچہ کے خرچ اور حق کی بات کی تو اُنہوں نے کہا بچہ ہمیں دے دو، ہم خود اُس کی پرورش کرلیں گے۔ اَب آپ بتائیے کہ ہم کیا کریں، میری لڑکی

نے مجھے وصیت کا پابند کیا ہے اور یہ کہہ کر مرگئی ہے کہ اَمی آپ میری معاوضہ دار ہوں گی، اگر میرے بچے کو وہاں دیا۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ میرے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بچہ کو اپنے پاس رکھ کر پرورش کروں یا اُس کے باپ کے حوالہ کردوں اور اس کا خرچ باپ پر ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بچہ کی پرورش کا حق ماں کے بعد نانی کو حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا آپ اُس بچہ کو سات سال کی عمر ہونے تک اپنی پرورش میں رکھنے کا حق رکھتی ہیں، اِس درمیان باپ اُس بچہ کو اپنے پاس رکھنے کا مطالبہ نہیں کرسکتا؛ البتہ بچے کے ضروری اخراجات اور علاج ومعالجہ وغیرہ باپ کی ذمہ داری ہے اُسے اپنے بیٹے کی ذمہ اُٹھانی چاہیے۔

وإذا بطل حق الأم كانت الحضانة للجدة من قبل الأم وإن علت. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / الفصل الثلاثون في حكم الولد عند افتراق الزوجين ٢٧٥/٥ زكريا)

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى؛ لأنه الغالب. (الدر المختار، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٢٦٧/٥ زكريا)

وإن الأب ينفرد بتحمل نفقة الولد ولا يشاركه فيها أحد. (البحر الرائق، كتاب الطلاق / باب النفقة تحت قوله: ولطفله الفقير الخ ٣٤٠/٤ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۱/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

مطلقہ عورت کا بچی کی خدمت کا عوض اس کے باپ سے لینا

سوال (۸۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فاطمہ مطلقہ ہے، اُس کی ایک ۵/سال کی بچی ہے، جس کی وہ پرورش کرتی ہے اور وہ اُس کے پاس رہتی ہے، بچی کے کھانے پینے اور تعلیم کے اخراجات اُس کا باپ اَدا کرتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ فاطمہ اپنی بچی کی خدمت کا کوئی معاوضہ اپنے سابق شوہر کے باپ سے لے سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں فاطمہ اپنی زیر پرورش بچی کی خدمت کا مناسب معاوضہ اپنے سابقہ شوہر یعنی بچی کے باپ سے لے سکتی ہے۔

يجب على الأب ثلاثة: أجرة الرضاع وأجرة الحضانة ونفقة الولد. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٥/٢٦٠ زكريا)

فلها الأجرة من مال الصغيرة إن كان له مال وإلا فمن مال أبيه. (رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الحضانة ٥/٢٦٢ زكريا)

وأما بعد انقضاء العدة فتستحق أجرة الحضانة؛ لأنها أجرة على عمل. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا والمعاصرة، حقوق العباد / المبحث الرابع: أجرة الحضانة وتوابعها الخ ٨/٦٩٤ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: محمد احسان غفرلہ

مطلقہ بیوی کا عدت کے بعد بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اُجرت لینا

سوال (۸۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کو طلاق ہوچکی ہے اور اُس کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے جس کو وہ دودھ پلا رہی ہے، تو کیا عدت کے بعد وہ اُس بچہ کو دودھ پلانے کی اُجرت شوہر سے لے سکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مطلقہ بائنہ اپنے چھوٹے بچے کو دودھ پلانے کی مناسب اُجرت لے سکتی ہے اور ۷/سال پورے ہونے کے بعد بچہ کو اپنے پاس رکھنے کا باپ کو حق ہوگا۔

أما المطلقة طلاق بينونة فلا رضاع عليها، والرضاع على الزوج إلا أن

تشاء هي فهي أحق بأجرة المثل هذا مع يسر الزوج، فإن كان معدمًا يلزمها الرضاع إلا أن يكون المولود لا يقبل غيرها، فتجبر حينئذٍ على الإرضاع.

(تفسير القرطبي [البقرة / تفسير الآية: ۲۳۳] ۳۸/۲ دار الفكر بيروت)

﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾ ...... وفي هذه الآية دلالة على جواز استيجار الظئر بطعامها و كسوتها؛ لأن ما أوجبه الله تعالىٰ في هذه الآية للمطلقة هي أجرة الرضاع وقد بين ذلک بقوله تعالىٰ: ﴿فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة / باب الرضاع ٤٨٩/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: محمد احسان غفرلہ

لے پالک کے ڈاکومنٹس میں گود لینے والے کا نام لکھوانا

سوال (۸۷۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: متبنیٰ کو بہت سارے مواقع (پاسپورٹ و دیگر سرکاری کاغذات وغیرہ) میں گود لئے ہوئے باپ کی طرف نسبت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے؛ لہٰذا بوقت ضرورت متبنی کو حقیقی والد کے بجائے پرورش کرنے والے باپ کی طرف نسبت کرنے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟ براہ کرم مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- متبنیٰ کی نسبت حقیقی باپ کے بجائے پرورش کرنے والے کی طرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ البتہ سرپرست کے طور پر پرورش کرنے والے شخص کا نام درج کرایا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵۵۳/۱۳ ڈابھیل)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ، ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ

بِاَفْوَاهِكُمْ، وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَيَهْدِى السَّبِيْلَ، اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [الأحزاب: ٣-٤]

أدعوهم لآبائهم أي أنسبوهم إليهم وخصوهم بهم، أخرج الشيخان والترمذي والنسائي وغيرهم عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن زيد بن حارثة مولى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما كنا ندعوه إلا زيد بن محمد حتى نزل القرآن أدعوهم لآبائهم الخ، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنت زيد بن حارثه بن شراحيل. (روح المعاني الجزء: ٢١، ٢٢٣/١٢ زكريا)

ويعلم من الآية أنه لا يجوز انتساب الشخص إلى غير أبيه. (روح المعاني الجزء: ٢١، ٢٢٣/١٢ زكريا)

عن سعد رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام. (صحيح البخاري، كتاب الفرائض / باب من ادعى إلى غير أبيه رقم: ٦٧٦٦، صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب حال إيمان من رغب عن أبيه ٥٧/١ رقم: ٦٣)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من ادعى إلى غير أبيه أو انتمى إلى غير مواليه؛ فعليه لعنة اللّٰه والملائكة والناس أجمعين. (صحيح مسلم، كتاب الحج / باب فضل المدينة ودعاء النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فيها بالبركة ٤٤٢/١ رقم: ١٣٧٠)

مستفاد: وأما إذا لم تكن كذلك كما يقول الكبير للصغير على سبيل التحنن والشفقة يا ابني، وكثيرًا ما يقع ذلك فالظاهر عدم الحرمة. (روح المعاني الجزء ٢١، ٢٢٦/١٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابُ الایمان والنذور

قسم اور نذر کے مسائل

الفاظِ قسم کے بغیر قسم منعقد نہیں ہوتی

سوال (۸۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے بکر سے کہا کہ میں اب کسی سے مذاق نہیں کروں گا، اگر کیا تو اپنی ماں سے زنا کیا تو کیا یہ قسم ہو جائے گی؟ اگر قسم ہو جائے تو اُس سے بچنے کی کیا شکل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- زید کے یہ کہنے سے کہ ''میں اَب کسی سے مذاق نہیں کروں گا، اگر کیا تو اپنی ماں سے زنا کیا'' اِس سے قسم منعقد نہیں ہوئی؛ اِس لئے کہ قسم کے انعقاد کے لئے الفاظِ قسم کا تلفظ ضروری ہے۔ اسی طرح اگر شرط وجزاء کی شکل میں قسم کھائی ہے، تو اُس میں شرط یہ ہے کہ شرط کے تحقق کے بعد جزاء کا تحقق یقینی یا غالب ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے، اِس لئے اِن جملوں کے استعمال سے قسم منعقد نہیں ہوگی؛ لیکن اُس پر ایسی بے ہودہ باتوں سے توبہ کرنا لازم ہے۔

وهي أي اليمين نوعان: يمين باللّٰه أو صفته ويمين بغيره وهي تعليق الجزاء بالشرط كذا في الكافي – إلىٰ قوله – وأما ركن اليمين باللّٰه فذكر اسم اللّٰه أو صفته. وأما ركن اليمين بغيره فذكر شرط صالح وجزاء صالح، كذا في الكافي. والشرط الصالح ما يكون معدومًا على خطر الوجود والجزاء الصالح ما يكون متيقن الوجود أو غالب الوجود عند وجود الشرط. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأيمان / الباب الأول في تفسيرها شرعًا الخ ۵۱/۲ زكريا)

وإن فعله فعليه غضبه أو سخطه أو لعنة اللّٰه أو هو زان أو سارق – إلىٰ قوله – لا يكون قسمًا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان / قبيل: مطلب حروف القسم ٥/٤٩٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۳۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن کی قسم کھانے کا حکم

سوال (۸۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک طالبِ علم نے قدوری میں یہ مسئلہ پڑھا: "**ومن حلف بغير اللّٰه عز وجل لم يكن حالفًا كالنبي عليه السلام والقرآن والكعبة**" اِس سے اُس نے یہ سمجھا کہ قرآن کی قسم کھانے کا اعتبار نہیں ہے؛ چناں چہ اس نے قرآن کریم کی قسم کھالی، اب بعد میں کسی مفتی سے معلوم کیا تو جواب ملا کہ قرآن کی قسم منعقد ہوجاتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس کی قسم ہوئی یا نہیں؟ اور کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- مفتی بہ اور راجح قول کے مطابق قرآنِ کریم کی قسم منعقد ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے؛ لہٰذا لاعلمی کے باوجود قرآن کریم کی قسم منعقد ہوجائے گی اور قسم ٹوٹنے پر کفارہ لازم ہوگا۔ اور قدوری کی مذکورہ عبارت میں جو مسئلہ لکھا گیا ہے وہ اِس زمانے میں مفتی بہ نہیں ہے۔

ولا يقسم بغير اللّٰه تعالىٰ كالنبي والقرآو والكعبة. قال الكمال: ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينًا (الدر المختار) ونقل في الهندية عن المضمرات: وقد قيل هذا في زمانهم، أما في زماننا فيمين، وبه نأخذ ونأمر ونعتقد . وقال محمد بن مقاتل الرازي: إنه يمين وبه أخذ جمهور مشائخنا . (رد المحتار / كتاب الأيمان ٥/٤٨٤-٤٨٥ زكريا)

المكره والطائع والناسي في الحلف والحنث سواء. (الفتاویٰ التاتارخانية / كتاب الأيمان ٣٤/٦ رقم: ٨٧٧٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک شخص نے قسم کھائی کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے

سوال (۸۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے کہا کہ ''ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے'' تو اِس سے سبھی حلال چیزیں مراد ہوں گی یا اِس میں کوئی تخصیص ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کہا کہ ''حلال چیز مجھ پر حرام ہے'' تو یہ قسم منعقد ہوجائے گی اور اِس سے عرف کے مطابق کھانے پینے سے متعلق حلال چیزیں مراد لی جائیں گی اور خلاف ورزی پر قسم ٹوٹنے کا کفارہ لازم ہوگا۔ نیز اگر وہ شادی شدہ ہے (تو قرینۂ طلاق پائے جانے پر) مذکورہ الفاظ کہنے سے بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی۔

كل حل أو حلال الله أو حلال المسلمين علي حرام ...... فهو على الطعام والشراب؛ ولكن الفتوىٰ في زماننا على أنه تبين امرأته بطلقةٍ ...... وإن لم تكن له امرأة وقت اليمين، سواء نكح بعده أو لا فيمين فيكفر بأكله أو شربه لو يمينه على آت (تنوير الأبصار مع الدر المختار) وفي الشامي (قوله ولكن الفتوىٰ في زمانا) أي الزمان المتأخر عن زمان المتقدمين، وتوقف البزدوي في مبسوطه في كون عرف الناس إرادة الطلاق به فالاحتياط أن لا يخالف المتقدمين. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب: كل حل علي حرام ٥١٣/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کہا: ''ایشور کی قسم: میں چائے نہیں پیوں گا''

سوال (۸۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے قسم میں یہ الفاظ کہے کہ ''ایشور کی قسم! میں چائے نہیں پیوں گا'' پھر اُس نے چائے پی لی، تو اُس کو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ''ایشور'' کا لفظ سنسکرت زبان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے اور عرف میں بھی اِس کا اطلاق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر ہی ہوتا ہے؛ لہٰذا ایشور کے نام سے جو قسم کھائی جائے گی وہ منعقد ہوجائے گی اور قسم توڑنے پر حسبِ ضابطہ کفارہ لازم ہوگا۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں چائے پینے پر مذکورہ شخص حانث ہوجائے گا اور اُس پر کفارہ لازم ہوگا۔

والیمین باللّٰہ أو باسم آخر من أسماء اللّٰہ تعالیٰ قولہ: أو باسم آخر والمراد بالاسم ھھنا لفظ دال علی الذات الموصوفة بصفة کالرحمن والرحیم وبالصفة المصادر التي تحصل عن وصف اللّٰہ بأسماء أفاعیلھا کالرحمة والعلم والعزة. (الھدایة مع ھامشه، کتاب الأیمان / باب ما یکون یمینًا وما لا یکون یمینًا ۲/۴۷۷ مکتبة بلال دیوبند)

الیمین باللّٰہ أو باسم آخر من أسماء اللّٰہ کالرحمن والرحیم وجمیع أسامي اللّٰہ في ذلک سواء تعارف الناس الحلف به أو لم یتعارفوا. (الفتاویٰ الھندیة، کتاب الیمین / الباب الثاني فیما یکون یمینًا وما لا یکون یمینًا ۲/۵۲ زکریا)

تلزمه الکفارة إذا حنث. (رد المحتار / کتاب الأیمان ۵/۴۹۲ زکریا)

رجل قال: پذیرفتم خدائے کہ فلاں کار نہ کنم یکون یمینًا. (قاضي خان علی ھامش الھندیة، کتاب الأیمان / فصل في ألفاظ الیمین بالفارسیة، باب الأیمان ۲/۸ زکریا)

وفي الحجة: خدائے راپذیرفتم یکون یمیناً. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأيمان / الفصل الثاني في ألفاظ اليمين ۱۳/۶ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۳/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کہا: اگر میں نے زنا کیا تو جب جب میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق

سوال (۸۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے زنا نہ کرنے پر کلما کی قسم کھائی اور حانث ہوگیا، تفصیل اُس کی یہ ہے کہ مذکورہ شخص نے قسم کھاتے وقت یہ کہا کہ میں کبھی زنا نہیں کروں گا، اِن شاء اللہ۔ اور اگر زنا کروں تو جب جب نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق، پھر نفسانی خواہشات کے غلبے میں آکر وہ شخص زنا کر بیٹھا، نعوذ باللہ من ذلک، تو اَب کیا حکم ہے؟ کیا اس قسم کا ایسا کفارہ ہے کہ کفارہ اَدا کرکے نکاح کی شکل نکل آئے اور طلاق واقع نہ ہو، یا پھر اَب یہ شخص نکاح نہیں کرسکتا، جو بھی حکم ہو براہِ کرم جلد جواب مرحمت فرماکر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - زنا بہت بڑا جرم اور گناہ ہے، اِس پر سچی توبہ اور استغفار لازم ہے اور زنا کرنے پر منکوحہ کی طلاق کی شرط منعقد ہے، بس وہ جب بھی اَزخود نکاح کرے گا، تو اُس کی منکوحہ پر فوراً طلاق واقع ہوجائے گی؛ البتہ ایسے شخص کے لئے نکاح باقی رہنے کی تدبیر یہ ہے کہ وہ کسی عورت سے خود نکاح نہ کرے؛ بلکہ کوئی اور فضولی شخص اُس کی طرف سے ایجاب یا قبول کرلے اور پھر یہ زبان سے منظوری دینے کے بجائے کسی عمل مثلاً مہر کی اَدائیگی سے فضولی کے عقد کی توثیق کرے تو ایسی صورت میں اس منکوحہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

فلو قال: كلما تزوجت امرأة فهي طالق تطلق بكل تزوج، ولو بعد زوج آخر ...... والحيلة فيه عقد الفضولي، وكيفية عقد الفضولي أن يزوجه فضولي

فأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه لا بالقول فلا تطلق. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق / باب تعليق الطلاق ٦٠/٢ مكتبة فقيه الأمة ديوبند، ٤١٩/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

كل امرأة تدخل في نكاحي أو تصير حلالاً لي فكذا فأجاز نكاح فضولي بالفعل لا يحنث (الدر المختار) قوله: لا يحنث هذا أحد قولين قاله الفقيه أبو جعفر ونجم الدين النسفي، والثاني أنه يحنث، وبه قال شمس الأئمة والإمام البزدوي والسيد أبو القاسم وعليه مشى الشارح قبيل فصل المشيئة؛ لكن رجح المصنف في فتاواه للأول، ووجهه أن دخولها في نكاحه لا يكون إلا بالتزويج فيكون ذكر الحكم ذكر سببه المختص به، فيصير في التقدير كأنه قال: إن تزوجتها، وبتزويج الفضولي لا يصير متزوجًا، كما في فتاوى العلامة قاسم، قلت قد يقال: إن له سببين: التزوج بنفسه والتزويج بلفظ الفضولي، والثاني غير الأول بدليل أنه لا يحنث به في حلفه لا يتزوج. (رد المحتار، كتاب الأيمان / باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك ٦٧٣/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۲/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی نے کہا: اگر گوشت کھایا تو وہ اپنے شوہر کے گوشت کھانے کی طرح ہوگا

سوال (۸۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی بیوی خالدہ سے کہا کہ آج گھر میں ہری سبزی پکاؤ، بیوی خالدہ نے کہا کہ نہیں آج گوشت پکاؤں گی، جاؤ گوشت لے کر آؤ، زید نے کہا کہ نہیں سبزی پکاؤ، تھوڑے تکرار کے بعد گھر میں ہری سبزی پکی، دونوں میاں بیوی نے کھانا کھایا؛ لیکن عورت کہتی ہے کہ اَب اِس کے بعد میں گوشت کبھی نہیں کھاؤں گی، اگر گوشت کھایا تو وہ گوشت کھانا اپنے شوہر

''زید'' کے گوشت کھانے کے جیسے ہوگا۔ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ عورت پر قسم منعقد ہوگی یا نہیں؟ جواب سے آگاہ فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ہمارے عرف میں سوال میں ذکر کردہ جملہ ''اگر گوشت کھایا تو وہ اپنے شوہر کے گوشت کھانے کی طرح ہوگا'' بولنے سے اپنے اوپر گوشت کھانے کو حرام کرنا مقصود ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں بیوی کی قسم منعقد ہوجائے گی؛ البتہ اس پر گوشت کا کھانا حرام نہ ہوگا، اب اسے چاہئے کہ گوشت کھالے اور اُس کے بعد قسم توڑنے کا کفارہ اَدا کرے یعنی ۱۰؍ مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلائے الخ۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۰؍۱۹۴ ڈابھیل، فتاویٰ قاسمیہ ۱۸؍۵۸ اَشرفی بک ڈپو دیوبند)

لو قال إن أكلت هذا الطعام فهو علي حرام فأكله لا كفارة، خلاصة، واستشكله المصنف. (الدر المختار) وقال الشامي قلت: لكن ذكر في الفتح مسألة الخلاصة المذكورة ثم قال عقبها وذكر في المنتقى: لو قال كل طعام آكله في منزلك فهو علي حرام، ففي القياس لا يحنث إذا أكله، هكذا روى ابن سماعة عن أبي يوسف. وفي الاستحسان: يحنث والناس يريدون بهذا أن أكله حرام. (رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب في تحريم الحلال ٥٠٨/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۵ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اَولاد کی قسم کھانا

سوال (۸۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاؤں دیہات میں جب کسی بات پر بہت بھاری قسم کھانی مطلوب ہوتی ہے تو اکثر عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ''میری اَولاد کی قسم ایسا نہ کروں گی''، تو شرعاً یہ قسم منعقد ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں اَولاد کی قسم کھانے کے جس رواج کا ذکر کیا گیا ہے وہ شرعاً درست نہیں ہے اور نہ اِس سے قسم منعقد ہوتی ہے۔ اِس طرح کے رواج پر نکیر کرنا اور عوام کو یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کی قسم کھایا کریں، غیر اللہ کے نام کی قسم ہرگز نہ کھائیں؛ کیوں کہ اَحادیث شریفہ میں صراحت کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت وارد ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تحلفوا بآبائكم ولا بأمهاتكم ولا بالأنداد ولا تحلفوا إلا باللّٰه ولا تحلفوا باللّٰه إلا وأنتم صادقون. (سنن أبي داؤد، كتاب الأيمان والنذور / باب في كراهية الحلف بالآباء ٤٦٣/٢ رقم: ٣٢٤٨)

لأن الأصل هو الحلف بأسماء اللّٰه تعالىٰ والحلف بصفاته ألحق بالحلف بأسمائه بالشرط الذي ذكرنا والحلف بهذه الأشياء ليس بحلف باللّٰه ولا بصفاته فلهذا لا يكون يمينًا. (المحيط البرهاني، كتاب الأيمان والنذور / الفصل الأول في بيان ركن اليمين وحكمها الخ ٢٠١/٤ دار الكتب العلمية بيروت، ٦٨/٦ إدارة القرآن كراتشي)

ولا يحلف بالآباء والأمهات والأبناء، لو حلف بشيء من ذلك لا يكون يمينًا. (بدائع الصنائع، كتاب الأيمان / ما لا يجوز الحلف به ١٦/٣-١٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قسم ٹوٹنے کا ترتیب وار کفارہ کیا ہے؟

سوال (۸۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قسم ٹوٹنے کا کفارہ بالترتیب کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- قسم ٹوٹنے کے کفارہ کے بارے میں درج ذیل تفصیل ہے:

الف:- جو شخص مالی وسعت رکھتا ہو وہ درج ذیل تین اُمور میں سے کسی ایک کو اختیار کرے گا:

(۱) دس مسکینوں کو صبح وشام اَوسط درجہ کا کھانا کھلائے۔

(۲) یا دس مسکینوں کے لئے اَوسط درجہ کے لباس کا انتظام کرے۔

(۳) یا ایک غلام آزاد کرے۔

ب:- اور اگر مذکورہ بالا تینوں اُمور میں سے کسی پر (فی الحال) قدرت نہ ہو تو ایسا شخص کفارہ کی اَدائیگی کی نیت سے تین دن لگاتار روزے رکھے گا۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ...... الآية. [المائدة: ۸۹]

وكفارته ...... تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين ...... أو كسوتهم بما ...... يستر عامة البدن ...... وإن عجز عنها كلها وقت الأداء (تنوير الأبصار مع الدر المختار) صام ثلاثة أيام ولاءً قوله وإن عجز الخ، قال في البحر: أشار إلى أنه لو كان عنده واحد من الأصناف الثلاثة لا يجوز له الصوم وإن كان محتاجًا إليه ...... قوله: ولاء أي متتابعة. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الأيمان / مطلب: كفارة اليمين ۵۰۳/۵-۵۰۵ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، الباب الثاني فيما يكون يمينًا وما لا يكون يمينًا / الفصل الثاني في الكفارة ۶۱/۲ زكريا قديم) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صرف یہ کہنا کہ میرے اُوپر نذر ہے

سـوال (۸۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے صرف یہ کہا کہ میرے اُوپر نذر ہے، اور آگے پیچھے کچھ نہیں کہا تو اُس کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- اگر کسی شخص نے مطلقاً یہ کہا کہ میرے اوپر نذر ہے۔ اور اُس کی تفصیل بیان نہیں کی کہ کیا واجب ہے؟ تو اُس پر فی الفور ایک قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

قال: علي نذر ولم يزد عليه ولا نية له فعليه كفارة يمين. (الدر المختار / كتاب الأيمان ٥/٥٢٦ زكريا)

وأما النذر الذي لا تسميه فيه فحكمه وجوب ما نوى ...... وإن لم تكن له نية فعليه كفارة اليمين، غير أنه كان مطلقًا يحنث للحال. (بدائع الصنائع، كتاب النذر / حكم النذر الذي لا تسميه فيه ٤/٢٤٤-٢٤٥ المكتبة النعيمية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اللہ سے گناہ نہ کرنے کا وعدہ نذر یا وعدہ قسم شمار ہوگا؟

سـوال (۸۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ اگر کسی نے توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اِس طرح وعدہ کیا کہ یا اللہ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں (promise you) کہ آئندہ میں اس گناہ کو نہیں کروں گا تو کیا یہ وعدہ قسم یا نذر شمار کیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- اللہ تعالیٰ سے اِس طرح وعدہ کرنا کہ ’’یا اللہ میں

تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں اس گناہ کو نہ کروں گا'' یہ ہمارے عرف میں صرف توبہ اور وعدہ کے کلمات ہیں، اِن سے قسم یا نذر مراد نہیں لی جاتی؛ لہٰذا خلاف ورزی پر اگر چہ توبہ واستغفار ضروری ہے؛ لیکن قسم کا کفارہ لازم نہ ہوگا۔

مستفاد: لو قال اللّٰهم إني عبدک أشهدک وأشهد ملائکتک أن لا أفعل کذا'' ثم فعل لا کفارة علیه، وفي النوازل ویستغفر. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأیمان / الفصل الثاني ألفاظ الیمین ۱۱/۶ زکریا)

إن الأیمان مبنیة علی العرف، فما تعورف الحلف به فیمین وما لا فلا. (الدر المختار، کتاب الأیمان / مطلب في القرآن ۵/۴۸۴ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مطلق نذر ماننے کی صورت میں کیا اس کا تعلق پوری زندگی سے ہوگا؟

سوال (۸۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک طالب علم نے نذر مانی کہ اگر میں جس دن بھی رات بارہ بجے سے پہلے سوگیا تو مجھ پر ۵۰؍روپئے صدقہ کرنا لازم ہوگا، جب کہ نذر مانتے وقت کوئی نیت نہ تھی کہ زمانہ طالب علمی تک یہ نذر محدود ہوگی یا پوری زندگی کے لئے۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ نذر طالب علمی کے زمانے تک محدود ہوگی یا یہ نذر پوری زندگی کے لئے ہوجائے گی؟ اگر پوری زندگی کے لئے ہوجائے گی تو کیا اس نذر سے بچنے کا کوئی طریقہ ہے؟ برائے مہربانی واضح فرمائیں؟

واضح رہے کہ یہ نذر پڑھائی میں ہونے والی کوتاہی سے بچنے کے لئے مانی گئی تھی؛ تاکہ دیر رات تک مطالعہ میں مشغول رہنے کی توفیق ملے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- مسئولہ صورت میں اِس نذر کا تعلق صرف زمانۂ طالب علمی سے ہوگا؛ کیوں کہ قرینہ اور دلالتِ حال اِسی کا متقاضی ہے۔ اور یہ یمین فور کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا زمانۂ طالب علمی کے بعد اگر بارہ بجے سے پہلے سو جائے تو کوئی صدقہ لازم نہ ہوگا۔

أما الموقت دلالة فهو المسمى يمين الفور ...... وهو أن يكون اليمين مطلقًا عن الوقت نصًا، ودلالة الحال تدل على تقييد الشرط بالفور الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الأيمان / شرائط ركن اليمين ۲۳/۳ زكريا)

مستفاد: مثال آخر ليمين الفور وهو إذا أرادت امرأة إنسان أن تخرج من الدار فقال لها زوجها: إن خرجت فأنت طالق فقعدت تاركة الخروج ساعة، ثم خرجت بعدئذ لا يحنث استحسانًا؛ لأن دلالة الحال تدل على التقييد بذلك الخروج. (الفقه الإسلامي وأدلته / أنواع اليمين المنعقدة ۳۹۱/۳ هدى انٹرنيشنل ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہر روز مقررہ مقدار میں درود شریف پڑھنے کی نذر ماننا

سوال (۸۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہر روز ایک مقررہ مقدار میں درود شریف پڑھوں گا تو یہ نذر لازم ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- اگر کوئی شخص ہر روز مقررہ مقدار میں درود شریف پڑھنے کی نذر مانے تو اُس کی یہ نذر لازم ہوگی؛ کیوں کہ درود شریف زندگی میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔

ولو نذر أن يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم كذا لزمه،

وتحته في الشامية: قوله لزمه لأنه من جنسه فرضًا وهو الصلاة عليه – صلى الله عليه وسلم – مرةً واحدةً في العمر وتجب كلما ذكر. (الدر المختار، كتاب الأيمان / مطلب في أحكام النذر ٥/٥٢٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نذر مانی کہ اگر شفایاب ہوا تو چند روزے رکھوں گا

سوال (۸۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ میں شفایاب ہونے پر چند روزے رکھوں گا؛ لیکن روزوں کی تعداد متعین نہیں کی، تو اُس پر کتنے روزے لازم ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: - جس شخص نے شفایاب ہونے پر چند روزوں کی نذر مانی تو شفایابی پر اُس پر تین روزے لازم ہوگے۔

ولو نوى صيامًا بلا عدد لزمه ثلاثة أيام (الدر المختار) وفي الشامي: لأن إيجاب العبد معتبر بإيجاب الله تعالى، وأدنى ذلك في الصيام ثلاثة أيام في كفارة اليمين. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان / قبيل باب اليمين، في الدخول والخروج الخ ٥/٥٢٦ زكريا)

ولو نوى في النذر المبهم صيامًا ولم ينو عددًا فعليه صيام ثلاثة أيام في المطلق للحال، وفي المعلّق إذا وجد الشرط. (بدائع الصنائع، كتاب النذر / حكم النذر الذي لا تسمية فيه ٤/٢٤٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۶/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ہر نماز کے بعد تسبیحات پڑھنے کی نذر ماننا

سوال (۸۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ میرے اُوپر ہر نماز کے بعد تسبیحات پڑھنا لازم ہے، تو یہ نذر واجب ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ہر نماز کے بعد تسبیحات پڑھا کروں گا تو یہ نذر لازم نہ ہوگی (کیوں کہ بعینہٖ یہ تسبیحات پڑھنا اپنی ذات کے اعتبار سے عباداتِ مقصودہ میں داخل نہیں ہے) (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۵۰۰-۵۰۲)

ولو نذر التسبيحات دبر الصلاة لم يلزمه ...... قال الشامي: لعل مراده التسبيح والتحميد والتكبير ثلاثًا وثلاثين في كل، وأطلق على الجميع تسبيحًا تغليبًا لكونه سابقًا، وفيه إشارة إلى أنه ليس من جنسها واجب، وفيه أن تكبير التشريق واجب على المفتى به، وكذا تكبيرة الإحرام وتكبيرات العيدين، فينبغي صحة النذر به بناء على المراد بالواجب هو المصطلح. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب في أحكام النذر ٥/٥٢٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۴۰/۸/۱۷ھ

ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی

سوال (۸۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا پھر کسی دن چھوٹ گیا تو اُس کی تلافی کیسے ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ میں ہمیشہ روزہ

رکھوں گا، تو یہ نذر منعقد ہوگی اور ہر دن روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ اور اگر کسی دن روزہ نہ رکھ سکے تو اُس کے عوض نصف صاع یعنی (۱رکلو۵۷۵رگرام) گیہوں صدقہ کرنا ہوگا، اگر صدقہ کی استطاعت نہ رکھتا ہوتو استغفار کرے۔

ولو نذر صوم الأبد فأكل لعذر فدى، وفي الشامي قوله: فدى أي لكل يوم نصف صاع من برّ أو صاعًا من شعير، وإن لم يقدر استغفر اللّٰه تعالى. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب النذر غير المعلق لا يختص بزمان ومكان ٥٢٥/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۴۰ھ

زندگی بھر ہر جمعہ کے روزہ کی نذر ماننا

سوال (۸۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے نذر مانی کہ زندگی بھر ہر جمعہ کو روزہ رکھوں گا تو رمضان کے فرض روزوں کے ساتھ وہ نذر ختم ہوجائے گی، یا نذر کے روزے کا بدل دینا ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جس شخص نے پوری زندگی ہر جمعہ کو روزہ رکھنے کی نذر مان رکھی ہے تو اُس کی نذر میں خود بخود رمضان میں واقع ہونے والے جمعہ کے اَیام بھی شامل ہوجائیں گے؛ کیوں کہ وہ پہلے ہی سے بہر حال اُس پر فرض ہیں۔ بنابریں اُس پر اِن ایام کے الگ سے روزے رکھنا واجب نہ ہوگا۔

ولو قال: للّٰه علي أن أصوم الشهر الذي يقدم فيه فلان فقدم في رمضان فصامه في رمضان أجزأ عن رمضان ولا يلزمه صوم أخر بالنذر؛ لأن شهر رمضان في حال الصحة والإقامة يتعين لصومه لا يحتمل غيره فلم يتعلق بهذا

النذر حكم ولا كفارة عليه. (بدائع الصنائع، كتاب النذر / شروط النذر ٢٣٦/٤ زكريا)

نذر صوم رجب...... أو يوم يقدم فلان ...... ولو قدم في رمضان فلا قضاء اتفاقًا (الدر المختار) لأنه تبين أن نذره وقع على رمضان، ومن نذر رمضان فلا شيء عليه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم / باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده ٤٢٥/٣-٤٢٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۱/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گمشدہ چیز کے ملنے پر روزہ کی نذر مانی لیکن اب روزہ کی طاقت نہیں

سوال (۸۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نے منت مانی کہ میری گمشدہ چیز اگر مل جائے گی تو میں دو روزے رکھوں گا، پھر اُس کی وہ گمشدہ چیز مل گئی اور وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے، تو کیا وہ روزہ کے علاوہ کوئی اور عمل کرسکتا ہے جو روزہ کا قائم مقام ہو جائے؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں گمشدہ چیز ملنے پر اُس کے ذمہ اَصلاً حسبِ شرط روزہ رکھنا واجب ہے، اَب اگر وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو دیکھا جائے گا کہ روزہ نہ رکھنے کی معذوری عارضی ہے یا دائمی، اگر عارضی ہے مثلاً سخت گرمی ہے یا بیمار ہے، جس کی وجہ سے روزہ رکھنا دشوار ہے تو ایسی صورت میں موسم کے معتدل ہونے اور بیماری سے شفایاب ہونے کا انتظار کرے، اُس کے بعد روزہ رکھے اور اُس کے لئے اِس صورت میں فدیہ اَدا کرنا کافی نہ ہوگا۔ اور اگر معذوری دائمی ہے کہ تا زندگی روزے کی قدرت کا امکان نہیں ہے تو ایسی صورت میں ہر روزے کی طرف سے ایک فدیہ یعنی صدقۂ فطر اَدا کرنا لازم ہوگا۔

وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوبًا ولو في أول الشهر وبلا تعدد فقير كالفطرة لو موسرا وإلا فيستغفر اللّٰه تعالىٰ هذا إذا كان الصوم أصلاً بنفسه وخوطب بأدائه (الدر المختار) قال الشامي: قوله أصلا بنفسه كرمضان وقضائه والنذر كما مر فيمن نذر صوم الأبد، وكذا لو نذر صومًا معينًا فلم يصم حتى صار فانيًا جازت له الفدية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم / باب ما يفسد الصوم وما يفسده ٤١٠/٣-٤١١ زكريا)

نذر بصوم الأبد فضعف لاشتغاله بالمعيشة أفطر وأطعم كل يوم نصف صاع بر وإن لم يقدر استغفر اللّٰه، ولو عين شهرًا ولم يقدر عليه لشدة الحر انتظر زمان الشتاء ويقضي يومًا بيوم. (الفتاوىٰ البزازية، كتاب الصوم / الفصل الرابع في النذر ٦٩/١ مكتبة الاتحاد ديوبند، الفتاوىٰ التاتارخانية / كتاب الصوم ٤٤٠/٣ رقم: ٤٧٩٤ زكريا)

ولو نذر أن يصوم أبدًا فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة قال: له أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع من الحنطة لأنه استيقن أنه لا يقدر على قضائه فإن لم يقدر على ذلک لعسرته يستغفر اللّٰه تعالىٰ. (فتاوىٰ خانية على هامش الهندية / فصل في النذر بالصوم ٢١٩/١ زكريا، نور الإيضاح، كتاب الصوم / فصل في العوارض ص: ١٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان کے روزوں کی نذر

سوال (۸۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے رمضان میں دس روزے رکھنے کی نذر مان لی (اُس نے یہ کہا کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو رمضان میں دس روزے رکھوں گا) تو نذر کے اِن دس روزوں کو رمضان کے

بعد رکھے گا یا کوئی اور حکم ہوگا؟ آپ سے درخواست ہے کہ قرآنِ کریم اور اَحادیث طیبہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نذر کی صحت کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ عمل ناذر پر پہلے سے فرض اور واجب نہ ہو اور رمضان کے روزے ہر مسلمان پر بذاتہ فرض ہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں رمضان المبارک کے دس روزوں کی نذر سے رمضان کے علاوہ مزید روزے رکھنے واجب نہ ہوں گے۔

مستفاد: وأن لا یکون واجبًا علیه قبل النذر فلو نذر حجة الإسلام لم یلزمه شيء غیرها (الدر المختار) **فإنها نفس الواجب علیه؛ لأنها اسم لفریضة العمر کصوم رمضان وصلاة الظهر فلا یصح النذر بها.** (رد المحتار / کتاب الأیمان ۵۱۹/۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اعتکاف کی نذر ماننا

سوال (۸۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اعتکاف کی نذر ماننا معتبر ہے یا نہیں؛ حالاں کہ اعتکاف اپنی ذات کے اعتبار سے واجب نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اعتکاف کی نذر بالاجماع منعقد ہوجاتی ہے، صحیح حدیث سے اِس کا ثبوت ملتا ہے۔

عن ابن عمر أن عمر رضي اللّٰہ عنهما نذر في الجاهلیة أن یعتکف في

المسجد الحرام. قال أراه، قال: ليلةً. قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أوف بنذرك. (صحيح البخاري، أبواب الاعتكاف / باب إذا نذر في الجاهلية أن يعتكف ثم أسلم ٢٧٤/١ رقم: ٢٠٤٣)

ومن نذر نذرًا مطلقًا أو معلقًا بشرط وكان من جنسه واجب ...... وهو عبادة مقصودة ...... ووجد الشرط ...... لزم الناذر كصوم وصلاة وصدقة ووقف واعتكاف .... والقعدة الأخيرة في الصلاة وهي لبث كالاعتكاف ...... وفي الشامية: وذكر في اعتكاف المعراج قلنا: بل من جنسه واجب لله تعالى وهو اللبث بعرفة، وهو الوقوف والنذر بالشيء، إنما يصح إذا كان من جنسه واجبٌ أو مشتملاً على الواجب وهذا كذلك لأن الاعتكاف يشتمل على الصوم، ومن جنس الصوم واجب، وإن لم يكن من جنس اللبث واجب وتعقبه في الفتح في باب اليمين في الحج والصوم، بأن وجوب الصوم فرع وجوب الاعتكاف بالنذر، والكلام الآن في صحة وجوب المتبوع فكيف يستدل على لزومه بلزومه، ولزوم الشرط فرع لزوم المشروط. ثم قد يقال: تحقق الإجماع على لزوم الاعتكاف بالنذر موجب إهدار اشتراط وجود واجب من جنسه أي فهو خارج عن الأصل. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب في أحكام النذر ٥١٦/٥-٥١٧ زكريا)

ثم قد يقال تحقق الإجماع على لزوم الاعتكاف بالنذر يوجب إهدار اشتراط وجود واجب من جنسه. (فتح القدير، كتاب الأيمان / باب اليمين في الحج والصلاة والصوم ١٦٩/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۷/۸/۱۴۴۰ھ

اعتکاف کی نذر سے متعلق ایک مسئلہ کی تصحیح

سوال (۸۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پچھلے سال ای میل سے ایک استفتاء ارسال کیا تھا، جس کا جواب بھی بندہ کو موصول ہو چکا تھا، جس پر بطور رمز سوال نمبر: ۱۱/۱۷۱ اہے، اور جواب ۱۵/۳/۷ ۱۴۳ھ کو تحریر فرمایا ہے جس جواب پر بندہ کو شرح صدر ہے، البتہ بغرض تائید آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا؛ لیکن اَب کتاب النوازل ۱۰/۳۰۰ پر ایک جواب پر نظر پڑی، اس جواب کے درمیان میں آپ نے یوں تحریر فرمایا ہے ''اور جب چاہے اعتکاف کرسکتا ہے، رمضان اور غیر رمضان میں کوئی فرق نہیں'' بندہ کی نظر میں اِن دو فتووں میں تضاد معلوم ہو رہا ہے، بندہ کی نظر میں اِس فتویٰ کے استدلال کی عبارت کی توضیح یہ ہے کہ نذر غیر معلق اگر چہ متعین بزمان ہو اُس کو معین زمان سے قبل وبعد اَدا کرنا درست ہے، اس زمان کی تعیین سے قبل اس منت کو اَدا کرنا درست ہے؛ البتہ اِس طرح کی نذر غیر معلق معین بزمان (جب کہ وہ زمان رمضان بصورت رمضان نہ ہو) رمضان کے روزوں کے ضمن میں اَدا ہوگی یا نہیں؟ اِس حکم سے یہ عبارت ساکت ہے جب کہ یہ منت رمضان کے روزوں کے ضمن میں درست نہ ہو، اِس پر عالمگیری وغیرہ کی عبارت دال ہے، جو اِی میل والے استفتاء میں ذکر کی ہے؛ چناں چہ جناب کی نظر میں بھی تضاد ہو تو اِس تضاد کو رفع فرمائیں اور عدم تضاد کی صورت میں دونوں فتاویٰ کے درمیان جو توضیح وتطبیق ہو ظاہر فرمادیں۔ اُمید ہے کہ اِس درخواست پر توجہ دیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اعتکاف کی نذر مطلق رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ کافی نہ ہوگی؛ بلکہ الگ سے روزے رکھ کر اعتکاف کرنا ہوگا، یہی بات صحیح ہے جس کو ''فتویٰ ب/۱۱ رقم: ۱۷۱'' میں لکھا گیا تھا اور یہ فتویٰ بھی کتاب النوازل ۱۷/۳۸۸-۳۹۰ پر شائع ہو چکا ہے، پس (۱۰/۳۰۰) پر جو عبارت لکھی گئی تھی اُس میں تسامح ہوا ہے، جس کی تصحیح

کردی گئی ہے، توجہ دلانے کا بہت شکریہ، جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۰/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج فرض اَدا نہیں کیا اور فلاں کام ہونے پر حج کی نذر مان لی

سوال (۸۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر فلاں بیماری سے صحت ہوگئی تو حج کروں گا اور ابھی اُس نے اپنا فرض حج اَدا نہیں کیا ہے، تو اُس پر کتنے حج فرض ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جس شخص پر پہلے سے حج فرض ہو، اَب پھر وہ حج کی نذر مانے کہ مثلاً ''اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں حج کروں گا'' پھر وہ کام پایا گیا، تو حج فرض اَدا کرنے سے اُس کی نذر پوری ہوجائے گی، الگ سے دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

فلو نذر حجة الإسلام لم يلزمه شيء غيرها. (رد المحتار / كتاب الأيمان ۵۱۹/۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد نبوی میں حاضری کی نذر ماننا

سوال (۸۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ میں مسجد نبوی مدینہ منورہ حاضری دوں گا، تو اُس کی نذر کی وجہ سے حاضری واجب ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسجد نبوی میں حاضری کی نذر منعقد نہیں ہوگی؛

کیوں کہ محض مسجد میں داخلہ اپنی ذات کے اعتبار سے فرض یا واجب نہیں ہے۔

وفي البدائع: ومن شروطه أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض …… ودخول المسجد، وفي الدر المختار …… ولو مسجد الرسول أو الأقصى؛ لأنه ليس من جنسها فرض مقصود. قال الشامي: …… الأولى ذكر مسجد مكة لأنه المتوهم قوله هذا هو الضابط، الإشارة إلى ما ذكره من أن ما ليس من جنسه فرض لا يلزم. وعبارة الدرر: المنذور إذا كان له أصل فى الفروض لزم الناذر كصوم …… وما لا أصل له في الفروض فلا يلزم الناذر كعيادة المريض. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب في أحكام النذر ٥١٦/٥-٥١٨ زكريا)

ومن شروطه أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض …… ودخول المسجد ومس المصحف. (منحة الخالق على البحر الرائق / كتاب الأيمان ٤٩٨/٤ زكريا، وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النذر / شروط النذر ٢٢٨/٤ زكريا)

وسائر المساجد يتوصل إليها بغير إحرام فلا يلزمه بالتزام المشي إليها شيء ومسجد بيت المقدس ومسجد المدينة في ذلک سواء عندنا. (المبسوط للسرخسي / كتاب الأيمان ١٤٧/٨ دار الكتب العلمية بيروت، الفتاویٰ التاتارخانية ٢٨١/٦ رقم: ٩٣٧٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۴۰/۸/۱۷ھ

حج کرنے کی نذر مانی حالاں کہ پہلے سے اُس پر حج فرض ہے

سوال (۸۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو حج کروں گا اور اُس پر پہلے سے حج فرض ہے تو کام ہوجانے پر اُس کے ذمہ کتنے حج فرض ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جس شخص پر پہلے سے حج فرض ہو پھر وہ کسی کام پر حج فرض کی نذر مانے تو ظاہر کے اعتبار سے اُس پر حج فرض کی اَدائیگی لازم ہوگی؛ لیکن اگر وہ مطلقاً حج کی نذر مانے تو اُس پر حج فرض کے علاوہ بطور نذر مزید ایک حج لازم ہوگا۔

ولو نذر حجة الاسلام لا تلزمه إلا حجة الإسلام. وفي الهامش: يعني لعدم صحة النذر لفقد شرطه وهو أن لا يكون المنذور واجبًا. (الأشباه والنظائر مع هامشه للحموي ص: ۸۱ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ولو قال: إن فعلت كذا فأنا أحج ففعل يجب عليه الحج. (رد المحتار / كتاب الأيمان ۵/۵۲۳ زكريا)

وفي خلاصة الفتاوى: ولو قال المريض إن عافاني اللّٰه تعالى من مرضي هذا فعلي حجة فبرأ لزمته الحج، وإن لم يقل للّٰه لأن الحجة لا تكون إلا للّٰه، ولو برأ وحج جاز ذلك عن حجة الإسلام يعني وعليه حجة أخرى للنذر. (هامش الأشباه والنظائر للحموي ص: ۸۱ المكتبة الأشرفية ديوبند)

والحاصل أن نذر الأضحية صحيح ...... ومثله ما لو نذر الحج؛ لأن الأضحية والحج قد يكونان غير واجبين، بخلاف حجة الإسلام؛ فإنها نفس الواجب عليه؛ لأنها اسم لفريضة العمر كصوم رمضان وصلاة الظهر. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الأيمان ۵/۵۱۹ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۴۰/۸/۱۷ھ

اپنی گنجائش سے زیادہ مال صدقہ کرنے کی نذر ماننا

سوال (۹۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: نذر مانی کہ ایک ہزار روپئے صدقہ کروں گا؛ لیکن اُس کی ملکیت میں صرف سو روپئے ہیں، تو وہ اپنی نذر کیسے پوری کرے گا؟ اور اس پر کتنا صدقہ کرنا لازم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر کسی شخص نے مثلاً کوئی کام ہوجانے پر ایک ہزار روپئے صدقہ کرنے کی نذر مانی؛ لیکن اُس کی ملکیت میں صرف سو روپئے ہیں (اور اِس کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے) تو اُس کی نذر صرف سو روپئے میں لازم ہوگی، مزید رقم کی اَدائیگی اُس پر واجب نہ ہوگی (کیوں کہ غیر مملوک کی نذر شرعاً منعقد نہیں ہوتی)

وإذا قال: إن فعلت كذا فألف درهم من مالي صدقة ففعل وهو لا يملك إلا مائة درهم؛ فإنه يلزمه التصدق بما ملك، وهو قدر مائة لا غير، قال الصدر الشهيد في واقعاته: هو المختار. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأيمان / الفصل السادس والعشرون النذور ٢٨٤/٦ رقم: ٩٣٨٣ زكريا)

وفي البحر: شرائطه خمس ...... وأن لا يكون ما التزمه أكثر مما يملكه أو ملكًا لغيره فلو نذر التصدق بألف ولا يملك إلا مائة لزمه المائة فقط.

(الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الأيمان ٥١٩/٥ زكريا)

لو التزم بالنذر أكثر مما يملكه لزمه ما يملكه هو المختار، كما إذا قال: إن فعلت كذا فألف درهم من مالي صدقة ففعل وهو لا يملك إلا مائة لا يلزمه إلا المائة؛ لأنه فيما لم يملك لم يوجد في الملك. (البحر الرائق / كتاب الأيمان ٤٩٨/٤ زكريا، الفتاویٰ السراجية، كتاب الأيمان / باب النذر ص: ٢٧٠ دار الكتب العلمية بيروت، خلاصة الفتاوى ١٢٩/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۷/۸/۱۴۴۱ھ

مراد پوری ہوئی تو میں کچھ صدقہ کروں گا

سوال (۹۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر میری مراد پوری ہوگئی تو میں کچھ صدقہ کروں گا، تو اس پر کتنا صدقہ لازم ہوگا؟ صحیح جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ میری مراد پوری ہوگئی تو کچھ صدقہ کروں گا، اور صدقہ میں مقدار کی تعیین نہیں کی، تو مراد پوری ہونے پر اُس کو کم از کم دس مسکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا یا ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا اُس کی قیمت اَدا کرنا لازم ہوگا۔

ولو نوی صیامًا بلا عددٍ لزمه ثلاثة أيام ولو صدقة فإطعام عشرة مساكين كالفطرة (الدر المختار) قوله: ولو صدقة أي بلا عدد، قوله كالفطرة أي لكل مسكين نصف صاع بر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان الخ ٥٢٦/٥ زكريا)

وفي الخلاصة: لو قال للّٰه علي إطعام المساكين فهو على عشرة عند أبي حنيفة. (البحر الرائق / كتاب الأيمان ٤٩٨/٤-٤٩٩ زكريا)

وإن نوى صدقة ولم ينو عددًا فعليه إطعام عشرة مساكين لكل مسكين نصف صاع لما ذكرنا. (البحر الرائق / كتاب الأيمان ٥٠٠/٤ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب النذر / فصل في حكم النذر ٩٢/٥ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۷/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نذر مانی کہ مرادآباد کے فقراء پر صدقہ کروں گا

سوال (۹۰۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ فلاں کام ہونے پر مرادآباد کے فقراء پر صدقہ کروں گا تو کیا دوسری جگہ کے فقراء پر صدقہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کسی شخص نے مرادآباد کے چند فقراء پر صدقہ کرنے کی نذر مانی تو یہ نذر درست ہے؛ لیکن اِس میں مرادآباد کے فقراء کی تعیین ضروری نہیں ہے؛ بلکہ کسی اور جگہ کے فقراء پر صدقہ کردے پھر بھی نذر اَدا ہوجائے گی۔

رجل قال: مالي صدقة على فقراء مكة إن فعلت كذا فحنث وتصدق على فقراء بلخ أو بلدة أخرى جاز ويخرج عن النذر. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأيمان / الفصل الثاني في الكفارة ٢/٦٥-٦٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کے نارمل بچہ ہونے پر مسجد میں روپئے دینے کی نذر ماننا

سوال (۹۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میری بیوی کے نارمل بچے کی پیدائش ہو تو میں مسجد میں اتنے روپئے دوں گا؛ چنانچہ بچہ کی نارمل ولادت ہوگئی تو اس شخص پر منت کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنا چوں کہ فرض یا واجب کی جنس سے نہیں ہے اور نذر اُنہیں چیزوں میں منعقد ہوتی ہے جن کا تعلق فرض یا واجب سے ہو، بریں بنا ضابطہ کی رو سے تو مسئولہ صورت میں نارمل ولادت ہونے پر مسجد میں رقم خرچ

کرنا لازم تو نہیں ہے؛ لیکن اگر بطور شکرانہ اجر وثواب کی نیت سے خرچ کردے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے، بلکہ بہتر ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۱۲۹ مکتبہ دار العلوم دیوبند)

ومن شروطه أن يكون قربة عبادة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض ...... وبناء الرباطات والمساجد وغير ذلك وإن كانت قربا إلا أنها غير مقصودة. (رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب: في أحكام النذر ٥/٥١٦ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب النذر / شروط النذر ٤/٢٢٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جیب میں رکھے ہوئے روپیوں کے صدقہ کی نذر مانی

سوال (۹۰۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ جیب میں رکھے ہوئے متعین روپے صدقہ کروں گا، پھر اُن روپیوں کے علاوہ دوسرے روپئے اتنی ہی مقدار میں صدقہ کے دئے تو نذر پوری ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کسی شخص نے اپنی جیب میں رکھے ہوئے متعین روپئے کو صدقہ کرنے کی نذر مانی، پھر اُن روپیوں کے علاوہ اتنی ہی مقدار میں صدقہ کردے تو بھی نذر پوری ہوجائے گی؛ کیوں کہ روپئے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔

ولو نذر بهذا الدرهم فتصدّق بغيره عن نذره جاز، كذا في فتح القدير.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الأيمان / الفصل الثاني في الكفارة ٢/٦٦ زكريا)

لو عيّن درهمًا أو فقيرًا أو مكانًا للتصدق أو للصلاة فالتعيين ليس بلازم. (رد المحتار / كتاب الأيمان ٥/٥١٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شفایابی پر بکری ذبح کرنے کی نذر مانی

سوال (۹۰۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر میں شفایاب ہوگیا تو ایک بکری ذبح کروں گا تو نذر درست ہوگی یا نہیں؟ اور ذبح شدہ بکری کا گوشت کا کیا حکم ہوگا؟ قرآنِ کریم اور احادیث طیبہ کی روشنی میں صحیح جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بیماری سے شفایابی پر بکری ذبح کرنے کی نذر استحساناً منعقد ہوجائے گی اور ذبح شدہ بکری کا گوشت صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء إلا أن يقول فللّٰه علي أن أذبح شاة وهي عبارة متن الدرر، وعللها في شرحه بقوله: لأن اللزوم لا يكون إلا بالنذر، والدال عليه الثاني لا الأول، فأفاد أن عدم الصحة لكون الصيغة المذكورة لا تدل على النذر، أي لأن قوله: (ذبحت شاة) وعد لا نذر، ويؤيده ما في البزازية: لو قال إن سلم ولدي أصوم ما عشت فهذا وعد لكن في البزازية أيضًا: إن عوفيت صمت كذا لم يجب ما لم يقل للّٰه علي، وفي الاستحسان: يجب، ولو قال: إن فعلت كذا فأنا أحج ففعل يجب عليه الحج، فعلم أن تعليل الدرر مبنى على القياس والاستحسان خلافه وينافيه أيضًا قول المصنف: ”علي شاة أذبحها“ أو عبارة الفتح ”فعلي“ بالفاء في جواب الشرط، إذ لا شك أن هذا ليس وعدا ولا يقال: إنما لم يلزمه شيء لعدم قوله ”للّٰه علي“؛ لأن المصرح به صحة النذر بقوله للّٰه علي حجة أو علي حجة، فيتعين حمل ما ذكره المصنف على القول بأنه لا بد من أن يكون من جنسه فرض، وحمل ما في الخانية والدرر من صحة قوله للّٰه علي أن

أذبح شاة على القول بأنه يكفى أن يكون من جسنه واجب. (رد المحتار، كتاب الأيمان / قبيل مطلب النذر غير المعلق لا يختص بزمان ومكان ٥٢٣/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کام ہونے پر ایک بکری ذبح کرنے کی نذر مانی

سوال (۹۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو ایک بکری ذبح کروں گا تو یہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟ تشفی بخش جواب دیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نذر مانی کہ فلاں کام ہوگیا تو ایک بکری ذبح کروں گا، تو یہ نذر صحیح قول کے مطابق منعقد ہوجائے گی؛ اِس لئے کہ ذبح کے جنس واجب عملی یعنی قربانی پائی جاتی ہے۔

ولو قال إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة أو علي شاة أذبحها فبرئ لا يلزمه شيء؛ لان الذبح ليس من جنسه فرض بل واجب كالأضحية، وينافيه ما في الخانية، قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء إلا أن يقول: فللّٰه علي أن أذبح شاة، وهي عبارة متن الدرر، وعللها في شرحه بقوله: لأن اللزوم لا يكون إلا بالنذر فتعين حمل ما ذكره المصنف على القول بأنه لا بد من أن يكون من جنسه فرض وحمل ما في الخانية والدرر من صحة قوله للّٰه علي أن أذبح شاة على القول بأنه يكفي أن يكون من جنسه واجب. (رد المحتار / كتاب الأيمان ٥٢٣/٥ زكريا)

ألا ترى أنه لو نذر بقتل شاة لا يلزمه ولو نذر بذبحها لزمه. (بدائع الصنائع،

کتاب النذر / شروط النذر ٢٣٣/٤ المكتبة النعيمية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک بکری قربان کرنے کی نذر مانی تو کتنی قربانی واجب ہوگی؟

سوال (۹۰۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر میرا بیٹا شفایاب ہوگیا، تو میں ایک بکری کی قربانی کروں گا، تو اُس پر کتنی قربانی واجب ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قربانی کی نذر مطلقاً منعقد ہوجاتی ہے، اگر تنگ دست شخص اُس کی نذر مانے تو اُس پر بہرحال صرف نذر کی قربانی واجب ہوتی ہے؛ لیکن اگر نذر ماننے والا شخص پہلے سے صاحبِ حیثیت ہے، تو دو صورتیں ہیں:

(۱) اگر ایامِ نحر کے علاوہ میں نذر مانی تو اس نذر کی قربانی کے ساتھ ساتھ مالی قربانی حسبِ قاعدہ واجب رہے گی۔

(۲) اگر اس نے ایامِ نحر میں نذر مانی ہے اور اُس کا مقصد اس پر پہلے سے واجب مالی قربانی ہی تھا، تو اُس پر صرف ایک قربانی واجب ہوگی، اِس سے نذر بھی پوری ہوجائے گی؛ البتہ اگر اُس نے نذر میں الگ قربانی کا اِرادہ کیا ہو تو اُس پر دو قربانیاں واجب ہوں گی۔

والحاصل أن نذر الأضحية صحيح؛ لكنه ينصرف إلى شاة أخرى غير الواجبة عليه ابتداء بإيجاب الشرع إلا إذا قصد الإخبار عن الواجب عليه وكان من أيامها. (رد المحتار / كتاب الأيمان ٥١٩/٥ زكريا)

لو نذر أن يضحي شاة وذلك في أيام النحر وهو موسر، فعليه أن يضحي بشاتين عندنا شاة بالنذر وشاة بإيجاب الشرع ابتداء إلا إذا عنى به

الإخبار عن الواجب عليه فلا يلزم إلا واحدة، ولو قبل أيام النحر لزمه شاتان بلا خلاف؛ لأن الصيغة لا تحتمل الإخبار عن الواجب، إذ لا وجوب قبل الوقت، وكذا لو كان معسرًا ثم أيسر في أيام النحر لزمه شاتان. (رد المحتار / أول كتاب الأضحية ٤٦٤/٩ دار عالم الكتب)

ولو نذر أن يضحي شاة وذلک في أيام النحر وهو موسر فعليه أن يضحي بشاتين عندنا، شاة لأجل النذر وشاة بإيجاب الشرع ابتداءً، إلا إذا عنى به الإخبار عن الواجب عليه بإيجاب الشرع ابتداءً؛ فلا يلزمه إلا التضحية بشاة واحدة، ومن المشايخ من قال: لا يلزمه إلا التضحية بشاة واحدة، ولو قال ذلک قبل أيام النحر يلزمه التضحية بشاتين بلا خلاف ...... وكذلک لو قال: ذلک وهو معسر ثم أيسر في أيام النحر فعليه أن يضحي بشاتين؛ لأنه لم يكن وقت النذر أضحية واجبة عليه، فلا يحتمل الإخبار فيحمل على الحقيقة الشرعية، وهو الانشاء فوجب عليه أضحية بنذره وأخرى بإيجاب الشرع ابتداء لوجود شرط الوجوب وهو الغني.

(بدائع الصنائع، كتاب الأضحية / فصل شرائط الوجوب ١٩٥/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۴۰/۸/۱۷

بیٹا پیدا ہونے پر بکری کی نذر مانی لیکن مردہ بیٹا پیدا ہوا

سوال (۹۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر بیٹا پیدا ہو، تو ایک بکری ذبح کروں گا؛ لیکن بیٹا مردہ پیدا ہوا، تو اُس پر بکری ذبح کرنا لازم ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر چہ مردہ بیٹا پیدا ہوا، پھر

بھی نذر پوری کرنا لازم ہے؛ اِس لئے کہ عرف ولغت میں مردہ بیٹے پر بھی بیٹے کا اطلاق ہوتا ہے۔

المستفاد: وإذا قال: إن ولدت ولدًا فأنت طالق فولدت ولدًا ميتًا طلقت ...... لأن الموجود مولود، فيكون ولدًا حقيقةً، ويعتبر ولدًا في الشرع.

(رد المحتار، كتاب الطلاق / باب التعليق ٤/ ٦٢٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بیٹی کی صحت یابی پر گیارہویں کرنے کی نذر

سوال (۹۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاتون نے نذر مانی تھی کہ اُن کی بیمار بیٹی اگر صحت پا جائے تو ہر سال متعین ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارھویں کریں گی، چند سال کیا بھی مگر اَب نہیں کرتیں، بدعت ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اُنہوں نے جو نذر مانی تھی اُس نذر کا کیا حکم ہے؟ اور کیا اُس کا ہر سال اَدا کرنا ضروری ہے؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- گیارھویں منانا تو بدعت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، اِس لئے اُس کی نذر بھی منعقد نہ ہوگی؛ لیکن اگر گیارھویں کا لفظ بول کر کسی بزرگ کے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ مراد لیا ہے جیسا کہ معروف ہے، تو صدقہ کرنے کی حد تک نذر معتبر اور نافذ ہوجائے گی اور شرط پائے جانے پر کسی مہینے اور تاریخ کی تعیین کے بغیر ہر سال میں ایک مرتبہ حسبِ استطاعت کچھ نہ کچھ صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

والنذر من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أو غيرها غير المعلق ولو معينا لايختص بزمان ومكان ودرهم وفقير، فلو نذر التصدق يوم الجمعة

بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز. (رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان ومكان الخ ٥/٥٢٤ زكريا، ٣/٧٤١ كراچی)

ومن نذر نذرًا مطلقًا أو معلقًا بشرط وكان من جنسه واجب ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر. (الدر المختار، كتاب الأيمان / مطلب: في أحكام النذر ٥/٥١٦ زكريا، ٣/٧٣٥ كراچی)

النذر إن كان في المباح أو في المعصية فلا يلزمه. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦/٢٨١ رقم: ٩٣٧٦ زكريا، بدائع الصنائع ٢/٢٢٧-٢٢٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچہ ٹھیک ہونے پر مدرسہ والوں کو سموسہ کھلانے کی نذر

سوال (۹۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا بچہ ٹھیک ہوگیا تو میں مدرسے والوں کو سموسے کھلاؤں گا، پھر اُس کا بچہ ٹھیک ہوگیا۔ اَب سوال یہ ہے کہ مدرسے والوں میں اغنیاء اور فقرا دونوں ہیں، تو کیا دونوں کو کھلانا واجب ہوگا؟ اور اگر صرف فقراء کو کھلانا ہے تو کیا سبھی فقراء کو کھلانا ہوگا؟ نیز یہ کہ کتنے سموسے کھلانے ہوں گے؟ ایک مفتی صاحب نے جواب دیا کہ کم سے کم تین نادار طلبہ کو کم سے کم تین سموسے کھلائے جائیں، جب کہ دوسرے مفتی صاحب کی رائے یہ ہے کہ کم سے کم دس فقراء کو فی فقیر ایک صدقہ فطر کی قیمت کے بقدر کھانا کھلایا جائے، تو آپ تحقیق کرکے بتائیں کہ کون سی رائے زیادہ صحیح ہے؟ اور اگر اِن دونوں کے علاوہ کوئی اور حکم ہو تو اُس کو بھی واضح کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں صرف مدرسے کے نادار طلبہ کے حق میں نذر منعقد ہوگی، اور شرط پائی جانے کے بعد بطورِ نذر کم از کم دس فقراء کے حساب سے

دس صدقہ فطر کی قیمت کے بقدر صدقہ کرنا لازم ہوگا، اور اس میں سمو سے کھلانا کوئی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ کوئی اور چیز یا روپئے پیسے بھی صدقہ کئے جاسکتے ہیں۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ کسی ایک ہی فقیر کو پوری رقم دے دی جائے، یا بانٹ کر دی جائے، سب کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴۹۰/۵)

اِس حکم کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب نذر میں مطلق صدقہ بولا جاتا ہے تو وہ کم سے کم صدقہ مراد ہوتا ہے، جو شریعت میں مشروع ہے اور وہ کفارہ یمین میں ۱۰؍ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

نذر التصدق على الأغنياء لم يصح ما لم ينو أبناء السبيل (الدر المختار) وتحته في الشامية: نذر أن يتصدق بدينار على الأغنياء، ينبغي أن لا يصح قلت: ولعل وجه عدم الصحة في الأول عدم كونها قربة أو مستحيلة الكون لعدم تحققها؛ لأنها للغني هبة. (رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب في أحكام النذر ٥٢٠/٥ زكريا)

وإن نوى صدقة ولم ينو عددًا فعليه إطعام عشرة مساكين لكل مسكين نصف صاعٍ لما ذكرنا. (البحر الرائق، كتاب الأيمان / قبيل باب اليمين في الدخول الخ ٥٠٠/٤ زكريا)

لو قال: إن فعلت كذا فعلي صوم يوم أو إطعام مسكين لزمه إطعام عشرة مساكين أو صوم ثلاثة. (بدائع الصنائع، كتاب النذر / حكم النذر ٢٤٣/٤ المكتبة النعيمية ديوبند)

وفي الخلاصة: لو قال لله علي إطعام المساكين فهو على عشرة عند أبي حنيفة. (البحر الرائق / كتاب الأيمان ٤٩٨/٤-٤٩٩ زكريا)

قال: علي نذر ولم يزد عليه ولا نية له فعليه كفارة يمين، ولو نوى صيامًا بلا عددٍ لزمه ثلاثة أيامٍ، ولو صدقة فإطعام عشرة مساكين كالفطرة. (تنوير الأبصار مع الدر) وتحته في الشامية: أي لكل مسكين نصف صاع من بر. (الدر المختار، كتاب الأيمان / قبيل: باب اليمين في الدخول والخروج الخ ٥٢٦/٥ زكريا)

قلت: وكما لا يتعين الفقير لا يتعين عدده، ففي الخانية: إن زوجت بنتي فألف درهم من مالي صدقة، لكل مسكين درهم فزوّج ودفع الألف إلى

مسكين جملة جاز. (رد المحتار، كتاب الأيمان / مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان الخ ٥٢٥/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

فلاں بیمار کی عیادت کرنے کی نذر ماننا

سوال (۹۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو فلاں بیمار کی عیادت کروں گا اور وہ کام ہوجائے تو اُس پر عیادت لازم ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- مریض کی مزاج پرسی چوں کہ فرض یا واجب کے قبیل سے نہیں ہے، اِس لئے شرعاً اُس کی نذر بھی لازم نہ ہوگی (تاہم اگر مزاج پرسی کرے گا تو اَجر وثواب کا مستحق ہوگا)

ومن شروطه أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض. (منحة الخالق على البحر الرائق / كتاب الأيمان ٤٩٨/٤ زكريا، رد المحتار مع الدر المختار / كتاب الأيمان ٥١٦/٥ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب النذر / شروط النذر ٢٢٨/٤ زكريا)

ولو نذر عيادة المريض لم يصح. (الفتاوىٰ السراجية، كتاب الأيمان / باب النذر ص: ٢٧٠ مكتبة الاتحاد ديوبند)

والأصل في ذلك أن كل ما كان له أصل في الفروض لزم الناذر بنذره، وكل ما لم يكن له أصل في الفروض لا يلزم الناذر بنذره، فالذي له أصل: الصوم والصلاة والصدقة والاعتكاف والذي لا أصل له في الفروض:

عيادة المريض وتشييع الجنازة. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الأيمان / الفصل السادس والعشرون في النذور ٢٨١/٦ رقم: ٩٣٧٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۴۰ھ

اپنا مکان مسجد کو وقف کرنے کی نذر ماننا

سوال (۹۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو اپنا مکان مسجد کو وقف کروں گا؛ حالاں کہ وقف اپنی ذات کے اعتبار سے فرض یا واجب نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- وقف میں چوں کہ انجام کے اعتبار سے مصارف خیر پر صدقہ کا معنی پایا جاتا ہے؛ لہٰذا وقف کی نذر بالاتفاق معتبر اور نافذ ہے۔

ولذا صححوا النذر بالوقف؛ لأن من جنسه واجبًا وهي بناء مسجد للمسلمين كما يأتي. (رد المحتار / كتاب الأيمان ٥١٦/٥ زكريا)

ومن نذر نذرًا مطلقًا أو معلقًا ...... ووجد الشرط لزم الناذر كصوم وصلاة وصدقة ووقف ...... مسجد للمسلمين واجبٌ على الإمام من بيت المال. قال الشامي تحته: أي في كل بلدة على الظاهر. وقوله: وإلا أي وإن لم يفعل الإمام فعلى المسلمين. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الأيمان ٥١٥/٥-٥١٨ زكريا، منحة الخالق على البحر الرائق / كتاب الأيمان ٤٩٨/٤ زكريا)

صحة النذر بالوقف من جهة أنه تصدق بالمنفعة فإنه عبادة مقصودة. (تقريرات الرافعي على رد المحتار ١٥/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۴۰ھ

اَمانت، جرمانہ اور صلح کے مسائل

اَمین کی لاپرواہی کی وجہ سے اَمانت کی رقم چوری ہوگئی

سوال (۹۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس بطور اَمانت کے کچھ رقم رکھی گئی، اُس نے اُس اَمانت کو کمرہ میں سیف الماری میں رکھ دیا، کمرہ کی چابیاں معتبر لوگوں کے پاس تھیں، کمرہ میں لوگوں کی آمد ورفت چل رہی تھی، اِسی اثناء میں اَمین سے دھوکہ سے سیف الماری میں چابی لگی رہ گئی اور اِس دوران اَمانت میں رکھی ہوئی رقم چوری ہوگئی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا امین پر حفاظت کرنے کے باوجود ضمان آئے گا جب کہ وہ پورے طریقے سے حفاظت کررہا تھا، ایک روز بھولے سے چابی لگی رہ گئی تھی، جب یہ رقم چوری ہوئی ہے، درخواست ہے کہ مسئلے کی شکلوں کو واضح فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ایسا کمرہ جہاں مختلف لوگوں کی آمد ورفت پائی جاتی ہو، اُس میں اَلماری کی چابی دروازہ میں لگی چھوڑ دینا امین کی طرف سے کھلی ہوئی لاپرواہی ہے۔ بریں بناء مسئولہ صورت میں اَمانت کی رقم کے چوری ہونے پر اَمین کو ضامن بنایا جائے گا اور ضائع شدہ رقم اُس پر اصل مالک کو اَدا کرنی لازم ہوگی۔

وفي الخانية: إذا سرقت الوديعة من دار المودع، وباب الدار مفتوح، والمودع غائب عن الدار قال محمد بن سلمة: كان ضامنًا. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۹/۱٦ رقم: ۲٤۰۳۰ زكريا)

في فتاویٰ أبي الليث: المودع إذا وضع الوديعة في الدار وخرج والباب مفتوح، فجاء سارق ودخل الدار وسرق الوديعة، فإن لم يكن في الدار أحد ولا في موضع يمنع المودع الحبس يضمن؛ لأن هذا تضييع. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٩/١٦ رقم: ٢٩ ٢٤٠ ٢ زكريا)

لو قال وضعتها بين يدي وقمت ونسيتها فضاعت يضمن ولو قال: وضعتها بين يدي في داري والمسئلة بحالها إن مما لا يحفظ في عرصة الدار كصرة النقدين يضمن، ولو كان مما تعد عرصتها حصنًا له لا يضمن، بزازية وخلاصة وفصولين وذخيرة وخانية ...... والمعتبر في ضمان المودع التقصير في الحفظ، ألا ترى أنه لو وضعها في داره الحصينة وخرج وكانت زوجته غير أمينة يضمن. (رد المحتار / كتاب الإيداع ٨/٤٦٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَمین کی اِجازت کے بغیر اَمانت میں تصرف کرکے نفع حاصل کرنا

سوال (۹۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس دوسرے شخص کے ۵۰/ ہزار روپئے بطور اَمانت رکھے تھے، زید نے مالک کی اِجازت کے بغیر وہ ۵۰/ ہزار روپئے کاروبار میں لگادئے، جس سے ۱۵/ ہزار روپئے کا نفع حاصل ہوا، تو زید کے لئے یہ ۱۵/ ہزار روپئے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ سے درخواست ہے کہ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چوں کہ زید نے اَمانت کے طور پر رکھے ہوئے ۵۰/ ہزار روپئے میں مالک کی اجازت کے بغیر تصرف کرکے ۱۵/ ہزار

روپئے نفع کمایا ہے، تو یہ نفع اُس کے لئے حلال نہیں، اِس پوری رقم کو صدقہ کرنا لازم ہے۔

فإذا تصرف الغاصب أو المودع في العرض أو النقد يتصدق بالربح لتعلق العقد بمال غيره. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدراهم في العقد الفاسد ۷/۳۰۰ زكريا)

حتى أن الغاصب أو المودع إذا تصرفا في المغصوب والوديعة وهما عرض أو نقد وأديا ضمانهما وفضل ربح وجب التصدق به عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله لأنه بدل مال الغير فيما يتعين فيثبت فيه حقيقة الخبث.

(فتح القدير، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه ٦/٤٣٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلاق کے بعد حج کے اِرادے سے بیوی کے کھاتے میں جمع کردہ رقم کا حکم

سوال (۹۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شوہر نے بیوی کے نام بینک میں کھاتہ کھلوا کر کچھ رقم جمع کرتا رہا، اُس رقم سے اِرادہ یہ تھا کہ بیوی کو حج کرادیں گے، اَب اگر طلاق کی نوبت آجاتی ہے تو یہ رقم بیوی کی ہوگی یا شوہر کی؟ شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - جو رقم بیوی کے کھاتے میں شوہر کی طرف سے اُس کو حج کرانے کے لئے جمع کرائی گئی ہے، یہ اَمانت کے درجے میں ہے، جب تک یہ رقم حج میں نہیں لگے گی اُس وقت تک اُس پر شوہر کی ملکیت برقرار رہے گی؛ لہٰذا حج سے قبل اگر طلاق کی نوبت آجائے تو شوہر یہ رقم واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔

واجمعوا على أن الأمانات مردودة إلى أربابها الأبرار منهم والفجار.

(تفسير القرطبي [سورة النساء آيت: ۵۸] ۲۵۶/۵ دار الكتب المصرية القاهرة)

متى أراد المودع أخذ وديعته لزم المستودع ردها لقوله تعالىٰ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ (إعلاء السنن، كتاب الوديعة / باب لا ضمان على المؤتمن ۶۵/۱۶-۶۴ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۸/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کار ایکسیڈینٹ میں ڈرائیور سے تاوان کا مطالبہ کرنا

سوال (۹۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موضع دولرا میں زید کے پاس ایک ''زائلو کار'' ہے۔ ۲۴/ اپریل ۲۰۱۹ء کو زید ہی کے خاندان میں برکت نام کے ایک لڑکے کی شادی تھی، چوں کہ زید مولوی ہے اور ایک مدرسہ کی نظامت بھی کرتا ہے، بتاریخ ۲۴/ اپریل ۲۰۱۹ء کو زید کو ایک ضروری کام سے بریلی جانا تھا اور وہ وقت مدرسہ کے لئے عشر کے طور پر گندم وصول یابی کا تھا، اسی کے پیش نظر زید نے گھر سے بریلی جاتے وقت تاکید کردی کہ گاڑی لے کر کوئی نہ جائے کہ میں جامعہ کے اَساتذہ کو لے کر فیلڈ میں جاؤں گا، دوپہر کے وقت باراتیں نکلتی ہیں، زید کے خاندان سے جو بارات جارہی تھی وہ بھی حسبِ روایت دوپہر کو ہی گھر سے نکلی، تقریباً ڈھائی بجے بارات میں جانے والے کچھ لڑکوں کا فون زید کے بیٹے کے پاس آیا، جب کہ زید کا لڑکا اس وقت گھر میں سو رہا تھا، وہ اُٹھا اور فون سنا تو اُن لڑکوں نے کہا کہ رضوان بھائی اپنی گاڑی لے آؤ بارات میں چلنا ہے، دوسری کاریں بھر کر چلی گئیں، لڑکے نے اپنی امی سے معلوم کیا اور کہا کہ مجھے لڑکے بارات میں لے جانے کو کہہ رہے ہیں، زید کی بیوی نے اپنے بیٹے محمد رضوان سے کار لے جانے کے لئے منع کردیا، اور کہہ دیا کہ تیرے پاپا نے منع کردیا ہے، وہ کہیں اساتذہ کو لے کر جائیں گے؛ لیکن لڑکوں نے اصرار کیا اور

رضوان کو گاڑی لے چلنے کے لئے مجبور کیا، زید کی بیوی نے رضوان سے کہا کہ موبائل پر بات کر کے اپنے پاپا سے اجازت لے لو، رضوان نے فون کیا؛ لیکن اس وقت زید ظہر کی نماز اَدا کر رہا تھا، فون پر بات نہیں ہو پائی، اس پر زید کی بیٹی نے بھی بھائی کی طرف سے سفارش کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اَمی جانے دو بھائی کی بھی تو کوئی عزت ہے، پاپا کے آنے تک بھائی واپس آ جائیں گے؛ لہٰذا رضوان کو کار کی چابی دے دی گئی اور وہ اپنی زائلو کار میں لڑکوں کو بٹھا کر لے گیا؛ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا، کرن پور کے پاس جا کر کار کا پچھلا پہیہ برسٹ ہو گیا، اور کار نے اپنا بیلنس کھو دیا، جس کی وجہ سے کار نہر میں جا گری اور پلٹ گئی، چیخ پکار سن کر راہ گیروں نے کھڑکیاں اور کار کے دروازے توڑ کر زخمیوں کو اُس میں سے نکالا اور اسپتالوں میں داخل کرایا۔ اِس دوران ایک لڑکا رضوان ابن اقرار دم توڑ گیا، زید کے بیٹے کے جسم میں چار جگہ فریکچر ہو گیا، ایک لڑکا محمد عاصم سنگین صورتِ حال اختیار کر گیا، اس کو ’’کوس موس‘‘ اسپتال میں داخل کرایا گیا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ انہیں لڑکوں کے اصرار نے زید کے بیٹے کو کار لے جانے کے لئے مجبور کیا تھا، مرنے والے کے باپ اور پورے خاندان نے کہا ہمارے بچے کا پوسٹ مارٹم نہ ہو، ہم کوئی کاروائی نہیں چاہتے، ہم پنچ نامہ دینے کو تیار ہیں، ہم کوئی قانونی کاروائی نہیں چاہتے، اس پر ببو نمبر دار، حاجی محمد اویس پسر ودھا یک حاجی محمد رضوان اور دیگر نے کوشش کر کے پی ایم بچوا دیا، اور پنچ نامہ بھروا کر لاش کو گھر بھجوا دیا اور دفنا دیا، زید بھی اس کاوش میں ساتھ تھا جب کہ انہیں ہنگامی حالات میں دوسرے زخمی محمد عاصم ابن فرمود کو ’’کوس موس‘‘ اسپتال میں اپنی بیوی ہمراہ تیمارداری کے لئے لے گیا۔

جناب مفتیان کرام کچھ دن پہلے ہی زید کی کار کے بیمہ کی مدت ختم ہوئی تھی اور زید کی کار کرایہ پر بکنگ وغیرہ میں نہیں چلتی تھی، اس لئے بیمہ کی تجدید کرانے میں تاخیر ہو گئی، موت کے تقریباً ۱۵؍ یا ۱۶؍ دن کے بعد مہلوک رضوان کی ماں شہانہ نے عدالت میں معاوضہ کا دعویٰ کر دیا جس کا نوٹس عدالت نے بھیج کر مقدمہ کی تصدیق کی، اور پھر تقریباً ڈیڑھ دو ماہ بعد زخمی محمد عاصم

کے باپ فرمود نے ۱۵۶/۳ کے تحت عدالت میں معاوضہ کا مقدمہ ڈال دیا، تو کیا مذکورہ بالا اچانک حادثہ ہوجانے پر اُن لوگوں کا معاوضہ Clame کا دعویٰ جائز ہے جب کہ خود بلا کر اصرار کر کے یہی کار لے کر گئے تھے۔

حضور مفتیان گرامی! کل بتاریخ ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۹ء زید کی مخالف پارٹی یعنی زخمی لڑکے والوں کی طرف سے پنچایت کو دعوت دی گئی کہ زید کے پاس خیر الدین پردھان پنچایت کا پیغام لے کر گیا، اس سے قبل بھی زید کی طرف سے پنچایت کی کوشش کی گئی تھی، مگر اس وقت چوٹل (محمد عاصم) کے چچا اور باپ کی طرف سے رقم کا مطالبہ کیا گیا تھا، زید نے رقم دینے والی پنچایت میں جانے سے منع کر دیا، خیر الدین پردھان نے کہا پنچایت میں پیسوں کی بات نہیں ہوگی تو پنچایت ۲۰/ اکتوبر کو دن میں ۱۰/ بجے جونیئر ہائی اسکول میں طے ہوگئی، تمام پنچ حضرات علاقائی اور لائق احترام تھے؛ لیکن سب غیر عالم تھے، پنچایت میں ایک رسم دوہرائی جاتی ہے کہ ہاں بھائی ہم تمہارے اوپر ۱۰/ لاکھ کا ڈنڈ ڈالیں گے منظور ہے، اور ہاں بھائی ہم تمہیں کنڈے میں ڈالیں گے، منظور ہے۔ فریقین کہتے ہیں کہ منظور ہے تو زید و بکر نے کہا منظور ہے، پنچ حضرات آنکھیں بند کر کے فیصلہ کر لائے کہ زید بکر کو ۲/ لاکھ روپئے دے گا، جب کہ زید کے بیٹے کی چوٹیں ساری زندگی ٹھیک نہیں ہوں گی، اور ۴-۵/ لاکھ روپئے کا نقصان الگ ہے۔

اِس فیصلے پر زید نے کہا کہ پنچوں کا فیصلہ منظور ہے؛ لیکن ۲/ لاکھ کے انتظام میں ۲/ سال لگ جائیں گے، اس پر ایک پنچ کچھ بھڑکے تو زید کی زبان سے نکل گیا کہ پنچ بھی آنکھیں موند کر یک طرفہ فیصلہ کرتے ہیں، یہ ہم نے پہلی بار دیکھا ہے، جناب مفتیان گرامی کیا پنچوں کی پنچایت درست تھی؟ کیا زید کا عمل اور زید کا قول غلط تھا؟

اِس فیصلے پر زید کا کیا تأثر ہونا چاہئے تھا؟ کیا ظلم پر ظلم سہنا اسلام میں جائز ہے؟ تفصیل کے ساتھ مدلل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِس معاملہ میں بظاہر ڈرائیور کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں پائی گئی؛ بلکہ وہ خود بھی زخمی ہوا، اِس لئے اِس حادثہ پر مالک سے کسی قسم کے تاوان کا مطالبہ درست نہیں، اور پنچوں کی طرف سے غیر شرعی فیصلہ کی تعمیل لازم نہیں ہے۔

والمتسبب يُضمن إذا كان متعديًا. (رد المحتار، كتاب الديات / باب جناية البهيمة والجناية عليها ٦/٥٩٦ كراچی)

والمتسبب لا يضمن إلا أن يتعدَّ. (مجمع الزمانات / باب في مسائل الجنايات، الفصل الأول في الجناية باليد مباشرة وتسببًا ص: ١٦٥ دار الكتاب الإسلامي / بحوالة: آن لائن دار الافتاء بنور ٹاؤن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ایکسیڈنٹ پر جرمانے کا حکم

سوال (۹۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایکسیڈنٹ میں جرمانے کے طور پر جو پیسہ لیتے ہیں تو اُس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر ایکسیڈنٹ کرنے والے کی غلطی ثابت ہوجائے تو اُس سے تاوان لے سکتے ہیں؛ مگر اُس کی رقم قتل خطا کی دیت (ایک ہزار دینار سونا یا دس ہزار درہم چاندی) سے زائد نہ ہونی چاہئے۔

قال العلامة الشيخ محمد تقي عثماني حفظه الله: ثم لم يذكر الفقهاء حكم السيارة لعدم وجودها في عصرهم. والظاهر أن سائق السيارة ضامن

لـمـا أتـلـفته في الطريق سواء أتلفته من القدام أو من الخلف. (تـكملة فتح الملهم، كتاب الحدود / حكم ما تتلفه السيارة ٥٢٣/٢ المكتبة الأشرفية ديوبند، ٤٦٠/٨ زكريا)

ضمن الراكب في طريق العامة ما وطئت دابته الخ (الدر المختار) أي: مـن نفس أو مال فتجب في الدية عليه وعلى عاقلته. (رد المحتار / باب جناية البهيمة ٢٧٢/١٠ زكريا، ٦٠٣/٦ كراچی)

وفـي الخطا كذلک لا تصح الزيادة؛ لأن الدية في الخطأ مقدرة؛ حتى لـو صالح بغير مقاديرها صح كيف ما كان الخ. (الـدر المختار مع رد المحتار / كتاب الصلح ٤١٤/٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

سی اے کی غفلت کی وجہ سے رجسٹریشن منسوخ ہوگیا تو تاوان کس پر ہوگا؟

سوال (۹۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خالد نے اپنے سی اے پر پورا اعتماد کر رکھا ہے، خالد کی دوکان سے متعلق کچھ نوٹس سرکاری آتے رہے وہ نوٹس خالد اپنے سی اے کو دیتا رہا اور کہتا رہا کہ ان کا جواب دیتے رہو، سی اے نے کہا کہ نوٹس تو آتے رہتے ہیں، اس سے کچھ نہیں ہوتا اور جواب نہیں دیا، بالآخر دوکان کا رجسٹریشن ختم ہوگیا اب دوبارہ رجسٹریشن کرانے میں ڈیڑھ لاکھ روپئے خرچ ہوں گے، تو دیافت یہ کرنا ہے کہ سی اے کی غفلت اور نوٹس کے جواب نہ دینے کی وجہ سے رجسٹریشن ختم کردیا گیا تو کیا یہ خرچ ہم سی اے سے وصول کرسکتے ہیں؟ قرآن کریم اور اَحادیث طیبہ کی روشنی میں شرعی حکم سے تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر واقعۃً دوکان کا رجسٹریشن ختم ہونے کا سبب سی اے کی لاپرواہی اور کوتاہی ہے، تو اِس کوتاہی کی وجہ سے جو تاوان خالد پر آئے گا اُس کی ذمہ داری سی اے پر ڈالی جاسکتی ہے؛ لیکن اگر کسی اور وجہ (مثلاً مدت پوری ہونے کی وجہ) سے رجسٹریشن ختم ہوا ہے تو اُس کی تجدید کی ذمہ داری سی اے پر نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ حقانیہ ۶/۲۵۲)

مستفاد: حکم أجیر الوحد أنه أمین في قولهم جمیعًا حتی أن ما هلک من عمله لا ضمان علیه فیه إلا إذا خالف فیه، والخلاف أن یأمره بعمل فیعمل غیره، فیضمن ما تولد منه حینئذ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الإجارة / الباب الثامن والعشرون في بیان حکم الأجیر الخاص والمشترک ۴/۵۰۰ زکریا قدیم، درر الحکام شرح مجلة الأحکام / الفصل الثالث في حق ضمان الأجیر ۱/۷۱۱ دار عالم الکتب الریاض)

ثم إن تعدی الأجیر لا ینحصر بمخالفته لأمر الآجر، بل إن مخالفته لمقتضی العقد تعد أیضًا تعدیا یوجب الضمان. (شرح المجلة ۱/۳۲۷ رقم: ۶۰۸ مکتبة الاتحاد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۹/۵/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صلح پر مالی معاوضہ لینا

سوال (۹۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بالغ لڑکا پتھر مار کر جامن توڑ رہا تھا، اُس کو منع کیا گیا کہ ایسا مت کرو، اِس طرح مت توڑو، کسی کے لگ جائے گا؛ لیکن وہ نہیں مانا، پھر اچانک وہ پتھر ایک نابالغ بچے کے سر پر لگ گیا اور کافی تیز لگا، جس کے سبب اُس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا اور آپریشن کی نوبت آ گئی؛ لیکن بچپن کے سبب ڈاکٹر نے آپریشن سے منع کردیا؛ فی الحال دوائی اور دعا سے ہی علاج ہو رہا ہے،

بچہ کے والدین نے صبر سے کام لیا؛ لیکن مارنے والا نا ہنجار قسم کا آدمی ہے، اِس سے پہلے بھی اور غلط معاملے سامنے آئے ہیں، تو برادری کے لوگوں نے زخمی بچے کے والد سے کہا کہ آپ کیس کریں، پھر اِسی درمیان فیصلہ ہوا کہ مارنے والے ۵۰/ ہزار روپئے دیں، اور وہ اِس پر راضی ہوگئے، آیا یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں پتھر مار کر بچے کو زخمی کرنے والے شخص کے گھر والوں سے صلح کے طور پر ۵۰/ ہزار روپئے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ويصح عن جناية العمد والخطأ الخ، وأما الثاني وهو جناية الخطأ، فلأن موجبها المال فيصير بمنزلة البيع. (الهداية، كتاب الصلح / فصل: والصلح جائز عن دعوى الأموال والمنافع ٢٤٧/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنے حصے کا عوض لینے کے باوجود باقی جائیداد میں اپنا نام درج کرانا

سوال (۹۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم ۶/ بھائی بہن ہیں، والد اور والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، بڑے بھائی نے جائیداد کا بٹوارہ سب بہنوں اور بھائی کی رضا مندی سے ۵/ گواہوں کو شامل کر کے ۱۰۰/ روپیہ کے اسٹامپ پیپر پر دستخط کر کے سمجھوتا کیا، دو بھائیوں کے حصہ میں مکان آیا، جس کی قیمت لگ بھگ ۱۰/ لاکھ سے اُوپر تھی، اور ایک پلاٹ جس پر ۱۱/ ہزار کی بجلی کی لائن گذر رہی ہے، دو بہنوں اور ایک بھائی کے حصہ میں آئی، بجلی کی لائن کی وجہ سے مذکورہ بھائیوں نے پلاٹ لینے سے انکار کر دیا تھا، سمجھوتے کے کاغذ بڑے بھائی نے اپنے پاس رکھ لئے، کاغذ کسی کو نہیں دئے، بڑے بھائی نے ۵۰/ ہزار روپئے – جو کہ والدہ کے اکاؤنٹ میں تھے – یہ کہہ کر لئے کہ میں نے جائیداد میں سے

کوئی حصہ نہیں لیا ہے، اپنے حصے کے پیسے لے لئے، کاغذ کئی بار تقاضہ کرنے کے بعد دئے تو اس میں انہوں نے خاموشی سے بغیر کسی کو بتائے پلاٹ میں چاروں بھائی کے نام لکھوا دئے اور کہہ رہے ہیں کہ بٹوارہ دوبارہ ہوگا؛ کیوں کہ پلاٹ کی قیمت اب کئی گنا بڑھ گئی ہے، ۵۰/ ہزار روپئے واپس کرنے کی بات کہہ رہے ہیں، میں کرایہ کے مکان میں رہ رہا ہوں، جب کہ تینوں بھائی اپنے اپنے مکان میں قابض ہیں، کیا یہ شریعت کے اعتبار سے صحیح ہے؟ سمجھوتے کی فوٹو کاپی ساتھ لایا ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- برتقدیر صحتِ سوال جب مذکورہ جائیدادوں کی سب بالغ وارثین نے آپسی رضا مندی سے تقسیم کر لی اور بڑے بھائی نے اپنے حصہ کے عوض ۵۰/ ہزار روپئے بھی وصول کر لئے، تو بعد میں سب کی رضا مندی کے بغیر اِس تقسیم کو فسخ کر کے بڑے بھائی کا اِس طرح سے پلاٹ میں سب بھائیوں کا نام ڈالنا درست نہیں ہے، پلاٹ کی قیمت بڑھنے سے سابقہ تقسیم کالعدم قرار نہیں دی جاسکتی اور کسی وارث کو دوسرے کی ملکیت میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

تصالح الورثة على إخراج بعض منهم بشيء معين من المال دون كمال حصته وهو جائز إذا تراضوا عليه كما ذكر محمد في كتاب الصلح الخ. (حاشيه سراجي / فصل في التخارج ۹۰ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طالب علم کو تنبیہ کرتے ہوئے اگر نقصان ہو جائے تو اُستاد پر تاوان ہوگا یا نہیں؟

سوال (۹۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر کوئی (اُستاذ) طالب علم کو بطورِ سزا کے مارے اور دورانِ سزا طالب علم کی کوئی مالی چیز (جیسا کہ چشمہ، گھڑی، موبائل) ہلاک ہو جائے، ٹوٹ جائے تو کیا استاذ پر شرعی اعتبار سے تاوان واجب ہوگا؟ کیا ہلاک شدہ چیز کی قیمت کی ادائیگی استاذ پر ضروری ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر طالب علم کے والدین کی طرف سے اُستاذ کو تادیب ضربی کی اجازت دی گئی تھی، پھر کسی واقعی کوتاہی پر مناسب تادیب کرتے ہوئے مذکورہ اشیاء تلف ہوگئیں تو اُستاذ پر کوئی تاوان نہ ہوگا؛ لیکن والدین کی طرف سے اجازت نہ ہو، یا معقول وجہ کے بغیر استاذ نے غیر معمولی تادیب کی ہو تو اسے ہر طرح کے نقصان کا تاوان دینا ہوگا۔

هي فرض عين على كل مكلف وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة (تنوير الأبصار) قال الشامي: قوله بيد أي ولا يجاوز الثلاث وكذلک المعلم ليس له أن يجاوزها قال عليه الصلاة والسلام لمرداس المعلم: "إياک أن تضرب فوق الثلاث فإنک إذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله منک. (رد المحتار / أول كتاب الصلاة ۲/ ٤-٥ زكريا)

لو ضرب المعلم الصبي ضربًا فاحشًا؛ فإنه يعزره ويضمنه لو مات. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحدود / باب التعزير ٦/ ۱۳۱ زكريا)

للمعلم ضرب الصبي الذي يتعلم عنده للتأديب وبتتبع عبارات الفقهاء يتبين أنهم يقيدون حق المعلم في ضرب الصبي المتعلم بقيود منها: أن يكون الضرب معتادًا للتعليم كمًا وكيفًا ومحلًا يعلم المعلم الأمن منه ويكون ضربه باليد لا بالعصا ليس له أن يجاوز الثلاث ...... أن يكون الضرب بإذن الولي؛

لأن الضرب عند التعليم غير متعارف وإنما الضرب عند سوء الأدب فلا يكون ذلك من التعليم في شيء ...... فإذا ضرب المعلم صبيًا يتعلم منه بغير إذن الأب أو الوصي ضمن عند الحنيفة؛ لأنه متعد في الضرب والمتولد منه يكون مضمونًا عليه. (الموسوعة الفقهية ۱۳/۱۳-۱٤ الكويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۶/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابُ البیوع

بیع صحیح کے مسائل

بیع مطلق کسے کہتے ہیں؟

سوال (۹۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بائع اور مشتری میں کسی سامان کے بھاؤ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، پھر کسی ایک بھاؤ پر متفق ہوجاتے ہیں، یہ ساری باتیں مستقبل کے صیغے میں ہوتی ہیں، اس لئے ایجاب وقبول تو ہوا نہیں، پھر مشتری حال کے صیغے میں کچھ سامان مانگتا ہے، بائع مشتری کو سامان دیدیتا ہے تو کیا یہ بیع تعاطی ہے یا نہیں؟ کیا ثمن ادھار ہونے پر مدت مقرر کرنا ضروری ہے؟ اگر مدت مقرر نہیں ہے تو یہ معاملہ فاسد تو نہیں؟ آپ سے درخواست ہے کہ قرآنِ کریم اور اَحادیث شریفہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جب مشتری حال کے صیغے میں کچھ سامان مانگتا ہے اور بائع اُس کو دے دیتا ہے تو یہ بیع تعاطی نہیں رہی؛ بلکہ ایجاب وقبول کی وجہ سے بیع مطلق میں داخل ہوکر یہ بیع درست ہوگئی؛ البتہ عرفاً یا صراحۃً اُدھار کی مدت کی تعیین ضروری ہے، اگر کسی طرح بھی تعیین نہ ہو تو معاملہ فاسد ہوجائے گا۔

إذا وضع عدليًا مثلاً بين يدي صاحب الرمان وحمل رمانته برضا صاحبها ولم يتكلم الآخر انعقد البيع بينهما. (فتاویٰ السراجية، كتاب البيوع / باب انعقاد البيع وعدمه ۱/۴۱۳ زكريا، دار العلوم أفريقية الجنوبية)

وصح بمثن حال وهو الأصل ومؤجل. (شرح التنوير، كتاب البيوع / مطلب: في الفرق بين الأثمان ۵۲/۷ زكريا)

أما الخاصة فمنها معلومية الأجل في المبيع بثمن مؤجل فيفسد إن كان مجهولا. (الفتاویٰ الهندية / أول كتاب البيوع ۳/۳ زكريا)

فإن كان معلومًا في الجملة بحيث لا يقع فيه نزاع، جاز التأجيل إليها وإلا لم يجز. (فقه اليوع / معلومية الأجل ۵۳۹/۱ مكتبة معارف القرآن) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چھوٹے دوکان دار کے آرڈر پر اُدھار سامان فروخت کرنا

سوال (۹۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بڑے دوکاندار چھوٹے دوکان دار کے آرڈر پر بل بنا کر اُدھار سامان فروخت کر کے سامان بھیج دیتے ہیں، ثمن وصولی کی مدت مقرر نہیں ہوتی، چھوٹے دوکان دار بڑے دوکان دار کو تھوڑا تھوڑا بقایا ثمن دیتے رہتے ہیں، کیا یہ بیع تعاطی ہے؟ یہ معاملہ فاسد تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر دوکان داروں میں ثمن کی اَدائیگی کا کوئی عرف جاری ہو تو یہ جہالت مفضی الی النزاع نہ ہونے کی وجہ سے مفسد بیع نہ ہوگی اور یہ معاملہ درست قرار پائے گا۔

فإن كان معلومًا في الجملة بحيث لا يقع فيه نزاع جاز التاجيل إليها وإلا لم يجز. (فقه البيوع، المبحث الخامس / معلومية الأجل ۵۳۹/۱ رقم: ۲۴۷ مكتبة معارف القرآن كراتشي)

أو شرطًا جرى به العرف فيما بين الناس فهو جائز الخ. (فقه البيوع،

المبحث الرابع / الباب الثاني في الشرط الفاسد أو الاستثناء في البيع ٤٨٧/١ رقم: ٢٢٢ مكتبة معارف القرآن كراتشي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معاہدۂ بیع کے بعد ایک فریق کا رقم میں اضافہ کرنا

سوال (۹۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک معاہدۂ بیع رجسٹرڈ ۱۹۹۳ء جناب محمد میاں ولد خورشید الحسن سے چالیس ہزار روپئے کے عوض میں ہوا تھا، اس وقت نقد دس ہزار روپئے کی ادائیگی کردی تھی، مابقیہ رقم رجسٹری کے وقت دینے کا وعدہ ہوا تھا؛ لیکن رجسٹری سے قبل انہوں نے تیس ہزار سے زائد رقم کا مطالبہ کیا تو ہم نے اس کو ادا نہیں کیا اور باہم طے شدہ رقم پر رجسٹری کرانے پر مصر رہے؛ لیکن وہ اس پر تیار نہیں ہوئے؛ بلکہ زائد رقم کا مطالبہ کرتے رہے اور ہم ۱۹۹۳ء سے قابض ودخیل ہیں، تو اب یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ یعنی محمد میاں اب رجسٹری کے لئے تیار ہیں تو کیا ان کو موجودہ رقم کی نصف قیمت کا مطالبہ کرنے کا حق ہے یا پھر ۱۹۹۳ء کی رقم ہی دینی ہوگی یا شرعاً کیا حکم ہے؟ آپ سے درخواست ہے کہ صحیح طور پر رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحت واقعہ اگر آپ نے ۱۹۹۳ء میں محمد میاں سے مذکورہ زمین کا رجسٹرڈ معاہدہ کرالیا تھا اور اُس زمین پر آپ قابض ودخیل بھی ہوگئے تھے، تو اس زمین پر آپ کی ملکیت آچکی ہے اور اُصولی اعتبار سے آپ صرف مابقیہ ۳۰/ ہزار روپئے ہی محمد میاں کو اَدا کرنے کے ذمہ دار ہیں؛ تاہم اگر آپ صلح سے کام لیتے ہوئے محمد میاں کی طرف سے قیمت میں اِضافہ کے مطالبہ کو بخوشی قبول کرلیں گے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، ایسی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ آپ نے اپنی طرف سے قیمت میں زیادتی کردی ہے۔

إذا حصل الإيجاب و القبول لزم البيع. (الهداية / كتاب البيوع ۲۰/۳ المكتبة النعيمية ديوبند)

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: ...... المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱)

ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن. (الهداية، كتاب البيوع / قبيل باب الربا ۸۰/۳ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۳/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چاندی کا برتن بنانا اور اُس کی خرید وفروخت کرنا

سوال (۹۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی ایک کمپنی ہے جس میں پانی اور تیل کی اسٹیل بوتل بنتی ہے، کسی نے اُن سے کہا کہ آپ ہمارے لئے چاندی کی بوتل بنا دیجئے، کیا زید دوسرے کے لئے چاندی کی بوتل تیار کرسکتا ہے؛ جب کہ تیار کرانے والا مسلم بھی ہوسکتا ہے اور غیر مسلم بھی؟ کیا مسلم کو بنا کر دے سکتا ہے کہ اُس کا استعمال ناجائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - چاندی کا برتن استعمال کرنا تو ناجائز ہے؛ لیکن اُس کو بنا کر خرید وفروخت کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ ایک قیمتی شیٔ ہے۔

عن ابن أبي ليلىٰ قال خرجنا مع حذيفة – رضي اللّٰه عنه – وذكر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تشربوا في آنية الذهب والفضة ولا تلبسوا

الحرير ولا الديباج فإنها لهم في الدنيا ولكم في الآخرة. (صحيح البخاري، كتاب الأشربة / باب آنية الفضة ٨٤٢/٢ رقم: ٥٦٣٣)

وكره الأكل والشرب والادهان والتطيب من إناء ذهب وفضة للرجل والمرأة. (رد المحتار/ كتاب الحظر والإباحة ٤٩٢/٩ زكريا)

لو باع فضة بفلوس فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب الصرف ٥٢٢/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک لڑکے کا اپنی ماں کے مال کو کم قیمت پر خریدنا

سوال (۹۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کئی اَولادوں میں سے کسی ایک کا اپنی ماں کا مال بازاری قیمت سے کم پر خریدنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: - اگر فریقین راضی ہوں تو فی نفسہٖ یہ معاملہ درست ہے؛ لیکن اگر دیگر بھائیوں کو اعتراض ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اِس میں ایک طرح سے اَولاد کے ساتھ معاملات کرنے میں تفریق لازم آتی ہے جو شرعاً پسندیدہ نہیں ہے۔

الثمن المسمى هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع بالتراضي سواء كان مطابقًا لقيمته حقيقية أو ناقصًا عنها أو زائدًا عليها. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٧٣/١ رقم: ١٥٣)

ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع ويجوز أن يحط عن الثمن. (الهداية، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ٨٠/٣ مكتبة بلال ديوبند ٧٥/٣ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وروي المعلى عن أبي يوسف أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار

وإن قصد به الإضرار سوی بینهم وهو المختار. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الهبة / الباب السادس في الهبة للصغیر ٤/٣٩١ زکریا جدید، ٤/٣٩١ زکریا قدیم) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے کفن اور تختوں کو نفع کے ساتھ فروخت کرنا

سوال (۹۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دونک پوری ٹانڈہ میں عیدگاہ وقبرستان کی ایک کمیٹی تنظیم خدام المسلمین کے نام سے ہے، جو تقریباً ۲۶؍سال سے خدمت انجام دے رہی ہے، کمیٹی کے اَفراد بستی کے لوگوں سے چندہ کر کے عیدگاہ وقبرستان کی باؤنڈری وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں، مکمل دیکھ بھال تنظیم ہی کے ذمہ ہے، کمیٹی کے لوگوں نے ایک اسکول بھی کھولا ہے جس میں بستی کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، اسکول میں پانچ ٹیچر کام کر رہے ہیں، تنظیم نے کفن اور تختوں کا بھی انتظام کر رکھا ہے، میت کے سامان کو نفع کے ساتھ فروخت کیا جاتا ہے۔

سائل معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کمیٹی کے تحت میں جو عیدگاہ، قبرستان واسکول ہیں، ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی میت کے سامان کے نفع کی رقم خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مذکورہ تنظیم کا کفن اور تختوں کو فروخت کر کے نفع اُٹھانا ایک جائز عمل ہے اور اس نفع کی رقم تنظیم حسبِ صواب دید اپنے ماتحت اداروں اور قبرستان میں خرچ کر سکتی ہے۔

المرابحة بیع ما شراه بما شراه به وزیادة. (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب البیوع / باب المرابحة والتولیة ٢/٧٤ دار إحیاء التراث العربي بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۱۰/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''شمس'' نامی عطر کی جگہ مشتری کو ''سراج'' بیچنا

سوال (۹۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری عطر کی دوکان ہے، کئی عطر کے نام ہم خود ہی رکھتے ہیں، مثلاً: شمس، سراج، فلق، وغیرہ وغیرہ؛ چناں چہ پوچھنا یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ہم سے شمس نامی عطر طلب کیا ہے اور ہم نے اُس کو ''سراج'' نامی عطر بتایا، اُس نے اُسے ''شمس'' ہی سمجھا اور اُسے وہ پسند بھی آیا اور وہ مطمئن بھی ہوگیا اور بسا اَوقات دونوں عطر کی خوشبو ملتی جلتی بھی ہوتی ہے اور ہم نے یہ بھی کہا کہ پوری بوتل استعمال کرکے بھی پسند نہ آئے تو واپس لے آنا، تو کیا اِس طرح بیچنا درست ہوگا؟ ہمارے عطر جس کا نام ہم خود رکھتے ہیں، ہم خود ہی متعین کرتے ہیں، تو ہم اُس کو ''شمس'' نامی عطر کی جگہ سراج دے دے، تو کیا حرج ہے؟ جب کہ وہ مکمل مطمئن ہے، اُسے ہمیشہ کے لئے واپسی کا اختیار ہے؛ اگرچہ اُس نے اُسے شمس ہی سمجھا، اِس کی وضاحت مع حوالہ ہو جائے تو بہتر ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر مشتری ''سراج'' نامی عطر لینے پر راضی ہے، تو فی نفسہٖ یہ معاملہ درست ہے؛ تاہم پسند نہ آنے پر مشتری کو واپس کرنے کا پورا اختیار ہے؛ جیسا کہ خود سوال میں بھی مذکور ہے۔

وإذا اشترط وصف خاص في المبيع حصل للمشتري خيار الفسخ عند فواته. (فقه البيوع، المبحث الثاني / التغرير القولي وأنواعه ۲۰۸/۱ رقم المسئلة: ۸۲ مكتبة معارف القرآن كراچی)

أما إذا غرّه ببيان صفة مرغوبة، ولم يوجد المبيع بتلك الصفة، فإن ذلك يدخل في خيار فوات الوصف. (فقه البيوع / خيار التغيير ۷۴۲/۲ رقم المسئلة: ۴۰۳ مكتبة معارف القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۲/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک ہی عطر کو مختلف جگہوں میں رکھ کر الگ الگ قیمتوں سے بیچنا

سوال (۹۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ہی عطر کو مختلف جگہوں میں رکھ کر مختلف قیمت پر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ مسئلہ کی صحیح طور پر وضاحت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مختلف شیشیوں یا پیکنگ کے اعتبار سے عطر کی الگ الگ قیمت مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لأن الثمن حق العاقد فإليه تقديره. (الهداية، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٤/٤٥٥ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک ہی عطر مختلف لوگوں کو الگ الگ قیمت میں بیچنا

سوال (۹۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ہی عطر کو مختلف لوگوں کو مختلف قیمت سے بیچنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ایک ہی عطر الگ الگ اَفراد کو مختلف قیمتوں سے بیچنا فی نفسہٖ جائز ہے۔

مستفاد: ومن اشترىٰ شيئًا وأغلىٰ في ثمنه فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبو يوسف: إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيها؛ فإني لا أحب أن يبيعه مرابحة حتى يبين. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب البيوع / الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية ٣/١٦١ زكريا)

لأن الثمن حق العاقد فإليه تقديره. (الهداية، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٤/٤٥٥ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ماتھے کے ٹیکہ میں استعمال ہونے والے پاؤڈر کی تجارت

سوال (۹۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندو لوگ جو سرخ رنگ کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر لگاتے ہیں، اُس میں استعمال ہونے والی سرخ پاؤڈر کی تجارت کرنا ایک مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: - اگر محض تجارت کی نیت ہو، تو اِس طرح کے سرخ پاؤڈر فروخت کرنا مسلمان کے لئے ممنوع نہیں ہے۔

مستفاد: ذكر قاضي خان في فتاواه: إن بيع العصير ممن يتخذ خمرًا إن قصد به التجارة فلا يحرم. (الأشباه والنظائر، مباحث النية / القاعدة الثانية ١/٢٣ دار الكتب العلمية بيروت، ١/٩٧ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

شہد کی مکھی کی خرید وفروخت

سوال (۹۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید شہد کی مکھیوں کے پالنے کا کاروبار کرتا ہے، مکھیوں کو پالنے کے لئے دوسری جگہ سے مکھیوں کی رانی کو خریدنا پڑتا ہے، جب اُس رانی کو مخصوص ڈبہ میں رکھ دیا جاتا ہے تو اُس

کے ساتھ بہت سی مکھیاں خود بخود آجاتی ہیں، تو اِس طرح کی مکھیوں کی خرید وفروخت شرعاً درست ہے یانہیں؟ تشفی بخش جواب دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شہد کی مکھی ایک نفع بخش مخلوق ہے؛ لہٰذا اُس کی خرید وفروخت اور اُس کے ذریعہ سے شہد کا کاروبار سب جائز ہے۔

بیع النحل یجوز عند محمد وعلیه الفتویٰ. (الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فیما یجوز بیعه وما لا یجوز / الفصل الرابع في بیع الحیوانات ۱۱٤/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۴/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

IT کمپنی کا دیگر کمپنیوں کیلئے Software بناکر فروخت کرنا

سوال (۹۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری ایک IT کمپنی ہے، ہمارا کام یہ ہے کہ ہم دیگر کمپنیوں کے لئے معلومات فراہم کرتے ہیں، مثلاً اُن کی ضرورت کے موافق کمپیوٹر سافٹ ویئر Software بنانا وہ اگر کسی کاروبار کے بارے میں تحقیق کرنا چاہیں تو اُس کی معلومات اکٹھا کر کے دینا وغیرہ، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بینک Bank ہم سے رابطہ کرتا ہے کہ مثلاً بینک Bank کے جو کھاتے دار ہیں یا قرض طلب کرنے والے ہیں اُن کی مالی حالت کی جانچ کر کے رپورٹ دی جاتی ہے، اُس کو ویری فکیشن Verification کہتے ہیں، ہماری رپورٹ دینے کے بعد ہی بینک اس شخص سے معاملات طے کرتا ہے، اور ہم اس رپورٹنگ کے لئے بینک سے معقول معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اِس طرح کا معاملہ کرنا ہمارے لئے درست ہے یانہیں؟ اور یہ آمدنی ہمارے لئے حلال ہوگی یانہیں؟ حضور والا سے مؤدبانہ ومخلصانہ درخواست ہے کہ مدلل اور مفصل جواب تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ IT کمپنی کا دیگر کمپنیوں کے لئے سافٹ ویئر Software بنا کر فروخت کرنا جائز اور درست ہے اور کمپنی والے اگر اس کا ناجائز استعمال کریں تو اُس کی ذمہ داری سافٹ ویئر بنانے والے پر نہ ہوگی۔ اور رہ گیا مذکورہ کمپنی کا بینک کے لئے متعینہ اُجرت پر کھاتہ دار کی معلومات فراہم کرنا؛ تو اُس میں بھی اگر عمل اور اُجرت متعین ہو تو اِس کی گنجائش ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة. (الدرالمختار / كتاب الإجارة ۷/۹ زكريا، ٥/٦ كراچی)

الإجارة عقد على المنافع بعوضٍ ...... ولا تصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (الهداية / أول كتاب الإجارات ۲۷۷/۳ إدارة المعارف ديوبند، ۲٦٦/٦ مكتبة البشریٰ كراچی، الأشباه والنظائر / الفن الثاني ۷۱/۲)

ومن آجر بيتًا ليتخذ فيه بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر بالسواد فلا بأس به. (الهداية، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٤۷۲/٤) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مملوکہ زمین کی خودرو گھاس بیچنا

سوال (۹۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی کسی کو اِجازت دیدے کہ میرے کھیت میں سے خودرو گھاس کاٹ لو اور اُس کا کچھ حصہ یا کچھ روپئے مجھے بھی دو، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- زمین کا مالک اپنی زمین کی خودرو گھاس کا کاٹنے

سے قبل مالک نہیں ہوتا؛ لہٰذا مذکورہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہے؛ بلکہ جو گھاس کاٹ کر اپنے قبضہ میں کرلے وہی اُس کا مالک ہوگا۔

والأصل فيه قوله عليه السلام: "الناس شركاء في الثلاث في الماء والكلإ والنار". (الهداية، كتاب إحياء الموات / فصل في مسائل الشرب ٤٨٩/٤ مكتبة بلال)

وأخص منه وهو ما نبت في أرض مملوكةٍ بلا إنبات صاحبها وهو كذلك الخ. (رد المحتار/ كتاب إحياء الموات ١٥/١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۲/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

تھرمس پلانٹ لگا کر پانی سپلائی کرنا

سوال (۹۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پانی کا کاروبار جو آج کل تھرمس پلانٹ لگا کر جگہ جگہ پانی سپلائی کرتا ہے، اُس کاروبار کے بارے میں شرعی احکام کیا ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- پانی کو صاف کرکے بوتل یا تھرمس میں بھر کر بیچنا بلاشبہ درست ہے؛ اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

لا يجوز بيع الماء في بئره ونهره ...... فإذا أخذه وجعله في جرة أو ما أشبهها من الأوعية فقد أحرزه فصار أحق به فيجوز بيعه والتصرف فيه الخ.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب البيوع / الفصل السابع في بيع الماء والجمد ١٢١/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ایک ہی شخص سے کپڑے کی خریداری اور سلائی کا معاملہ کرنا

سوال (۹۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کرایہ کی دوکان پر کپڑا سینے کے ساتھ ساتھ کپڑا بھی فروخت کرتا ہے، تو کچھ گاہک زید کی دوکان سے کپڑا پسند اور منتخب کر کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس تھان میں سے میرا کپڑا آپ ہی سل دیں اور کپڑا تھان سے کٹوا کر زید کے حوالہ نہیں کرتے، مثلاً: ۴-۵/ میٹر کپڑے کے پیسے زید کو دے دیتے ہیں جب کہ زید تھان سے اتنا ہی کپڑا کاٹتا ہے جتنے میں اُس کا کرتا تیار ہوگا، مثلاً پانچ کے بجائے پونے پانچ میٹر، تو کیا زید کا ایسا کرنا شرعاً درست ہے؟ اور یہ بھی واضح رہے کہ کسی اور دوکان سے خریدتا تو اتنے ہی روپئے دینے پڑتے جتنا کہ زید لے رہا ہے، نیز اگر اِس کی کوئی اور بہتر شکل ہو جس پر زید گاہک سے معاملہ کرے تو اُس کو بھی واضح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- صورتِ مسئولہ میں زید کے لئے صرف اتنے ہی میٹر کپڑے کی قیمت گاہک سے لینے کی اِجازت ہے جتنا کپڑا وہ تھان سے گاہک کے لئے کاٹتا ہے اُس سے زیادہ کپڑے کی قیمت لینا اُس کے لئے درست نہیں؛ البتہ سلائی کی قیمت پہلے سے بتا کر الگ سے لے سکتا ہے۔ اور سوال میں جو صورت لکھی ہے کہ پونے پانچ میٹر کاٹ کر پانچ میٹر کی قیمت لی جائے، یہ بھی شرعاً درست نہیں ہے اِس طریقہ کو ختم کرنا لازم ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ۴۵/۱ رقم: ۱۳۱۵)

فلو لم تتفاوت ككرباس لم تحل له الزيادة إن لم يضره القطع. (رد المحتار، كتاب البيوع / مطلب: المعتبر ما وقع عليها العقد الخ ۷۳/۷ زكريا)

وقيل: في الكرباس الذي لا يتفاوت جوانبه لا يطيب للمشتري ما زاد على المشروط. (الهداية / كتاب البيوع ۲۵/۲)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (رد المحتار، كتاب الحدود / باب التعزير، مطلب في التعزير ۱۰٦/٦ كراچی، شرح المجلة لسليم رستم باز ٦٢ رقم المادة: ۹۷ كوئٹه، الفتاویٰ الهندية، كتاب الحدود / فصل في التعزير ۱٦۷/۲ زكريا قديم، البحر الرائق، كتاب الحدود / فصل في التعزير ٦۸/۵ زكريا)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب / مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير الخ ۲۹۱/۹ زكريا، ۲۰۰/٦ كراچی، الأشباه والنظائر، الفن الثاني / كتاب الغصب ۱۵۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

سبسڈی والے سلنڈر کا حکم جب کہ کسی اور نے سلنڈر حاصل کیا ہو

سوال (۹۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے نام سبسڈی والا سلنڈر باقی ہے، عمرو نے زید کی پرچی پر پوری رقم دے کر سلنڈر خرید لیا، پھر بعد میں زید کے بینک اکاؤنٹ میں حسبِ ضابطہ سبسڈی کی رقم آئی، تو زید کے لئے یہ سبسڈی والی رقم استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ حالاں کہ سلنڈر زید نے خود نہیں خریدا؛ بلکہ عمرو نے خریدا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِس عقد کی حقیقت یہ ہے کہ گیس ایجنسی سے اَولاً جو گیس خریدا گیا ہے اُس کا خریدار اصل زید ہے؛ کیوں کہ اُسی کے پاس بک پر سلنڈر جاری ہوا ہے اور عمرو نے جو ایجنسی سے خریداری کی ہے وہ زید کے وکیل کے طور پر کی ہے۔ اُس کے بعد

یہاں دوسرا عقد اُسی سلنڈر کا زید اور عمرو کے درمیان ہوا ہے؛ گویا کہ زید نے اپنے نام پر جاری شدہ سلنڈر عمرو کے ہاتھ اس قیمت کے عوض بیچ دیا جو اس نے ایجنسی کو زید کی طرف سے اَدا کی ہے، اَب چوں کہ عمرو ہی زید کا وکیل بالشراء تھا اور وہی بذات خود اس سلنڈر کا مشتری بن رہا ہے؛ اِس لئے درمیان میں زید بائع کا خود قبضہ ضروری ہے، ورنہ یہ دوسرا معاملہ فاسد قرار پائے گا، لیکن بہرصورت زید کے کھاتے میں جو سبسڈی کی رقم آئے گی زید ہی اُس کا مالک ہوگا؛ کیوں کہ وہ اُسی کی پاس بک پر جاری کی گئی ہے، اس کا اگلے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

المستفاد: كل عقد يضيفه الوكيل إلى نفسه كالبيع والإجارة فحقوقه تتعلق بالوكيل دون المؤكل ...... ولنا أن الوكيل هو العاقد حقيقة...... وكذا حكما ...... ويطالب بالثمن إذا اشترىٰ ويقبض المبيع ...... والملك يثبت للمؤكل خلافة عنه. (الهداية مع فتح القدير / كتاب الوكالة ١٦/٨ دار الفكر بيروت)

لأن يد الكيل كيده. (فتح القدير، كتاب الوكالة / باب الوكالة في البيع والشراء ٥٨/٨ دار الفكر بيروت)

قوله أو باعه من نفسه؛ لأنه يكون مشتريًا لنفسه وصرحوا بأن الواحد لا يتولى الطرفين في البيع الخ. (رد المحتار / فصل في الفضولي ٣١٤/٧ زكريا، ١٠٨/٥ كراچی)

مستفاد: الوكيل بالبيع لا يملك شراؤه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشتريًا وبائعًا فيبيعه من غيره ثم يشتريه منه. (رد المحتار، كتاب الوكالة / باب الوكالة بالبيع والشراء ٢٥٧/٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نئی گاڑی خریدنے پر کمپنی کی طرف سے چار مرتبہ مفت سروس دینا

سوال (۹۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: آج کل جب نئ گاڑیاں خریدی جاتی ہیں تو کمپنی کی طرف سے یہ شرط ہوتی ہے کہ شوروم سے نکلنے کے بعد چار مرتبہ گاڑی کی سروس فری ہوگی، اِس دوران اگر کسی پرزے کی ضرورت ہوتی ہے تو کمپنی اسے مفت لگادیتی ہے، اور چار سروس پوری ہوجانے کے بعد اَب اگر سروس کرائی جائے گی، تو اس کا معقول معاوضہ دینا پڑے گا، تو اِس طرح مفت سروس سے فائدہ اُٹھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نئ گاڑیوں کی مفت سروس کے سلسلے میں جن شرائط اور سہولیات کا سوال میں ذکر ہے اُن سے فائدہ اُٹھانا شرعاً درست ہے؛ اِس لئے کہ اِن باتوں کا بلانزاع عرف عام ہوچکا ہے۔ اور عرف وتعامل کی بنیاد پر بیع میں نفع بخش شرائط سے انتفاع کی گنجائش ہوتی ہے؛ جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہے۔

کل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیه وهو من أهل الاستحقاق یفسده …… إلا أن یکون متعارفًا؛ لأن العرف قاضٍ علی القیاس. (الهدایة، کتاب البیوع / باب البیع الفاسد ۵۹/۳ المکتبة الأشرفیة دیوبند)

وکذلک ما تعورف في العالم کله أن مشتري الثلاجات والدافئات والمکیّفات، والأجهزة الکهربائیة الأخری یشترط علی البائع القیام بتصلیحها کلما عرضها فسادٌ في حدود مدةٍ معلومة کالسنة أو السنتین مثلًا؛ فإن هذا الشرط جائز لشیوع التعامل به. (فقه البیوع، الباب الرابع في الشروط التي ترجع إلی صلب العقد / الصور المتعارفة لاشتراط الشروط في البیع ۴۸۷/۱ دار المعارف دیوبند)

من الشروط الصحیحة: ما جری به العرف …… کشراء الساعة أو الغسّالة أو الثلاجة أو المذیاع بشرط أن یصلحها البائع لمدة سنة مثلاً إذا أصابها خللٌ فیجوز البیع استحسانًا …… ووجه الاستحسان أن الناس تعاملوا

هذا الشرط في البيع كما تعاملوا الاستصناع. (الفقه الإسلامي وأدلته، عقد البيع / البيع الباطل والبيع الفاسد ٤/٢٥٠ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

آرڈر کینسل ہونے پر سپلائیر کا پارسل اپنے استعمال میں لانا

سوال (۹۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ دنوں سے آن لائن ہوٹلنگ کا سلسلہ بہت تیزی کے ساتھ جاری ہے مثلاً: Swiggy Zomato، Ubereats، وغیرہ ایپ کا استعمال کرکے لوگ گھر بیٹھے اپنا کھانا منگوا رہے ہیں اور اُن میں بہت سے لوگ کسٹمر کو پارسل پہنچانے کے لئے ڈلیوری کا کام کررہے ہیں، جس کے بدلے ان کو کمپنی کی طرف سے اچھی تنخواہ بھی مل رہی ہے؛ لیکن مسئلہ درپیش یہ ہے کہ بعض لوگ آن لائن آرڈر کردیتے ہیں اور ڈلیوری کرنے والا شخص ہوٹل سے پارسل لے کر نکل چکا ہوتا ہے، پھر کسٹمر کچھ دیر بعد غالباً ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے کینسل کردیتا ہے؛ جب کہ اکثر ہوٹلوں کا اُصول یہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پارسل دینے کے بعد پھر واپس نہیں لیا جاتا ہے اور بعض مرتبہ آن لائن Cash Pay کرتے ہیں، اُن کو کینسل کرنے پر کمپنی اُن کو پیسے بھی واپس نہیں کرتی ہے اور پارسل ڈلیوری بوائے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں کمپنی اس پارسل کو ڈلیوری بوائے کو استعمال کرنے کی اجازت دے دیتی ہے، اَب آیا وہ اُس کو استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں مذکور معاملہ کے بارے میں تحقیق کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ متعینہ ہوٹل کو قیمت کی اَدائیگی اور پارسل کی روانگی کے بعد اگر آرڈر کینسل کیا جائے تو قیمت واپس نہیں کی جاتی؛ لہٰذا مشتری کا اِس اُصول کے معلوم ہونے کے باوجود آرڈر کینسل کرانا اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ پارسل پر سے اپنی ملکیت کے حق کو

بالقصد ختم کر رہا ہے؛ کیوں کہ اگر اس کا مقصد ملکیت ختم کرنے کا اِرادہ نہ ہوتا تو وہ قیمت کی اَدائیگی کے بعد آرڈر کینسل ہی نہ کرتا۔

بریں بنا یہ پارسل متعلقہ کمپنی جہاں چاہے استعمال کرسکتی ہے، پھر بھی ڈلیوری کرنے والا شخص اگر براہ راست مشتری سے فون وغیرہ پر صراحتاً اِجازت لے کر اسے اپنے استعمال میں لائے تو زیادہ بہتر ہوگا؛ تاکہ کوئی شک وشبہ نہ رہے۔

(المستفاد: قال العلامة ابن نجيمؒ تحت القاعدة: لا ينسب إلى ساكت قـول" وخرجت عن هذه القاعدة مسائل كثيرة يكون السكوت فيها كالنطق: السادسة سكوت المالك عند قبض الموهوب له أو المتصدق عليه إذن.

(الأشباه والنظائر ص: ٣٨٤ زكريا)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه (وفي الهامش) **والإذن عام سواء كان صراحةً أو دلالة.** (قواعد الفقه / قاعده: ٢٧٠ المكتبة الأشرفية ديوبند)

فـلـو تـصـرف فيـه البائع قبل قبضه، فإما بأمر المشتري أو لا فلو بأمره كأن أمره أن يهبه من فلان أو يؤجره ففعل وسلم صح وصار المشتري قابضًا وكذا لو أعار البائع أو وهب أو رهن فأجاز المشتري .... (رد المحتار، كتاب البيوع / مطلب في تصرف البائع في المبيع قبل القبض ٧/٣٧١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گنے کی تول میں پولیوں کی جون کا استثناء کرنا

سوال (۹۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کاشتکار حضرات اپنے گنے لے کر میل یا کولھو میں لے جاتے ہیں، اس کا وزن کرتے ہیں، اور جس کے ذریعہ سے گنے کو باندھا جاتا ہے اُس کا گردہ کاٹتے ہیں، مثلاً ۱۰ر کوئنٹل گنوں میں ۳ر کلو وزن کم کرتے ہیں، یعنی متعین کر کے یہ وزن کم کرتے ہیں، جب کہ جس کے

ذریعہ سے گنوں کو باندھا جاتا ہے اُس کا اتنا وزن نہیں ہوتا ہے، شرعی نقطۂ نظر سے یہ عمل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر فریقین راضی ہوں تو یہ معاملہ درست ہے؛ کیوں کہ جن پتوں سے گنے کی پولی باندھی جاتی ہے وہ عموماً کسی کام میں نہیں آتے؛ لہٰذا اندازہ لگا کر ۱۰؍کونٹل میں سے ۳؍کلو کو گنے کی قیمت سے منہا کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اور بالفرض اگر اُن کا وزن ۳؍کلو سے زائد بھی ہو تب بھی کوئی حرج نہیں اور اِس زائد حصہ کو گنے کے تابع مان لیا جائے گا۔

وصح الحط منه أي من الثمن والزيادة يلحقان بأصل العقد. (تنوير الأبصار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ۳۷۹/۷ زكريا)

ويجوز أن يحط عن الثمن ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك ...... لأن كل الثمن صار مقابلاً بكل المبيع فلا يمكن إخراجه. (الهداية، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، قبل باب الربا ۷۷/۳ المكتبة الأشرفية ديوبند)

إذا اتفق المبايعان في البيع الأول بعد البيع بزيادة في الثمن أو نقص منه فإن هذه الزيادة أو النقص يلتحقان عند الحنفية بأصل العقد كأنّ العقد وقع مع هذه الزيادة والنقص فيعتبر رأس المال ما وصل إليه باللحاق ويضاف الربح على ذلك. (فقه البيوع، المبحث السادس / أحكام رأس المال في المرابحة ۶۰۵/۱ دار المعارف ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶؍۳؍۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

تانبے کے ٹیکس سے بچنے کیلئے گاڑی میں اوپر لوہا اور پلاسٹک بھرنا

سوال (۹۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل سرکار کے ظلم اور لوگوں میں جھوٹ، خیانت، دھوکہ بازی عام ہونے کی وجہ سے

کسی صالح اور متدین کو کاروبار کرنے میں بے شمار پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مثلاً سرکاری ٹیکس کے علاوہ مختلف قسم کے عہدیدادارن کو الگ الگ رشوت دینی پڑتی ہے، اس لئے بوجہ مجبوری کاروبار کرنے میں مختلف حیلے قولاً یا فعلاً کرنے پڑتے ہیں:

(۱) سرکاری ریٹ کے حساب سے مارکیٹ میں ایک کلو پرانا تانبا مثلاً: ۵۹۰/روپئے کلو ہے، جس پر سرکاری ٹیکس ۱۰۶/روپیہ ہوتا ہے، گویا کہ ایک کلو پرانا تانبا تقریباً ۷۰۰/روپیہ کلو مارکیٹ میں ملے گا؛ لیکن مارکیٹ میں فراڈ بل (فراڈ بل کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تو بائع بل کے پیسہ کاٹ لیتا ہے؛ لیکن خود بل جمع نہیں کرتا اور کبھی حقیقت میں بل ہی نقلی ہوتا ہے، جس کے اصلی ونقلی ہونے کا پتہ لگانا عام آدمی کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے؛ کیوں کہ نام و پتہ ومہر وغیرہ تمام چیزیں بل میں ہوتی ہیں) عام ہونے کی وجہ سے ایک کلو تانبا ۶۸۰/روپیہ کا ملتا ہے، جب کہ ۵۹۰/روپیہ کا ملنا چاہئے نہ کہ زیادہ کا، اگر ہم ۶۸۰/روپیہ کا تانبا خرید کر پھر ٹیکس ۱۰۶/روپیہ کا بھرتے ہیں تو یہ ایک کلو تانبا ہم کو تقریباً ۷۹۰/روپیہ میں جا کر پڑے گا؛ کیوں کہ دیگر اخراجات بھی ہیں اور جب اس ایک کلو تانبے کو بازار میں فروخت کرنے جاتے ہیں تو اس کی قیمت مارکیٹ میں ۵۹۶/روپیہ ہے، جس میں مشتری کا نقصان ہے اور اس طرح کی پریشانیوں کو ختم کرنا ہمارے قبضہ میں بھی نہیں ہے؛ البتہ مذکورہ نقصان کی بھرپائی کا ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم گاڑی کے اندر کے حصہ میں تانبا بھرتے ہیں اور اوپر سے اس میں دوسرا کم قیمت کا سامان مثلاً (لوہا، پلاسٹک) وغیرہ بھرتے ہیں اور اس کا یعنی لوہا، پلاسٹک وغیرہ کا مکمل ٹیکس سرکار کے خزانے میں جمع کرتے ہیں اور تانبے کو بغیر ٹیکس والے بل کے بازار میں فروخت کرتے ہیں۔

تو ہمارا مذکورہ طریقۂ کار جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز تو جائز طریقہ تحریر فرما دیں۔

نوٹ:- ہم لوگوں سے مال لینے میں کوئی ہیرا پھیری نہیں کرتے؛ بلکہ پوری تول اور مکمل رقم کے ساتھ بیع وشراء کرتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- غیر واجبی ٹیکس سے بچنے کے لئے ایسا راستہ اختیار کرنا درست ہے، جس میں جان مال یا عزت کا خطرہ نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۲۰/۲۲۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۱۹۵]

عن حذيفة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينبغي لمؤمن أن يذل نفسه، قالوا وكيف يذل نفسه؟ قال يتعرض من البلاء لما لا يطيق، الحديث. (سنن الترمذي / أبواب الفتن ۲/۵۱ رقم: ۲۲۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیچنے والا اقرار کرے کہ پیسے آ گئے اور خریدار منکر ہو

سوال (۹۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے کچھ روپئے کا مال خریدا اور مال بیچنے والا خود اقرار کرتا ہے کہ آپ کے پیسے آ گئے ہیں مگر مال خریدنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے پیسے نہیں دئے، اِس صورتِ حال میں کیا کیا جائے؟ آیا اس کا مال لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں اگر بیچنے والے کی بات پر خریدار کو یقین یا غالب گمان ہے، تو اس سے مال لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر اُس کی بات پر یقین نہ ہو تو یا تو مال ہی نہ لے یا اَز سرِنو قیمت دے کر مال لے؛ تاکہ دل میں کوئی شبہ نہ رہے۔

عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي رضي الله عنه: ما حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: حفظت منه: دع ما يريبك إلى ما لا يريبك. (سنن النسائي، كتاب الأشربة / الحث على ترك الشبهات: ۲۸۵ رقم: ۵۷۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عقود کی بعض مروجہ صورتیں

''قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عقود کی بعض مروجہ صورتوں'' سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے تیرہواں فقہی اجتماع مؤرخہ: ۱۱-۱۲-۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق ۸-۹-۱۰؍فروری ۲۰۱۷ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ (بمقام: حج ہاؤس مدراس) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (اَز: مرتب)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد!

حضراتِ ائمہ اَربعہ اشیاء منقولہ میں بیع قبل القبض کے عدم جواز پر متفق ہیں، اگرچہ اُن کے درمیان اس حکم کی جزئیات میں اختلاف بھی ہے؛ لیکن حنفیہ کے یہاں اشیاء منقولہ میں بیع قبل القبض جائز ہی نہیں۔ موجودہ زمانہ میں تجارتی معاملات میں ایسی شکلیں رائج ہوگئی ہیں، جن میں بظاہر قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا ہے، اور پھر بھی اُن کی خرید وفروخت کی جاتی ہے۔ خاص طور پر انٹرنیٹ کے ذریعہ کئے جانے والے تجارتی معاملات میں نئی نئی شکلیں سامنے آرہی ہیں، اُن میں قبضہ کے حوالے سے تنقیح کی ضرورت ہے۔

اِسی لئے ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' جمعیۃ علماء ہند نے اپنے تیرہویں فقہی اجتماع میں ''قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عقود کی بعض مروجہ صورتوں'' کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔

اِس سلسلہ میں چند سوالات پیش خدمت ہیں:

قبضہ کی حقیقت

سوال (۱/۹۴۳):- شریعت میں قبضہ کی کیا حقیقت ہے؟ کیا اِس کی کوئی خاص ہیئت مقرر ہے یا اُس کے مصداق کو لوگوں کے عرف ورواج پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ عرف میں جس طرح کا استیلاء قبضہ سمجھا جاتا ہو، شرعاً وہ بھی قبضہ کا مصداق کہلائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) حنفیہ کے نزدیک قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مشتری کے لئے مبیع کو اِس طرح الگ کردے کہ مشتری اُس میں اپنے اختیار سے جو چاہے تصرف کرسکے۔ اَب اگر مبیع کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہے، تو اُس میں قبضہ کے تحقق کے لئے تین باتوں میں سے ایک بات کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) خود مشتری قبضہ کرے۔

(۲) مشتری کا وکیل قبضہ کرے۔

(۳) مشتری کی جگہ یا اُس کے برتن وغیرہ میں مبیع اِس طرح رکھ دی جائے کہ وہ مشتری کے ضمان میں آجائے۔ (اور یہ صورت ہر زمانہ اور ہر مبیع کے اعتبار سے عرفاً الگ الگ ہوسکتی ہے)

درج بالا تین صورتوں میں سے کوئی بھی صورت پائی جائے گی تو اَشیاء منقولہ میں قبضہ متحقق ہوجائے گا۔

إن المشتري إذا قبض المبیع بإذن البائع صار مالکًا له. (شرح المجلة ۱۲۸/۱)

یشترط لنفاذ البیع أن یکون البائع مالکاً للمبیع ...... وأن لا یکون في المبیع حق آخر. (شرح المجلة ۲۰۳/۱ رقم: ۳۶۵)

ویعتبر في التسلیم أن یکون المبیع مُفرزًا غیر مشغولٍ بحق غیرہٖ، ھٰکذا في الوجیز للکردري. وأجمعوا علیٰ أن التخلیة في البیع الجائز تکون قبضًا.

(الفتاویٰ الهندیة ۱۶/۳)

فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي، وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما علىٰ وجهٍ يتمكن المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلمًا للمبيع والمشتري قابضًا له. (بدائع الصنائع ٥/٢٤٤)

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال. (بدائع الصنائع ٤/٤٩٨)

ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفًا وعادةً وحقيقة. (بدائع الصنائع ٤/٣٤٢)

لو اشترىٰ مكيلاً معينًا ودفع المشتري إلى البائع ظرفًا، وأمره أن يكيله في ظرفه، ففعل البائع والمشتري غائبٌ صح. (البحر الرائق ٦/٢٧٩، رد المحتار ٧/٧٢ بيروت)

اوراَشیاءِ غیرمنقولہ میں قبضہ کے لئے دو باتیں کافی ہیں:

(۱) اول یہ کہ بائع اُس جگہ سے اپنا سامان وغیرہ ہٹالے۔

(۲) اُس جگہ کومشتری کے نام قانونی طور پر رجسٹرڈ کرادے۔

تو ایسی صورت میں مشتری کواُس جگہ پر قابض مان لیا جائے گا اور اُسے اُس میں تصرف کا کلی اختیار رہو گا۔

للمشتري أن يبيع المبيع من آخر قبل قبضه إن كان عقاراً لا يخشى هلاكه ...... وكما يجوز بيع العقار قبل قبضه يجوز أيضاً التصرف فيه بالرهن والهبة غير أن التصرفات المذكورة وإن كانت جائزة إلا أنها لا تكون لازمة ونافذة إلا بدفع الثمن للبائع أو إجازته لها. (شرح المجلة ١/١٢٨ رقم المادة: ٢٥٣)

إذا اشترىٰ دارًا أو عقارًا فوهبها قبل القبض من غير البائع يجوز عند الكل ولو باع يجوز في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ، ولا يجوز في قول محمد رحمه اللّٰه. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٨/٢٦٦ رقم: ١١٨٦٢ زكريا)

العقار إذا ملک بالبیع ...... لا یجوز التصرف فیه قبل القبض عند محمد وزفر والشافعي، ویجوز عند أبي حنیفة وأبي یوسف، وفي شرح الطحاوي وهو الاستحسان. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۳۷/۸ رقم: ۱۱۷٦٤ زکریا)

ولو تصرف المشتري في المبیع ببیع أو هبةٍ أو صدقة أو أخرجه بملکه بوجه من الوجوه صح تصرفه ولیس للبائع إبطاله وعلیه قیمته إن لم یکن له مثل، ومثله إن کان ...... ویطیب ذٰلک للمالک. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٤٥٨/٨ رقم: ۱۲٤۹۲ زکریا)

للمشتري أن یبیع المبیع لآخر قبل قبضه إن کان عقاراً لا یخشی هلاکه. (شرح المجلة ۱۲۸/۱)

وأما بیع الأعیان الغیر المنقولة قبل قبضها کبیع الأرض والضیاع والنخیل والدور ونحو ذٰلک من الأشیاء الثابتة التي لا یخشی هلاکها فإنه یصح. (الفقه علی المذاهب الأربعة ۲۳۵/۳)

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبي حنیفة وأبي یوسفؒ. (الهدایة ۵۸/۳)

تخلیہ کے معنی

> **سوال** (۲/۹۴۴):- احناف کے نزدیک حسی قبضہ ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ''تخلیہ'' کافی ہے۔ اَب سوال یہ ہے کہ مروجہ تجارتی شکلوں میں ''تخلیہ'' کے معنی اور مصداق کیا ہوگا؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۲) مروجہ تجارتی شکلوں میں تخلیہ کا تحقق جبھی ہوگا جب کہ وہ شرعی طور پر قبضہ مان لیا جائے، کہ یا تو خود مشتری اُس پر قبضہ کرے یا اُس کا وکیل قابض ہو، یا مشتری کے سامان میں اُسے رکھا جائے، وغیرہ۔ بریں بنا اگر کوئی چیز دوسرے شہر سے خرید کر وہیں سے دوسرے کو فروخت کی جارہی ہے، تو ایسی صورت میں قبضہ کے لئے یہ ممکن ہے کہ خریدار جس ٹرانسپورٹ کے ذریعہ سے بائع کے یہاں سے سامان اُٹھوار ہا ہے، اُسی

ٹرانسپورٹ کو مشتری کی طرف سے وکیل بالقبض مان لیا جائے، اِس طرح قبضہ درست ہوجائے گا، اوراُس شئ منقول کو مشتری کے لئے بیچنا جائز ہوگا۔

ولهٰذا يُكتفى بذٰلك الكيل في الشراء في الصحيح؛ لأنه نائب عنه في الكيل، والقبض بالوقوع في غرائر المشتري. (الهداية ۸۲/۳)

حاصله أن التخلية قبض حكمًا لو مع القدرة عليه بلا كلفةٍ؛ لكن ذٰلك يختلف بحسب حال المبيع، ففي نحو حنطة في بيت مثلاً، فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار القدرة علىٰ إغلاقها قبض، أي بأن تكون في البلد فيما يظهر، وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرىٰ، ويشار إليه قبض، وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مدّ يده تصل إليه قبض، وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض. (رد المحتار / مطلب في شروط التخلية ٥٦٢/٤ كراچی، ٧٣/٧ بيروت)

اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کے تحقق کی شکل

سوال (۳/ ۹۴۵):- اشیاء غیر منقولہ، جیسے: زمین جائیداد وغیرہ میں قبضہ کا تحقق کس طرح ہوگا؟

سوال (۴/ ۹۴۶):- اشیاء غیر منقولہ یعنی زمین وجائیداد کی رجسٹری قبضہ شرعی کے حکم میں ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، اور مشتری کے نام رجسٹری بھی کرادے، تو موجودہ قانون میں مشتری زمین کا مالک سمجھا جاتا ہے، اگرچہ بائع نے اُسے زمین حوالہ کرکے قابض نہ بنایا ہو۔ چناں چہ رجسٹری کے بعد مشتری اس زمین کو قانوناً فروخت کرسکتا ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا شرعاً بھی اُس کا یہ فروخت کرنا درست ہوگا؟ اور محض رجسٹری کو قبضہ مانا جائے گا؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۳-۴) اَشیاءِ غیر منقولہ میں اگر زمین پر بائع کا قبضہ تھا، پھر اُس نے مشتری کے نام رجسٹری کرادی، تو یہ رجسٹری تخلیہ کے درجہ میں ہوکر قبضہ کے حکم میں ہوگی؛ لیکن اگر اُس زمین پر بائع کے علاوہ کسی اور شخص کا عملاً قبضہ ہو، تو محض رجسٹری کو قبضہ کے درجہ میں نہیں رکھا جائے گا؛ البتہ اَشیاءِ غیر منقولہ میں چوں کہ ملکیت کے لئے قبضہ لازم نہیں ہے، اِس لئے مشتری کو اُس میں تصرف کا حق شرعاً حاصل ہوگا۔

وفي الملتقط: ولو باع دارًا وسلمها إلى المشتري وله فيها متاعٌ قليلٌ أو كثيرٌ لا يكون تسليمًا، حتى يسلمها فارغةً، وكذا لو باع أرضًا وفيها زرعٌ. (رد المحتار / كتاب البيوع ۷۳/۷ دار الكتب العلمية بيروت)

فالذي يظهر أنه لا ينبغي أن يعتبر التسجيل قبضًا ناقلاً للضمان في الفقه الإسلامي إلا إذا حاجته التخلية. (فقه البيوع ۴۰۵/۱ / للعلامة محمد تقي العثماني)

اَشیاءِ منقولہ میں بیع قبل القبض

سوال (۵/ ۹۴۷):- اشیاءِ منقولہ، جیسے: غلہ، فرنیچر، کمپیوٹر، موبائل وغیرہ میں بیع قبل القبض کا عدمِ جواز بیع باطل کہلائے گا یا بیع فاسد؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۵) اَشیاءِ منقولہ میں بیع قبل القبض بیع باطل نہیں؛ بلکہ بیع فاسد ہے، پس انجام کار قبضہ ہوجانے کے بعد یہ نافذ ہوجائے گی۔

ومن اشترىٰ شيئًا مما يُنقل ويُحوّل لم يجز له بيعه حتى يقبضه؛ لأنه نهى عن بيع ما لم يُقبض؛ ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاک. (الهداية / كتاب البيوع ۵۸/۳)

أي يحتمل البطلان والفساد، والظاهر هو الثاني. (رد المحتار، كتاب البيوع / فصل في تصرف البائع في المبيع قبل القبض ۳۷۱/۷ زكريا، ۱۴۹/۵ كراچی)

اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کے تعلق سے بیع اور ہبہ کے درمیان فرق

سوال (۶/ ۹۴۸):- اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کے تعلق سے بیع اور ہبہ کے درمیان حکم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر ایک شخص اپنی مملوکہ زمین کسی کو ہبہ کردے، اور رجسٹری بھی کرادے؛ لیکن اُس کے قبضہ میں نہ دے، تو کیا موہوب لہ کے نام محض رجسٹری کرادینا شرعاً قبضہ مانا جائے گا؟ اور اُس کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ حسی قبضہ کے بغیر محض ہبہ کے کاغذات کی بنیاد پر اُسے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۶) اِس میں بھی وہی تفصیل مناسب ہے جو اُوپر سوال نمبر۳-۴/ کے ضمن میں ذکر کی گئی۔ یعنی داخل خارج ہونے سے قبل ہبہ میں قبضہ تسلیم نہ کیا جائے؛ اور چوں کہ ہبہ میں ملکیت کے لئے قبضہ شرط ہوتا ہے، اِس لئے موہوب لہ کا اُس میں تصرف درست نہ ہوگا۔

شرائط صحتها أي صحة الهبة في الموهوب: أن يكون مقبوضًا غير مشاعٍ مميزًا غير مشغولٍ. (الدر المختار ۴۸۹/۸ بیروت)

فالذي يظهر أنه لا ينبغي أن يعتبر التسجيل قبضًا ناقلاً للضمان في الفقه الإسلامي إلا إذا حاجته التخلية. (فقه البیوع ۴۰۵/۱ / للعلامة محمد تقي العثماني)

فاریکس ٹریڈنگ کا حکم

سوال (۷/ ۹۴۹):- انٹرنیٹ پر ہونے والی تجارت میں سے ایک ’’فاریکس ٹریڈنگ‘‘ بھی ہے، جس میں سونے چاندی کرنسی اور دیگر اشیاء واجناس کی آن لائن تجارت ہوتی ہے، اِس کے ذریعہ ہزاروں لوگ گھر بیٹھے کاروبار کرتے ہیں، اِس کاروبار میں محنت بھی کم صرف ہوتی ہے، اور رقم تو نہ ہونے کے برابر خرچ کی جاتی ہے۔ ’’فاریکس ٹریڈنگ‘‘ میں آدمی بلاواسطہ خود خریداری نہیں کرتا؛ بلکہ کسی معتبر کمپنی کا واسطہ ضروری ہوتا ہے، یہ کمپنی

بروکر کا کام انجام دیتی ہے، اور ہر خرید وفروخت پر اپنا متعینہ کمیشن لیتی ہے، خریدار کو نفع ہو یا نقصان، کمپنی کے کمیشن پر اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نیز اِس کاروبار میں کل مال کی صرف دس فیصد رقم بروکر کمپنی کو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اِس کاروبار کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ۱۰؍ ہزار ڈالر جمع کر کے کمپنی میں اپنا اکاؤنٹ کھول لیتا ہے، تو اُس کو ایک لاکھ ڈالر کی خریداری کی اجازت مل جاتی ہے، اور اگر ۲۰؍ ہزار ڈالر جمع کرے تو ۲؍ لاکھ ڈالر کی خریداری کی اجازت ہوتی ہے۔ رکن بننے کے بعد کمپنی والے اُس کی رہنمائی (بذریعہ میسج، ایمیل، فیس بک) کرتے ہیں کہ کس وقت کونسی چیز خریدنا مناسب اور زیادہ نفع بخش ہے، اِس کاروبار میں خرید وفروخت کی جانے والی اشیاء کی خریداری کی ایک کم سے کم مقدار متعین ہوتی ہے، جس کو ''فاریکس ٹریڈنگ'' کی اصطلاح میں ''لاٹ'' کہتے ہیں، فروخت ہونے والی اجناس میں عام طور پر کپاس، چینی، گیہوں، اور نقد میں سونا چاندی اور کرنسی ہوتی ہے، سونے کی ایک لاٹ ۱۰۰؍ اونس کی اور چاندی کی ایک لاٹ ۵؍ ہزار اونس کی ہوتی ہے، الخ۔

اَب مثلاً کسی چیز کی ایک لاٹ کی قیمت ۱۰؍ ہزار ڈالر ہے، تو جب کوئی آدمی ایک لاٹ خریدنا چاہتا ہے تو وہ کمپنی سے رابطہ کرتا ہے، اُس کے آرڈر پر کمپنی مذکورہ لاٹ خرید لیتی ہے، اور خریدار لاٹ کی کل قیمت کا ۱۰؍ فیصدی حصہ بروکر کمپنی کے پاس جمع کرا دیتا ہے، اُس کے بعد جیسے ہی خریدی ہوئی لاٹ کی قیمت گھٹتی یا بڑھتی ہے، تو کمپنی خریدار کو اطلاع کرتی ہے، اور اگر خریدار اُس چیز کے بیچنے کا آرڈر کردے، تو کمپنی وہ لاٹ فروخت کر دیتی ہے اور اپنا کمیشن کاٹ کر بقیہ رقم فروخت کنندہ کے اِکاؤنٹ میں بھیج دیتی ہے۔

اِس کاروبار میں خریدی گئی چیز کو اپنے پاس بھی منگوا سکتا ہے؛ لیکن سفری اخراجات اُس کو خود برداشت کرنے ہوں گے، یہ سارا کاروبار مکمل طور پر انٹرنیٹ پر گھر بیٹھے ہوتا ہے، اِس میں حسی طور پر خریدار کسی جنس پر قبضہ نہیں کرتا، اور یہ بھی تحقیق نہیں ہوتی کہ خریدی ہوئی چیز مجموعی چیز میں سے اُس خریدار کی ملکیت الگ کر لی گئی ہے یا نہیں؛ بلکہ صرف اسکرین پر

اُس کے اکاؤنٹ میں یہ دکھا دیا جاتا ہے کہ وہ مثلاً ایک لاٹ کا مالک بن گیا ہے۔ اِس تفصیل کے ضمن میں یہ سوال ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعہ تجارت کا مروجہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۷) یہ پورا معاملہ اَز اَول تا آخر مشتبہ ہے، اور سود وقمار پر مشتمل ہے۔ حسبِ تحریر سوال اِس خریداری میں حسی طور پر خریدار کا نہ تو کسی جنس پر قبضہ ہوتا ہے، اور نہ ہی یہ تحقیق ہوتی ہے کہ خریدی ہوئی چیز بائع کی ملکیت سے الگ کی گئی ہے؛ بلکہ صرف کاغذی اور فرضی ملکیت پر سارا کاروبار چلتا ہے، اِس لئے ایسے مجہول کاروبار کو چلانا اور اُس میں شرکت کرنا کچھ بھی جائز نہیں ہے۔ (فقہ البیوع ۷۶۵/۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه، قال ابن عباس: وأحسب کل شيء مثله. (صحیح مسلم، کتاب البیوع / باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ۵/۲ رقم: ۱۵۲۵)

عن عمر رضي اللّٰہ عنه قال: قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: نهی عن بیع الطعام حتی یقبض. (المعجم الأوسط للطبراني ۳۶۸/۷ رقم: ۲۷۱۴)

عن حکیم بن حزام رضي اللّٰہ عنه قال: یا رسول اللّٰہ! یأتیني الرجل فیرید مني البیع لیس عندي، أفأبتاعه له من السوق؟ فقال: "لا تبع ما لیس عندک". أخرجه أبوداؤد وسکت عنه. (سنن أبي داؤد رقم: ۳۵۰۳، سنن الترمذي رقم: ۱۲۳۲، سنن ابن ماجة رقم: ۲۱۸۷، سنن الدار قطني ۹/۳، إعلاء السنن / باب بیع ما لیس عنده ۱۸۰/۱۴ رقم: ۴۶۶۸ دار الکتب العلمیة بیروت)

لا یصح اتفاقا بیع منقول قبل قبضه ولو من بائعه. (الدر المختار مع رد المحتار / کتاب البیوع ۳٦۹/۷ زکریا)

وأن یکون مقدور التسلیم فلم ینعقد بیع المعدوم. (البحر الرائق ۲۵۹/۵ کوئٹه، کذا في بدائع الصنائع / من شروط البیع کونه مقدور التسلیم ۳۷۳/٤ زکریا)

وأما المعدوم فلا یحتمل العقد أصلاً؛ لأنه لیس بشيء. (بدائع الصنائع / بیع الموزونات ۳٦٤/٤ زکریا)

لأن القمار من القمر الذي یزداد تارةً وینقص أخریٰ. وسمی القمار قمارًا؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ٤۰۳/٦ کراچی، ۵۷۷/۹ زکریا)

کریڈٹ کارڈ وغیرہ کے ذریعہ ثمن کی ادائیگی کا حکم

سوال (۹۵۰/۸):- بیع صرف کے معاملات جن میں بدلین پر قبضہ کرنا مجلس واحد میں ضروری ہے، اُن میں چیک، ڈرافٹ اور دوسری مالی سندات کو قبضہ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ سونا چاندی خریدنے کا حکم کیا ہے؟ کیوں کہ اِس معاملہ میں ثمن پر فوری طور سے قبضہ نہیں ہوتا؛ بلکہ بینک کے واسطہ کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تاخیر ہوتی ہے۔

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۸) اولاً تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ روپیہ پیسے کے ذریعہ سونے چاندی کی خریداری شرعی اعتبار سے بیع صرف میں داخل نہیں ہے؛ اِس لئے بدلین پر اُسی مجلس میں قبضہ شرط نہیں ہے؛ البتہ ایک بدل پر قبضہ ضروری ہے؛ تاکہ بالکل اُدھار معاملہ نہ ہو۔ اور جن مالی سندات میں فوری طور پر پیسہ منتقل ہوتا ہے، اُن پر تو قبضہ کا فوری حکم لگایا جائے گا، جیسے: ڈرافٹ اور کریڈٹ کارڈ وغیرہ؛ البتہ چیک میں چوں کہ رقم کی منتقلی کچھ وقفہ کے بعد ہوتی

ہے، اور یہ بھی اِمکان رہتا ہے کہ کھاتے میں رقم نہ ہونے کی وجہ سے چیک باؤنس ہوجائے، اِس لئے چیک کی اَدائیگی فی الفور قبضہ کے درجہ میں نہ ہوگی۔ (مستفاد: فقہ البیوع ۴۴۸/۱، فتاویٰ عثمانی ۳۵۲/۳-۳۵۵ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

قال ابن عابدين: سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة؟ فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب الربا، مطلب: استقراض الدراهم عددًا ٤١٤/٧ زكريا)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: كنت أبيع الذهب بالفضة أو الفضة بالذهب، فأتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخبرته بذٰلک، فقال: إذا بايعت صاحبک فلا تفارقه، وبينک وبينه لبس. (السنن الكبرىٰ للنسائي / أخذ الورق من الذهب ٣٣/٤ رقم: ٦١٧٥)

عن أبي قلابة – رحمه اللّٰه تعالىٰ – أن طلحة اصطرف دنانير بورق، فنهاه عمر أن يفارقه حتى يستوفي. (المصنف لابن أبي شيبة / باب من قال: إذا صرفت فلا تفارقه ٤٧٥/١١ رقم: ٢٢٩٥٣)

لو باع فضة بفلوس؛ فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما. (رد المحتار ٥٢٢/٧ زكريا، البحرالرائق ١٩٤/٦)

لم يشترط في بيع الفلوس بالدراهم أو الدنانير قبض البدلين قبل الافتراق، ويكتفي بقبض أحد البدلين. (الفتاوىٰ الهندية / كتاب البيوع ٢١٧/٣، المحيط البرهاني ٢٩٧/٨ المجلس العلمي)

آن لائن کاروبار کا حکم

سوال (۹۵۱/۹):- انٹرنیٹ پر خریداری کے لئے متعدد ویب سائٹیں ہیں، جن میں سامان کی مکمل تفصیلات (مبیع کی نوع، قیمت اور صفات وغیرہ) موجود رہتی ہیں،

خریدار اپنے سامان کی تعیین کے بعد اِکاؤنٹ کے ذریعہ کمپنی کو مبیع کا ثمن ادا کردیتا ہے، اور کمپنی کی شرائط کے مطابق اُس کا خریدا ہوا سامان اُس کے گھر موصول ہوجاتا ہے، تو اَب مشتری کو کبھی مبیع پسند نہیں آتی، اور وہ اُس کو واپس کردیتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ اِس مشتری کو مذکورہ صورت میں خیارِ رؤیت حاصل ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ یکطرفہ طور پر اِس معاملہ کو ختم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۹) انٹرنیٹ پر ویب سائٹوں کے ذریعہ سامان پسند کرکے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا فی نفسہٖ درست ہے، اور چوں کہ سامان کی مکمل تصویر اور صفات وخصوصیات سب پہلے دکھادی جاتی ہیں، اِس لئے اَصلاً خریداری کے بعد مشتری کو خیارِ رؤیت حاصل نہ ہوگا؛ لیکن اگر کمپنی اپنے طور پر خیارِ رؤیت تبرعاً عطا کرے، تو سامان پسند نہ آنے پر مشتری اُسے واپس کرسکتا ہے، اور اِس معاملہ میں کمپنیوں کے اُصول الگ الگ ہیں، بعض کمپنیاں اِجازت دیتی ہیں اور بعض نہیں دیتیں۔

یجوز أن یکون الإیجاب موجهًا إلیٰ عامة الناس دون تعیین شخص معین بشرط ن أن لا یکون دعوة محضة للشراء؛ بل تعیین بحکم العرف أو القرائن أن المقصود إنشاء العقد بهٰذا الإیجاب مع کل من یقبله مثل الإیجاب الموجه إلیٰ عامة الناس بطریق الکمبیوتر. (فقه البیوع ص: ۱۱۳۷)

ومن نظر إلیٰ وجه الصبرة أو إلیٰ ظاهر الثوب مطویًا أو إلیٰ وجه الجاریة أو إلیٰ وجه الدابة وکفلها، فلا خیار له. والأصل في هٰذا أن رویة جمیع المبیع غیر مشروطٍ لتعذرہٖ، فیکتفي برؤیة ما یدل علی العلم بالمقصود. (الهدایة ۳/۲۰)

لأن خیارہ معلق بالرؤیة بالنص. (الدر المختار ۷/۱۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
خادم الافتاء والحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۴۳۸/۵/۳ھ

منظور شدہ تجویز: قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عقود کی بعض مروجہ صورتیں

تیرہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ ۱۱-۱۲-۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق ۸-۹-۱۰؍فروری ۲۰۱۷ء

بروز بدھ، جمعرات، جمعہ (بمقام: حج ہاؤس مدراس)

اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے تیرہویں فقہی اجتماع میں ''قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عقود کی بعض مروجہ صورتوں'' کے موضوع پر بحث ومناقشہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

اسلام ایک جامع مذہب اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں رہنما دین ہے، اس کے اصول وضوابط میں جملہ نت نئے مسائل کی رہنمائی موجود ہے، اسلام کے انہیں جامع اصول وضوابط اور فقہاء کرام کی تشریحات کی روشنی میں ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ تیرہواں فقہی اجتماع زیر بحث مسئلہ ''قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعے عقود کی بعض مروّجہ صورتوں'' کے تعلق سے درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

(۱) شریعت میں قبضہ کی حقیقت: تمکین، تخلیہ اور رفع موانع ہے؛ البتہ اس کے لئے کوئی خاص صورت مقرر نہیں، جس صورت میں بھی یہ امور متحقق ہو جائیں گے، شرعاً قبضہ مان لیا جائے گا۔

(۲) مروّجہ تجارتی شکلوں میں بھی قبضہ کا مفہوم یہی ہے کہ مشتری کو مبیع میں ہر قسم کے تصرف پر قدرت حاصل ہو جائے، مبیع حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو اور وہ غیر مبیع سے علیحدہ وممتاز ہو اور ہر قسم کے موانع ختم ہو جائیں۔

(۳) اَشیائے غیر منقولہ: زمین وجائداد وغیرہ میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مبیع کو

اپنے سامان سے خالی کردے، مبیع حق غیر سے فارغ ہو اور مشتری بلا رُکاوٹ تصرف کرسکتا ہو۔

(۴) محض رجسٹری قبضہ شرعی نہیں ہے؛ لیکن چوں کہ اَشیاء غیر منقولہ میں تصرف کے لئے قبضہ شرط نہیں ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے بھی زمین، جائیداد کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔

(۵) اشیاء منقولہ میں بیع قبل القبض بیع فاسد ہے۔

(۶) ہبہ اور بیع میں قبضہ کی حقیقت ونوعیت کے تعلق سے کوئی فرق نہیں ہے؛ البتہ جائیداد کی بیع میں قبضہ سے پہلے تصرف درست ہے، مگر ہبہ میں قبضہ سے پہلے کوئی تصرف درست نہیں۔

(۷) مروّجہ فاریکس ٹریڈنگ (کرنسی کی آن لائن تجارت) اور کموڈیٹی ٹریڈنگ (سونا، چاندی اور دیگر اشیاء واجناس کی آن لائن تجارت) مختلف وجوہات، مثلاً بیع قبل القبض اور بعض صورتوں میں مبیع معدوم ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔

(۸) روپئے پیسے یا کسی بھی کرنسی کے ذریعے سونے، چاندی کی خرید وفروخت، بیع صرف نہیں ہے، اس لئے اِس طرح کی بیع میں مجلس عقد میں صرف احد البدلین پر قبضہ کافی ہے۔

(۹) وہ مالی سندات جن کے ذریعے مجلس عقد میں عرفاً وقانوناً رقم پر قبضہ سمجھا جاتا ہے (جیسے سرٹیفائڈ چیک اور ڈرافٹ) ان کے ذریعہ سونے، چاندی کی اُدھار خرید وفروخت درست ہے۔

(۱۰) ڈیبٹ کارڈ کے ذریعہ سونے چاندی کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس میں ثمن پر فوری طور پر شرعی قبضہ متحقق ہوجاتا ہے۔

(۱۱) ''ای کامرس ویب سائٹس'' سے آرڈر دے کر آن لائن اشیاء کی خریداری جائز ہے اور مبیع کی وصول یابی پر مشتری کو خیارِ رویت حاصل ہوگا۔

انٹرنیٹ کے ذریعہ لین دین وغیرہ کی چند جدید شکلیں

''انٹرنیٹ کے ذریعہ لین دین وغیرہ کی چند جدید شکلوں'' سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے پندرہواں فقہی اجتماع بتاریخ: ۲۱ -۲۳ ر رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷-۲۹ ر مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ جمعرات جمعہ (بمقام: مدنی ہال مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (اَز: مرتب)

انٹرنیٹ کے کاروبار کو ''اِی بزنس'' (E-Business) یا ''اِی کامرس'' (E-commerce) کہا جاتا ہے، انٹرنیٹ کی سہولت سے استفادے کا ایک بڑا حصہ اِس وقت کاروباری اور تاجر طبقے سے وابستہ ہے، بے شمار مصنوعات اَب اِنٹرنیٹ پر بیچی اور خریدی جاسکتی ہیں، اور مختلف قسم کے تجارتی معاملات اِس پر انجام دئے جارہے ہیں، اِی بزنس بنیادی طور پر ایک آسان، کم خرچ اور کم وقت والی تجارت ہے، اِس کاروبار کے لئے اَب ذاتی ویب سائٹ کی بھی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ بہت سی ویب سائٹیں اپنے واسطے سے خرید وفروخت کا موقع دیتی ہیں، ان کے ذریعہ خدمات بھی فراہم کی جاسکتی ہیں۔ اِس وقت اِنٹرنیٹ پر مختلف قسم کے پروگرام بھی اِیجاد کئے جاچکے ہیں، جن سے متنوع سہولیات حاصل کی جاسکتی ہیں، اور مختلف قسم کے کاروبار بھی کئے جاسکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ ایک وسیع اور مختلف الجہات موضوع ہے، ساری شکلوں کا اِحاطہ کرنا دشوار ہے، اس لئے بعض ماہرین فن کے تعاون سے چند مشہور اور مروجہ شکلوں کا تعارف اور اُن کی تفصیلات پیش کی جارہی ہیں؛ تاکہ حکم شرعی کی تنقیح ہوسکے۔

آن لائن اشتہارات کے ذریعہ کمائی:

آج کل انٹرنیٹ پر اشتہارات کے ذریعہ پیسے کمانے کے مختلف طریقے ایجاد ہو گئے ہیں، اِی کامرس (یعنی آن لائن کاروبار) کا یہ ایک اہم موضوع سمجھا جاتا ہے، روز بروز اِس کی نت نئی شکلیں سامنے آرہی ہیں، بنیادی طور پر پہلے انٹرنیٹ کی ایک اہم ملٹی نیشنل کمپنی ''گوگل ''(google) سے واقفیت ضروری ہے، اِس لئے کہ آن لائن اشتہارات کے زیادہ طریقے اِسی سے وابستہ ہیں۔

''گوگل'' کا تعارف مختصر لفظوں میں ''تلاش انجن''(enginesearch) سے کیا جاسکتا ہے، شروع شروع میں گوگل کا مقصد بالعموم عام صارفین کو اِنٹرنیٹ پر کسی بھی موضوع پر درکار مواد تلاش کرنے کی سہولت فراہم کرنا تھا، اِسی وجہ سے اِس کو مقبولیت حاصل ہوئی؛ لیکن اِس وقت گوگل متعلقہ مواد کی تلاش (search) کے ساتھ ساتھ بے شمار خدمات مہیا کر رہا ہے، مثلاً: برقی پیغام رسانی (googlemail) ویڈیو شیئرنگ (YouTube) سوشل نیٹ ورک (Social network) نقشہ جات (Google Maps) گوگل پے (Google Pay) گوگل ایڈسینس (GoogleAdsense) وغیرہ۔

گوگل کی آمدنی کا بڑا انحصار انٹرنیٹ اشتہار کاری پر ہے، اشتہارات کی نوعیت اور لین دین کی شرائط وتفصیلات کے اعتبار سے اِس کے بیسوں طریقے مروج ہیں۔ ذیل میں زیادہ رائج اور مشہور طریقے درج کئے جارہے ہیں:

الف:- گوگل ایڈسینس (Google Adsense) گوگل کمپنی کی ایک اہم سروس ہے، جس کے ذریعہ سب سے زیادہ آن لائن اشتہارات لئے جاتے ہیں، اور دئے بھی جاتے ہیں۔ گوگل ایڈسینس پر آنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بلاگر (blogger جو گوگل کا ایک پروگرام ہے) کے ذریعہ پہلے ایک ویب سائٹ بنائی جاتی ہے، اِس ویب سائٹ کے لئے مثلاً: پندرہ سے بیس مضامین لکھے جاتے ہیں (ویب سائٹ کی نوعیتیں مختلف ہوسکتی ہیں) ویب سائٹ کو

اچھے سے اچھا بنایا جاتا ہے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اُس کو دیکھیں، اور گوگل ایڈسینس اُسے اشتہار کے پروگرام کے لئے منظور کرلے، منظوری کے بعد گوگل ایڈسینس ایسی ویب سائٹس پر مختلف کمپنیوں کے اشتہارات لگاتی ہے، گوگل ایڈسینس کا بنیادی کام مشتہر (Advitisers) اور طابع (Publishers) کے درمیان واسطہ بننا ہے، مشتہر سے مراد وہ اِدارے یا کمپنیاں ہیں جو اپنے کاروبار کی تشہیر چاہتے ہیں، جب کہ طابع سے مراد وہ ویب سائٹ مالکان ہیں جو اپنی ویب سائٹس پر دیگر کمپنیوں کے اشتہارات لگانا چاہتے ہیں، گوگل ایڈسینس اپنے مقررہ قواعد وضوابط کے مطابق مختلف کمپنیوں سے طے شدہ معاوضہ لے کر اشتہارات حاصل کرتی ہے اور اشتہارات کو مذکورہ بالا ویب سائٹس پر موجود آڈیوز، ویڈیوز اور مختلف تحقیقی مضامین وغیرہ کے ساتھ لگاتی ہے، جب کوئی شخص ایسی ویب سائٹس پر جاکر یہ اشتہارات دیکھتا یا اُن پر کلک کرتا ہے تو گوگل متعلقہ کمپنیوں کے اِکاؤنٹس سے طے شدہ معاضہ لے کر کچھ حصہ خود رکھ لیتی ہے اور کچھ اُن ویب سائٹس مالکان کو دے دیتی ہے۔

چوں کہ حقیقی گاہکوں (Costumers) سے کلک (click) یا تبصرے (views) حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے بعض کمپنیاں خود یا اپنے جاننے والوں کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ اُن کی ویب سائٹس پر آکر اشتہارات دیکھیں اور اُن پر کلک کریں، آپس میں اِس کام کا معاوضہ بھی طے ہوتا ہے۔ بعض ماہرین فن سے معلوم ہوا کہ گوگل ایڈسینس کی طرف سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ یہ سراسر دھوکہ اور جعل سازی ہے، اگر گوگل ایڈسینس کے علم میں یہ بات آئے کہ کسی نے مذکورہ بالا غلط طریقے سے اپنی ویڈیوز کے کللکس اور تبصرے بڑھائے ہیں، تو وہ کمائی گئی رقم روک لینے اور متعلقہ اِکاؤنٹ بلاک کرنے کا قانونی اختیار رکھتی ہے۔

قابل تنقیح سوالات:

اَب مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ:

''گوگل ایڈسنس'' کے ذریعہ اشتہارات کی اشاعت

سوال (۹۵۲/۱):- کمپنیوں کا ''گوگل ایڈسنس'' سے رابطہ کر کے مختلف ذرائع سے اشتہارات کرانا کیسا ہے؟ جب کہ گوگل ایڈسینس جائز اُمور کے ساتھ ساتھ حرام پروجیکٹ یا ویڈیو یا نیم برہنہ تصاویر یا میوزک، گانے اور فحش قسم کے مواد پر بھی اشتہارات دیتی ہے، تو کیا یہ عمل جائز ہوگا؟ اور دونوں کے درمیان معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۱) ''گوگل ایڈسنس'' اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک دلالی کرنے والی کمپنی کی حیثیت رکھتی ہے؛ کیوں کہ ایک طرف وہ اشتہار دینے والوں سے اشتہار لیتی ہے اور اُن سے اُجرت وصول کرتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ اشتہارات شائع کرنے والی کمپنیوں اور ویب سائٹوں سے اشتہارات بالمعاوضہ شائع کراتی ہے؛ لہٰذا دونوں جانب سے جب معاوضہ متعین ہو اور ایسی جہالت نہ پائی جائے جو موجبِ نزاع ہو، تو اس ذریعہ سے اشتہارات دینا فی نفسہٖ جائز ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ اشتہار دینے والا اپنے اشتہار میں کوئی خلافِ شرع چیز شامل نہ کرے۔ اگر اُس کا اشتہار خلافِ شرع باتوں پر مشتمل ہے، مثلاً فحش تصاویر یا میوزک وغیرہ، تو ایسا اشتہار سرے سے دینا ہی ناجائز ہے۔

اور رہ گئی یہ بات کہ ''گوگل ایڈسنس'' پر دیگر لوگوں کی طرف سے ناجائز اشتہارات شائع ہوتے ہیں، تو ان کی وجہ سے جائز اشتہارات والا معاملہ ممنوع نہ ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بسا اَوقات اخبارات میں ممنوع اشتہارات شائع ہوتے ہیں؛ لیکن اُن میں مباح اشتہارات کی اشاعت سے کوئی منع نہیں کرتا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [الأنعام، جزء آیت: ۱۵۲]

والسمسار اسم لمن يعمل للغير بالأجر بيعًا وشراءً. (كتاب المبسوط للسرخسي ١١٥/١٥)

استحقاق الأجرة بعمل لا بمجرد قول. (قواعد الفقه / القاعدة الخامس والعشرون ص: ٤٢ مكتبة تهانوي)

تصوير صورة الحيوان حرامٌ شديد التحريم. (حاشية النووي علىٰ صحيح مسلم ١٩٩/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

''گوگل ایڈسنس'' سے اشتہارات حاصل کرنا اور اس پر معاوضہ لینا

سوال (۹۵۳/۲):- اِسی طرح گوگل ایڈسینس سے اپنی ویب سائٹ وغیرہ رجسٹرڈ کرواکر اشتہارات حاصل کرنا اور ویب سائٹ پر منسلک کیے جانے والے اشتہارات دیکھنے اور اُن پر کلک کرنے پر معاوضہ لینا شرعی نقطہ نظر سے کیا حکم رکھتا ہے؟ اِس کی فقہی تطبیق کیا ہوگی؟

نوٹ:- واضح رہے کہ معاوضہ طے کرنے کے مختلف طریقے مروج ہیں، مثلاً:

الف:- سائٹ پر جتنی بار اشتہار دکھائے جائیں گے، اُس کے حساب سے معاوضہ ملے گا، اِس کو کاسٹ پرایمپریشن (cost perimpression) کہا جاتا ہے۔

ب:- سائٹ پر جتنی بار اشتہار پر کلک کیا جائے گا، اُسی حساب سے معاوضہ ملے گا، اِس کو کاسٹ پر کلک (Cost Per Click) کہا جاتا ہے۔

ج:- جب اشتہار کے ذریعہ متعلقہ سامان خریدا جائے یا متعلقہ خدمت حاصل کی جائے، تو معاوضہ ملے گا، اس کو کاسٹ پرایکویسیشن (Cost Per Acquisition) کہا جاتا ہے۔

د:- جن کمپنیوں کی فروخت کم ہوتی ہے، وہ اپنا اشتہار سائٹ کے مالکان کو مہینے کے حساب سے معاوضہ طے کرکے دے دیتی ہیں، اِس میں کوئی شرط نہیں ہوتی کہ اشتہار کتنی بار دکھایا جائے یا کوئی کلک کرے یا نہ کرے، اِس کو فلیٹ ریٹ (Flate Rate) کہا جاتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - (۲) ''گوگل ایڈسنس'' سے اپنی ویب سائٹ رجسٹر ڈکرانا گویا کہ انٹرنیٹ کے ایک متعینہ حصہ پر استعمال کا حق حاصل کرنا ہے، اب اس حصہ پر اگر اشتہار ڈال کر اُجرت لی جائے، تو یہ اسی طرح مباح ہے جیسے کہ کوئی آدمی اپنے مکان کی دیوار پر اشتہار یا بورڈ لگانے والے سے اُجرت لے، جسے آج کل کے عرف میں موجبِ اُجرت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اشتہاری ویب سائٹ کے ذریعہ اجرت حاصل کرنا بھی مباح ہوگا، اور اس میں فریقین کے درمیان اُجرت کی تعیین کی جو بھی شکل آپسی رضامندی سے طے ہوجائے، وہ درست ہے۔ اِس اعتبار سے سوال میں مذکور اُجرت کی تعیین کی صورتوں میں سے ''الف'' اور ''د'' کے اعتبار سے اُجرت کی تعیین میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن دفعہ ''ب'' اور ''ج'' میں چوں کہ اجرت کی تعیین میں دوسرے کے عمل کی شرط فاسد لگی ہوئی ہے؛ کیوں کہ اشتہار لگانے والا شخص نہ تو اشتہار پر کلک کرنے میں اپنا اختیار رکھتا ہے، اور نہ ہی اشتہار والی شئ کی خرید وفروخت میں اس کا کوئی عمل دخل ہے؛ لہٰذا اِس طرح اُجرت کا تعین درست نہ ہوگا، اور معاملہ فاسد ہونے کی صورت میں اُجرت مثل واجب ہوگی۔

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (رد المحتار ۳۰۷/٤ زکریا)

ويشترط أيضًا أن تكون المنفعة مقصودة معتادًا استيفائها بعقد الإجارة، ويجري التعامل بها بين الناس. (شرح المجلة ۲٥٤/۱ رقم: المادة: ٤٥۱)

ويجب أن تكون الأجرة معلومةً للمتعاقدين بإشارة أو تعيين أو بيان الخ. (الموسوعة الفقهية ۳۲۰/۱ الكويت)

وأجمعوا علىٰ جواز إجارة الدار والدابة والثوب ونحو ذلك شهرًا مع أن الشهر قد يكون ثلاثين يومًا، وقد يكون تسعة وعشرين. (حاشية النووي علىٰ صحيح مسلم ۲/۲)

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يُفسده. (الهداية / كتاب البيوع ٥۹/۳)

جی میل وغیرہ سے حاصل کردہ ''باکس'' میں اشتہار لگانا

سوال (۳/۹۵۴):- آن لائن اشتہارات کے لئے مشہور ویب سائٹس، جیسے: جی میل (Gmail) یوٹیوب (YouTube) وغیرہ کے مرکزی صفحہ پر باکس کی شکل میں چھوٹی بڑی جگہیں فروخت کی جاتی ہیں، جن کو متعلقہ کمپنیاں محدود مدت کے لئے خرید کر اپنی مصنوعات کا اشتہار لگاتی ہیں، اِس کو اِسپانسر ایڈس (Sponsor Ads) کہا جاتا ہے، اِس معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ بسا اَوقات بعض کمپنیاں ویب سائٹ کی مخصوص جگہیں خرید کر دوسری کمپنیوں کو زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتی ہیں اور اُس میں بولیاں بھی لگائی جاتی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۳) انٹرنیٹ کے عرف میں یہ ''باکس'' ایک مستقل حق کی حیثیت رکھتے ہیں؛ لہٰذا اُنہیں خرید کر اُن میں شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے اشتہارات لگانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور خریدار دیگر کمپنیوں سے اشتہار لگا کر اس کا معاوضہ بھی وصول کرسکتا ہے؛ لیکن اگر اشتہار لگائے بغیر صرف خالی باکس دوسری کمپنی کو فروخت کیا جائے، تو اس میں اصل رقم (جتنے میں باکس خریدا گیا ہے) سے زائد پیسہ لینا درست نہ ہوگا، اور اگر زائد رقم لی گئی ہے تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

إن المفتي أبا السعود أفتیٰ بجواز أخذ العوض في حق القرار والتصرف. (رد المحتار ۳۷/۷ زکریا)

فإن آجر بأكثر مما استاجر به من جنس ذٰلک، ولم يزد في الدار شيئًا ولا آجر معه شيئًا من ماله آخر من ماله مما يجوز عقد الإجارة عليه لا يطيب له الأجرة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۵/ ۵۰ رقم: ۲۲۱۱۵ زکریا)

ویب سائٹ پر اشتہارات کلک کرنے پر معاوضہ کا حکم

سوال (۴/۹۵۵):- گوگل ایڈسنس جن ویب سائٹس کے مالکان سے کمپنیوں کے اشتہارات لگانے کا معاملہ کرتی ہے، ایسی ویب سائٹس کے مالکان اپنی ویب سائٹ کا

دائرہ وسیع کرنے اور اشتہارات کو دیکھنے اور اُن پر کلک کرنے والوں کی تعداد میں اِضافہ کرنے کے لئے عام لوگوں کو یہ پیش کش کرتے ہیں کہ وہ اپنا رجسٹریشن کراکر (کبھی فیس دے کر اور کبھی مفت) ویب سائٹ پر آ کر اشتہارات پر کلک کریں، جس کے بدلے طے شدہ اُصول وضوابط کے مطابق اُنہیں معاوضہ دیا جائے گا، اِس طرح ویب سائٹ پر چسپاں کئے گئے اشتہارات کو دیکھنے اور کلک کرنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، جس کا معاوضہ ویب سائٹ مالکان گوگل ایڈسینس سے وصول کرتے ہیں اور گوگل ایڈسنس متعلقہ کمپنیوں سے معاوضہ لیتی ہے۔ اَب اِس میں سوال یہ ہے کہ عام لوگوں کا ویب سائٹ پر جا کر اشتہار پر کلک کرنے کا معاوضہ لینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اِس میں ایک تنقیح تو اشتہارات کی نوعیت سے متعلق ہے، جب کہ دوسری تنقیح اِس معاملہ کی فقہی حیثیت سے متعلق ہے، کیا اِس کو اِجارہ کا معاملہ قرار دیا جائے گا۔

واضح رہے کہ بعض ماہرین فن کی تحقیق کے مطابق گوگل ایڈسینس کی طرف سے قانوناً اس کی ممانعت ہوتی ہے کہ ویب سائٹ والے فرضی طور پر لوگوں کو معاوضہ دے کر اشتہارات پر کلک کروائیں، جیسا کہ اُوپر گذرا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۴) اشتہار پر کلک کرنا ایک متعین عمل ہے؛ لہٰذا اگر اس عمل کے عوض اشتہارات کی کمپنی کلک کرنے والوں کو مقررہ معاوضہ دیتی ہے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ بشرطیکہ کوئی اور منکر نہ پایا جائے (تاہم زیادہ کلک کرنے پر مشتہر کی اجرت میں جو اِضافہ ہوتا ہے، وہ شرعی اصولوں کے خلاف ہے، جیسا کہ جواب نمبر (۲) میں گذرا۔ اسی طرح فرضی طور پر اشتہارات پر کلک کروانا بھی گوگل ایڈسنس کے قانون کے خلاف ہونے کی وجہ سے اشتہاری کمپنیوں کے لئے ممنوع ہوگا)

والأجرۃ إنما تکون بمقابلۃ العمل. (رد المحتار ۳۰۷/٤ زکریا)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال:

...... **من غشنا فليس منا.** (صحيح مسلم، كتاب الإيمان باب قول النبي ﷺ: من غشنا فليس منا ٧٠/١ رقم: ١٠١، سنن الترمذي ٢٤٥/١ رقم: ١٣١٥، سنن ابن ماجة ١٦١/١ رقم: ٢٢٢٤)

کھیل کود کے پروگرام میں اشتہارات کے احکام

سوال (۵/۹۵۶):- کمپنی کے اشتہارات کا اس وقت ایک طریقہ (جو اگرچہ انٹر نیٹ سے متعلق نہیں ہے؛ لیکن کثیر الوقوع ہے) یہ بھی ہے کہ فلمی اور کھیل کود کے پروگرام میں مختلف طریقوں سے (مثلاً: کھلاڑی کے لباس، کھیل کود کے سامان اور میدان کی دیواروں پر، اِسی طرح اَداکاروں کے لباس وغیرہ پر اور پروگرام نشر ہونے کے درمیان) کمپنی کا نام یا لوگو (Logo) استعمال کر کے بھاری معاوضہ لے کر اشتہارات دئے جاتے ہیں، اِس طریقۂ کار کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۵) آج کل اشتہارات کے عرف میں چوں کہ یہ سب چیزیں (جو سوال میں مذکور ہیں مثلاً لباس اور کھیل کود کے سامان وغیرہ) اشتہارات میں قابل معاوضہ قرار دی گئی ہیں، اس لئے اگر کوئی منکر (فواحش وتصاویر وغیرہ) نہ پایا جائے، تو اِس طرح کے اشتہارات پر معاوضہ کا لین دین درست ہوگا، یہ طریقۂ کار اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن چوں کہ آج کل اس کی بنا پر لہو ولعب اور کھیل کود میں اشتغال بھی لازم آتا ہے، اس لئے اجتناب ہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

ويشترط أيضًا أن تكون المنفعة مقصودة معتادًا استيفائها بعقد الإجارة، ويجري التعامل بها بين الناس. (شرح المجلة ٢٥٤/١ رقم المادة: ٤٥١)

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (رد المحتار ٣٠٧/٤ زكريا)

رقوم کی منتقلی والی ایپس کے استعمال پر کیش بیک سے فائدہ اُٹھانا؟

سوال (۶/۹۵۷):- اِس کے ضمن میں یہ سوال ہے کہ آج کل پے ٹی ایم (Paytm) ایم پیسہ (M-Pesa) ایزی پیسہ (Easy Paisa) فری چارج (Free

Charge) اور موبی وک (Mobi Kwik) گوگل پے (Google Pay) وغیرہ کے نام سے بہت سے پروگرام (Mobile App) انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں، جن کو ای والٹ (E-Wallet) یا ڈیجیٹل والٹ (Digital Wallet) کہا جاتا ہے، جنہیں ڈاؤن لوڈ کرنے اور اُن میں اپنا اِکاؤنٹ کھولنے کے بعد یہ سہولیات حاصل ہوجاتی ہیں کہ اپنے اِکاؤنٹ سے پیسے اُس میں جمع رکھیں اور اُن کے ذریعہ پیسے دوسروں کو منتقل کریں، یا بجلی، گیس وغیرہ کا بل اَدا کریں یا خریداری کریں، اِن پروگرامس کے ذریعہ بل کی اَدائیگی اور خریداری وغیرہ کرکے پیمنٹ کرنے پر چھوٹ (Discount) دی جاتی ہے، کبھی کیش بیک (Cash Back) کے نام سے کبھی پوائنٹ کے عنوان سے، کبھی کسی دوسرے عنوان سے، ان ڈسکاؤنٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ انعام، حط عن الثمن یا کچھ اور؟ اِس طرح لین دین کرکے فائدہ اُٹھانا شرعی نقطہ نظر سے کیسا ہے؟ اِن ڈیجیٹل والٹ سے صارفین کے معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (٦) پے ٹی ایم وغیرہ کے ایپس کے ذریعہ خریداری اور رقم کی منتقلی درست ہے، اور اس کے استعمال پر جو مقررہ رقم ملتی ہے اسے انعام کے زمرہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

الأصل إباحة الجائزة علیٰ عمل مشروعٍ سواء أ کان دینیًا أو دنیویًا؛ لأنہ من باب الحث علیٰ فعل الخیر والإعانة علیه بالمال، وهو من قبیل الهبة.

(الموسوعة الفقهیة ١٥/ ٧٧ الکویت)

هي (الهبة) لغة: التفضل علی الغیر ولو غیر مالٍ، وشرعًا: تملیک العین مجّانا أي بلا عوضٍ. (الدر المختار مع رد المحتار / کتاب الهبة ٨/ ٤٨٨ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
١٢؍ جمادی الثانی ١٤٤٠ھ مطابق ١٨؍ فروری ٢٠١٩ء

منظور شدہ تجویز: انٹرنیٹ کے ذریعہ لین دین وغیرہ کی چند جدید شکلیں

پندرہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ: ۲۱-۲۳/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷-۲۹/مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ- جمعہ

(بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی)

اِدارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کے پندرہویں فقہی اجتماع میں ''انٹرنیٹ کے ذریعہ لین دین وغیرہ کی چند جدید شکلوں'' پر بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) کمپنیوں کا ''گوگل ایڈسینس'' کے توسط سے مباح اَشیاء وخدمات کی تشہیر کا معاملہ کرنا اِجارہ کی بنا پر جائز ہے، بشرطیکہ کوئی دوسرا شرعی مانع نہ پایا جائے۔

(۲) ''گوگل ایڈسینس'' سے ویب سائٹس رجسٹرڈ کرواکر جائز اشتہارات حاصل کرنا اور تشہیر کا معاوضہ لینا جائز ہے؛ البتہ اگر اشتہار پر ''کلک'' کرنے یا متعلقہ سامان خریدنے پر معاوضہ کو مشروط قرار دیا جائے، تو یہ صورت اُجرت کی جہالت اور دوسرے کے عمل کی شرطِ فاسد کی وجہ سے اگرچہ اُصولاً جائز ہے؛ تاہم لوگوں کے تعامل کی وجہ سے یہ جہالت موجبِ نزاع نہیں رہی، اِس لئے اِس کی گنجائش ہوگی۔

(۳) اشتہارات کے لئے ویب سائٹس کی مخصوص جگہ کرایہ پر لے کر اُسے دوسرے کو اِضافی کرایہ پر دینا اور اُس سے نفع اُٹھانا جائز ہے؛ بشرطیکہ اُس میں مستاجر کی طرف سے کوئی قابل ذکر اِضافہ کیا گیا ہو۔

(۴) ویب سائٹس پر لگے اشتہارات پر کلک کرنے اور کروانے کے ذریعہ رقم حاصل کرنا مختلف مفاسد (تعاون علی الاثم اور دھوکہ وغیرہ) کی بنا پر ناجائز ہے۔

(۵) فلم اور حرام پروگراموں پر اشتہارات دینا تعاون علی المعصیت کی بنا پر ناجائز ہے۔

(٦) مروجہ (ایزی پیسہ، پے ٹی ایم وغیرہ) کے ذریعہ لین دین اور رُقوم کی منتقلی پر کیش بیک یا پوئنٹ وغیرہ کے نام سے جو رقم ملتی ہے، وہ ایک طرح کا اِنعام ہے، جس سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے۔

بیع فاسد اور بیع باطل

مورتی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال (۹۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک دوائیوں کی دوکان چلاتا ہے، بڑی کمپنیوں سے دوائی منگاتا ہے، دوائی لانے والا غیر مسلم ہے، وہ جب دوائی لاتا ہے، تو ان دوائیوں کے ساتھ کچھ مورتی بھی لاتا ہے، زید منع کرتا ہے، مورتی لانے کو کہ ہمارے مذہب میں مورتی کا خریدنا اور بیچنا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود کبھی کبھی مورتی بھی دے جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا زید اس مورتی کے خریدنے سے گنہگار تو نہیں ہوگا؟ اور کیا زید کسی غیر مسلم کو اتنی ہی رقم میں وہ مورتی فروخت کرسکتا ہے، جتنی رقم میں اُس کی دوکان پر آئی ہے؟ کیا اُس مورتی کو غیر مسلم کو بیچنے پر زید گنہگار تو نہیں ہوگا اور کیا یہ پیسہ زید کے لئے درست ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- کسی بھی مسلمان کے لئے مورتی کی خرید وفروخت ہرگز جائز نہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں غیر مسلم ایجنٹ سے مورتی لینے اور پھر اُسے فروخت کرنے کی اِجازت نہ ہوگی؛ اگر چہ خریدار غیر مسلم کیوں نہ ہو اور زید کے لئے یہ عمل موجبِ گناہ ہوگا۔ اور اُس کی آمدنی کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مٹی یا کاغذ کی مورتی ہو جس کو توڑنے کے بعد کوئی مالیت باقی نہ رہے تو اُس کی آمدنی حرام ہوگی۔ اور اگر ایسی چیز کی مورتی ہو جس کی مالیت باقی رہتی ہے، مثلاً: پیتل یا لوہے کی مورتی ہو تو اُس کی آمدنی بکراہت جائز ہوگی۔

عن جابر رضي الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: عام الفتح وهو بمكة: إن اللّٰه ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب بيع الميتة والأصنام ۲۹۸/۱ رقم: ۲۲۳٦)

والإجماع قائم على أنه لا يجوز بيع الميتة والأصنام؛ لأنه لا يحل الانتفاع بها ووضع الثمن فيها إضاعة مال وقد نهى الشارع عن إضاعته. (عمدة القاري، كتاب الصوم / باب بيع الميتة والأصنام ۵۵/۱۲ دا الفكر بيروت)

إن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريمًا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ۵٦۱/۹ زكريا)

اشترىٰ ثورًا أو فرسًا من خزف لأجل استئناس الصبي لا يصح ولا قيمة له، قوله: من خزف: أي طين، قال ط: قيد به؛ لأنها لو كانت من خشب أو صفر جاز اتفاقًا فيما يظهر لإمكان الانتفاع بها وحرره أهـ، وهو ظاهر. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المتفرقات ۴۷۸/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردار بھینس کی بٹ کی خرید وفروخت

سوال (۹۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردار بھینس کی بٹ نکال کر صفائی کرنے کے بعد نمک لگا کر چھوڑ دیا جاتا ہے، جس سے اس کی رطوبت بالکل ختم ہو جاتی ہے، پھر اسے سکھانے کے بعد فروخت کر دیا جاتا ہے اور کبھی نمک لگائے بغیر صاف کر کے، سکھانے کے بعد حلال جانور کی بٹ کے ساتھ ملا کر فروخت کی جاتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ مردار کی بٹ کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اپنی مملوکہ مردار بھینس سے بٹ نکال کر صفائی

کرنے اور سکھانے کے بعد اُس کی خرید وفروخت سب جائز ہے، اُس کا حکم بھی کھال کے مانند ہے؛ البتہ جب تک صفائی نہ کی جائے تو ناپاک ہونے کی وجہ سے اُس کی بیع وشراء جائز نہ ہوگی۔

وكل إهاب ومثله المثانة والكرش (وفي الشامي) **الكرش بالكسر ككتف لكل مجتر بمنزلة المعدة للإنسان، ومثله الأمعاء، وفي البحر عن التجنيس: أصلح أمعاء شاة ميتة فصلى وهي معه جاز؛ لأنه يتخذ منها الأوتار وهو كالدباغ ...... وكذلك الكرش إن كان يقدر على إصلاحه.** (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه، مطلب: في أحكام الإباغة ١/٣٥٥ زكريا)

إذا أصلح مصارين شاة ميتة طهرت، ولهذا تتخذ منه الأوتار ...... وكذلك الكرش إذا قدر على إصلاحه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة / الفصل الثامن في تطهير النجاسات ١/٤٦٧ رقم: ١٢٤٧ زكريا)

وذكر بعض الفقهاء – منهم الحنفية – أن المثانة والكرش مثل الإهاب في قبول الدباغ والطهارة به، وكذلك الأمعاء، قال ابن عابدين نقلاً عن البحر: فلو دبغت المثانة وجعل فيها لبن جاز، وكذلك الكرش إن كان يقدر على إصلاحه. (الموسوعة الفقهية ٢٠/٢٨-٢٢٧ الكويت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۸/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردار جانور کی پوٹلی کی خرید وفروخت

سوال (۹۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردار جانور کی پوٹلی کا خریدنا اور بیچنا اور اسے کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ چائنہ میں یہ بہت مہنگی بکتی ہے۔ اِسی طرح یہ بھی واضح فرمادیں کہ مردہ جانور کے کن کن اعضاء سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے؟ اور کن اَعضاء کی خرید وفروخت جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جانور کی پوٹلی ایک ایسا عضو ہے جس میں گوشت کی مانند موت وحیات کا اثر ظاہر ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا جائے اور پھر اُس کی پوٹلی کو صاف کر کے استعمال میں لایا جائے تو اِس میں شرعاً حرج نہیں؛ لیکن مردار جانور کی پوٹلی کی خرید وفروخت اور اُس کا کھانا درست نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ مردار جانور کے صرف ایسے اعضاء سے انتفاع کی اِجازت ہوتی ہے جن میں موت وحیات کا اثر ظاہر نہیں ہوتا جیسے ہڈی اور بال وغیرہ۔

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ أي أكلها والانتفاع بها، وأضاف الحرمة إلى العين ...... إشارة إلى حرمة التصرف في الميتة وهي التي مات من غير ذكاة شرعية. (روح المعاني [سورة البقرة: ۱۷۳] ۴۳۹/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ﴿قُلْ لَا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهٗ﴾ ألا كل شيء من الميتة حلالٌ إلا ما أكل منها، أما الجلد والقرن والشعر والصوف والسن والعظم فكل هذا حلال لأنه لا يذكٰى. (سنن الدار قطني، كتاب الطهارة / باب الدباغ ۷۰/۱ رقم: ۱۲۰ مؤسسة الرسالة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گوشت فیکٹری میں ذبح شدہ جانور کے خون کی خرید وفروخت

سوال (۹۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری گوشت کی فیکٹری ہے، جس میں جانور ذبح کئے جاتے ہیں، بوقت ذبح جو خون نکلتا ہے، سرکار نے اُس کو خون باہر پھینکنے سے منع کر دیا ہے جس کی وجہ سے ایک ٹینک بنایا گیا ہے جس

میں خون و پانی جمع ہوتا ہے، پھر اُس خون کا پاؤڈر و مرغی دانہ بنایا جاتا ہے جس کے لئے پچیس لاکھ روپئے کی ایک مشین خریدی ہے۔ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ اس سے حاصل شدہ روپئے کے مصارف کیا ہیں؟ کیا اُسے اپنی ذات پر یا غرباء پر بلانیت ثواب یا مسجد و مدرسہ کے بیت الخلاء کی تعمیر میں خرچ کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اس پیسے سے مشین کی قیمت اور مزدوروں کی اُجرت نکال سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ذبح کے وقت نکلنے والے بہتے ہوئے خون کی بیع وشراء تو ناجائز ہے؛ لیکن اگر اُس خون کی ماہیت تبدیل کردی جائے اور اِس طرح پاؤڈر بنادیا جائے کہ اُس کی بو، رنگت اور سیلانیت باقی نہ رہے، تو تبدیل ماہیت کے بعد اُس سے حاصل شدہ آمدنی اپنی سبھی ضروریات میں خرچ کرنا درست ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۱۹/۴۳۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۳]

قد اتفق الفقهاء على نجاسة الدم وعدم جواز بيعه. (فقه البيوع، المبحث الثالث / الدم ۱/۳۰۸ رقم: ۱۲۹ المكتبة النعيمية ديوبند)

إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة؛ لأنها اسم لذات موصوفة فتنعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر إذا تخللت. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة / الدباغة ۱/۲۴۳ زكريا)

ثم هذه المسئلة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذي عليه الفتوىٰ واختاره أكثر المشائخ ...... ثم اعلم أن العلة عند محمد هي التغير وانقلاب الحقيقة. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۱/۵۱۹ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۲/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ایامِ قربانی سے پہلے ہی پیشگی چرمِ قربانی کی بیع کرنا

سوال (۹۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسے کا ذمہ دار ہے جو ہر سال مدرسہ کے لئے چرم قربانی جمع کرتا ہے، موجودہ زمانے میں کھالوں کی قیمت نہایت کم ہے کہ اگر اُن کو جمع کر کے کچھ ایام تک رکھنے کے بعد فروخت کیا جائے تو اُن کی حفاظت ودباغت وغیرہ کا خرچہ اُن کی قیمت سے زیادہ ہوجاتا ہے، جس میں مدرسہ کا کافی درجہ کا نقصان ہوجاتا ہے، اب زید کے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ چرم قربانی کو عیدالاضحیٰ سے پہلے ہی فروخت کردیا جائے؛ تاکہ دباغت وغیرہ کا خرچہ نہ اُٹھانا پڑے اور قربانی ہوتے ہی مشتری حضرات اپنی خریدی ہوئی کھالوں کو وصول کرلیں۔

دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ زید کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو جواز کی کوئی صورت ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

نوٹ:- ہمارے یہاں چرم قربانی کے خریدار حضرات اَیام اُضحیہ میں نہیں آپاتے ہیں، کھالوں کی حفاظت کے لئے اُن پر نمک وغیرہ لگا کر رکھنا ہمارے لئے نہایت ضروری امر ہے، جس کا خرچہ کافی مقدار میں ہوجاتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جانوروں کے ذبح ہونے اور کھال کے قبضہ میں آنے سے پہلے کھالوں کی باقاعدہ فروختگی تو جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بیع معدوم ومجہول ہے؛ البتہ یہ صورت ممکن ہے کہ اخلاقی طور پر کسی سے یہ وعدہ کرلیا جائے کہ کھال آنے کے بعد ہم تمہارے ہاتھ ہر کھال اتنے روپئے میں فروخت کردیں گے، پھر جیسے جیسے کھالیں آتی رہیں انہیں حساب لگا کر فروخت کیا جاتا رہے، پیشگی کوئی عقد نہ کیا جائے، یہ شکل ناجائز نہ ہوگی۔

وفسد بیع ...... صوف علی ظهر غنم...... کذا کل ما اتصاله خلقي کجلد حیوان. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب البیوع / باب البیع الفاسد ۲۴۷/۷-۲۵۲ زکریا)

أشـار المصنف إلى أن كل ما بيع في غلافه فلا يجوز كاللبن في الضرع واللحم في الشاة الحية أو شحمها أو إليتها أو أكارعها أو جلودها. (البحر الرائق، كتاب البيع / باب البيع الفاسد ٨١/٦ دار الكتاب الإسلامي)

فـمـن وعـد آخـر بـإنشـاء بيـع فـي الـمستقبل: هل يجب عليه الوفاء بهذا الـوعـد؟ ...... الـمشهـور مـمـا نقل عن جمهور الفقهاء أن الوفاء بالوعد مستحب مندوب وهو من مكارم الأخلاق؛ ولكنه ليس بواجب ديانة ولا قضاء، والواعد إذا تـرک الوفاءَ فقد فاته الفضل، وارتكب المكروه كراهة تنزيهية شديدة؛ ولكنه لا يـأثـم، وهـذا الـقـول مـنسـوب إلـى أبي حنيفة والشافعي وأحمد وبعض المالكية رحمهم اللّٰه. (فقه البيوع / حكم الوعد أو المواعدة في البيع ٧٧/١-٧٨ المكتبة النعيمية ديوبند)

وربـمـا يـنشأ سؤال، وهو أن الوعد بالبيع أو بالشراء يقع غالبًا في حين أن البـائـع لا يـمـلک الـمبيـع، فلو جعلنا الوعد ملزما في القضاء صار ذلک مشـابهـا لـعـقـد البيـع، وهـو بيع لما لا يملک الإنسان أو هو بيع مضاف إلى الـمستـقبـل، وكـلاهما لا يجوز؟ والجواب أن الوعد الملزم بالبيع ليس بيعًا، ويتـضـح الـفـرق بينهما بالنقاط الآتية:- حيث إن الوعد بالبيع ليس بيعًا، فإن البيع يحتاج إلى أن يتم عند الأجل الموعود بالإيجاب والقبول من الطرفين أو بـالتعـاطـي فإذا لم يتحقق الإيجاب والقبول ولا التعاطي عندئذ، لم ينشأ بيع. بخلاف البيع المضاف إلى المستقبل فإنه لا يحتاج إلى الإيجاب والقبول مرة أخـرىٰ، وإنـما تنشاء الحقوق والالتزامات عند الأجل المحدد، فتنتقل ملكية الـمبيـع إلى المشتري ويجب عليه أداء الثمن بصفقة تلقائية. (فـقه البيوع / حكم الوعد أو المواعدة في البيع ٩٣/١ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبضہ سے پہلے پلاٹ کسی دوسرے کو بیچ دینا

سوال (۹۶۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی نے دولاکھ پچاس ہزار کا ایک پلاٹ خریدا، پچاس ہزار نقد اَدا کرکے اور بقیہ رقم کی اَدائیگی کے لئے آئندہ وقت مقرر کردیا گیا، ابھی پلاٹ پر قبضہ نہیں ہوا تھا کہ اِس دوران اُس شخص نے دوسرے آدمی کے ہاتھ تین لاکھ روپئے کی قیمت میں فروخت کردیا۔ تو سوال یہ ہے کہ خریدار کا قبضہ سے پہلے اور پوری رقم کی اَدائیگی کئے بغیر نفع کے ساتھ بیچنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر عقد تام ہوچکا ہے اور بائع اَول نے مذکورہ پلاٹ مشتری کے نام کرکے اُس کو تصرف کا اختیار دے دیا ہے؛ تو اگرچہ اُس فلیٹ پر اُس کا حسی قبضہ نہ ہوا ہو، پھر بھی یہ مشتری اُس کو فروخت کرکے اُس سے نفع حاصل کرسکتا ہے، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر عقد بیع نہیں ہوا ہے، صرف وعدہ ہوا ہے تو قبضہ کے بغیر اُس کو آگے فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبي حنیفة وأبي یوسف. (الهدایة، کتاب البیوع / باب المرابحة والتولیة ۷۹/۳ المکتبة النعیمیة دیوبند)

أما بیع الأعیان غیر المنقولة قبل قبضها کبیع الأرض والضیاع والنخیل والدور ونحو ذلک من الأشیاء الثابتة التي لا یخشی هلاکها فإنه یصح. (الفقه علی المذاهب الأربعة ۲۳۴/۲)

ومن اشتری شیئًا وأغلی في ثمنه فباعه مرابحة علی ذلک جاز. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب البیوع / الباب الرابع عشر في المرابحة والتولیة والوضیعة ۱۶۱/۱ زکریا)

وبیع ما لیس في ملکه لبطلان بیع المعدوم وما له خطر العدم (الدر المختار) **قوله لبطلان بیع المعدوم: إذ من شرط المعقود علیه أن یکون**

موجودا ما لا متقومًا مملوكًا في نفسه. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد ٢٤٧/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹؍۵؍۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع قبل القبض کا حکم اور معاف کردینے کے بعد منافع لینا

سوال (۹۶۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں محمد انیس (مع بھائی اور ۳؍بہنیں اور بیگمات ۱۱؍اَفراد) نے محمد سے مطابع الرشید کی مشینیں ۶؍لاکھ ۵۷؍ہزار ریال نقد دے کر خریدی (مگر اُن مشینوں پر میں نے قبضہ نہیں کیا تھا، وہ سب محمد ہی کے قبضے میں تھیں) چند دن بعد دوسری نشست میں محمد نے مجھ سے ایک سال کے اندر ۴؍قسطوں میں اَدا کرنے کے وعدے پر ایک لاکھ ۳۵؍ہزار ریال کے منافع کے ساتھ ۸؍لاکھ ۱۰؍ہزار ریال کی خرید لی، یہ معاملہ ۱۴۲۸ھ کو ہوا۔

۳؍ماہ بعد پہلی قسط دینی تھی، وہ قسط بھی نہیں دی اور وہاٹس ایپ پر میسج بھیج دیا کہ آج سے میں وہ معاملہ ختم کرتا ہوں اور ۳۰؍ہزار والد صاحب سے لے لو، باقی رقم بغیر منافع کے میں سال ختم ہونے پر ۶؍لاکھ ۴۵؍ہزار روپئے) اَدا کردوں گا، ہم نے بھی میسج سے جواب دیا کہ ایک طرفہ فیصلے سے معاہدہ ختم نہیں ہوسکتا، ہم منافع سمیت پوری رقم لیں گے۔

تقاضے کرتے رہے، اس طرح ۲؍سال گذر گئے، کچھ نہ دیا، محمد کے بھائی احمد اور چچا کے ساتھ ایک نشست ہوئی، سب بات سن کر چچا نے فیصلہ کیا کہ منافع والی رقم نکال دو اور محمد سے کہا کہ اِن کو ۶؍لاکھ ۴۵؍ہزار ریال دو، محمد نے کہا کہ ایک سال میں دوں گا، اِس پر چچا نے ۳؍ماہ کی اور چھوٹ دے دی، افسوس کہ ۲؍سال گذر گئے، کچھ نہ ملا، ہم نے کہا کہ ایک سال ۳؍ماہ سے ۲؍ماہ کی اور مہلت دے دو، اِس طرح ۱۵؍ماہ کے وعدے پر عقد بنالیا بغیر منافع کی رقم کے۔

اَب ۱۵؍ماہ بھی گذر گئے وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا پلاز انہیں بکا، اِس طرح ۲؍سال اور

گذر گئے، عقد سے قبل ۲/سال اور بعد ۲/سال یعنی ۴/سال گذر گئے، اَب محمد کا فون آتا ہے کہ احمد کے پاس میری رقم ہے، ان سے لے لو، ہم نے کہا کہ احمد کے پاس تمہاری رقم پھنسی ہوئی ہوگی اور ہم کو ذلیل کر کے تکلیفیں دے کر وہاں پھنسانا چاہتے ہو، غرض کافی گرما گرمی ہوئی، چچا نے فون کیا کہ میں آ گیا ہوں، بیٹھ کر بات کرتے ہیں، چچا نے مجھ سے تنہائی میں کہا، محمد کہتا ہے کہ ۶/لاکھ ۴۵/ہزار میں ۴۵/ہزار ریال یہ منافع ہے، ہم نے کہا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، منافع ایک لاکھ ۳۵/ہزار نکال کر آپ نے خود عقد کرایا تھا، اِس پر چچا نے کہا کہ ۴۵/ہزار میں اَدا کردوں گا، ۲/سال تک، اور محمد سے میں لوں یا نہ لوں، وہ مجھے دے گا بھی نہیں، میں اپنے پاس سے اَدا کروں گا۔

چناں چہ محمد اور احمد اور چچا کے ساتھ میں بیٹھا، محمد نے کہا کہ تماری بہن کی خاطر میں اپنے ۲۰/پلاٹ خسارے سے بیچتا ہوں؛ تاکہ ایک لاکھ ریال دے دوں (بہن نے اپنی پریشانی اور ضرورت کا اظہار چچا سے ایک خط کے ذریعہ کیا تھا) اور ۴۵/ہزار کا ۲/سال میں چچا نے دینے کا وعدہ کیا ہے اور باقی ۵/لاکھ کی احمد سے لکھت پڑھت کرادوں گا، احمد نے بھی کہا کہ میرے ساتھ عقد کرلو، ابھی ۵۰/ہزار دوں گا باقی ہر سال ۵۰/ہزار دیتا رہوں گا، ہم نے گھر والوں سے مشورہ کر کے مجبوراً قبول کرلیا۔

اگلے دن عقد لکھنا تھا، میں نے محمد سے کہا کہ تم ہم کو احمد کے ساتھ زبردستی پھنسا رہے ہو، محمد کہنے لگا کہ کیوں پھنستے ہو، پلازا بکنے کا انتظار کرلو، میں نے کہا ٹھیک ہے، لاؤ ایک لاکھ ریال، ۴۵/ہزار چچا دیں گے، ہم باقی رقم کے لئے انتظار کر لیتے ہیں اور آپ کو تنگ نہیں کریں گے، اس پر محمد نے کہا کہ پلازا بکنے پر ہی پوری رقم ملے گی، میں نے کہا کہ پیسے کا لالچ دے کر یہی تو پھنسا رہے ہو، مزید یہ جتا رہے ہے کہ بہن کی خاطر نقصان میں پلاٹ بیچ رہا ہوں، جب کہ نفع والی رقم ایک لاکھ ۳۵/ہزار کی معافی بھی ۱۵/مہینے کے ساتھ مشروط تھی، اب مزید ۸/سال تک آگے بڑھ جائے گا، اس لئے ہم تم کو نفع والی رقم ایک لاکھ ۳۵/ہزار معاف نہیں کریں گے۔

اِس بات پر چچا نے کہا کہ پھر یہ مجھے ۴۵/ ہزار بھی نہیں دے گا (جب کہ چچا نے پہلے کہا تھا کہ ۴۵/ ہزار میں دوں گا، چاہے یہ مجھے دے یا نہ دے) ہم خاموش رہے، اس بیچ احمد نے ہر سال ۵۰/ ہزار کے حساب سے ۵/ لاکھ ریال کا ۸/ سال کی مدت میں دینے کا عقد بنا دیا اور محمد نے ایک لاکھ ریال مجھے دے دیئے، تو آپ سے سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا محمد کے ساتھ ہمارا معاملہ اور ۳/ ماہ بعد مبیع کے ذریعہ معاملہ فسخ کرنا کیسا صحیح تھا؟

(۲) اِس ساری رقم کی اب تک ہم زکاۃ ادا کر رہے تھے، آگے زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

(۳) چچا ۴۵/ ہزار اگر نہ دے یا شرط لگائے کہ محمد کو ایک لاکھ ۳۵/ ہزار منافع معاف کرو تو دوں گا، اِس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا شرط لگانا صحیح ہے؟

(۴) منافع کی رقم کا ہمارا مانگنا اور ان کا انکار کرنا، یہ کیسا ہے؟ اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) اِس معاملے میں آپ کا پہلا عقد جس میں مشینوں کی نقد خریداری ہوئی ہے وہ تو درست تھا؛ لیکن مذکورہ مشینوں پر قبضے اور تصرف سے پہلے آپ کا اُنہیں بائع اول ''محمد'' کے ہاتھ منافع کے ساتھ بیچنا درست نہیں ہوا؛ کیوں کہ ''بیع قبل القبض'' شرعاً نافذ نہیں؛ بلکہ باطل ہے اور یک طرفہ طور پر بھی قابل فسخ ہے؛ البتہ پہلے والا معاملہ برقرار تھا؛ لیکن تفصیلی سوال نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چچا صاحب کے کہنے پر منافع کے بغیر اپنی دی ہوئی رقم واپس لینے پر رضامندی ظاہر کردی تھی، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ آپ معاملہ ختم کرکے اپنی رقم واپس لینے پر راضی تھے۔ بریں بنا اَب آپ صرف پہلے عقد میں اپنی اَدا کردہ پوری نقد رقم واپس لینے کے حق دار ہیں، منافع یا مزید رقم لینے کے حق دار نہیں ہیں۔

فلا یصح اتفاقًا الخ، بیع منقول قبل قبضه ولو من بائعه. (الدر المختار، کتاب البیوع / باب المرابحة والتولیة، فصل في التصرف في المبیع والثمن ۳۶۹/۷-۳۷۰ زکریا)

بخلاف بيعه قبله فإنه باطل مطلقًا (الدر المختار) أي سواء باعه من بائعه أو من غيره. (الدر المختار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في تصرف البائع في المبيع قبل القبض ۳۷۱/۷ زكريا)

ولكل واحد من المتعاقدين فسخه رفعًا للفساد، وهذا قبل القبض ظاهر؛ لأنه لم يفد حكمه، فيكون الفسخ امتناعًا منه. (الهداية، كتاب البيوع / فصل في أحكامه ٦٤/٣ المكتبة الأشرفية ديوبند، ٦٧/٣ مكتبة بلال ديوبند)

(۲) آپ چوں کہ اپنی اَدا کردہ مذکورہ رقم محمد پر قرض سمجھتے رہے اور اُس کی واپسی کی بھی آپ کو اُمید رہی؛ لہٰذا اُس رقم کی زکوٰۃ کی واپسی کے بعد آپ ہی پر حسبِ شرائط واجب ہوگی۔

عن عبد اللّٰه بن عباس وعبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قالا: من أسلف مالا فعليه زكاته في كل عام إذا كان في ثقة. (السنن الكبریٰ، كتاب الزكاة / باب زكاة الدين إذا كان على ملي موفي ٢٥٢/٤ رقم: ٧٦٢٠ دار الكتب العلمية بيروت)

واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي ومتوسط وضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصابًا، وحال الحول؛ لكن لا فورًا؛ بل عند قبض أربعين درهمًا من الدين القوي، كقرض. (الدر المختار، كتاب الزكاة / باب زكاة المال ٢٣٦/٣-٢٣٧ زكريا)

(۳) چچا صاحب کی طرف سے ۴۵؍ ہزار ریال کی اَدائیگی کی کفالت درست ہے۔ اور مذکورہ معاملے میں چوں کہ آپ شرعاً نفع کے حق دار نہیں ہیں؛ اِس لئے کفالت میں نفع چھوڑنے کی شرط لگانا بھی درست ہے۔

وأما الكفالة بالمال فجائزة معلومًا كان المكفول به أو مجهولًا إذا كان دينًا صحيحًا الخ، والمكفول له بالخيار إن شاء طالب الذي عليه الأصل وإن شاء طالب كفيله الخ، وله أن يطالبها؛ لأن مقتضاه الضم الخ، ويجوز تعليق الكفالة بالشرط. (الهداية / كتاب الكفالة ١١٥/٣-١١٦ المكتبة الأشرفية ديوبند، ١٢٢/٣ مكتبة بلال ديوبند)

(۴) آپ منافع کا مطالبہ نہیں کرسکتے؛ بلکہ صرف اپنی اصل رقم کی جلد اَز جلد اَدائیگی کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ اَدائیگی میں ٹال مٹول نہ کرے اور اس کی طرف سے جو بھی بد معاملگی اور وعدہ خلافی پیش آئی ہے، اُس پر معذرت کرے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہو۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم". (صحيح البخاري، كتاب الحوالات / باب الحوالة، وهل يرجع في الحوالة رقم: ٢٢٨٧، صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب تحريم مطل الغني الخ رقم: ١٥٦٤، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع / باب في المطل ١١٩/٢ رقم: ٣٣٤٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ثمن اَدا کرنے سے پہلے مبیع پر قبضہ کی شرط لگانا

سوال (۹۶۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نقد خرید وفروخت میں مشتری کا ثمن دینے سے پہلے بائع پر مبیع سپرد کرنے کی شرط لگانا کیسا ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- عاقدین کے درمیان اگر اس شرط پر نقد بیع ہوئی کہ بائع پہلے مبیع سپرد کرے پھر مشتری ثمن ادا کرے گا تو شرعاً یہ معاملہ فاسد ہوگا؛ اس لئے کہ نقد خرید وفروخت کے وقت ثمن دینے سے پہلے بائع پر مبیع سپرد کرنے کی شرط لگانا مقتضائے عقد کے خلاف ہے، ہاں اگر معاملہ ہی ادھار ہو تو ادھار کی مدت طے ہونے کے بعد بائع سے مبیع سپرد کرنے کا مطالبہ کرنا جائز ہوگا۔

باع عبدًا على أن يسلمه البائع إلى المشتري قبل نقد الثمن كان فاسدًا واختلفوا في العلة قال أبو يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ: لأن العقد لا يوجب تسليم المبيع قبل نقد الثمن إذا لم يكن الثمن مؤجلا فإذا شرط ما لا يقتضيه البيع فسد البيع. وقال محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ: إنما لا يجوز البيع؛ لأنه تضمن أجلا مجهولاً حتى لو سمى الوقت الذى يسلم فيه المبيع جاز. (الفتاویٰ الخانية على هامش الفتاویٰ الهندية، باب المبيع الفاسد / فصل في الشروط المفسدة ۲/۱۵٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۲/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک فریق سے نقد خرید کر قبضہ سے پہلے دوسرے کو ادھار بیچنا

سوال (۹٦٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اور بکر آپس میں تجارت کرتے ہیں، ایک تیسرے شخص یعنی خالد نے بکر سے کہا کہ فلاں کپڑا (جس کا نمونہ وہاں موجود تھا) مجھے ۱۳۰۰/ روپئے میں نقد فروخت کردو اور زید سے کہا کہ اِس کپڑے کو ۱۳۸۰/ روپئے میں مجھ سے اُدھار خرید لیں، تینوں کی یہ بات ایک ہی مجلس میں ہوئی، پھر بکر نے وہ مال زید کے یہاں پہنچا دیا اور زید نے اسے جانچ کر جو عیب دار مال تھا اُسے واپس کردیا اور چنندہ مال پالش وغیرہ کے لئے بھیج دیا، اُس کے بعد خالد نے بکر کو اُس کے تمام مال کی قیمت اَدا کردی اور زید سے متعینہ تاریخ پر اَدا کرنے کا وعدہ لے لیا، اِس طرح نفع حاصل کرنا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہ معاملہ بھی فاسد ہے؛ کیوں کہ اُس میں دوسری بیع سے پہلے مالک یعنی خالد کا قبضہ نہیں پایا گیا، اِس طرح کی بیع سے حاصل شدہ نفع خالد کے لئے درست نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من اشتریٰ طعامًا فلا یبعه حتی یستوفیه ویقبضه. (صحیح مسلم، کتاب البیوع / باب بطلان بیع المبیع قبل القبض رقم: ۱۵۲٦)

من حکم المبیع إذا کان منقولا أن لایجوز بیعه قبل القبض …… وذکر الکرخي في مختصره: إذا قال المشتري للبائع قبل القبض بعه لنفسک فقبل فهو نقض للبیع، ولو قال: بعه لی لایکون نقضا ولو باعه لم یجز بیعه. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب البیوع / الفصل الثالث في معرفة المبیع والثمن والتصرف فیهما قبل القبض ۱۳/۳ زکریا)

ومنها القبض في بیع المشتري المنقول فلا یصح بیعه قبل القبض لما روي أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن بیع ما لم یقبض. (بدائع الصنائع، کتاب البیوع / التأجیل في العقد ۳۹٤/٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۵۰/ ہزار کے چیک کو قبل از وقت ۴۵/ ہزار میں بیچنا

سوال (۹٦۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میعادی چیک کی اصل قیمت سے کم کے ساتھ خرید وفروخت کیسی ہے؟ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ۵۰/ ہزار روپئے کا چیک ہے اور دو ہفتے کے بعد قابل وصولی ہے، تو قبل از وقت اُس رقم کو حاصل کرنے کے لئے چیک کا مالک ۴۵/ ہزار ہی میں اس چیک کو فروخت کردیتا ہے، فروخت کنندہ کو وہ رقم کم ملتی ہے؛ لیکن وقت سے پہلے مل جاتی ہے، خریدار کو رقم دیر سے وصول ہوتی ہے؛ لیکن نفع کے ساتھ حاصل ہوتی ہے، کیا اِس طرح کا معاملہ جائز ہے؟ کیا ایسا کرنا سود میں داخل ہے؟ اور اگر سود میں داخل ہے تو کیا ایسے سودوں کی کوئی جائز شکل ہے؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- میعادی چیک کی کم قیمت پر فروختگی کا معاملہ اُصولاً ناجائز ہے؛ کیوں کہ اِس میں قرض کی رقم بیچی جارہی ہے؛ لیکن ضرورت کے وقت اُس کی جائز صورت یہ ہوسکتی ہے کہ میعادی چیک کا مالک کسی شخص سے اَولاً رقم قرض لے لے، اُس کے بعد اس شخص کو چیک وصول کرنے کا وکیل بنادے اور اُس کے لئے وکالت کی کچھ اُجرت مقرر کردے پھر جب وہ شخص وقت موعود پر چیک کی رقم وصول کرے گا، تو اپنا دیا ہوا قرض بھی واپس لے لے گا اور محنتانہ کی مقررہ رقم بھی اُسے ملے گی؛ گویا کہ یہ معاملہ استقراض اور حوالہ (اترائی) پر مبنی ہوگا۔ (اِمداد الفتاویٰ جدید ۷/۲۵۳ زکریا، فتاویٰ قاسمیہ ۲۵/۴۱۳)

أن بیع الصک والبراءۃ والجامکیۃ إنما لا یجوز لکونہ من بیع الدین من غیر من ھو علیہ، ولا بد من کونہ من باب البیع إذا أخذہ الآخر بأنقص مما فیہ أو بأزید منہ الخ. (إعلاء السنن، کتاب البیوع / تتمۃ باب بیع الصکوک ۱۷/۴۵٦ المکتبۃ الأشرفیۃ دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱۱/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کسی دوسرے سے اپنے لئے مال خریدوا کر اُسے اِضافی رقم دینا

سوال (۹٦۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظفر نے عارف سے یوں کہا کہ مجھے زید کا مال پسند ہے؛ لیکن میرے پاس پیسوں کا بند وبست نہ ہونے کی وجہ سے میں اس مال کو نہیں خرید سکتا، آپ اِس کو خرید لو، میں آپ کو ۵۰/ ہزار روپئے آپ کی خریدی ہوئی رقم سے زیادہ دوں گا، یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں مذکور معاملہ کی صورت ناجائز ہے؛ اس

لئے کہ اس میں قرض پر نفع کا لین دین پایا جارہا ہے؛ البتہ جواز کی یہ صورت ممکن ہے کہ عارف بذات خود زید سے مال خرید کر اپنے قبضہ اور تصرف میں لے لے اور پھر اس کو نفع کے ساتھ ظفر کے ہاتھ فروخت کردے، تو ایسی صورت میں عارف کے لئے یہ نفع بلاشبہ حلال ہوگا۔

کل قرض جر نفعًا فهو حرام. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ۳۹۵/۷ زكريا)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول، وزيادة ربح – إلىٰ قوله – جائز. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة ۱۶۰/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وقت پر اَدائیگی کو یقینی بنانے کے لئے مقررہ ثمن سے زیادہ لینے کی شرط لگانا

سوال (۹۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک زمین بیچنا چاہتا ہوں، اُس کی قیمت تقریباً ۵۰/لاکھ ہے، خریدنے والا جوکہ غیر مسلم ہے، مجھے ۳۵/لاکھ نقد دے رہا ہے، اور باقی رقم ۶/مہینے بعد دینے کا وعدہ کررہا ہے، میں متعینہ مدت پر بقیہ رقم کی اَدائیگی کو یقینی بنانے کے لئے معاملہ بیع میں یہ شرط عائد کرنا چاہتا ہوں، اور فریق ثانی اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے کہ خریدار اگر مقررہ مدت پر پوری بقیہ رقم اَدا نہیں کرپاتا تو جتنے ماہ وہ لیٹ کرے اتنے لاکھ اسے مزید اَدا کرنے ہوں گے، کیا یہ درست ہوگا؟ بعض احباب اسے (یعنی زائد رقم کو) سود قرار دیتے ہیں، میرا مقصد اس شرط سے بروقت اَدائیگی کے لئے دباؤ بنانا ہے، اگر میں دباؤ بنانے کے لئے یہ شرط عائد کروں اور میری نیت یہ ہو کہ جب مجھے میری رقم مل جائے گی، تو زائد رقم (اگر اُس کی وصول یابی کی نوبت آئی ہو) میں پوری پوری خریدار کو لوٹادوں گا تو کیا محض دباؤ بنانے کے لئے میں ایسا کرسکتا ہوں؟

زمینوں کی خریداری میں رقم کی اَدائیگی میں لوگ بہت ٹال مٹول کرتے ہیں، مجھے فوری طور پر رقم کی ضرورت ہے، ورنہ میرا نقصان ہوگا، اگر یہ شکل بھی ناجائز ہو تو براہ مہربانی کوئی ایسا متبادل بتائیں، جس سے جائز طریقے سے بروقت اَدائیگی کے لئے دباؤ بنایا جاسکے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- وقت پر اَدائیگی نہ ہونے کی شکل میں زیادہ رقم لینے کی شرط لگانا شرط فاسد اور سود ہے، جو مفسد عقد اور ناجائز ہے؛ البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں تاریخ تک پوری رقم اَدا نہ ہوئی تو ہم پہلا معاملہ منسوخ کردیں گے، اس کا آپ کو اختیار ہے، پھر اگر وقت متعینہ پر رقم اَدا نہ کرے، تو آپ معاملہ فسخ کرسکتے ہیں اور اگر اس کے بعد از سر نو معاملہ طے ہو تو پہلے سے زائد ثمن بھی فریقین کی رضامندی سے طے کی جاسکتی ہے، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہ ہوگا۔

وهذا مثل أن يقول البائع: بعتک هذه البضاعة بثماني ربيات نقدًا، فإن تأخرت في الأداء إلى مدة شهر، فعليک ربيتان علاوة على الثمانية، سواء سماه فائدةً (Interest) أم لا؛ فإنه لا شک في كونه معاملة ربوية؛ لأن ثمن البضاعة إنما تقرر كونه ثمانية وصارت هذه الثمانية دينًا في ذمة المشتري فما يتقاضى عليه البائع من الزيادة؛ فإنه ربا لا غير. (بحوث في قضايا معاصرة / لشيخ الإسلام محمد تقي العثماني / البحث الأول: أحكام البيع بالتقسيط ١٥/١ وزارة الأوقاف)

رباء الفساء: فهو فضل الحلول على الأجل. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع / مسائل الربا ٤٠٠/٤ زكريا)

خيار النقد أن يعقد البيع بشرط أن ينقد المشتري الثمن إلى وقت معلومٍ، فإن لم يفعل فلا بيع بينهما، وهذا الشرط جائزٌ، ولو لم ينقد المشتري الثمن إلى الوقت المحدّد كان البيع فاسدًا. (فقه البيوع، صيغة مقترحة لقانون البيع الإسلامي / خيار النقد ١١٥٣/٢ رقم: ١٧٧ دار المعارف ديوبند)

فإن قال: بعتك على أن تنقدني الثمن إلى ثلاث أو مدةٍ معلومةٍ وإلا فلا بيع بيننا، فالبيع صحيح، نصّ عليه، وبهٖ قال أبو حنيفة والثوري وإسحاق ومحمد بن الحسن. (المغني لابن قدامة، كتاب البيوع / فصل: شرط الخيار حيلة على الانتفاع بالقرض ۵۰۴/۳ رقم: ۲۷۹۳ مكتبة القاهرة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دوکان مالک کا مشتری ثانی پر ۱۵-۲۰ ؍فیصد رقم دینے کی شرط لگانا

سوال (۹۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں یہ عرف ہے کہ مارکیٹ مالک اُس مارکیٹ کی دوکان کو فروخت کرتے وقت بیع نامہ میں یہ شرط لکھ دیتے ہیں کہ اگر مشتری وہ دوکان کسی اور کو فروخت کرے گا تو اُس مشتری ثانی کو مشتری اَول کے ساتھ طے شدہ قیمت کے علاوہ ۱۵؍ یا ۲۰؍ فیصد رقم مالک مارکیٹ کو نام خارج کے نام سے دینا ہوگا۔ واضح رہے کہ دوکانوں کے مالکوں کو مارکیٹ مالک کو دوکان خریدنے کے باوجود ماہانہ یا سالانہ مینٹینس چارج کے نام سے کچھ رقم دینی پڑتی ہے، بیع کی مذکورہ بالا صورت شریعت کی رو سے کیسی ہے؟ اور نام خارج کی رقم وصول کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مارکیٹ مالک کا دوکان کے بیع نامہ میں یہ شرط لگانا کہ آگے جب بھی بیع ہوگی تو مشتری ثانی مارکیٹ کے مالک کو قیمت کے اعتبار سے پندرہ یا بیس فیصد حصہ دے گا یہ شرط فاسد ہے؛ تاہم چوں کہ مشتری اول دوکان پر قابض ودخیل ہو چکا ہے؛ لہٰذا وہ دوکان کا مالک قرار پائے گا اور اُس کے لئے دوسرے کو بیچنے کی بھی گنجائش ہوگی۔ اور بہر حال مشتری ثانی پر مارکیٹ مالک کو شرعاً کچھ دینا لازم نہیں ہے اور مینٹینس چارج لینا مطلقاً

درست ہے؛ البتہ نام خارج کرنے کے نام سے رقم وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

ولا بيع بشرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما (الدر المختار) وفي الشامية: المراد بالنفع ماشرط من أحد العاقدين على الآخر فلو على أجنبي لا تفسد ويبطل الشرط لما في الفتح عن الولواجية بعتك الدار بألف على أن يقرضني فلان الأجنبي عشرة دراهم فقبل المشتري لا يفسد البيع؛ لأنه لا يلزم الأجنبي. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد ۲۸۱/۷-۲۸۲ زكريا)

وإذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع، وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع ولزمته قيمته فإن باعه المشتري نفذ بيعه. (الهداية، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد ۶۲/۳-۶۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۶ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مسجد والوں کا پچاس لاکھ کی زمین تیس لاکھ میں دکھلانا

سوال (۹۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد سے متصل ایک زمین ہے جو تین غیر مسلم بھائیوں کی ہے، اُن تین میں سے دو بھائی مالی حیثیت سے کمزور ہیں اور تیسرا بھائی مالی اعتبار سے اچھا ہے، مالی اعتبار سے کمزور دو بھائی اُس زمین کو مسجد کے لئے پچاس لاکھ میں بیچ رہے ہیں اور مسجد کی کمیٹی والوں کو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ لوگوں کو ہمارا تیسرا بھائی پوچھے کہ یہ کتنے میں میرے بھائیوں نے زمین بیچی ہے تو بتانا تیس لاکھ میں؛ تاکہ اس تیسرے بھائی کے حق میں دس لاکھ آئیں اور یہ دو بھائی بیس بیس لاکھ لیں گے۔

اَب مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ کمیٹی والوں کا اِس طرح جھوٹ بول کر معاملہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جب کہ مسجد کی توسیع کے لئے اُس کے علاوہ کوئی زمین نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں مسجد کی کمیٹی والوں کا پچاس لاکھ روپئے میں خریدی گئی زمین کو تیس لاکھ کی ظاہر کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اس میں جھوٹ اور دھوکہ دہی کے ساتھ زمین کے تیسرے مالک مالدار بھائی کی حق تلفی بھی پائی جارہی ہے جو سراسر ظلم ہے؛ کیوں کہ مسجد والوں کی طرف سے جھوٹ بولنے ہی کی وجہ سے اس شریک کا حصہ کم ہو جائے گا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَلا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ﴾ [ھود، جزء آیت: ۱۸]

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: عليكم بالصدق ...... وإياكم والكذب فإن الكذب يهدي إلى الفجور وإن الفجور يهدي إلى النار. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في الصدق والكذب ۲/۱۸ رقم: ۱۹۷۱)

وعن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلا من نتن ما جاء به. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في الصدق والكذب ۲/۱۸ رقم: ۱۹۷۲)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: الظلم ظلمات يوم القيامة. (سنن الترمذي ۲/۲۳)

وعن أبي صرمة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من ضار ضار اللّٰه به ومن شاق شاق اللّٰه عليه. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في الخيانة والغش ۲/۱۵ رقم: ۱۹۴۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۱۲/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نقد ۱۰؍روپئے میں خریدنے کا وکیل بنایا اور قبضہ سے پہلے ۱۱؍ روپئے میں وکیل کو بیچ دیا

سوال (۹۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ساڑیوں کا سوداگر ہے، وہ ایک ساڑی نقد ۱۰؍روپئے میں خریدتا ہے اور اُدھار ۱۱؍روپئے میں، خالد زید کو ۱۰؍روپئے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بازار سے میری طرف سے نقد مال خرید کر ۱۰؍فیصد اِضافہ کے ساتھ یعنی ۱۱؍روپئے میں مجھ سے لے لو اور خالد نہ تو وہ مال دیکھتا ہے نہ ہی موقع پر حاضر ہوتا ہے؛ البتہ اُسے معلوم ہے کہ فلاں قسم کا مال خریدا جائے، شرعاً اِس طرح کا معاملہ کرنا کیسا ہے؟ اور اِس معاملہ میں جو نفع ملا اُس کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ صورت درست نہیں تو شرعاً صحیح شکل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہ معاملہ فاسد ہے؛ اِس لئے کہ اس معاملہ میں زید خالد کی طرف سے ۱۰؍روپئے میں مال خریدنے کا وکیل بھی ہے اور پھر خالد سے ہی ۱۱؍روپئے میں خریدنے والا بھی ہے؛ جب کہ بیچ میں خالد کا قبضہ متحقق نہیں ہے؛ لہٰذا اِس طرح سے خالد کا نفع اُٹھانا اُس کے لئے جائز نہیں ہے۔ جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ خالد اَولاً مال کسی بھی ذریعہ سے خرید کر اُس پر قبضہ کرے اور پھر زائد قیمت پر زید کے ہاتھ اُس کو فروخت کردے تاکہ بیع قبل القبض کا محظور لازم نہ آئے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من اشتریٰ طعامًا فلا یبعه حتی یستوفیه ویقبضه. (صحیح مسلم، کتاب البیوع / باب بطلان بیع المبیع قبل القبض رقم: ۱۵۲۶)

من حکم المبیع إذا کان منقولا أن لایجوز بیعه قبل القبض …… وذکر

الكرخي في مختصره: إذا قال المشتري للبائع قبل القبض بعه لنفسك فقبل فهو نقض للبيع، ولو قال: بعه لي لايكون نقضا ولو باعه لم يجز بيعه. (الفتاویٰ الهندية، كتاب البيوع / الفصل الثالث في معرفة المبيع والثمن والتصرف فيهما قبل القبض ۱۳/۳ زكريا)

ومنها القبض في بيع المشتري المنقول فلا يصح بيعه قبل القبض لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع ما لم يقبض. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع / التأجيل في العقد ۳۹٤/٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَدائے ثمن کی مدت طے کئے بغیر دوکان سے اُدھار سامان خریدنا

سوال (۹۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مشتری بائع سے سامان مانگتا جاتا ہے، بائع سامان دیتا جاتا ہے، سامان دینے کے بعد بائع سامان اور ثمن کا بل دے دیتا ہے، فریقین کو پہلے سے معلوم ہے کہ ثمن اُدھار رہے گا؛ لیکن اُدھار کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی، تو کیا وصولی کی مدت مقرر کرنا ضروری ہے؟ کیا یہ بیع تعاطی ہے؟ کیا یہ معاملہ بیع فاسد تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اُصول تو یہی ہے کہ اُدھار معاملہ ہونے کی صورت میں اَدائیگی کی مدت باقاعدہ متعین ہو؛ تاکہ بعد میں کسی قسم کا نزاع نہ رہے؛ لیکن مسئولہ صورت میں اگر فریقین کے عرف میں اُدھار لین دین کی تقریبی مدت مثلاً ہفتہ دو ہفتہ دوکان داروں میں معروف ہو اور یہ جہالت مفضی الی النزاع نہ ہو تو انجام کار یہ معاملہ درست ہوجائے گا۔

أما بيع الاستجرار ...... وحاصله أن الرجل يتفاهم مع صاحب الدكان فكلما يحتاج إلى شيء في بيته يطلبه من صاحب الدكان، ولا تقع بينهما

مساومة؛ بل يعطيه البياع الشيء المطلوب بدون ذكر الثمن ولا تلفظ الإيجاب والقبول فيستعمله المشتري، وفي نهاية الشهر مثلاً يحاسبه بكل ما أخذ ويعطيه الثمن دفعةً واحدةً، والقواعد المعروفة تأبى جواز هذا البيع ...... وأما الحنفية فقد أفتى المتأخرون منهم بجواز الاستجرار، ولو لم يذكر الثمن عند أخذ الحاجات من البياع، وجاء في الدر المختار: ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحسانًا. (بحوث في قضايا فقهية معاصرة / البحث الثاني: أحكام البيع بالتعاطي والاستجرار ٥٦/١-٥٩ وزارة الأوقاف)

فإن كان معلوما في الجملة بحيث لايقع فيه نزاع جاز التاجيل إليها وإلا لم يجز. (فقه البيوع / المبحث الخامس: معلومية الأجل ٥٣٩/١ رقم: ٢٤٧ مكتبة معارف القرآن كراتشي)

أو شرطا جرى به العرف فيما بين الناس فهو جائز الخ. (فقه البيوع / المبحث الرابع: الباب الثاني في الشرط الفاسد أو الاستثناء في البيع ٤٨٧/١ رقم: ٢٢٢ مكتبة معارف القرآن كراتشي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فصل بونے کے وقت تک اَدائے ثمن کی شرط پر گندم بیچنا

سوال (۹۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اَناج کا کاروبار کرتا ہے اور کسان لوگ اسے اپنا اَناج فروخت کرتے ہیں؛ لیکن کسانوں کا مارکیٹ میں یہ طریقہ ہے کہ جب فصل آتی ہے تو کاشت کار زید سے کہتے ہیں کہ آپ ہماری فصل خرید لو اور معاملہ اِس طرح ہوتا ہے کہ ابھی مارکیٹ میں مثلاً گیہوں کا بھاؤ تین ہزار روپئے ہے تو ہمارا معاملہ تین ہزار سے طے ہے اور آپ گیہوں پر قبضہ بھی کرلیں؛ لیکن آپ

ہمیں اُس کی قیمت دو مہینے یا چار مہینے کے بعد دینا یعنی ہماری فصل بونے کے وقت اگر اِس دوران بھاؤ کم ہوا مثلاً ۲۸۰۰ ؍ یا ۲۵۰۰ ؍ تو پھر طے شدہ رقم تین ہزار ہی کے بھاؤ سے پیسہ دینا۔ اور اگر اُس دوران بھاؤ بڑھ جاتا ہے مثلاً ۳۵۰۰ ؍ یا ۳۷۰۰ ؍ وغیرہ تو اُس بھاؤ سے قیمت دینا ہوگا اور یہ معاملہ دونوں کی رضا مندی سے ہوتا ہے اور یہ طریقہ برسوں سے مارکیٹ میں چل رہا ہے اور ہر سال کاشت کار اپنی فصل کو اِسی طرح فروخت کرتے ہیں اور تاجر حضرات بھی اِسی طرح خریدتے ہیں، تو کیا شریعت کی رو سے یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ صورت میں یہ معاملہ ثمن مجہول ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے؛ اِس لئے کہ اِس میں یہ شرط لگی ہوئی ہے کہ قیمت گھٹے گی تو ۳ ؍ ہزار ہی ثمن رہے گی اور اگر قیمت بڑھے گی تو اُسی اعتبار سے قیمت میں اِضافہ ہوجائے گا اور قیمت کا گھٹنا یا بڑھنا پہلے سے معلوم نہیں ہے، اِس لئے جہالت کی وجہ سے یہ معاملہ سرے سے فاسد ہوگا۔ اِس کی درستگی کی شکل یہ ہے کہ فریقین ہر حال میں کسی ایک ثمن پر اتفاق کرلیں مثلاً خواہ قیمت گھٹے یا بڑھے فی کوئنٹل ۳ ؍ ہزار کی ثمن رہے گی، تو اِس طرح یہ معاملہ درست ہوجائے گا۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: نهى عن بيع وشرط الخ. (مجمع الزوائد، كتاب البيوع / باب ما جاء في الصفقتين في صفقة أو الشرط في البيع ٨٥/٤، المعجم الأوسط للطبراني ٢١١/٣ رقم: ٤٣٦١ بيروت)

وكل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو المعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (الهداية، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد ٥٩/٣ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ولا بيع بشرط لايقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه منفعة لأحدهما. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد ٢٨١/٧-٢٨٢ زكريا، ٨٤/٥-٨٥ كراچی)

ومنها أن يكون المبيع معلومًا والثمن معلومًا علمًا يمنع المنازعة. (البحر الرائق/ كتاب البيع ٤٣٦/٥ زكريا، ٢٦٠/٥ كوئٹه، وكذا في الفتاوىٰ الهندية / كتاب البيوع ٣/٣ زكريا قديم، ٦/٣ زكريا جديد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۵/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیلاب میں بہہ کر آنے والی مچھلیوں کے شکار پر فی صد لینا

سوال (۹۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے کھیت میں سیلاب کے زمانہ میں آئی ہوئی مچھلی کا شکار کرلو، مگر اس کا متعین وغیر متعین فیصد مجھے بھی دینا ہوگا، تو شرعاً اِس کا حکم واضح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- سیلاب میں بہہ کر آنے والی مچھلیاں کھیت کے مالک کی مملوک نہیں ہیں؛ بلکہ صرف پکڑنے والے کی ملک ہیں۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں کھیت کے مالک کے لئے مچھلی پکڑنے والوں سے کوئی فیصد لینا درست نہیں، یہ معاملہ شرعاً فاسد ہے۔

فلو دخل الشيء في ملك إنسان دون قصده منه لا يتملكه. (الفقه الإسلامي وأدلته، الملكية وخصائصها / أسباب الملك التام ٧٥/٩ دار الفكر بيروت)

وأما إذا دخل بنفسه ولم يسد مدخله يكون باطلا لعدم الملك الخ.
(رد المحتار، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد ٢٤٨/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۱۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع مکروہ کے مسائل

کسی چیز کو مبالغہ آمیز تعریف سے بیچنا

سوال (۹۷۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کمپنی کے عطر کی اتنی تعریف کرنا کہ دوسری کمپنی کے عطر کی حیثیت گر جائے، جب کہ جس کمپنی کی تعریف کرتے ہیں اُس کے متعلق ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ پوری بوتل استعمال کر کے بھی پسند نہ آئے تو واپس لے آنا، تو کیا اِس طرح سے بیچنا درست ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مبیع کی تعریف میں مبالغہ آمیزی کی اِجازت نہیں ہے؛ اگرچہ عقد جائز ہے۔

وروي عن أبي أمامة رضي اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إن التاجر إذا کان فیه أربع خصال طاب کسبه، إذا اشتریٰ لم یذم، وإذا باع لم یمدح، ولم یدلس في البیع، ولم یحلف فیما بین ذلک. (الترغیب والترهیب مکمل، کتاب البیوع / الترغیب في الاکتساب بالبیع وغیره ص: ۴۰۴ رقم: ۲۷۷۰ بیت الأفکار الدولیة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مورتی بنانے والے کو ماربل فروخت کرنا

سوال (۹۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: زید کو یہ معلوم ہے کہ یہ غیر مسلم خریدار میرے فروخت کیے ہوئے پتھر سے مورتی بنائے گا یا جاندار کی تصویر بنائے گا، تو زید کا اُس غیر مسلم کو پتھر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر معلوم نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں زید کی آمدنی تو حلال ہوگی؛ لیکن جان بوجھ کر مورتی بنانے کے لئے غیر مسلم کو پتھر بیچنا کراہت سے خالی نہ ہوگا؛ البتہ اگر پہلے سے اِس کا علم نہ ہو تو کراہت نہ ہوگی۔

مستفاد: وجاز (بيع عصير) عنب (ممن) يعلم أنه (يتخذه خمرًا) لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره، وقيل: يكره لإعانته على المعصية. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ۹/۵۶۰-۵۶۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عملیات وتعویذات میں مستعمل چیزیں اور مزار کی چادر کی بیع

سوال (۹۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کتابوں کے تاجر کو تعویذ سے نقشی پرچہ چھپوانا، نقشی کیل، پیالہ وغیرہ فروخت کرنا، مزاروں پر چڑھانے والی چادر فروخت کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تعویذات اور عملیات میں اگر کوئی خلافِ شرع بات شامل نہ ہو تو اُس کے متعلق اَشیاء کی بیع وشراء میں تو کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن مزار پر چڑھائی جانے والی چادروں کو فروخت کرنا یقیناً مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ بدعت والے کام میں براہِ راست تعاون کرنے کے درجہ میں ہے؛ اِس لئے یہ کاروبار نہیں کرنا چاہئے۔

وذکر قاضي خان في فتاواہ: أن بیع العصیر ممن یتخذہ خمرا إن قصد بہ التجارۃ فلا یحرم وإن قصد بہ لأجل التخمیر حرم، وتحتہ في ہامشہ: أما بیعہ من المسلم فیکرہ یعني لأن المجوس یستحلون ذلک …… وأما في حق المسلم: ففیہ إعانۃ علی الفسق والمعصیۃ فیکرہ. (الأشباہ والنظائر، الفن الأول / القاعدۃ الثانیۃ: الأمور بمقاصدہا ۱۰۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۴۱/۵/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کانوڑیوں کو گنگا جل لانے کے لئے شیشی اور کین بیچنا

سوال (۹۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صوبہ اُتراکھنڈ میں ایک شہر ہریدوار ہے جس میں نگر پالیکا نگم کے تیس وارڈ ہیں، اُن سب کا میر اور چیئر مین ایک ہوتا ہے، اس ہریدوار شہر کے جوالا پور اسلام نگر کے چھ وارڈ ہیں، جو ان میں ممبر جیت کر آتا ہے وہ ہریدوار نگر پالیکا کا ہی ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ ہریدوار نگر پالیکا کے وارڈ میں سے ہے، جوالا پور میں بیس پچیس مساجد ہیں، آٹھ دس مدرسہ بھی ہیں۔ اسلام نگر وارڈ میں بھی ایک مسجد اور ایک مدرسہ ہے، اُن سب مساجد میں باقاعدہ پانچوں وقت کی نماز واَذان ہر روز ہوتی ہے، ہندو بھائیوں کا شیوراتری کا تہوار جب آتا ہے تو وہاں کی قدیم دو کانوں پر کانوڑ کا سامان فروخت ہوتا ہے، ہریدوار شہر میں کانوڑ میں ہندو بھائی ایک ڈنڈا بانس کا دو ٹوکری بانس کی لگی ہوتی ہیں، اُس میں کانچ کی شیشی و پلاسٹک کی کین میں گنگا کا پانی بھر کر لاتے ہیں اور شیوراتری کے دن پر اپنے اپنے گاؤں کے مندروں پر گنگا کا لایا ہوا پانی چڑھاتے ہیں، ہم ہریدوار کے دوکان داروں کو کانچ و پلاسٹک کی شیشی و کین فروخت کرتے ہیں، یہ ہمارا شیشی اور کین کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ سے درخواست ہے کہ قرآنِ کریم اور اَحادیث شریفہ کی روشنی میں تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں کانوڑیوں کے ہاتھ پانی کی کین اور دیگر ایسی چیزیں بیچنا جو بجائے خود معبود کے درجہ میں نہ ہوں فی نفسہ درست ہے اور اُس کی آمدنی ناجائز نہیں ہے؛ کیوں کہ ان چیزوں کا استعمال غیروں کی رسومات کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ دیگر مباح کاموں میں بھی انہیں استعمال کیا جاتا ہے؛ البتہ کسی درجہ میں کراہت ضرور ہے؛ کیوں کہ اِس سے غیروں کی مذہبی رسومات میں کچھ نہ کچھ تعاون پایا جاتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۱۹/۳۲۶ اشرفی دیوبند)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۳]

الأمور بمقاصدها، وتحته في الأشباه: وذكر قاضي خان في فتاواه: أن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم وإن قصد به لأجل التخمير حرم. (الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الثانية ص: ۱۰۲ رقم المسئلة: ۷۹ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۶/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَناج یا پھلوں کا ذخیرہ کرنا

سوال (۹۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) کوئی شخص ذخیرہ اندوزی کی نیت سے گیہوں، چاول اور دھان وغیرہ گودام میں بھرلے کہ مستقبل میں اِس کا بھاؤ بڑھ جائے گا، تب میں اِن اَشیاء کو فروخت کردوں گا۔

(۲) اِن سب کے علاوہ سیب، سنترہ، اَناریا موسمی یا اور پھل اِس نیت سے کولڈ اسٹوریج میں جمع کرتا ہے کہ پانچ سو روپئے کی چیز سات سو یا آٹھ سو یا ایک ہزار میں فروخت کروں گا۔ ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱-۲) اگر بازار میں میں غلہ جات اور مذکورہ پھل فروٹ کی کوئی قلت نہ ہو، تو منافع کی اُمید میں اِن کا ذخیرہ کرنا یا کولڈ اسٹوریج میں رکھنا ممنوع نہیں ہے، ممانعت اُس صورت میں ہے جب کہ ذخیرہ اندوزی سے عوام الناس کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

قال أصحابنا: الاحتكار المحرم هو الاحتكار في الأقوات خاصة وهو أن يشتري الطعام في وقت الغلاء للتجارة ولا يبيعه في الحال؛ بل يدخره ليغلو ثمنه، فأما إذا جاء من قريته أو اشتراه في وقت الرخص وادخره أو ابتاعه في وقت الغلاء لحاجته إلى أكله أو ابتاعه ليبيعه في وقته فليس باحتكار ولا تحريم فيه الخ. قال العلماء: والحكمة في تحريم الاحتكار دفع الضرر عن عامة الناس. (شرح النووي على مسلم، كتاب المساقات / باب تحريم الاحتكار في الأقوات ص: ۱۰۱۹ رقم: ۱۶۰۵ بيت الأفكار الدولية، ۳۱/۲ المكتبة الأشرفية ديوبند، كذا في المفهم شرح صحيح مسلم، كتاب المساقات / باب تحريم الاحتكار في الأقوات ۵۲۱/۴ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انڈیا میں بننے والے عطر کو غیر ملکی کہہ کر بیچنا

سوال (۹۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر سب ہی میٹیریل انڈیا کا ہے اور بناوٹ بھی انڈیا کی ہے اور ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ باہر کا ہے اور ہم مراد لے رہے ہیں کہ گجرات سے باہر کا ہے، تو کیا اِس طرح کہنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- انڈیا میں بننے والے عطر کو غیر ملکی کہہ کر بیچنا دھوکہ ہے اور گجرات سے باہر مراد لینے کا اعتبار نہیں ہے، یہ عرف کے خلاف ہے، اِس میں بھی بعد میں

اصل حقیقت معلوم ہونے پر مشتری کو فسخ کا اختیار ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ۲٤٥/۱ رقم: ۱۳۱٥)

والثاني أن يكون التغرير في بيان وصف المبيع، مثل أن يقول بائع السيارة أنها جديدة أو مصنوعة من بلد مخصوص، فتبين خلاف ذلک، وكذلک إن علق على المبيع بطاقة مكتوبا عليها أنه من صنع يابان مثلاً، وتبين أنه من المصنوعات المحلية ...... فتنطبق عليه أحكام خيار فوات الوصف؛ لأن قول البائع إن المبيع موصوف بصفة معينة، ورضا المشتري على ذلک الأساس في حكم اشتراط الوصف في المبيع، وإذا اشترط وصف خاص في المبيع حصل للمشتري خيار الفسخ عند فواته. (فقه البيوع، المبحث الثاني / التغرير القولي وأنواعه ۲۰۸/۱ رقم: ۸۲ مكتبة معارف القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس عطر کی بناوٹ میں بیرونِ ملک کے کچھ اَجزاء ہوں اُسے بیرونی بتاکر بیچنا

سوال (۹۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سوال یہ ہے کہ کچھ عطر جس کی بناوٹ انڈیا میں ہوتی ہے؛ لیکن کچھ مٹیریل بیرونِ ملک سے آتے ہیں، اور ہمیں یہ پتہ نہیں ہے کہ کتنا مٹیریل بیرون ملک سے آتا ہے؟ تو کیا عطر کی نسبت بیرونِ ملک کی طرف کرنا درست ہے؟ ایک عالم دین نے یوں کہا کہ کل بول کر جزء اور جزء بول کر کل مراد لے سکتے ہیں، اس کی وضاحت ہو جائے تو بہتر ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اِس صورت میں بیرونِ ملک کی طرف نسبت کرنے کی گنجائش تو ہے؛ لیکن بیع میں چوں کہ سچائی پسندیدہ ہے؛ اِس لئے اصل حقیقت گاہک کے سامنے بیان کردینی چاہئے۔

عن واثلة بن الأسقع رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج إلينا وكنا تجارًا وكان يقول: يا معشر التجار! إياكم والكذب.

(الترغيب والترهيب مكمل، كتاب البيوع / الترغيب في الاكتساب بالبيع وغيره ص: ٤٠٥ رقم: ٢٧٨٣ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انگلینڈ اور چائنا کے مٹیریل سے بنے ہوئے عطر کو ایک ملک کا بتاکر بیچنا

سوال (۹۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عطر میں کچھ مٹیریل انگلینڈ سے اور کچھ مٹیریل چائنا سے آتا ہے، تو کیا اس عطر کی نسبت انگلینڈ کی طرف کرسکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اِس صورت میں دونوں ملکوں کی طرف نسبت کی جائے؛ تاکہ کذب بیانی نہ ہو۔

عن إسماعيل بن عبيد بن رفاعة عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن التجار يبعثون يوم القيامة فجارًا إلا من اتقى وبر وصدق. رواه الترمذي، وقال: حديث حسن صحيح. (الترغيب

والترهيب مكمل، كتاب البيوع / الترغيب في الاكتساب بالبيع وغيره ص: ٤٠٤ رقم: ٢٧٧٣ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسرے کی دوکان کو اپنی دوکان بتاکر گاہک جوڑنا

سوال (۹۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عمر سے یہ کہا میں گراہک کو آپ کی دوکان کو اپنی بناکر آپ کا مال دکھاؤں گا، اگر گراہک سے میرا سودا ہوگیا ہے، تو میں آپ کا مال متعینہ قیمت پر (جوکہ زید وعمر کے درمیان طے ہوچکی تھی) خریدلوں گا، اگر سودا نہ ہوا تو نہیں خریدوں گا، یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں دوسرے کی دوکان کو اپنی دوکان باور کرانا خلافِ واقعہ ہونے کی بناء پر ممنوع ہے۔ اور یہ طے کرنا کہ اگر گراہک سے سودا ہوگیا، تو زید عمر سے مقررہ قیمت پر مال خریدے گا، یہ محض وعدہ ہے، عقد نہیں ہے، پس بائع کے لئے اِس وعدہ کی پاس داری اخلاقاً تو ضروری ہے؛ لیکن قانوناً وہ اُس کا پابند نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ٢٤٥/١ رقم: ١٣١٥)

والوعد عند أكثر الفقهاء لا يكون ملزمًا في القضاء. (بحوث في قضايا فقهية معاصرة / البحث الثامن: الطرق المشروعة للتمويل العقاري ٢٣٧/١ وزارة الأوقاف) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۶/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع کے متفرق مسائل

گراہکوں سے نفع لینے کی مختلف صورتوں کا حکم

سوال (۹۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک بیوہ عورت ہوں، میری کوئی اولاد نہیں ہے، اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے میں بازار سے کپڑا خرید کر گھر گھر جاکر فروخت کرتی ہوں، میرے گراہکوں کا کہنا کہ تم ہمیں ساتھ لے جاکر بازار سے ہماری پسند کے حساب سے خریداری کرادو اور دوکان دار کو جو پیمینٹ تم کرو اُس میں اتنا منافع بڑھاکر ہم سے قسطوں میں ماہوار وصول کرلو، تو کیا میرے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا طریقہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ تم ہمیں کپڑا خریدنے کے لئے پیسہ دے دو، ہم کپڑا خود خرید لیں گے اور تم اس پیسہ کو اُسی طرح بڑھاکر قسطوں میں وصول کرلو؛ جیسا کہ تم ہمیں سامان بیچ کر قسطوں میں وصول کرتی ہو۔

تیسرا طریقہ جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ دوکان دار سے گراہکوں کو ساتھ لاکر خریداری کرانے کا کمیشن طے کرلیا جائے تو کیا جائز ہے؟

اِسی طرح دوکان دار کو پیمنٹ بھی مجھے ہی کرنی ہوگی اور اس روپئے کی واپسی میرے گراہک مجھے ماہواری قسطوں میں اَدا کریں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آپ نے سوال نامہ میں جو تین صورتیں لکھی ہیں، اُن میں سے دوسری صورت تو صراحۃً سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور پہلی اور تیسری شکل

بھی فساد سے خالی نہیں ہیں۔ جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ آپ اپنے گراہکوں کو دوکان پر لے جا کر کپڑا پسند کردیں اور دوکان دار سے وہی کپڑا خود خرید کر اپنے گراہکوں کے ہاتھ نفع کے ساتھ بیچ دیں تو یہ صورت بیع مرابحہ میں داخل ہوکر جائز ہوگی۔

أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثين فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد، بشرط أن بيت العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم وبثمن متفق عليه عند العقد. (بحوث في قضايا فقهية معاصرة / أحكام البيع بالتقسيط ١٢/١ وزارة الأوقاف)

ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصدًا فاعتبر ما لا في المرابحة. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ٣٦٢/٧ زكريا)

عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من ابتاع طعامًا فلا يبعه حتى يتم فيه. (صحيح مسلم، كتاب البيوع / باب بطلان بيع المبيع قبل القبض رقم: ١٥٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرابحہ کی آسان شکل

سوال (۹۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرابحہ کی آسان شکل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مرابحہ کے معنی یہ ہیں کہ جتنی قیمت پر مال خریدا گیا ہو بیچتے وقت اصل قیمت میں اِضافہ کرکے فروخت کیا جائے اور خریدار کو دونوں قیمتوں کے بارے میں آگاہ کردیا جائے، یہ معنی جس عقد بیع میں پائے جائیں گے اُس پر بیع مرابحہ کا اطلاق ہوگا، اُس میں اَمانت ودیانت اور سچائی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

المـرابحة بيع بمثل الثمن الأول مع زيادة ربح ...... ومن شرائطه أن يكون الثمن الأول معلومًا للمشترى الثاني؛ لأن المرابحة بيع بالثمن الأول مع زيادة ربح والعلم بالثمن الأول شرط. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع / شروط بيع المرابحة ٤/٤٦١ زكريا)

معنى بيع المرابحة هو البيع برأس المال وربح معلوم، ويشترط علمهما برأس المال، فيقول رأس مالي فيه أو هو على بمأة بعتك بها وربح عشرة. (إعلاء السنن، كتاب البيوع / باب التولية والمرابحة، لا يجوز الشركة التولية قبل القبض ١٧/٤١١ تحت رقم: ٤٧٠٠ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نفع کی تقسیم سرمایہ کے بقدر ہوگی یا عقد میں طے شدہ فی صد کے مطابق؟

سوال (۹۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خواجہ فصیح الدین نے اپنے خالہ زاد بھائی اعظم بیگ کے ساتھ مل کر سونے چاندی کا کاروبار شروع کیا، خواجہ فصیح الدین نے اپنے تجربہ اور ہنر کی بنیاد پر اپنے خالہ زاد بھائی اعظم بیگ کو کاروبار کی پیش کش کی اور کاروبار شروع کرنے کے سلسلے میں اعظم سے مذاکرہ ومشورہ کیا، پھر آپسی مشورہ سے یہ طے پایا کہ خواجہ فصیح الدین دوکان کا انتظام کرے اور جو بھی چیزیں دوکان کے تیار ہونے کے لئے لگتی ہیں، جیسے دوکان کی تزئین، دوکان کا ڈپازٹ اماؤنٹ وغیرہ یہ سب خواجہ فصیح الدین نے اپنے پیسوں سے انتظام کیا، دوکان کی تعمیر کی تکمیل کے مرحلے میں پیسوں کی ضرورت پڑنے پر اعظم بیگ نے بھی کچھ اماؤنٹ دوکان کی تعمیر میں لگایا اور اعظم بیگ نے تجارتی سامان کا انتظام اپنے پیسوں سے کیا، اس طرح دوکان تیار ہوئی، اور دونوں کے اشتراک کے ساتھ کاروبار چل پڑا۔

واضح رہے کہ خواجہ فصیح الدین نے کاروبار میں اپنا کل سرمایہ ۲۶/لاکھ روپئے لگایا ہے اوراعظم بیگ نے کل سرمایہ ایک کروڑ پچانوے لاکھ لگایا ہے، اس طرح سے دونوں کے مشترکہ مال اور محنت سے کاروبار بہت بڑھتا گیا اور آج کاروبار ترقی وعروج پر ہے، یہ بھی واضح رہے کہ اعظم بیگ نے اپنا پیسہ زیادہ لگانے کے باوجود حکومت کے (Income Tex) کے قانونی مسائل سے بچنے کے لئے (Partnership) شراکت نامہ کو ۵۰/فیصد کی شراکت پر بنایا اوراس کو ابتداء زبانی مذاکرہ میں نہیں لایا آپسی قرابت داری کی وجہ سے اور یہ بات اعظم بیگ نے خواجہ فصیح الدین کو کاروبار شروع کرنے کے چھ سال بعد بتائی جب کہ کاروبار اب عروج پر ہے؛ لیکن خواجہ فصیح الدین شراکت نامہ کی بنیاد پر یہ سمجھتے رہے کہ میں بھی پچاس فیصد کا شراکت دار ہوں جب کہ اعظم صاحب کا کہنا ہے کہ جس کا جتنا لگا ہے وہ اتنے کا حق دار ہے، شراکت نامہ بننے کے بعد دونوں فریق تمام قانونی کاغذات مثلاً کمپنی رجسٹریشن وغیرہ میں برابر کے شریک، گذشتہ سات سال سے یہ کاروبار چل رہا ہے اور اب ترقی وعروج پر ہے، اب اعظم بیگ اپنے بھائی خواجہ فصیح الدین سے یہ کہتا ہے کہ آپ اس کاروبار میں برابر کے شریک نہیں ہیں، اس لئے کہ میرا پیسہ زیادہ لگا ہے جب کہ چھ سال مستقل محنت کر کے دونوں کا کاروبار کو اس مقام پر لایا ہے اور اب چھ سال گذرنے کے بعد اعظم اپنے بھائی خواجہ فصیح الدین کو صرف ۳۰/فیصد نفع دینا چاہتا ہے جب کہ خواجہ فصیح الدین کو شراکت نامہ کی بنیاد پر ۵۰/فیصد کا دعوی دار ہے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ جب سے یہ کاروبار چل رہا ہے تب سے لے کر اب تک نفع کی تقسیم بھی نہیں ہوئی، جو نفع آتا رہا اس کو کاروبار ہی میں لگاتے رہے اور کاروبار بڑھتا گیا، البتہ خواجہ فصیح الدین اوراعظم بیگ نے ماہانہ نفع کا پورا حصہ لینے اور تقسیم کرنے کے بجائے نفع میں سے اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرتے رہے اور یہ بھی کہ اپنی اپنی ضروریات کے پیش نظر ایک مرتبہ اعظم بیگ نے ایک بڑا سا اماؤنٹ ۲۵/لاکھ ۲۰۱۸ میں بطور خرچ لیا ہے اور ایک مرتبہ خواجہ فصیح الدین نے بھی ۲۸/لاکھ ۲۰۱۷ء میں بطور شادی خرچ لیا ہے، اس کے علاوہ جس نے جتنا بھی اپنی ضروریات کے لئے لیا ہے، وہ سب کا سب تحریری شکل میں نوٹ بک میں درج ہے۔

آج سے ایک سال پہلے اسی نزاع کو لے کر ایک مجلس ہوئی تھی، جس میں اعظم کا کہنا یہ ہے کہ خواجہ فصیح الدین ۳۰ ر فیصد پر اس مجلس میں راضی ہوئے تھے جب کہ خوجہ فصیح الدین اس کے منکر ہیں اور ابھی بھی پچاس فیصد کے دعویدار ہیں۔

اَب چوں کہ ملکیت میں شراکت داری کو لے کر باہم تلخیاں بڑھ گئی ہیں؛ لہٰذا دونوں فریق اپنے اتفاق رائے سے مفتیان کرام کی مدد سے استفتاء تیار کر کے اس مسئلہ کو شرعی طور پر حل کرنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا مفتیان کرام سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس مسئلہ کا آسان حل فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مشترکہ کاروبار میں شریکین میں نفع کے استحقاق کے تناسب کا مدار جانبین کی طرف سے لگائے گئے، سرمایہ کی مقدار پر نہیں ہوتا؛ بلکہ آپس میں طے شدہ شرائط پر ہوتا ہے۔ بریں بناء بر تقدیر صحت سوال چوں کہ مشترکہ کاروبار کے آغاز میں لکھے گئے، تحریری معاہدہ میں دونوں شریکوں کے پچاس پچاس فیصد نفع کے استحقاق کی بات لکھی گئی ہے؛ اس لئے اس معاہدہ کے مطابق دونوں فریق نصفا نصف نفع کے حق دار ہوں گے اور زیادہ سرمایہ لگانے والا فریق اپنے سرمایہ کے تناسب سے دوسرے سے زیادہ نفع کا حق دار نہ ہوگا؛ البتہ اگر کاروبار میں نقصان ہوجائے تو ایسی صورت میں فریقین میں برابری نہ ہوگی؛ بلکہ جس فریق نے جتنا سرمایہ لگایا ہے، اُسی تناسب سے وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور معاہدہ میں جو نقصان میں برابری کی بات کہی گئی وہ شرعاً معتبر اور قابل عمل نہیں ہے۔

إذا شرطا الربح على قدر المالين متساويًا أو متفاضلا فلا شك أنه يجوز ويكون الربح بينهما على الشرط ...... والوضيعة على قدر المالين متساويًا ومتفاضلًا. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة / فصل في بيان شرائط جواز أنواع الشركة ٦٢/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ٨٣/٥ زكريا)

اشتركا فجاء أحدهما بألف والآخر بألفين على أن الربح والوضيعة نصفان فالعقد جائز، والشرط في حق الوضيعة باطل، فإن عملا وربحا فالربح على ما

شـرطا، وإن خسرا فالخسران على قدر رأس مالهما. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث في شركة العنان / الفصل الثاني في شرط الربح والوضيعة ۲/ ۳۲۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۶/ ۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ثمن کی تعیین کے بغیر بیع سلم کے لئے پیشگی رقم دینا

سوال (۹۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے دس ہزار روپئے دیا اس شرط پر کہ وہ اس کو چھالی کے موسم میں دس ہزار کی چھالی دے گا اور آپس میں بات اس طرح طے ہوئی کہ اس وقت بازار میں جو بھاؤ ہوگا اس سے کچھ کم میں تمہیں ۱۰؍ ہزار کی چھالی دوں گا، اور چھالی کی نوعیت بتادی کہ پکی ہوگی، کچی نہیں ہوگی۔ تو اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح بھاؤ کے بارے میں آپس کی رضامندی سے بیع سلم صحیح ہوگی یا نہیں؟ حضور والا سے درخواست ہے کہ قرآنِ کریم اور اَحادیث طیبہ کی روشنی میں تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں مذکورہ معاملہ ناجائز ہے؛ اِس لئے کہ قیمت کی جہالت کی وجہ سے مبیع کی مقدار نامعلوم ہے؛ البتہ اگر مجلس عقد میں ۱۰؍ ہزار کے عوض مبیع (چھالی) کی مقدار اور نوع وصفت معلوم ومتعین ہوجائے تو بیع سلم کے طور پر یہ معاملہ حسبِ شرط جائز ہوگا، خواہ اَدائیگی کے وقت بازار میں چھالی کی کوئی بھی قیمت ہو۔

يـلـزم أن يـكـون الثمن معلومًا، فلو جهل الثمن فسد البيع. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۱/ ۱۰۹ المطبعة الأدبية بيروت)

السلم عقد مشروع بالكتاب الخ، وهو جائز في المكيلات والموزونات لـقـولـه عـلـيـه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم ووزن معلوم إلى

أجل معلوم. (الهداية / باب السلم ۹۷/۳ المكتبة النعيمية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۳/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بھٹے والے کا ایڈوانس رقم لے کر سستے ریٹ پر اینٹ دینا

سوال (۹۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک اینٹ کا بھٹہ چلاتا ہے، اینٹ تیار کرنے سے پہلے ہی سستا ریٹ لگا کر بعض لوگوں سے پیشگی قیمت وصول کر لیتا ہے، کسی سے ۴۰/ ہزار، کسی سے ۵۰/ ہزار، کسی سے اور زیادہ، پھر اُن پیسوں سے اینٹ تیار کر کے اُن لوگوں کے طے شدہ معاملہ کے مطابق (سستے ریٹ میں) اینٹ دے دیتا ہے، جب کہ بازاری قیمت اس وقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ جانبین کا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور زید کا اس طرح پیشگی قیمت وصول کرنا اور مہنگے زمانے میں گاہکوں کا سستے ریٹ میں اینٹ لینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - مسئولہ صورت میں زید نے جن حضرات سے اینٹوں کی متعینہ سستی قیمت کے طور پر پیشگی رقم وصول کر لی ہے، تو یہ معاملہ شرعاً بیع سلم اور استصناع میں داخل ہو کر بلاشبہ درست ہے۔ اور اُس پر وعدہ کے مطابق مقررہ وقت پر پہلے سے طے شدہ ریٹ میں خریدار کو مقررہ اینٹیں دینا لازم ہے؛ اگرچہ اس وقت اینٹوں کا بازاری ریٹ زیادہ ہو، پھر بھی اُسے سابقہ ریٹ ہی پر دینا ہوگا۔

ولا بأس بالسلم في اللبن والآجرّ إذا سمّى ملبنًا معلومًا؛ لأنه عددي متقارب لا سيما إذا سمى الملبن. (الهداية، كتاب البيوع / باب السلم ۱۰۰/۳ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

معاملہ فسخ ہونے پر مشتری کا طے شدہ قیمت سے زائد مانگنا

سوال (۹۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی نے کوئی سامان خریدا اور بائع سے یہ طے کرلیا کہ یہ سامان ۳؍ مہینے کے بعد اُٹھا کر لے جاؤں گا، اگر نہیں لے گیا تو آپ مجھے اس سامان کی قیمت واپس کردیں گے، اس وقت کے حساب سے چاہے کم ہو یا زیادہ۔ جس وقت سامان خریدا گیا تھا اُس وقت اس کی قیمت ایک لاکھ تھی اور ۳؍ مہینے بعد بڑھ کر ڈیڑھ لاکھ روپئے ہوگئی، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور اُس کے لئے یہ پیسہ لینا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مجلس عقد میں سامان کی جو قیمت طے ہوئی تھی، تو بعد میں آپسی رضامندی سے اگر معاملہ فسخ ہوتا ہے، تو صرف وہی طے شدہ قیمت مشتری کے لئے لینا درست ہوگا، اُس وقت کے حساب سے کم یا زیادہ قیمت لینے اور دینے کی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: من أقال مسلمًا أقاله اللّٰه عثرته. (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة / باب في فضل الإقالة ۲/۴۹۰ رقم: ۳۴٦۰)

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأول، لقوله عليه السلام: من أقال نادمًا بيعته، أقال اللّٰه عثرته يوم القيامة؛ ولأن العقد حقهما فيملكان رفعه دفعًا لحاجتهما، فإن شرط أكثر منه أو أقلّ فالشرط باطلٌ، ويردّ مثل الثمن الأول. (الهداية مع البناية / باب الإقالة ۸/۲۲۴ دار الكتب العلمية بيروت، الهداية / باب الإقالة ۳/۵۵ دار إحياء التراث العربي بيروت)

تصح بمثل الثمن الأول (تنوير الأبصار) ويردّ مثل المشروط، ولو المقبوض أجود أو أردأ. (الدر المختار، كتاب البيوع / باب الإقالة ۷/۳۳۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۳/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

۱۰/لاکھ کے عوض مشتری کی پسند کے پتھر کا سودا کرکے بائع کا بیع کو فسخ کرنا

سوال (۹۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظفر بھائی ماربل کی کان کا مالک ہے، ظفر بھائی نے عارف بھائی سے یہ کہا کہ اگر آپ مجھے ۱۰/لاکھ روپئے دیں گے تو میں اس کے عوض اپنی کان کا ۱۰۰/فٹ پتھر آپ کی پسند کا دوں گا، پھر کان میں پتھر گمان سے زیادہ اچھا نکل گیا (۱۰/لاکھ کی قیمت کے بجائے ۱۵/لاکھ کا نکل گیا) اب ظفر بھائی - جوکہ کان کے مالک ہیں - کی نیت میں کھوٹ آگیا، تو اس نے عارف بھائی سے کہا کہ میں آپ کو آپ کے ۱۰/لاکھ کے عوض پتھر نہیں دوں گا؛ بلکہ ۱۰/لاکھ کے عوض میں ۱۲/لاکھ دے دوں گا، تو عارف بھائی کا ۱۰/لاکھ کے اوپر ۲/لاکھ لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جب معاملہ طے ہو چکا ہے تو دس لاکھ کے عوض میں کان کے مالک ظفر بھائی پر طے شدہ پتھر ہی دینا لازم ہے، وہ یک طرفہ طور پر اس معاملہ کو فسخ نہیں کر سکتے اور اگر فریقین کی رضامندی سے یہ معاملہ فسخ ہوتا ہے تو پھر ۱۰/لاکھ روپیہ کے بدلے میں ۱۲/لاکھ لینا درست نہ ہوگا؛ بلکہ صرف ۱۰/لاکھ ہی واپس کیے جائیں گے۔

فلو شرط فيها أي الإقالة (أكثر من الثمن الأول أو خلاف الجنس بطل الشرط ولزم الثمن الأول عند الإمام؛ لأن الإقالة فسخ، وهو لا يكون إلا على الثمن الأول. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع / باب الإقالة ۱۰۵/۳ مكتبة فقيه الأمة ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۶/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نوٹوں کی گڈی اور ہار کی خرید وفروخت

سوال (۹۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: آج کل بازار میں نئے روپیوں کی گڈی مثلاً ۱۰؍روپئے کا نوٹ دیگر سامانوں کی طرح خریدا اور بیچا جاتا ہے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ ان نوٹوں کو ہار میں لگا کر بھی خریدا اور بیچا جاتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اِن نوٹوں کی دیگر سامانوں کی طرح خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس میں کمی وزیادتی کے ساتھ بیچنے میں سود ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- روپیوں کی گڈی کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اِس میں سود پایا جاتا ہے؛ البتہ اگر روپیوں کا ہار بنادیا گیا، تو چوں کہ اس میں روپیوں کے ساتھ دیگر اشیاء (پھول، بوٹے دھاگہ اور ڈوری) بھی شامل ہوجاتی ہے، اِس لئے اِس کو زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۱۹؍۵۸۳)

عن أبي بكرة رضي اللّٰه عنه قال: نهى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن الفضة بالفضة والذهب بالذهب إلا سواء بسواء. (صحيح البخاري / باب بيع الورق بالذهب نسيئة ۲۹۱/۱ رقم: ۲۱۳۲)

الربوا محرم ...... إذا بيع بجنسه متفاضلا ...... كبيع الدرهم بالدرهمين حيث لا يجوز. (الهداية، كتاب البيوع / باب الربا ۸۱/۳ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ومشائخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا فلو أبيحت التفاضل فيه ينفتح باب الربا. (الهداية / كتاب الصرف ۹۳/۳ إدارة المعارف ديوبند)

المستفاد: لا يجوز بيع الزيتون بالزيت والسمسم بالشيرج حتى يكون الزيت والشيرج أكثر مما في الزيتون والسمسم فيكون الدهن بمثله والزيادة بالثجير. (الهداية مع البناية ۳۷۵/۷ دار الفكر بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱۲/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ڈالر میں طے شدہ ثمن افغانی روپیہ سے اَدا کرنا

سوال (۹۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید افغانستان کا باشندہ ہے، اُس نے دو سال پہلے ایک کمپنی سے سامان خریدا جس کی قیمت ۱۰؍ ہزار امریکی ڈالر طے ہوئی، جس وقت یہ معاملہ انجام پایا تو افغانستان میں ڈالر کی قیمت ۵۰؍ افغانی روپئے تھی، اب دو سال کے بعد سامان کی قیمت اَدا کرنا چاہتا ہے؛ لیکن اس وقت ڈالر کا ریٹ بہت بڑھ چکا ہے اور ڈالر ۹۰؍ افغانی روپئے کا ہوگیا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ زید پر ڈالر ہی کے ذریعہ مقررہ قیمت کی اَدائیگی لازم ہے یا افغانی روپئے میں بھی اَدا کرسکتا ہے؟ اور اگر افغانی روپئے میں اَدا کرے تو ڈالر کی کونسی قیمت لگائی جائے گی؟ اَدائیگی کے وقت کی یا عقد کے وقت کی؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چوں کہ عقد کے وقت ڈالروں میں ثمن طے ہوئی ہے؛ لہٰذا اَدائیگی بھی ڈالروں ہی میں ہوگی، خواہ ڈالر کی قیمت گھٹ جائے یا بڑھ جائے، اِس کی وجہ سے حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی؛ البتہ اگر ڈالر کی قیمت افغانی روپئے میں اَدا کرنا چاہے تو اَدائیگی کے وقت بازار میں ڈالر کی جو قیمت ہوگی، اُسی کا اعتبار ہوگا، عقد کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔

أما الفلوس فالجمهور على أنها في حكم الدراهم في ذلك فالتماثل المطلوب في القرض هو التماثل في عدد تلك الفلوس، فإن غلت أو رخصت عند الأداء لا يرد المستقرض إلا نفس العدد التي اقترضها، وإن كانت قيمتها بالنسبة إلى الدراهم انتقصت يوم الأداء. (فقه البيوع، المبحث السابع / الغلاء والرخص في قيمة النقود والفلوس ۲/۷۶۵-۷۶۶ مكتبة معارف القرآن كراچی)

لأن القروض في الشريعة الإسلامية يجب أن تقضي بأمثالها ......

والـذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن، والسنة ومشاهدة معاملات الناس، أن الـمثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية، دون المثلية في القيمة والمالية. (بحوث في قضايا معاصرة / البحث الخامس: أحكام الأوراق النقدية الخ ١٦٩/١-١٧٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹؍۲؍۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈیزائن پسند کر کے کچھ رقم پیشگی دینا اور باقی زیور بننے کے بعد

سوال (۹۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے سنا ہے کہ سونے چاندی کی بیع ادھار درست نہیں ہے؛ لیکن آج کل عموماً جب لوگ سنار کے یہاں زیور بنوانے جاتے ہیں، تو ڈیزائن پسند کر کے کچھ رقم پیشگی دے دیتے ہیں، اور مکمل رقم کی اَدائیگی زیور بننے اور سپرد کرنے کے وقت ہوتی ہے؛ گویا اِس میں ایک طرح سے اُدھار معاملہ کیا جاتا ہے، تو اِس طرح خریداری درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سونے چاندی کی بیع جب حقیقۃً سونے چاندی کے عوض ہو تو وہ بیع صرف ہوتی ہے، جس میں اُدھار معاملہ جائز نہیں ہوتا؛ لیکن جب سونے چاندی کو روپئے کے بدلے میں خریدا جائے، تو اُس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ بریں بناء زیور یا اُس کا ڈیزائن متعین ہونے کی صورت میں مسئولہ صورت میں اُدھار خرید و فروخت کی گنجائش ہے۔

أما على الـموقف الثـالث الذي رجّحته ورجّحه كثير من علماء شبه القارة الهنديه، والذي ذكرت أدلته فيما سبق على مذهب الإمام محمد رحمه الله تعالى؛ فإنه يجوز شراء حليّ الذهب والفضة بالنقود الورقية نسيئةً بشرط أن يكون بسعر يوم العقد، ولا يشترط فيه التقابض؛ بل لا يشترط قبض الحلي

الحقيقي، وإنما يكفي تعيين الحليّ؛ لأن النقود الورقية في حكم الفلوس في أحكام الصرف فقط، وشراء الحليّ بالفلوس لا يشترط فيه التقابض عند الحنفية؛ بل يكفي تعيين الحليّ. قال السرخسي رحمه اللّٰه: وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فصّ بكذا فلوسًا وليست الفلوس عنده فهو جائز إن تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف فإنما افترقا عن عين بدين؛ لأن الخاتم يتعين بالتعيين بخلاف ما سبق، فإن الدراهم والدنانير لا تتعين بالتعيين؛ فلهٰذا شرط هناك قبض أحد البدلين. (فقه البيوع، الباب السابع تقسيم البيع من حيث نوعية البدلين / شراء حلي الذهب والفضة بالنقود الورقية ٧٦٢/٢ دار المعارف ديوبند، المبسوط للسرخسي، كتاب الصرف / باب البيع بالفلوس ٢٥/١٤ دار المعرفية بيروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۶/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

پلاٹوں کی قسطیں متعین کرکے قرعہ اندازی سے بیچنا

سوال (۹۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک کالونی کاٹی، اس میں اُنہوں نے ۱۰۰؍ پلاٹ ۵۰-۵۰؍گز کے متعین کئے، ہر پلاٹ پر نمبر ڈال دئے گئے، ایک سے لے کر ۱۰۰؍ تک ہر ایک پلاٹ کی ایک ہی قیمت طے کی گئی اور وہ ۱۰۰؍ پلاٹ، ۱۰۰؍ اَفراد کو فروخت کردئے گئے، اس کی شکل یہ بنی کہ جس نے جو پلاٹ پسند کیا، اس کو وہ ہی پلاٹ فروخت کردیا گیا، تمام پلاٹوں کی ماہانہ قسط متعین کردی گئی، زمین میں ان تمام پلاٹوں کا قرعہ نکالتے ہیں، جو پلاٹ قرعہ میں نکل آتا ہے، جس نے اس پلاٹ کو پسند کیا ہے، اس کو اس قیمت میں جتنی اس نے جمع کی ہے، اس پر اس کو پلاٹ دے دیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے دوسرے پلاٹوں کی قیمت نہیں بڑھتی، یہ شکل ۲۵؍ ماہ تک چلتی ہے،

۲۶؍ویں قسط میں باقی پلاٹوں کی قیمت بھی پوری ہو جاتی ہے اور سب کو پلاٹ مل جاتا ہے۔

پلاٹنگ میں حصہ لینے والے حضرات کے لئے شرائط حسبِ ذیل ہیں:

(۱) یہ اسکیم ۲۶؍مہینہ میں پوری ہوگی، ماہانہ قسط ۱۵؍ہزار روپئے ہوگی اور ۱۰۰؍شریک ہوں گے۔

(۲) ۲۰؍ڈرا کھولے جائیں گے، ہر ماہ جس کا ڈرا میں نام نکلے گا، وہ آگے قسط نہیں دے گا، اپنا بیع نامہ فوراً کرالے گا۔

(۳) ۲۶؍ویں قسط جمع ہونے کے بعد باقی سبھی ۷۵؍ممبران کے پلاٹوں کے بیع نامے فوراً کرادئے جائیں گے۔

(۴) ہر مہینہ کی ۱۵؍تاریخ کو ڈرا کھولا جائے گا، لہٰذا ڈرا میں آنا ضروری ہے۔

(۵) جس ممبر کی قسط وقت پر جمع نہیں ہوگی، اس کا نام ڈرا میں نہیں ڈالا جائے گا۔

(۶) اگر کسی وجہ سے ۱؍یا ۲؍قسط جمع نہیں کرپاتا ہے، تو جمع شدہ رقم ضبط ہوجائے گی۔

(۷) یہ ڈرا صرف ۱۰۰؍ممبر کا ہے۔

(۸) ہر ایک پلاٹ جس کی پیمائش ۵۰؍گز (۱۵/۳۰) کا ہوگا۔

(۹) میں نے مذکورہ سبھی قوانین واصول کو پڑھ لیا ہے اور اس اسکیم کے لئے پوری طرح رضامند ہوں، برائے مہربانی مجھے اس اسکیم کا رکن بنایا جائے۔

نوٹ:- فریج کا انعام سبھی ۱۰۰؍ممبران کو دیا جائے گا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- سوال نامہ میں تحریر کردہ معاملہ شرعاً ناجائز ہے، اس میں تین خرابیاں پائی جاتی ہیں:

(۱) مجموعی طور پر ثمن مجہول ہے؛ کیوں کہ کسی کو وہ پلاٹ کم میں پڑے گا اور کسی کو زیادہ میں پڑے گا اور مجلس عقد میں اسے متعین نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ اس کا مدار قرعہ اندازی پر ہے۔

(۲) اس میں قمار کا شبہ بھی پایا جاتا ہے، گویا ہر خریدار چند قسطیں جمع کر کے زیادہ قیمتی شئ

حاصل کرنے کا متمنی ہے اور وہ قرعہ میں نام نکلنے پر موقوف ہے۔

(۳) اور تیسری خرابی یہ ہے کہ وقت پر قسط جمع نہ کرنے کی صورت میں سابقہ ادا کردہ رقم ضبط کرنے کی شرط لگائی گئی ہے جو شرعاً درست نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ شرائط کے ساتھ اس معاملہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

لأن القمار من القمر يزداد تارة وينقص أخرىٰ، وسمي القمار قمارًا لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص الخ. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ۵۷۷/۹ زكريا)

ونهى عن بيع العربان بأن يقدم إليه شيء من الثمن فإن اشترى حوسب من الثمن وإلا فهو له مجانًا وفيه معنى الميسر. (حجة الله البالغة / البيوع المنهي عنها ۱٦۷/۲ دار الجيل بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۱/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طے شدہ وقت میں فلیٹ تعمیر نہ ہونے پر بلڈر سے ہرجانہ لینا

سوال (۹۹٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر بلڈر طے شدہ وقت میں تعمیر مکمل نہ کرسکا تو کیا بلڈر سے کچھ ہرجانہ لیا جاسکتا ہے، مثلاً ہر ماہ کا پانچ ہزار وغیرہ۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ہرجانہ تو صحیح نہ ہوگا؛ البتہ اگر وقت پر تعمیر مکمل نہ ہوسکے تو تاخیر کی وجہ سے عرف کے مطابق فلیٹوں کی مقررہ قیمت میں کمی کرنے کی گنجائش ہے۔

المستفاد: يجوز الاتفاق في العقد على شرط جزائي بأن الصانع إن تأخر في تسليم المصنوع؛ فإنه ينقص من ثمنه جزءٌ مقابل للتأخير. (فقه البيوع،

المبحث الخامس / الشرط الجزائي في الاستصناع ٦٠٨/١ رقم: ٢٨٣ مكتبة معارف القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۳/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زمین خریداری کا معاملہ فسخ ہونے پر بلڈر کا ایڈوانس رقم سے زائد لینا

سوال (۷۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک زمین کا ایگریمنٹ کرتے وقت یہ طے ہوا تھا کہ اگر پروجیکٹ نہیں بنتا ہے تو ایڈوانس میں دی ہوئی رقم واپس ہوگی اور زبانی یہ بتایا تھا کہ ہم سود نہیں لیتے ہیں اور یہ نہیں طے ہوا تھا کہ رقم کے بدلے میں دی ہوئی رقم سے زائد رقم یا زمین دی جائے گی، تو کیا زمین کی مانگ کرنا جائز ہوگا؟

اگر یمنٹ کے پوائنٹ ۶/ میں لکھا ہے کہ اگر معاہدہ مستقبل قریب میں کینسل ہوتا ہے تو ایسی حالت میں پوری رقم بشمول ضمانتی رقم وخانہ پری کرنے کا صرفہ بالترتیب بذریعہ مالک واپس کی جائے گی۔ شرعی حکم کیا ہے تحریر فرما کر ممنون فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تفصیلی سوال اور معاہدہ نامہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس معاملہ میں فریقین میں یہ بات طے ہوئی تھی، اگر مستقبل میں یہ معاملہ منسوخ ہوتا ہے تو زمین کا مالک بلڈر سے لی ہوئی رقم مع اخراجات واپس کرے گا (جیسا کہ معاہدہ کی دفعہ: ۴ میں درج ہے) لہٰذا اِس معاہدہ کے بموجب بلڈر کو صرف اپنی دی ہوئی رقم واپس لینے کا حق ہے؛ لیکن وہ رقم کے بدلے میں زمین یا کوئی اضافی رقم لینے کا حق دار نہیں ہے۔

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأول ...... فإن شرط أكثر منه أو أقل

فالشرط باطل، ویرد مثل الثمن الأول. (الهداية مع البناية، كتاب البيوع / باب الإقالة ٢٢٤/٨ دار الكتب العلمية بيروت)

(**الإقالة) تصح بمثل الثمن الأول وبالسكوت عنه ويرد مثل المشروط ولو المقبوض أجود أو أردء ولو تقايلا وقد كسدت رد الكاسد.** (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع / باب الإقالة ٣٣٩/٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۱/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹے نے دل جوئی کے لئے زمین خرید کر باپ کے نام کر دی

سوال (۹۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاؤں میں ایک زمین میرے گھر کے بازو میں تھی، والد صاحب نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ کلام تو یہ زمین خرید لے، والد صاحب کے پیہم اصرار پر میں نے ۳۵؍ ہزار روپئے ارسال کیا اور والد صاحب نے زمین خرید لی اور کہا کہ تیرے نام سے رجسٹری کروا دیتا ہوں، میں نے والد صاحب کی دل جوئی کی خاطر اُن سے کہا کہ فی الوقت آپ اپنے نام کروا لیجئے۔

انتقال سے پہلے والد صاحب نے کہا کہ یہ زمین ابوالکلام کی اَمانت ہے؛ لہٰذا اُنہوں نے وہ زمین ہمارے نام سے رجسٹری کروادی، جس کا علم والد صاحب کے دوست واحباب اور میری بہن وغیرہ کو بھی ہے، بعد میں وہ زمین میں نے دوبارہ مالک سے اپنے نام لکھوالی اور پھر وہ زمین فروخت کردی۔

اَب ہمارے بھائی اس میں حصہ مانگ رہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے اس زمین میں میرے بھائیوں کا حصہ ہوگا؟ حضور والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون ہوں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیرِ صحت سوال جو زمین آپ نے اپنی رقم سے

خریدی تھی اور مصلحۃً والد کے نام کرادی تھی اور والد نے وفات سے قبل اسے آپ کے نام رجسٹرڈ کردی تھی؛ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو یہ زمین صرف آپ کی ملکیت قرار دی جائے گی اُس میں آپ کے دیگر بھائی بہنوں کا کوئی حق نہ ہوگا۔

بيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدًا وهما لا يريدانه يلجأ إليه لخوف عدو وهو ليس ببيع في الحقيقة بل كالهزل. (رد المحتار، باب الصرف / مطلب في بيع التلجئة ۵۴۲/۷ زکریا، ۲۷۳/۵ کراچی)

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف يشاء من الملك. (تفسير البيضاوي ۷/۱ مکتبه رشيديه دهلی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری مجبوری میں اپنا مکان اپنے اور والدین کے نام کردیا

سوال (۹۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عبدالرب نے محمد علی روڈ پر ایک مکان خریدا، آدھا حصہ اپنے ماں باپ کے نام کردیا، دوسرا حصہ اپنے اور اپنی بیوی کے نام کردیا، اب والد صاحب نے مکان کا وہ حصہ اپنے دوسرے دو بیٹوں کے نام کردیا، والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے، والدہ موجود ہیں، تو اب مکان کا وہ حصہ عبدالرب کو ملے گا یا نہیں؟ اور وہ مکان عبدالرب نے اپنے ذاتی پیسہ سے خرید کر والدین کے نام کردیا تھا اور ایک سرکاری مجبوری کے تحت والدین کے نام کیا تھا، ملکیت کے طور پر نہیں کیا تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحت سوال وبعداَدائے حقوق جب کہ آپ نے مذکورہ مکان اپنی ذاتی ملکیت سے خریدا ہے اور صرف سرکاری مجبوری کے تحت اُس میں والدین کا نام ڈلوایا اور والدین کو مالک بنانے کی کوئی نیت نہ تھی، تو یہ پورا مکان صرف آپ ہی کی ملکیت ہے، اِس میں شرعاً والدین کو نہ تصرف کا حق ہے اور نہ ہی یہ اُن کی وراثت میں شامل ہے۔

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدًا وهما لا يريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة بل كالهزل ...... ولو تبايعا في العلانية إن اعترفا ببنائه على التلجئة فالبيع باطل. (الدر المختار، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب: في بيع التلجئة ٥٤٢/٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زمین پر لیا ہوا بینک کا قرض مشتری کا اپنے ذمہ لے کر زمین خریدنا

سوال (۱۰۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عارف پٹیل صاحب نے ۴۰؍لاکھ روپئے میں ایک زمین خریدی، اس وقت زمین پر بینک کا ایک لاکھ ستر ہزار تین سو روپئے قرض تھا، اُصول یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے بینک کا سارا قرض ادا کرنا ضروری ہوتا ہے؛ لیکن عارف پٹیل صاحب نے پیسوں کی کمی کی وجہ سے یہ کہا کہ اس پر جو قرض ہے وہ میں ادا کروں گا، تو اتنے پیسا منہا کر کے اُنہوں نے قیمت شیخ ایوب کے حوالے کردی (عارف پٹیل صاحب نے اپنی پہچان کی بنیاد پر صاحب سے بات کر کے زمین پر قرض ہونے کے باوجود خریدی، اپنے نام کرلی) جس کی بناء پر زمین پٹیل کی ملکیت میں آگئی، اورانہوں نے سارا پیسہ بائع کے حوالے کر کے قرض کی رقم اپنے ذمہ لگالی، اس معاملہ کے ایک سال گذرنے کے بعد بینک کی جانب سے قرض معاف ہوگیا، کسی نے شیخ ایوب کو اس کی اطلاع کردی؛ اگر چہ خریداری ہونے کے بعد شیخ ایوب کا اس قرض اور کھیت سے کوئی تعلق نہیں تھا؛ لیکن اب شیخ ایوب تقاضا کرتا ہے کہ جو قرض معاف ہوا ہے، مجھے چاہئے۔ تو پوچھنا یہ ہے کہ اس کا یہ تقاضہ کرنا شرعاً درست ہے؟ مفصل ومدلل جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہاں دو معاملے الگ الگ ہیں، ایک شیخ ایوب کا

بینک سے قرضہ کا معاملہ ہے، جس میں زمین کی بیع کے وقت ایک لاکھ ۷۱؍ ہزار روپئے کی اَدائیگی باقی تھی، دوسرا معاملہ شیخ ایوب بائع اور عارف پٹیل مشتری کے درمیان ہے، جو ۴۰؍ لاکھ روپئے میں طے ہوا۔ اور حسب تحریر سوال مشتری عارف پٹیل نے اس ۴۰؍ لاکھ روپئے میں سے شیخ ایوب پر بینک کے قرض کی رقم ۱۱؍ لاکھ ۷؍ ہزار ۳؍ سو روپئے کاٹ کر بقیہ ثمن شیخ ایوب کو ادا کر دی؛ گویا کہ اس نے مقررہ ثمن ۴۰؍ لاکھ روپئے میں قرض کی رقم کے بقدر کمی کے ساتھ ثمن کی اَدا کی ہے؛ لہٰذا بعد میں جب یہ قرض بینک کی طرف سے معاف کر دیا گیا، تو شیخ ایوب کو یہ حق حاصل ہوگا کہ عارف پٹیل نے قرض کی بنیاد پر ثمن میں سے جو رقم کاٹی تھی وہ شیخ ایوب کو ادا کرے تا کہ اس کا حساب صاف ہو جائے۔

ولو أبرأ المحتال له المحتال عليه من الدين وقد أحاله بدينه مقيدًا؛ فللمحيل أن يرجع على المحتال عليه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الحوالة / الفصل الثاني ۱۰/۲۷۸ رقم: ۱٤۷۱۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زمین خریدنے کے بعد معلوم ہوا کہ زمین گرام سماج کی ہے

سوال (۱۰۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عمر کو ایک زمین بیچی دو لاکھ روپئے میں، عمر کے نام رجسٹری ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد وہ زمین گرام سماج کی نکل آئی اور حکومت نے اس کو اپنی تحویل میں لے لیا، یعنی وہ زمین عمر کے ہاتھ سے نکل گئی، عمر نے زید سے کہا کہ آپ نے دھوکہ دیا، اس پر زید قسم کھاتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ زمین گرام سماج کی ہے، میں نے خود دوسرے سے خریدی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید پر دو لاکھ روپئے کی پوری رقم عمر کو لوٹانا ضروری ہے؟ کیا زید عمر کا مقروض ہے یا زید کا یہ کہنا کہ مجھے گرام سماج کی زمین ہونے کا علم نہیں تھا یا یہ کہنا کہ میں نے بھی تو پیسوں میں خریدی ہے، عذر شمار کیا جائے گا؟ براہ کرم حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحت سوال مذکورہ صورت میں اگر زید نے لاعلمی میں گرام سماج کی مذکورہ زمین عمر کے ہاتھ میں فروخت کی ہے تو اگر چہ وہ گنہگار نہیں ہے اور نہ اس پر دھوکہ دہی کا الزام لگایا جا سکتا ہے مگر اس پر عمر کو پوری رقم لوٹانا ضروری ہے اور جب تک وہ رقم نہیں لوٹائے گا یا عمر معاف نہیں کرے گا تو وہ عمر کا دین دار کہلائے گا اور زید کا یہ کہنا کہ مجھے اس زمین کے بارے میں علم نہ تھا یا یہ کہ میں نے بھی پیسوں سے خریدی ہے یہ عذر مقبول نہیں ہے، اس کی وجہ سے عمر کا حق ساقط نہ ہوگا؛ کیوں کہ گرام سماج کا استحقاق سامنے آنے کی وجہ سے مذکورہ زمین کی فروختگی کا معاملہ سرے سے کالعدم ہوگیا ہے اور عمر نے جو قیمت ادا کی تھی، زید اس کا بہر حال ضامن ہے، البتہ زید کے ساتھ جس بائع نے دھوکہ دہی یا بدمعاملگی کی ہے وہ اپنی رقم اس سے وصول کرسکتا ہے۔

وفي الكافي: اشترى امة وقبضها فباعها من آخر وقبضها المشتري الثاني ثم باعها من آخر وسلم فاستحقت بقضاء فهو قضاء على الكل ويرجع كل لو رجع عليه الثاني بالثمن لا قبل الرجوع عليه كيلا يجتمع الثمنان في ملك واحد. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب البيوع / الفصل السابع عشر في الاتسحقاق وبيان حكمه ٢٥٨/٩ رقم: ١٣٣٠ زكريا)

وفي المنية شرىٰ دارا وبنى فيها فاستحقت رجع بالثمن وقيمة البناء. (الدر المختار، كتاب البيوع / باب الاستحقاق ٤٤٩/٧ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۴/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابُ الربوا

مالِ حرام سے متعلق چند غور طلب اُمور

''مالِ حرام سے متعلق چند غور طلب اُمور'' سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے اَٹھارہویں فقہی اجتماع بتاریخ: ۲۸-۳۰ رصفر المظفر ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۵-۱۷ رفروری ۲۰۲۳ء بروز جمعہ، ہفتہ واتوار (بمقام: مدرسہ فیض القرآن ٹھیکری باڑی ضلع اتر دیناج پور مغربی بنگال) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (اَز: مرتب)

مالِ حرام کے شرعی اَحکام فقہ اِسلامی کا ایک اہم عنوان ہے، اور موجودہ وقت میں جب کہ باطل اور فاسد قسم کے معاملات معاشرے میں بکثرت عام ہو چکے ہیں، اِس موضوع کی اہمیت دوبالا ہوگئی ہے۔ فقہاء کرام نے مختلف فقہی اَبواب: بیوع، اِجارہ، غصب، ہبہ اور حظر واِباحت وغیرہ کے تحت اگرچہ اِس کی جزئیات بیان فرمائی ہیں؛ لیکن اَب ایسی بہت سی نئی شکلیں رائج ہوگئی ہیں، جن پر اُن جزئیات کی تطبیق میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ اِس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ مالِ حرام سے متعلق فقہی عبارتوں میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے، مثلاً: بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کا تعدیہ نہیں ہوتا، یعنی حرمت صرف اُسی شخص تک محدود رہتی ہے جس نے حرام ذریعہ سے مال حاصل کیا ہے؛ لہٰذا اُس کے ساتھ بیع وشراء اور ہبہ وغیرہ کا معاملہ کرنا جائز ہے۔ اور بعض عبارتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حرمت متعدی ہوتی ہے۔

اِس لئے ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' جمعیۃ علماء ہند نے اٹھارہویں فقہی اجتماع کے لئے ایک عنوان ''مالِ حرام سے متعلق چند غور طلب اُمور'' کو بھی بنایا ہے، اِسی سلسلے میں درج ذیل سوالات پیش ہیں:

سوال (۱۰۰۲/۱):- الف:- فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے حرام ہونے کی متعدد وجوہ ہیں، مثلاً: سود، غصب، رشوت، چوری، عقد باطل اور اَمر معصیت کی اُجرت وغیرہ۔ اِس پس منظر میں قابل غور اَمر یہ ہے کہ مذکورہ ساری وجوہ کا حکم یکساں ہے، یا اُن میں باہم کوئی فرق ہے؟ مثلاً: جو مال سود، رشوت، اُجرتِ زنا اور چوری کے ذریعہ حاصل ہو، اُس میں اور فعلِ معصیت، مثلاً: مغنیہ، نائحہ، ڈاڑھی مونڈنے اور تصویر بنانے وغیرہ کی اُجرت کے حکم میں فرق ہے؟ اُجرت کی حرمت وحلت کی بنیاد کیا ہے؟ کیا ناجائز فعل پر حق المحنت کے عنوان سے اُجرت کی گنجائش نکل سکتی ہے؟ نیز حرمت لعینہٖ اور حرمت لغیرہ کا اثر کیا اُجرت کے حکم پر بھی پڑے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) جو آمدنی براہِ راست کسب حرام (جیسے: سود، غصب، رشوت، چوری، عقد باطل) سے حاصل ہو، وہ بلاشبہ حرام ہے۔ اِسی طرح اگر فاعل بذاتِ خود کسی اَمرِ حرام کا مرتکب ہو (جیسے: مغنیہ، نائحہ وغیرہ) تو اُس کی اُجرت بھی حرام ہوگی۔

قال العلامة الزيلعي: ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجر ...... وإن أعطاه الأجر وقبضه لا يحل له، ويجب عليه رده علىٰ صاحبه. (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ١٢٥/٥ المكتبة الإمدادية ملتان، ١١٩/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

لیکن اگر کوئی ایسا فعل ہو جو اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہ ہو؛ البتہ حرمت میں معاون بنتا ہو۔ مثال کے طور پر شراب کی بوتلوں کو گاڑی پر لاد کر لے جانا، تو اِس میں اصل فعل ''حمل'' ہے، جو اپنی ذات کے اعتبار سے مباح ہے؛ اِس لئے کہ ''حمل'' شراب کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بریں بنا اِس کی اُجرت کو ناجائز نہیں کہا جائے گا؛ چناں چہ حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شراب کی باربرداری کی اُجرت کی گنجائش دی ہے، اور آپ کی دلیل کا حاصل یہی ہے جو اُوپر

مذکور ہوا۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وجاز ...... حمل خمرٍ ذمي بنفسهٖ أو دابتهٖ بأجرٍ (الدر المختار) قوله: وحمل خمر ذمي: قال الزيلعي: وهٰذا عنده ...... وله: أن الإجارة على الحمل، وهو ليس بمعصيةٍ ولا سبب لها، وإنما تحصل المعصية بفعل فاعلٍ مختار. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع ٥٦٢/٩ زكريا، ٣٩١/٦ كراچی، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الإجارة / الفصل الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارات وما لا يجوز، نوع في الاستيجار على المعاصي ١٣٠/١٥ رقم: ٢٢٤٢٨ زكريا)

مستفاد: إذا استاجر رجلاً ليحمل له خمرًا فله الأجر في قول أبي حنيفة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة ٤٤٩/٤ قديم زكريا)

وإن استاجره ليكتب له غناء بالفارسية أوبالعربية، فالمختار أنه يحل؛ لأن المعصية في القراءة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة الخ ٤٤٩/٤ قديم زكريا)

وإذا استأجر الذمي مسلمًا ليحمل له ميتةً أو دمًا يجوز عندهم جميعًا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة ٤٥٠/٤ قديم زكريا)

اِسی طرح تصویر بنانے میں روشنائی اور برش کا استعمال فی نفسہٖ معصیت نہیں ہے اور نہ ہی معصیت کے ساتھ خاص ہے؛ لیکن جب اِس کا استعمال تصویر سازی میں ہوگا، تو ایک طرح سے معصیت پر اِعانت کہلائے گی، پس اُس کی اُجرت حرام تو نہ ہوگی؛ البتہ مکروہ قرار پائے گی، یہی حکم آلاتِ لہوولعب کے بنانے کا بھی ہے۔ اِس سلسلے میں درج ذیل جزئیات پیش نظر رہنے چاہئیں:

وفي نوادر الهشام عن محمد رجل استأجر رجلاً ليصور له صورًا أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط؛ فإني أكره ذلک وأجعل له الأجرة. قال هشام: تاويله

إذا كـان الإصباغ من فعل الأجير الـخ. وإن استـأجره لينحط له طنبورًا أو بربطًا ففعل طاب له الأجر إلا أنه يأثم به. (الفتاویٰ الهندية ٤/٤٥٠ زكريا)

وفـي فتـاویٰ أهـل سمرقند: إذا استأجر رجلاً لينحط له طنبورًا أو بربطًا ففعل يطيب له الأجر إلا أنـه يأثم في الإعانة على المعصية، وإنما أوجب له الأجر في هذه المسائل. (المحيط البرهاني ١١/٣٤٦)

درج بالا جزئیات کی روشنی میں داڑھی مونڈنے کی اُجرت کا حکم بھی متعین کیا جاسکتا ہے۔ بایں طور کہ داڑھی مونڈنا ایک فعل ہے، جو بال کو کاٹنے پر مشتمل ہے، اور بال کا کاٹنا حرام کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ اِس لئے کہ سر کے بال بلاتردد کاٹے جاتے ہیں، اور کبھی عذر کی بنیاد پر مریض کے لئے داڑھی کاٹنے کی اِجازت بھی دی جاتی ہے؛ لہٰذا داڑھی مونڈنے کے فعل کو اِعانت علی المعصیت کے فعل کی وجہ سے اگرچہ ناجائز کہا جائے گا؛ لیکن اُس کی اُجرت کو حرام نہیں کہیں گے اور تصویر بنانے والے جزئیہ کو اُس کے لئے نظیر بنایا جائے گا۔

ب:- جس شخص کی آمدنی درج بالا تفصیل کے اعتبار سے حرام یا مکروہ ہو، تو اُس کے انتقال کے بعد ورثہ کے لئے اُس کے چھوڑے ہوئے مال کا کیا حکم ہے؟ ورثہ کے لئے پورے مال کا استعمال جائز ہوگا یا بقدر ناجائز صدقہ کرنا ہوگا اور صدقہ کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی؟ نیز ورثہ کے غریب یا غنی ہونے کی صورت میں کیا شرعی حکم پر بھی کوئی اثر پڑے گا؟ یعنی اگر ورثہ غریب ہوں، تو کیا اُن کے لئے خود ایسا مال استعمال کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو آمدنی قطعی حرام ہو (جیسے: سود، رشوت وغیرہ) تو اگر وہ ترکہ میں مخلوط نہ ہو؛ بلکہ الگ رکھی ہو، تو اُس کا استعمال ورثہ کے لئے بالکل جائز نہیں ہے؛ بلکہ اصل مالکین کو واپس کرنا لازم ہے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو فقراء پر تقسیم کرنا واجب ہے۔

ويـردونهـا عـلى أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب

الخبيث التصدق إذا تعذر الرد علىٰ صاحبه. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۵۵۳/۹ زكريا، ۳۸۵/٦ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ۳٤۹/۵ قديم زكريا، وكذا في البحر الرائق / فصل في البيع ۲۰۱/۸ كوئٹه)

اور اگر حلال اور حرام آمدنی مخلوط ہو، اور فی الجملہ حرام آمدنی کی مالیت معلوم ہو، مثلاً: کل ترکہ ۴/لاکھ کا ہے، جس میں سے ۲/لاکھ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ حرام ذریعہ سے حاصل شدہ ہے، تو اگرچہ پورے ترکہ پر وارثین کی ملکیت آجائے گی؛ لیکن یہ ملکیت ''خبیث'' کہلائے گی، اور جب تک وہ ۲/لاکھ حرام آمدنی والے الگ نہ کئے جائیں گے، اُس وقت تک مابقیہ ترکہ میں تصرف درست نہ ہوگا۔

یہ تفصیل تو اُس وقت ہے جب کہ ترکہ صریح حرام آمدنی پر مشتمل ہو؛ لیکن اگر صریح حرام آمدنی نہ ہو؛ بلکہ مکروہ آمدنی ہو، تو اُس میں وارثین کی ملکیت آجائے گی، اور اُس کا صدقہ کرنا اُن پر ضروری نہ ہوگا؛ تاہم اگر احتیاط کے طور پر صدقہ کردیں تو بہتر ہے۔

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا تحل له، ويتصدق بنية صاحبه، وإن كان مالا مختلفًا ممتنعًا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئًا منه بعينه حل له حكمًا، والأحسن ديانة التنزه عنه. (رد المحتار / مطلب فيمن ورث مالا حرامًا ۳۰۱/۷ زكريا)

والحاصل أن الخبث إن كان لعدم الملك فإن الربح لا يطيب، كما إذا ربح للمغصوب والأمانة ولا فرق بين المتعين وغيره، وإن كان لفساد الملك طاب فيما لا يتعين، لا فيما يتعين. ذكره الزيلعي في باب البيع الفساد. (الأشباه والنظائر مع البيري ۳۷۵ مكتبة الإرشاد إسطنبول)

سوال (۱۰۰۳/۲):- اَحناف کے نزدیک مالِ حرام سے کوئی چیز خریدنے کی پانچ صورتیں مشہور ومعروف ہیں:

الف:- بائع کو حرام رقم پہلے پیش کردی جائے، پھر اُس کے ذریعہ خریداری کی جائے۔

ب:- حرام رقم کی طرف اِشارہ کردیا جائے اور اُس کے ذریعہ خریداری کرلی جائے، پھر وہی رقم بائع کو دی جائے۔

ج:- حرام رقم کی طرف اِشارہ کردیا جائے اور اُسی کے ذریعہ خریداری کا عقد بھی کیا جائے؛ لیکن بعد میں ثمن دوسری رقم سے اَدا کیا جائے۔

د:- عقد کے وقت رقم کا کوئی تذکرہ نہ ہو؛ بلکہ مطلق خریداری کا معاملہ کیا جائے، پھر حرام رقم سے ثمن ادا کیا جائے۔

ہ:- بائع کو جائز رقم دکھلادی جائے، اور اُسی کے ذریعہ خریداری ہو؛ لیکن ثمن کی اَدائیگی حرام رقم سے کی جائے۔

اِن صورتوں میں فقہاءِ اَحناف کے درمیان اختلاف ہے، حضرت اِمام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آخر کی تین صورتوں میں گنجائش ہے۔ اور علامہ شامیؒ کی تصریح کے مطابق متأخرین نے فسادِ زمانہ کی وجہ سے اِمام کرخیؒ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ (ردالمحتار، کتاب البیوع/ باب المتفرقات ۲۳۵/۵ دارالفکر بیروت)

تو اَب سوال یہ ہے کہ اِمام کرخیؒ کے قول کا مطلب کیا ہے؟ مثلاً: اگر کسی شخص نے چوری کی رقم سے کپڑا خرید کر نفع کے ساتھ فروخت کردیا، تو اُس نفع کا کیا حکم ہوگا؟ کیا اِمام کرخیؒ کے قول کا یہ مطلب ہے کہ تین صورتوں میں بائع کے لئے مطلقاً نفع حلال ہوگا؛ خواہ اُس نے مالک کو ضمان اَدا نہ کیا ہو؟ یا یہ مطلب ہے کہ نفع اُس وقت حلال ہوگا جب کہ بائع مالک کو ضمان اَدا کردے؛ خواہ نفع کمانے کے بعد اَدا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۲) حضرت اِمام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا پانچ صورتوں میں سے آخری تین صورتوں میں فی الجملہ عقد کو صحیح مانتے ہوئے ثمن پر بائع کی اور مبیع پر خریدار کی ملکیت آجائے گی؛ گویا کہ حرمت متعدی نہ ہوگی۔

اَب رہ گئی یہ بات کہ جس شخص نے حرام پیسے سے ثمن کی اَدائیگی کی ہے، اُس کے لئے مبیع سے نفع اُٹھانا حلال ہوگا یا نہیں؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ عقد میں مالِ حرام سے ثمن کی اَدائیگی مشروط نہیں ہے؛ اِس لئے اِس مبیع کے نفع کو مشتری کے لئے حرام نہیں کہا جائے گا؛ البتہ یہ حکم اپنی جگہ برقرار ہے کہ مالِ حرام لینے والے کے لئے آمدنی اُسی وقت طیب ہوگی جب کہ وہ حرام کی مقدار کے بقدر اپنی ملکیت سے الگ کردے۔

ولو اشترى بالدراهم المغصوبة شيئًا هل يحل له الانتفاع به أو يلزمه التصدق. ذكر الكرخي – رحمه الله – رجعل ذلک على أربعة أوجه: إما أن يشير إليها وينقد منها، وإما أن يشير إليها وينقد من غيرها، وإما أن يشير إليث غيرها وينقد منها، وإما أن يطلق إطلاقًا وينقد منها، وإذا ثبت الطيب في الوجوه كلها، إلا في وجه واحد وهو أن يجمع بين الإشارة إليها والنقد منها …… ومن مشايخنا من اختار الفتوى في زماننا بقول الكرخي تيسيرًا للأمر على الناس لازدحام الحرام. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الغصب / فصل في حكم الغصب ۱۵۵/۷ دار الكتب العلمية بيروت)

قال: ومن غصب ألفًا فاشترى بها جارية فباعها بألفين ثم اشترى بالألفين جارية فباعها بثلاثة آلاف درهم فإنه يتصدق بجميع الربح، وهذا عندهما …… فقوله في الكتاب اشترى بها إشارة إلى أن التصدق إنما يجب إذا اشترى بها ونقد منها الثمن. أما إذا أشار إليها ونقد من غيرها أو نقد منها وأشار إلى غيرها أو أطلق إطلاقًا ونقد منها يطيب له، وهكذا قال الكرخي؛ لأن الإشارة إذا كانت لا تفيد التعيين لا بد أن يتأكد بالنقد ليتحقق الخبث. (الهداية مع فتح القدير للكمال ابن الهمام / كتاب الغصب ۳۳۰/۹ دار الفكر بيروت)

وقال الكرخي: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعًا للحرج عن الناس اهـ. وفي الولواجية: وقال بعضهم: لا يطيب في الوجوه كلها وهو المختار، ولكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعًا للحرج لكثرة الحرام أهـ. وعلى هذا مشى المصنف في كتاب الغصب تبعًا للدرر وغيرها.

(الدر المختار مع رد المحتار ۴۹۰/۷ زكريا)

ولأن دراهم الغصب مستحقة الرد على صاحبها، وعند الاستحقاق ينفسخ العقد من الأصل، فتبين أن المشتري كان مقبوضًا بعقد فاسد، فلم يحل الانتفاع به. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الغصب / فصل في حكم الغصب ۱۵۵/۷ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو غصب دراهم أو دنانير أو غير ذلک من الكيلي والوزني فاتجر فيه وربح فإنه يتصدق بالربح في الأفضل وليس بالواجب. (النتف في الفتاویٰ للسغدي ۷۳۸/۲ دار الفرقان مؤسسة الرسالة بيروت)

سوال (۱۰۰۴/۳):- اگر کوئی شخص حرام رقم سے سامان خریدے اور بائع کے علم میں ہو کہ مشتری کی کمائی خالص حرام ہے، تو کیا اُس کے لئے ایسے شخص کو سامان بیچنا اور قیمت میں حرام رقم وصول کرنا جائز ہے؟ اِسی طرح ناجائز کمانے والا اگر اپنے بچوں کی ٹیوشن فیس دے یا ڈاکٹر کی فیس اَدا کرے، تو ایسے شخص سے فیس وصول کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو اِس کی بنیاد کیا ہے؟ کیا یہاں بھی اِمام کرخیؒ کے قول کو بنیاد بنایا جائے گا؟ اِمام کرخیؒ کے قول کا تعلق صرف خریدار اور مستاجر سے ہے یا بائع اور اجیر سے بھی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۳) اگر متعین حرام رقم سے بتا کر ثمن کی اَدائیگی

کی جائے تو یہ خرید وفروخت بائع ومشتری دونوں کے لئے ناجائز ہوگی؛ لیکن اگر تعیین نہ ہوتو بائع کے لئے مذکورہ شخص کو اپنا سامان بیچنا اور اُس سے ثمن وصول کرنا ممنوع نہ ہوگا؛ کیوں کہ بائع تو اپنی چیز کا بدل لے رہا ہے۔ اور حضرت اِمام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق بائع ومشتری اور اجیر ومستاجر سب سے ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳۳۴/۱۵، کفایۃ المفتی جدید ۵۵۲/۱۱ زکریا)

توضيح المسألة ما في التاتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه: أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولا ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها ...... وقال الكرخي: في الوجه الأول والثاني لا يطيب ...... الفتوىٰ الآن على قول الكرخي دفعًا للحرج عن الناس. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع / مطلب إذا اكتسب حرامًا ثم اشترى فهو على خمسة أوجه ٤٩٠/٧ زكريا)

وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى إلى ذمتين سألت عنه الشهاب ابن الشلبي – رحمه اللّٰه تعالىٰ – فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما من رأى المكاس يأخذ من أحد شيئًا من المكس، ثم يعطيه آخر ثم يأخذه من ذلك الآخر فهو حرام. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٥٥٣/٩ زكريا)

وقيد بعضهم عدم الجواز بأن يكون الغاصب اشترى السلعة بعين الدنانير أو الدراهم المغصوبة، أما إذا اشترى ذلك على ذمته، ثم نقد الثمن من تلك الدنانير أو الدراهم المغتصبة، كان أكل ذلك الطعام وشراء تلك السلعة مكروهًا، حتى يُنصِف المغصوب منه الدراهم والدنانير، أو يتحلله منها.

(فتاوىٰ ابن رد المالكي ص: ٦٤٧ بحوالة: فقه البيوع / الباب العاشر في أحكام المال الحرام ٩٧٤/٢ دار المعارف ديوبند)

سوال (۴/۱۰۰۵):- اگر مال حرام وحلال سے مخلوط ہو، تو عموماً غلبہ کا اعتبار کر کے حکم لکھا جاتا ہے، اگر غالب مال حلال ہے تو اُس سے انتفاع مثلاً: ہدیہ قبول کرنا اور دعوت کھانا وغیرہ جائز ہے۔ اور اگر حرام غالب ہو تو انتفاع ناجائز ہے؛ لیکن غلبہ کا اعتبار خلط متمیز (مالِ حلال اور مالِ حرام صاحب مال کے پاس الگ الگ ہو) اور غیر متمیز دونوں صورتوں میں ہے یا صرف خلط متمیز کی صورت میں غلبہ کا اعتبار ہوگا؟

اِس کا اثر بہت سی شکلوں میں ظاہر ہوگا، مثلاً: اگر کسی نے بھائیوں اور بہنوں کو میراث میں سے حصہ نہیں دیا اور نہ بھائیوں اور بہنوں نے معاف کیا، تو اَب مشترک زمین کے غلبہ کا کیا حکم ہوگا؟ ظاہر ہے کہ یہاں مالِ حلال وحرام الگ الگ نہیں ہے؛ بلکہ ملک مخلوط اور غیر ممتاز ہے، پس اگر کوئی شخص ایسے غلے سے دعوت کرے، تو کیا اُس کی دعوت کو قبول کرنا اِس بنیاد پر جائز ہوگا کہ مشترک غلہ میں اُس کا حلال حصہ بھی شامل ہے؟ یا غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے مطلقاً دعوت قبول کرنے کو ناجائز کہا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۴) مسئولہ صورت میں اگر خلطِ متمیز ہے، یعنی حلال اور حرام الگ الگ ہے، تب تو غلبہ کی ضرورت ہی نہیں؛ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ مالِ حرام سے لین دین حسب شرائط ممنوع ہوگا، اور مالِ حلال سے مباح ہوگا؛ خواہ حرام کم ہو یا زیادہ۔

البتہ اگر خلطِ غیر متمیز ہو تو اَب غلبہ کا اعتبار کیا جائے گا، اور اگر صریح حرام (مثلاً: سود وغیرہ) غالب ہو، تو اُس مال سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے گا؛ البتہ جس مال میں محض شبہ پایا جائے، اُس سے بچنا اَز روئے فتویٰ ضروری نہ ہوگا۔ اور وراثت والا مسئلہ بھی اِسی قبیل سے ہے؛ کیوں کہ موروثہ جائیداد سے اگر کوئی وارث دیگر ورثہ کی مرضی کے بغیر اپنے طور پر آمدنی کا ذریعہ پیدا کرتا ہے تو وہ خود ہی اُس کا مالک ہوتا ہے، دیگر وارثین مالک نہیں ہوتے۔ پس اگر ایسی صورت ہے تو ایسے شخص کے یہاں دعوت قبول کرنا ناجائز نہ ہوگا؛ البتہ اگر کسی شخص کے

بارے میں یقینی طور پر علم ہو کہ اُس نے ترکہ میں حاصل شدہ نقد رقوم پر بلا استحقاق قبضہ کر رکھا ہے، اور وہ اُسی سے دعوت کرنا چاہتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اُس سے اجتناب کیا جائے گا۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: من اشترى ثوبًا بعشرة دراهم وفيه درهم حرام، لم يقبل اللّٰه له صلاة ما دام عليه. ثم أدخل أصبعيه في أذنيه وقال: صمتا إن لم يكن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سمعته يقوله: رواه أحمد والبيهقي في شعب الإيمان وقال: إسناده ضعيف. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الكسب وطلب الحلال ۶/۲۹ رقم: ۲۷۸۹ دار الكتب العلمية بيروت)

عن النعمان بن بشير رضي اللّٰه عنه قال: سمعته يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: وأهوى النعمان بإصبعيه إلى أذنيه "إن الحلال بين، وإن الحرام بين، وبينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام الخ.

(صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب أخذ الحلال وترك الشبهات رقم: ۱۵۹۹)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم جالسًا عند الركن، قال: فرفع بصره إلى السماء فضحك، فقال: لعن اللّٰه اليهود ...... وإن اللّٰه إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (سنن أبي داؤد، أبواب الإجارة / باب في ثمن الخمر والميتة رقم: ۳۴۸۸)

وإذا كان غالب مال المهدي حلالاً فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله، ما لم يتبين أنه من حرام، وإن كان غالب ماله الحرام لا يقبلها، ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه. (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ۱/۳۰۹)

لا يجوز قبول هدية أمراء الجور؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة إلا إذا

علم أن أكثر ماله حلال؛ بأن كان صاحب تجارة أو زرع، فلا بأس به؛ لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام، والمعتبر الغالب. وكذلك أكل طعامهم. (الاختيار شرح المختار، كتاب الكراهية / فصل في الكسب ١٧٦/٤)

أكل الربا وكاسب الحرام أهدي إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل، ما لم يُخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منها. كذا في الملتقط. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الحظر والإباحة ٣٤٣/٥)

فإن قوله: ما لم يتبين أنه من حرام يدل على أن هذه المسألة متعلقة بما إذا كان الحرام متميزًا عن الحلال؛ ولئن كان المقصود أن الغلبة شرط خلوط غير المميز أيضًا فإنه يُحمل على الورع. (فقه البيوع / الباب العاشر في أحكام المال الحرام ٩٨٧/٢ مكتبة معارف القرآن کراچی)

لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة وربح، فالربح للمتصرف وحده، كذا في الفتاویٰ الغياثية. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الشركة / الباب السادس في المتفرقات ٣٤٦/٢ قديم زكريا)

إذا بذر بعض الورثة الحبوب المشتركة بإذن الكبار أو وصي الصغار في الأراضي الموروثة تصير جملة الحاصلات مشتركة بينهم، أما لو بذرها بغير إذن بقية الورثة، فالغلة للزارع فقط. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٦٠٩/١ رقم: ١٠٨٩ مكتبة الاتحاد ديوبند)

إذا أخذ أحد الورثة مبلغًا من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين وعمل فيه وخسر كانت الخسارة عليه، كما أنه إذا ربح لا يسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح. (شرح المجلة سليم رستم باز ٦١٠/١ رقم: ١٠٩٠ مكتبة الاتحاد ديوبند)

لا يجوز لأحدٍ أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنًا. (شرح المجلة لسليم رستم باز / المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية ٦١/١ رقم المادة: ٩٦ مكتبة الاتحاد ديوبند، وكذا في الدر المختار / كتاب الغصب ٢٩١/٩ زكريا، ٢٠٠/٦ كراچی)

سوال (۵/۱۰۰۶):- کسی ایسے مسلم محلے میں دکان وغیرہ کھول کر تجارت کرنا کیسا ہے؟ جہاں کے بیشتر لوگ ناجائز کاروبار (مثلاً: انسانی بالوں کی تجارت، مجسمہ سازی وغیرہ) میں ملوث ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۵) اگر بعینہٖ حرام مال سے ثمن متعین نہ ہو، تو حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے اعتبار سے ایسے محلے میں کاروبار کرنا ممنوع نہ ہوگا؛ اگرچہ احتیاط اولیٰ ہے۔

فقوله في الكتاب اشترى بها إشارة إلى أن التصدق إنما يجب إذا اشترى بها ونقد منها الثمن، أما إذا أشار إليها ونقد من غيرها أو نقد منها، وأشار إلى غيرها، أو اطلق اطلاقًا ونقد منها يطيب له، وهكذا قال الكرخي. (الهداية مع فتح القدير / كتاب الغصب ٣٣٠/٩ دار الفكر بيروت)

والقول الثالث قول الكرخي: وهو أنه لا يطيب له المشتري وربحه في الصورتين الأوليين، ويطيب له الصور الثلاث الأخيرة؛ لأن البيع في هذه الصور لا يستند إلى المغصوب بعينه. (فقه البيوع ٩٧٦/٢ دار المعارف ديوبند)

ومن مشائخنا من اختار الفتوىٰ في زماننا بقول الكرخي تيسيرًا للأمر على الناس لازدحام الحرام. وجواب الكتب أقرب إلى التنزه والاحتياط. والله تعالىٰ اعلم. (بدائع الصنائع / كتاب الغصب ١٥٠/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

سوال (۶/۱۰۰۷):- اُجرت، ثمن اور ہدیہ وغیرہ لیتے وقت کس حد تک آدمی اِس بات کا مکلّف ہے کہ وہ دینے والے کی آمدنی کے جائز یا ناجائز ہونے کی تحقیق کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۶) اِس معاملے میں اصل اعتبار دل کے مطمئن ہونے کا ہے۔ اگر اِس بات کا اطمینان ہو کہ معاملہ دائرۂ جواز میں ہے، تو آدمی معاملہ کرسکتا ہے۔ اور جہاں دل مطمئن نہ ہوتو اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

وعن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم فليأكل من طعامه ولا يسأل، ويشرب من شرابه ولا يسأل. روى الأحاديث الثلاثة في شعب الإيمان وقال هذا إن صح فلأن الظاهر أن المسلم لا يطعمه ولا يسقيه إلا بما هو حلال عنده. (مشكاة المصابيح) قال القاري: ولا يسأل: أي من أين هذا الطعام ليتبين أنه حلال أم حرام، ويشرب بالجزم من شرابه ولا يسأل، فإنه قد يتأذى بالسؤال وذلك إذا لم يعلم فسقه، كما ينبئ عنه قوله على أخيه المسلم. قال الطيبي – رحمه اللّٰه –: إن قلت كيف الجمع بين الحديثين؟ قلت: الفاسق هو المجاوز عن القصد القويم والمنحرف عن الطريق المستقيم، فالغالب أن لا يتجنب من الحرام فنهي الحازم عن أكل طعامه وأن يحسن الظن به؛ لأن الحزم سوء الظن، وخص في حديث أبي هريرة بلفظ: "أخيه" ووصفه بالإسلام، والظاهر من حال المسلم أن يتجنب الحرام، فأمر بحسن الظن به وسلوك طريق التحاب والتواد، فيتجنب عن إيذائه بسؤاله. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب النكاح / باب الوليمة ٣٤٦/٦ تحت رقم: ٣٢٢٨ دار الكتب العلمية بيروت)

حيث يتحرى في خبر الفاسد كالإخبار بطهارة الماء ونجاسته وحل

الطعام وحرمته وبخلاف الهدية والوكالة، وما لا إلزام فيه من المعاملات حيث يقبل خبره بدون التحري للزوم الضرورة، ولا دليل سواه فوجب قبوله مطلقًا.

(البحر الرائق / كتاب الصوم ٤٦٥/٢ زكريا)

وقال حسان بن أبي سنان: ما رأيت شيئًا أهون من الورع، دع ما يريبك إلى ما لا يريبك. قوله: أهون، أسهل وأكثر راحةً لنفسي وقلبي (الورع) الأخذ بالأحوط في شأن الدين والحلال والحرام. (دع) أترك ما شككت فيه وخذ ما وضح لك واستبان وليس في نفسك شك من أمره. (صحيح البخاري تعليقًا، كتاب البيوع / باب تفسير المشبهات ٥٤/٣ دار طوق النجات) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

۶؍ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۵؍جون ۲۰۲۳ء

منظور شدہ تجویز: مال حرام سے متعلق چند غور طلب اُمور

اٹھارہواں فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

۲۸؍صفر المظفر تا یکم ربیع الاول ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۵-۱۷؍ستمبر ۲۰۲۳ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

بمقام: ادارہ فیض القرآن ٹھیکری باڑی اتر دیناج پور (مغربی بنگال)

شریعت مطہرہ میں طیب اور حلال مال کو اختیار کرنے اور حرام مال سے اجتناب کرنے کی بڑی اہمیت ہے، اور اس کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے؛ لیکن عصر حاضر میں مال حرام سے متعلق مختلف شکلیں وجود میں آ رہی ہیں، جن کا فقہی اور شرعی حل پیش کرنا اہل علم کا فریضہ ہے؛ چناں چہ اس سلسلے میں بحث وتمحیص کے بعد باتفاق رائے مندرجہ ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) سود، غصب، رشوت، چوری، جوا، سٹہ اور عقد باطل کے ذریعہ حاصل شدہ مال قطعی حرام ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ اس کو اصل مالک کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو دفع وبال کی نیت سے غرباء

میں تقسیم واجب ہے، اوراس طرح کا مال اگر وراثت میں حاصل ہوا ہواوراس کا مالک معلوم ہو، نیز واپس کرنا ممکن ہوتو مالک تک اس مال کا پہنچانا ضروری ہے۔اوراگر مالک معلوم نہ ہو یا معلوم تو ہو؛ لیکن اس تک پہنچانا ممکن نہ ہوتو ایسے مال کو بھی فقراء پر تقسیم کرنا واجب ہے۔

(۲) شریعت میں جواُمور ناجائز ہیں، مثلاً: نوحہ کرنا، ناچ گانا اور بلاضرورت تصویر کشی وغیرہ کوذریعہ معاش بنانا جائز نہیں ہے۔اوران سے حاصل شدہ آمدنی بھی ناجائز ہے۔

(۳) جوامور فی نفسہ جائز ہیں؛ لیکن وہ گناہ اور معصیت کا سبب بنتے ہیں، تو ان کو حتی الامکان ذریعہ آمدنی نہیں بنانا چاہیئے؛ تاہم ان کی آمدنی حرام نہ ہوگی۔

(۴) خریدار پر حلال مال سے ہی واجب الاداء ثمن کوادا کرنا لازم ہے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے حرام مال سے ادائیگی کردی تو اس سے خریدے ہوئے سامان کے منافع اس کے لئے حرام نہ ہوں گے؛ البتہ خریداری میں صرف کردہ حرام مال کے بقدر اصل مالک تک پہنچانا ورنہ فقراء پر خرچ کرنا ضروری ہوگا۔

(۵) فروخت شدہ سامان کی قیمت، گاڑی یا مکان کا کرایہ، اسکول یا مدرسہ کی فیس وغیرہ ایسے شخص سے وصول کرنا جائز ہے جس کا ذریعہ آمدنی بظاہر حرام ہو۔

(۶) اگر کسی شخص کے پاس حلال اور حرام مال الگ الگ ہوں اور یہ معلوم ہو کہ وہ حلال مال میں سے ہی خرچ کررہا ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا اوراس سے ہدیہ وغیرہ لینا جائز ہے۔ اوراگر متعین طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ حرام مال پیش کررہا ہے تو اُسے لینا جائز نہ ہوگا۔اوراگر حلال اور حرام مال مخلوط ہوتو جو وہ اپنے حلال حصہ کے بقدر مال میں سے پیش کرے تو قبول کرنا درست ہے۔اوراگراس کا علم نہ ہو؛ لیکن حرام مال غالب ہوتو اس کے یہاں دعوت کھانا اور ہدیہ وغیرہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

(۷) کسی ایسے محلّہ میں دوکان کھولنا جہاں اکثر لوگ ناجائز کاروبار میں ملوث ہوں فی نفسہٖ جائز ہے؛ البتہ احتیاط یہ ہے کہ ایسی جگہوں پر دوکان کھولنے سے پرہیز کیا جائے۔

ہندوستان دارالامن، دارالاسلام یا دارالحرب ہے؟

سوال (۱۰۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) ہندوستان دارالامن ہے، یا دارالاسلام، یا دارالحرب؟

(۲) کیا دارالامن کوئی چیز نہیں ہے؛ بلکہ محض تاویل ہے۔

(۳) کیا پاکستان دارالاسلام ہے، حقیقۃً اور اسلامی قوانین لاگو نہیں ہیں، پھر کیا ایسی صورت میں دارالاسلام کہنا صحیح ہوگا؟ نیز جو شخص دارالامن کا بالکل انکار کرے اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) اگر ہندوستان دارالامن ہے تو مسلمان جب یہاں حقیقۃً مامون نہیں ہیں تو دار الامن کیسے؟ اور اگر دارالاسلام ہے تو پھر اسلامی قوانین کیوں نافذ نہیں ہیں؟

حضرت والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ درج کئے گئے مسائل کو تفصیل کے ساتھ اور دلائل کے ساتھ قلم بند کر کے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شریعت میں دارالاسلام اور دارالحرب کے احکامات بالکل الگ الگ ہیں۔ اور فقہاء نے اُن کے متعلق شرائط بھی الگ الگ ذکر فرمائے ہیں، پہلے زمانہ میں کسی جگہ کو دارالاسلام یا دارالحرب قرار دینے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی؛ لیکن اَب ملکوں کا نظام، اُن کی سرحدی تعیین اور شہریوں کے حقوق اِس انداز کے بن گئے ہیں کہ اُن کو دارالحرب یا دارالاسلام قرار دینا بہت مشکل ہے؛ کیوں کہ ایسی جگہوں پر اگرچہ اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے؛ لیکن مسلمانوں کو دستوری اعتبار سے وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو غیروں کو حاصل ہیں؛ چناں چہ اِسی دستور کی بنیاد پر وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں اور ملک کی عدالتیں اُن کی جائز شکایتوں کا اِزالہ کرتی ہیں؛ اِس لئے اکابر مفتیانِ کرام نے ہندوستان کو ''دارالجمہوریہ'' یا ''دارالامن'' کہا ہے۔ اِس کے برخلاف جن ممالک میں مسلمانوں کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہے، جیسے سعودی عرب یا پاکستان وغیرہ تو اُن میں اگرچہ اِسلامی قوانین عملاً

نافذ نہ ہوں، پھر بھی اُن پر دارالاسلام کے احکام جاری ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۱۹۳/۱۷)

وذكر الحلواني إنما تصير دار الحرب بإجراء أحكام الكفر، وأن لا يحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدار الحرب وأن لا يبقى فيها مسلم ولا ذمي آمنًا بالأمان الأول، ...... فإذا وجدت الشرائط كلها صارت دار الحرب، وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ما كان على ما كان أو يترجح جانب الإسلام احتياطًا. (فتاویٰ البزازية علىٰ هامش الهندية، كتاب السير / فصل في الحظر والإباحة ٣١٢/٦ قديم زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۱/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے کریڈٹ کارڈ لینا

سوال (۱۰۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک سے کریڈٹ کارڈ لینا جس سے وقت ضرورت بڑی دوکانوں جیسے مال، سپر مارکیٹ وغیرہ سے سامان خریدنا کیسا ہے؟ کارڈ لینا چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - کریڈٹ کارڈ بنوانا اور اُس سے سامان وغیرہ خریدنا فی نفسہٖ جائز ہے؛ بشرطیکہ اُس میں سودی لین دین کی نوبت نہ آئے، یعنی مقررہ وقت سے پہلے ہی اُس رقم کی بھرپائی کردی جائے تو اِس میں حرج نہیں۔

أما بطاقة الحسم المتأخر فإنه لا يشترط فيها أن يكون لحامل البطاقة رصيد في البنك المصدر؛ بل يصدرها البنك ثقة بملاءة حاملها وكلما يشتري حامل البطاقة بضاعة أو خدمة فإن المصدر يدفع الثمن إلى البائع بعد حسم عمولته ثم يتقاضى ذلك من المشتري والعادة المتّبعة أن المشتري يعطي

فتـرة قـصيرة مثل شهر ليسدد فيها الثمن إلى مصدر البطاقة، وفي هذه الفترة لايتـقـاضـى المصدر أية زيادة ربوية على الثمن؛ ولكن يشترط في التعاقد معه أنـه إن لـم يسدد الثمن في تلك الفترة فإن المصدر يتقاضى عليه فوائد ربوية عادية. (فقه البيوع، المبحث الثالث / القسم الثالث: بطاقة الحسم المتأخر ٤٥٤/١ رقم: ٢٠٨ كراچی)

ولـكن يشكل القول بأنه لا يجوز للإنسان أن يتعاقد مع هذه الشركات للحصول على الكهرباء والهاتف وغير ذلک؛ بل جرى التعامل على أن الإنسان يتعاقد معها من غير نكير بشرط أن يكون في عزمه أن يؤدي واجباته في حينها وإنما أجيز ذلک لحاجة عامة. (فـقـه البيوع / المبحث الثالث: حكم غرامة التأخير والدخول في العقد بهذا الشرط ٤٦٣/١ رقم: ٢١١ مكتبة معارف القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کریڈٹ کارڈ سے رقم نکال کر ۴۵؍ دن کے اندر بینک میں جمع کرنا

ســـــوال (۱۰۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک سے کریڈٹ کارڈ لے کر اُس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح ہو کہ کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ بینک سے نکالی گئی رقم پر ۴۵؍ دن کے اندر واپس جمع کرنے پر کوئی سود نہیں دینا پڑتا؛ لیکن اگر اِس مدت میں اَدائیگی نہ ہو تو مقررہ سود لازم ہوتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں میں اگر ۴۵؍ دن کے اندر اندر بینک سے لی گئی رقم جمع کردی جائے اور کوئی سود دینا لازم نہ آئے، تو کریڈٹ سے فائدہ اُٹھانے کی گنجائش ہوگی؛ لیکن اگر مذکورہ مدت سے تاخیر ہوجائے تو سود دینے کا گناہ ہوگا۔

(مستفاد: چند اہم عصری مسائل ۲؍۲۸۷)

المستفاد: وما لا يبطل بالشرط الفاسد القرض بأن قال: أقرضتك هذه المائة بشرط أن تخدمني شهرًا مثلًا، فإنه لا يبطل بهذا الشرط، وذلك لأن الشروط الفاسدة من باب الربا، وإنه يختص بالمبادلة المالية، وهذه العقود كلها ليست بمعاوضة مالية، فلا تؤثر فيها الشروط الفاسدة. (البحر الرائق، كتاب البيع / باب المتفرقات ٦/٢١٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ تجارت اور کھیتی کرنے والے کی آمدنی کا حکم

سوال (۱۰۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن وحدیث میں سود کی قباحت کا شدت سے ذکر ہے اور اسے معاشی نظام کا گھن قرار دیا گیا ہے، مگر آج کا مسلمان کسی نہ کسی طرح سود کے منحوس کاروبار میں غرق ہے اور ہماری خاموش مزاجی انہیں بڑھاوا دے رہی ہے، عملی اعتبار سے ہم بھی کسی نہ کسی طرح معاون و مددگار ہیں، غور وفکر کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ہمارا ملک بیاسی ہزار کروڑ روپئے کا قرض دار ہے جو باہر ملکوں کے بینکوں سے سود پر پیسے لے رکھا ہے مثلاً آئی ایم ایس، ورلڈ بینک، ایشین بینک وغیرہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی بینک آر بی آئی خارجی بینکوں سے سود پر پیسے لے کر مختلف کام کرتی ہے، جتنی فیکٹریاں یا کمپنیاں مراکز ہیں وہ ایس بی آئی اسٹیٹ بینک آف انڈیا سینٹرل بینک وغیرہ سے سود پر قرض لے کر تجارت کرتی ہیں، فائینینس کے نام پر کچھ تجارت کے نام پر لیتی ہیں، اسی طرح حکومت ہند تمام کاشت کاروں کا کریڈٹ کارڈ بنا کر ایک لمٹ مقرر کرتا ہے جس سے کسان بیج، دوا، کھاد وغیرہ لیتے ہیں اور فصل آنے پر سرکاری سوسائٹی غلہ خرید لیتی ہے یہ تمام کام حکومت کی معرفت ہوتا ہے، بلا شبہ اس میں بھی سود شامل ہوتا ہے تو کیا ایسے تاجر اور کسان جو سود میں کسی نہ کسی طرح ڈوبا ہوا ہے اس کا پیسہ اور غلہ مدارس اسلامیہ کو زکاۃ وصدقات و امداد کے نام پر لینا درست ہے؟

(۲) تمام مساجد و مدارس وشخصیات کا اکاؤنٹ بینکوں میں ہوتا ہے، چاہے وہ کرنٹ ہو یا سیونگ بینک، ہمارے جمع شدہ پیسوں کو سود پر دیتی ہے، بھلے ہمارے اکاؤنٹ میں وہ پیسہ پورا پورا دکھتا ہے، ہمارا صاف ستھرا پیسہ سود میں خلط ملط ہو جاتا ہے تو کیا ہم جان بوجھ کر سود کے فروغ میں بالواسطہ شامل نہیں ہورہے ہیں، سود کی قباحت کے مدنظر بچنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۳) حکومت بہت ساری رفاہی اسکیمیں چلاتی ہے، اور مختلف مدات میں بلاسود کے پیسے دیتی ہے، مثلاً بچیوں کی شادی وگھر بنانے و بے روزگار نوجوانوں کے لئے کسانوں کی قرض معافی وغیرہ اس کے علاوہ بینک اپنے کھاتے داروں کو ایک کریڈٹ کارڈ جاری کرتا ہے اس کارڈ پر پینتالیس دن کے لئے بلاسود کے پیسے نکال سکتے ہیں اور ۴۵/ دن سے پہلے جمع کرنا لازمی ہوتا ہے، دیر کرنے پر سود دینا پڑتا ہے تو کیا ۴۵/ دن کے لئے وہ پیسہ بینک سے لے سکتے ہیں، یہ رقم سودی کہلائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) حکومت کس طرح کا قرض لیتی ہے اور کیسے آمدنی حاصل کرتی ہے؟ اس کی وہ خود ذمہ دار ہے، ملک کے شہریوں کا اُس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ اور بلا شبہ شدید ضرورت کے بغیر سودی قرض لینا نہیں چاہئے؛ لیکن اگر کوئی شخص سودی قرض لے کر کھیتی باڑی یا کاروبار کرے، تو اُس کی پیداوار اور آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا؛ کیوں کہ سودی قرض لینے میں سود کی رقم قرض میں شامل نہیں ہوتی؛ بلکہ لینے والے کے مال میں سے سود اَدا کیا جاتا ہے جو مستقل عمل ہے۔ بریں بنا سودی قرض لے کر کاروبار کرنے والے شخص کے عطیات مدارس ومساجد کے لئے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۴۸۸، فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۳۵۰ ڈابھیل)

هو (أي القرض) عقد مخصوص يرد على دفع مثلي لآخر ليرد مثله.

(تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل: في القرض ۳۸۸/۷ زكريا، ۱٦۱/٥ كراچی)

لأن القرض إعارة ابتداء ...... معاوضة انتهاء؛ لأنه لايمكن الانتفاع به إلا باستهلاک عينه ...... ويملكه المستقرض بالقبض كالصحيح. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ۳۸۸/۷ زكريا، ۱٦۱/٥ كراچی)

(۲) نئے معاشی نظام کے اعتبار سے بینکوں کے توسط کے بغیر کاروبار نہیں چلایا جاسکتا، اس لئے بحالتِ مجبوری بینک سے لین دین کی گنجائش ہے اور جب تک صراحۃً سود نہ پایا جائے محض لین دین کو قابل اعتراض قرار نہیں دیا جائے گا۔

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۲۹/۱ رقم المادة: ۲۱ مكتبة الاتحاد ديوبند)

مستفاد: إذا اختلط الحلال بالحرام في البلد، فإنه يجوز الشراء والأخذ إلا أن تقوم دلالة على أنه من الحرام، كذا فى الأصل. (الأشباه والنظائر / الفن الأول: القواعد الكلية: تتمة ۱٤۸ كراچی)

(۳) جس شخص کو یقین ہو کہ وہ ۴۵؍دن کے اندر اندر سرکار سے لیا ہوا قرض بلا سود واپس کردے گا اس کے لئے مذکورہ سرکاری اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے اور جس کو یقین نہ ہو اسے ایسی اسکیموں سے فائدہ اُٹھانے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

عن فضالة بن عبيد رضي الله عنه صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، البيوع / باب كل قرض جر منفعةً فهو ربا ۲۷٦/۸ رقم: ۱۱۰۹۲ دار الفكر بيروت)

لأن الربا هو الفضل الخالي عن العوض. (رد المحتار / باب الربا ۳۹۹/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

سالانہ ۲۵/ لاکھ روپئے نفع دینے کی شرط پر ربُ المال سے ۵۰/ لاکھ روپئے لینا

سوال (۱۰۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد عارف نے عبد السبحان سے یکم اپریل ۲۰۱۶ء کو مبلغ ۵۰/ لاکھ روپئے کاروبار میں شرکت کے لئے بطور مضاربت کے لئے، دونوں کے درمیان کاروبار اِس معاہدہ پر طے ہوا کہ:

(۱) یہ کہ عبدالسبحان محمد عارف کو مذکورہ رقم یکم اپریل ۲۰۱۶ء کو سپرد کریں۔

(۲) مذکورہ رقم محمد عارف ایک سال کے بعد یکم اپریل ۲۰۱۷ء کو ۲۵/ لاکھ کے منافع کے ساتھ عبدالسبحان کو واپس کریں گے، یعنی اصل رقم ۵۰/ لاکھ اور منافع ۲۵/ لاکھ، کل ۷۵/ لاکھ واپس کریں گے۔

(۳) معاہدہ کے تحت یکم اپریل ۲۰۱۷ء سے پہلے عبدالسبحان اصل رقم یا منافع میں سے کسی کا بھی مطالبہ نہیں کریں گے، الا یہ کہ دونوں حضرات کسی تیسری بات پر راضی ہوجائیں گے مگر وہ بھی تحریری ہوگی۔

(۴) دونوں حضرات معاہدے کی پابندی کریں گے۔

اب پہلا سوال مذکورہ معاہدہ کے بارے میں ہے کہ شریعت کی روشنی میں یہ معاہدہ جائز ہے یا نہیں؟

دوسری بات:- معاہدہ ۱/ اپریل ۲۰۱۶ء سے ۱۱/ اپریل ۲۰۱۷ء تک ایک سال کے لئے ہوا تھا، اس کے بعد کا تذکرہ کچھ نہیں ہوا؛ لیکن عبدالسبحان کا کہنا ہے کہ ۲۰۱۷ء سے ۲۰۲۰ء تک ہر سال کے ۲۵/ لاکھ روپئے منافع کے جوڑے جائیں گے اور اِس طرح مجھے اصل رقم کے علاوہ ایک کروڑ ۲۵/ لاکھ واپس چاہئے محمد عارف سے۔

تیسری بات:- معاہدہ کے مطابق کاروبار میں پارٹنر شپ عبدالسبحان اور محمد عارف کے

درمیان ہوئی تھی؛ لیکن ایک ڈیڑھ سال کے بعد عبدالسبحان کہنے لگے کہ میں آپ کا پارٹنر نہیں ہوں؛ بلکہ آپ کا پارٹنر تو ابوظہبی متحدہ عرب امارات کا رہنے والا ایک عربی شخص ہے اور یہ ۵۰/لاکھ بھی میں نے اُسی سے لے کر آپ کو دئے تھے، اور اسی سے ہر سال ۲۵/لاکھ کے منافع پر کاروبار طے کیا گیا تھا، اب وہ عربی اپنے چار سال کے ہر سال کے ۲۵/لاکھ کے حساب سے ایک کروڑ ۲۵/لاکھ لینے پر بضد ہے، اور میں تو صرف درمیان میں واسطہ ہوں، جب کہ محمد عارف اُس عربی سے بالکل بھی واقف نہیں ہے؛ لہٰذا عبدالسبحان کا مذکورہ سوا کروڑ کی رقم دلوانے پر محمد عارف پر زبردست دباؤ ڈالنا شرعاً کیسا ہے؟

چوتھی بات:- محمد عارف نے اصل رقم ۵۰/لاکھ جو عبدالسبحان سے ۱۱/اپریل ۲۰۱۶ء کو جو لئے تھے وہ مختلف قسطوں میں سب واپس کردئے، بس ۴۰/ہزار کے قریب بچے ہیں، تو اب محمد عارف عبدالسبحان کو مزید کتنی رقم واپس کرے؟ اصل رقم کے بقایا ۴۰/ہزار یا جو منافع سالانہ ۲۵/لاکھ منافع جوڑ کر سوا کروڑ واپس کرے، جب کہ تقریباً دو سال سے کاروبار بند ہے۔

پانچویں بات:- محمد عارف پر جب عبدالسبحان نے زیادہ دباؤ ڈالا منافع کی رقم لینے کا تو محمد عارف نے اپنا مکان عبدالسبحان کے نام اِس خیال سے کرادیا کہ عبدالسبحان مطمئن ہوجائے کہ محمد عارف کے پاس رقم نہیں ہے اور وہ رقم اَدا نہ کرسکنے میں جھوٹے نہیں ہے، اب عبدالسبحان کے لئے کیا محمد عارف کا مکان فروخت کرکے اپنے منافع کی رقم وصول کرنا جائز ہے؟

چھٹی بات:- اَب عبدالسبحان کا یہ کہنا کہ محمد عارف آپ صرف ۵۰/لاکھ منافع کے دے دو، باقی چھوڑ دو؛ تاکہ میں یہ رقم اس عربی شخص کو دے دوں، جس سے میں نے لی تھی، اور باقی پر میں اسے راضی کرلوں گا، تو کیا سوا کروڑ کے بجائے صرف ۵۰/لاکھ منافع کی رقم محمد عارف کو دینا جائز ہے؟

ساتویں بات:- عبدالسبحان سے کئی مرتبہ کہا گیا کہ آپ کا یہ قم کا مطالبہ کرنا سود ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، حدیث میں قرض پر سود کو منع کیا گیا ہے؛ لیکن عبدالسبحان کہتے ہیں

کہ رقم میری ہے ہی نہیں، رقم تو اس عربی شخص کی ہے اور وہ فتویٰ وغیرہ کو نہیں جانتا ہے میں اسے کیسے سمجھاؤں؟ جب کہ پارٹنر شپ عبدالسبحان سے طے ہوئی تھی اور وہ رقم بھی ۵۰ ؍لاکھ اُنہوں نے ہی دی تھی، اب یہ نہیں معلوم کہ عبدالسبحان اُس عربی کے حوالے سے جھوٹ بول رہے ہیں اور دھوکہ دے کر خود ہی رقم وصول کرنا چاہتے ہیں یا واقعی وہ رقم اُس عربی شخص سے لی تھی اور اَب وہی مانگ رہا ہے، اِس کے بارے میں حدیث شریف کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

آخری بات:- اب اگر محمد عارف اس معاہدہ کو ختم کرنا چاہے؛ جیسا کہ وہ واقعۃً ختم کرنا بھی چاہتا ہے، تو کیا عبدالسبحان کو اصل رقم سے مابقیہ جو صرف ۴۰ ؍ہزار روپئے ہے وہ اَدا کر کے مزید کے مطالبہ سے بچنے کے لئے بطور خلاصی کے کچھ رقم دے سکتا ہے، کیا اِس بارے میں عبد السبحان کو اختیار دے سکتا ہے کہ وہ سوا کروڑ یا ۵۰ ؍لاکھ کو منافع کی رقم کے بجائے کچھ رقم یوں ہی لے کر راضی ہو جائے اور معاہدے ختم کر دے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

حضرت مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ مذکورہ تمام باتوں کے جوابات قرآ و حدیث کے حوالے سے تحریر فرمادیں؛ تاکہ ہم اِس نزاعی کاروبار سے نکل سکیں اور شرعی حل ہمیں مل جائے، نوازش اور کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحت سوال یہ معاملہ سرے سے ناجائز اور فاسد ہے؛ اِس لئے کہ اِس میں ۵۰ ؍لاکھ پر متعین طور پر سالانہ ۲۵ ؍لاکھ کے اِضافہ کی شرط لگی ہوئی ہے جو بلاشبہ سود ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں عبدالسبحان صرف اپنی دی ہوئی رقم ۵۰ ؍لاکھ روپئے لینے کا حق دار ہے، اِس سے زائد کا وہ مطالبہ نہیں کرسکتا اور یہ معاملہ عبدالسبحان اور عارف کے درمیان ہی سمجھا جائے گا جس عربی شخص کا حوالہ دیا جارہا ہے، اُس کا شرعاً اِس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ کیوں کہ مالی معاملات میں حقوق صرف عاقد کی طرف ہی لوٹتے ہیں اور جب یہ معاملہ شروع ہی سے فاسد ہے تو اگلے سال جاری رہنے کا سوال ہی نہیں ہے۔

وكون الربح بينهما شائعًا فلو عيّن قدرا فسدت. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب المضاربة ٤٣٣/٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بطور حیلہ لون وغیرہ لینا

سوال (۱۰۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل گورنمنٹ نے انکم ٹیکس کی شرح بہت زیادہ کردی ہے؛ البتہ کچھ اسکیمیں اِس طرح کی ہیں کہ اگر اُن کو اختیار کرلیا جائے تو اُن کی وجہ سے انکم ٹیکس میں کافی بچت ہوجاتی ہے، مثلاً بینک سے لون لینا، یا لمٹ کرانا یا سودی بونڈ خریدنا اور لون لینے کی صورت میں ہم پر جو سود واجب ہوگا کیا ہم اپنی جمع شدہ رقم کے سود سے اُس سود کی اَدائیگی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ آپ سے درخواست ہے کہ مسئلہ بتاکر صحیح رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- انکم ٹیکس شرعاً ایک غیر واجبی ٹیکس ہے؛ لہٰذا اُس سے بچنے کے لئے بطور حیلہ سرکار سے لون لینے کی گنجائش ہے اور اس پر جو سود عائد ہوا ہوا ُسے سرکاری بینک سے حاصل شدہ سودی رقم سے بھی اَدا کیا جاسکتا ہے، اور مذکورہ غرض سے سودی بونڈ خریدنا بھی جائز ہے؛ لیکن اس میں جو زائد رقم ملے گی اسے اپنے ذاتی استعمال میں لانا درست نہ ہوگا؛ بلکہ یا تو انکم ٹیکس وغیرہ کے ذریعہ سرکار کو لوٹا یا جائے یا پھر غریبوں پر تقسیم کردیا جائے۔

(مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۲۰/۴۶۴ مکتبہ اشرفیہ دیوبند، ایضاح النوادر ۹۹)

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر / آخر القاعدة الخامسة ص: ٢٥١)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (رد المحتار،

کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۵۳/۹ ۵ زکریا، ۳۸۵/۶ کراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ۳٤۹/۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ماروتی شوروم کے نمائندے سے معاملہ کر کے بینک کے کاغذات پر دستخط کرنا

سوال (۱۰۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ کار خریدنے کے غرض سے ماروتی شوروم کو پہنچا تو وہاں شوروم کے نمائندے روندرن سے ملاقات ہوئی، بندہ نے اس سے گاڑی قسط وار خریدنے کا اِرادہ ظاہر کیا، اس شرط پر کہ بینک سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہوگا، اِس شرط کو روندرن نے منظور کرلیا اور بینک سے اُس نے ازخود رابطہ کرلیا، پھر قیمت یہ طے ہوئی ۱۷/ ہزار ایڈوانس اور ماہانہ ۸/ ہزار قسط وار (۵/ سال تک) ہم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کردیں گے اور روندرن ہمارے اکاؤنٹ سے نکلوالے گا، تو یہ معاملہ طے ہوگیا، دودن کے بعد روندرن (شوروم کا نمائندہ) نے کاغذی کارروائی کے لئے آدمی بھیجا جو ایک بینک سے منسلک تھا، اور وہ ہم سے بینک کے کاغذات پر دستخط لے گیا، تو اِس طریقہ سے گاڑی خریدنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جب آپ نے بینک کے کاغذات پر دستخط کردئے تو آپ کا معاملہ شوروم کے نمائندے کے ساتھ نہیں رہا؛ بلکہ براہ راست بینک سے ہوگیا، اب بینک آپ کے نام پر سودی قرض جاری کرے گا اور قسط وار حسبِ ضابطہ زائد رقم وصول کرے گا؛ لہٰذا سود دینے کے گناہ سے بچنے کے لئے یا تو آپ یہ معاملہ فسخ کردیں، اور اگر یہ مشکل ہو تو جلد از جلد قسطیں اَدا کر کے حساب بے باق کردیں اور توبہ واستغفار کرتے رہیں۔

إن نظام البنوک الرائجة اليوم، الذي يسير على أساس الربا، له من المفاسد ما لا يعد ولا يحصٰى؛ فإنه يفسد نظام توزيع الثروة على الناس، ويجعل الأموال دولة بين الأغنياء فحسب، ويعوق الأسواق عن مسيرها الطبيعي، ويجعلها مملوكة لأثرياء معدودين وليس هذا موضع بسط ...... فالحق أن الربا حرام مطلقًا سواء كان تعامله في ديون الاستهلاک أو في ديون الاستثمار. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة / قبيل الحكمة في تحريم ربا الفضل ۵۳۷/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وذلک اعتياض عن الأجل وهو حرام، روي أن رجلا سأل ابن عمر فنهاه عن ذلک ثم سأله فقال: إن هذا يريد أن أطعمه الربا، وهذا لأن حرمة ربا النساء ليست إلا لشبهة مبادلة المال بالأجل. (العناية على فتح القدير/ باب الصلح عن الدين ۴۷/۸ ٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲/۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چاندی خریدنے کے لئے دی گئی رقم چاندی کے ریٹ بڑھنے پر اِضافہ کر کے لینا

سوال (۱۰۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک کلو چاندی کی قیمت پچاس ہزار روپئے خالد کو دی کہ اس سے میرے لئے چاندی خرید دو، خالد نے وہ پیسے لے کر اپنے پاس رکھ لئے اور اپنی ڈائری میں نوٹ کرلیا، پھر تین مہینے کے بعد جب چاندی مہنگی ہوگئی، زید نے کہا میری چاندی بیچ کر پیسے واپس کردو، خالد نے ۶۰/ ہزار روپئے واپس کئے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ زید کے لئے اس اضافی رقم کا لینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چاندی خریدے بغیر محض

بازاری نرخ بڑھنے پر جو اضافی رقم دی جارہی ہے وہ محض سود ہے، اس کا لین دین جائز نہیں ہے، بس زید صرف اپنی دی ہوئی پچاس ہزار رقم کو لینے کا حق دار ہے، اس سے زیادہ لینے کا اسے حق نہیں ہے۔

الربا هو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال. (كنز الدقائق / باب الربا ص: ٤٣١ دار البشائر الإسلامية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

تعزیہ کے چندہ کو اضافی رقم کی شرط پر نیلام کرنا

سوال (۱۰۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) محرم کے مہینے میں تعزیہ وا کھاڑہ کا پورے گاؤں میں گشت کرتے ہیں، لوگ اس تعزیہ پر پیسہ پھینکتے ہیں، وہ رقم جو جمع ہوئی ہے وہ رقم تقریباً ۲۰-۲۵/ ہزار روپئے کرکے بولی لگاتے ہیں، اس ۲۰/ ہزار روپئے کی رقم کو کبھی ۲۵/ ہزار اور کبھی اس سے کم زیادہ کرکے لوگ اٹھا لیتے ہیں اور پورا سال گذرنے کے بعد ۲۰/ ہزار کے ۲۵/ ہزار روپئے محرم کی جو کمیٹی ہے، اس کو اَدا کرتے ہیں، اب یہ رقم کافی ساری ہوگئی ہے۔

دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ یہ جمع شدہ رقم دے کر ۲۰/ ہزار روپئے کے ایک سال کے بعد ۲۵/ ہزار روپیہ لینا اور کمیٹی سے جنہوں نے قرض لیا ہے، اس کو اضافی رقم دینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اَولاً تو تعزیہ کے نام چندہ کرنا ہی صحیح نہیں اور پھر چندہ کرکے اسے اضافی رقم کی شرط پر نیلام کرنا مزید گناہ ہے، یہ زائد رقم سراسر سود ہے، اس کا لین دین قطعاً جائز نہیں، یہ رقم اصل مساکین کو واپس کردینا ضروری ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال هم سواء. (صحيح مسلم / باب الربا ۲۷/۲)

الربا يقتضي أخذ مال الإنسان من غير عوض؛ لأن من يبيع الدرهم بالدرهمين نقدًا أو نسيئة تحصل له زيادة درهم من غير عوض ومال المسلم متعلق حاجته وله حرمة عظيمة. (الموسوعة الفقهية ۵۴/۲۲ الكويت)

والواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء. (الموسوعة الفقهية ۲۴۵/۳۴ الكويت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۱۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

مخلوط مال سے کی گئی تجارت کی آمدنی اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱۰۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) ایک شخص کی ملکیت میں ۴۰/لاکھ روپئے بینک میں تھے اور کئی سال تک بینک میں ہی رہے، جس کے نتیجے میں ۴۰/لاکھ پر سود آگیا، پھر اُس نے سود سمیت پوری رقم ۸۰/لاکھ سے تجارت کرلی۔ تو اَب سوال یہ ہے کہ اس سے حاصل شدہ آمدنی اُس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

(۲) اِن پیسوں کی اُس نے زکوٰۃ بھی اَدا نہیں کی ہے، تو زکوٰۃ کی اَدائیگی کی کیا شکل ہوگی؟ برائے کرم شرعی حکم سے نوازکر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چوں کہ حلال وحرام مخلوط مال سے تجارت کی گئی ہے، تو اس میں نصف آمدنی تو حلال ہے اور نصف آمدنی اُس وقت تک شبہ سے پاک نہ ہوگی جب تک کہ چالیس لاکھ روپئے سودی رقم الگ نہ کردی جائے۔

من اكتسب مالًا بغير حقٍّ فإما أن يكون كسبه بعقدٍ فاسدٍ كالبيوع الفاسدة أو بغير عقدٍ ...... كالسرقة والغصب ...... ففي جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقدٍ لم يملكه ويجب عليه أن يردّه على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور)

(۲) حرام سودی آمدنی پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور حلال رقم اور آمدنی پر حسبِ ضابطہ ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

في القنية: ولو كان الخبيث نصابًا لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه. (رد المحتار، كتاب الزكاة / باب زكاة الغنائم، مطلب فيما لو صادر السلطان رجلا الخ ۲۱۸/۳ زكريا)

لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه ...... وهذا إذا كان له مالٌ غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه وإلا فلا زكاة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة / باب زكاة الغنائم، مطلب فيما لو صادر السلطان رجلا الخ ۲۱۷/۳ زكريا)

وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوك له لا تجب عليه بمقدار المغصوب وتجب في الزائد. (تقريرات الرافعي / باب نصاب الإبل ۱۳۲/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مکان بنانے میں تیس فیصد حرام آمدنی لگادی اب کیا کرے؟

سوال (۱۰۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس پچیس، تیس فیصد حرام مال تھا اور اس نے اس مال سے اپنا مکان وغیرہ بنایا تھا، اب وہ حرام کی کمائی سے توبہ کررہا ہے؛ لیکن اب سوال یہ ہے کہ اس کی جائیداد وغیرہ میں حرام کمائی کا مال بھی شامل ہے تو ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں حساب لگاکر جس قدر حرام مال مکان یا دوکان یا کاوبار میں لگا ہوا ہے اتنا حصہ یا تو اصل مالکین تک واپس کردے اور اگر یہ ممکن نہ ہوتو بلانیتِ ثواب غریبوں کو بانٹ دے۔

ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغیره ۹/۵۵۳ زکریا ۶/۳۶۵ کراچی)

رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتریٰ فهذا علی خمسة أوجه: أما إن دفع تلک الدراهم إلی البائع أولاً ثم اشتری منه بها أو اشتری قبل الدفع بها ودفعها أو اشتریٰ قبل الدفع بها ودفع غیرها.

أو اشتریٰ مطلقًا ودفع تلک الدراهم أو اشتری بدراهم آخر ودفع تلک الدراهم ...... وقال الکرخي: في الوجه الأول والثاني: لا یطیب، وفي الثلاثة الأخیرة یطیب ...... لکن الفتویٰ الیوم علی قول الکرخي دفعًا للحرج عن الناس الخ. (رد المحتار، کتاب البیوع / باب المتفرقات، مطلب إذا اکتسب حرامًا ثم اشتری علی خمسة أوجه ۷/۴۹۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شہر گونڈہ میں اِدارہ مسلم عوامی سوسائٹی کا شرعی حکم

سوال (۱۰۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر گونڈہ میں غیر سودی لین دین کا ایک ادارہ مسلم عوامی سوسائٹی گونڈہ چل رہا ہے جو مسلم عوام کو ایک مختص فیس فارم لے کر قرض فراہم کرتی ہے، جس وضع فیس فارم سے دفتر کے خرچ ودیگر اخراجات چلتے ہیں، اب جب کہ ملک اور صوبے کے حالات ایسے ہیں کہ جس سے سوسائٹی رجسٹریشن پر مذکورہ لین دین کا کام چلتا رہا ہے، ملکی قوانین اور ضابطے ممانعت کرتے ہیں تو سوسائٹی کی مجلس عاملہ نے اس کو ملکی قوانین اور ضابطے کی رو سے کام کرنے کی ہدایت کی ہے، واضح ہو کہ اس کام سے بہت سارے غریب لوگ جو کہ مالی طور پر کمزور ہوتے ہیں، ضمانت کے طور اپنے زیورات سوسائٹی میں جمع کر کے مبلغ بیس ہزار تک قرض حاصل کر کے اپنا کام چلا لیتے ہیں اور جب ان کے پاس مال کی فراہمی ہو جاتی ہے تب وہ رقم جمع کر کے اپنا زیور واپس لے لیتے ہیں، اگر اس قرض پر وقت معینہ میں رقم واپس نہیں کرتے تو اس صورت میں ان سے تاخیر فیس لی جاتی ہے۔

موجودہ قوانین کے مطابق موجودہ لین دین غیر آئینی ہے، اس کے لئے ایک ندھی کمپنی (فنڈ کمپنی) بنا کر ہی لین دین کیا جا سکتا ہے، جس پر جمع رقم پر سود دینا ہوگا اور قرض دئے ہوئے رقم پر سود لینا ہوگا، چوں کہ اب تک اس لین دین سے بہت سارے غریب لوگوں کا اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے سوسائٹی سے رقومات کی فراہمی ہو جاتی تھی، جو کہ اب ناممکن نظر آ رہا ہے اور اس میں انفورسمینٹ ڈائرکٹریٹ چھاپہ مار کر قانونی گرفت کر سکتی ہے، اس تعلق سے باور کرانا ہے کہ قصبہ دیوبند میں قائم مسلم فنڈ و بجنور میں قائم ملی فنڈ نے بھی قانونی زمرے سے بچنے کے لئے ندھی کمپنی میں اپنے سرکاری کاغذات کا اندراج کرایا ہے۔

لہٰذا آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ مذکورہ حالات کے پیش نظر مدلل شرعی رہنمائی فرمائیں اور یہ بتانے کی زحمت فرمائیں کہ ندھی کمپنی (فنڈ کمپنی) بنا کر غریب عوام کو اس کا فائدہ دیا جائے یا شرعی پابندی (سود) کی وجہ سے یہ لین دین بند کر دیا جائے اور دوسرے رفاہی کام جو سوسائٹی کر سکتی ہے کرے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر شریعت کے دائرے میں رہ کر غیر سودی لین دین ممکن ہو تو اس سلسلے کو جاری رکھا جائے اور اگر ایسا کرنا قانوناً ممکن نہ ہو جیسا کہ سوالنامے میں درج ہے تو پھر اس ادارے میں سودی نظام ہرگز جاری نہ کیا جائے؛ بلکہ اس عمل کو موقوف کردیا جائے اور دیوبند اور بجنور کے اِداروں کی کارگذاری ہمارے علم میں نہیں ہے۔

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ۳۹۵/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۵/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بینک میں ایف ڈی کرانا

سوال (۱۰۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایف ڈی کا کیا حکم ہے؟ صورت یہ ہے کہ بینک کا ملازم روزانہ شام کو آتا ہے، ۲۰۰/ روپئے لے جاتا ہے، ایک سال تک ہم لے نہیں سکتے، بعد میں پورے پیسے واپس انٹریسٹ کے ساتھ ملتے ہیں، تو کیا یہ درست ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بینک میں ایف ڈی کرنا حرام ہے اور جمع شدہ رقم سے جو زائد روپئے ملیں گے وہ سب سود میں داخل ہیں؛ لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لئے اس طرح کا سودی معاملہ کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: ۲۷۵]

عن فضالة بن عبيد رضي اللّٰه عنه صاحب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي،

البیوع / باب کل قرض جر منفعةً فهو ربا ۲۷۶/۸ رقم: ۱۱۰۹۲ دار الفکر بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۳/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم بائع کا مسلمان کے نام لون لے کر مسلمان سے کرایہ لینا

سوال (۱۰۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غیر مسلم شخص ایک مسلمان کو گیارہ لاکھ کا گھر فروخت کررہا ہے، مسلمان کے پاس یک مشت رقم ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے؛ چناں چہ وہ غیر مسلم مسلمان کے نام سے بینک سے اتنی رقم لون لے لیتا ہے اور مسلمان کو وہ اس شرط پر سپرد کرتا ہے کہ جب تک تم پورے گیارہ لاکھ کی قسطیں جمع نہیں کروگے تب تک اس گھر کا کرایہ غیر مسلم لیتا رہے گا اور گیارہ لاکھ پر بینک کو جو سودی رقم ادا کرنی ہوگی اس کا ذمہ دار غیر مسلم ہی رہے گا، مسلمان کو صرف گیارہ لاکھ کی قسطیں ہی ادا کرنی ہوں گی، تو کیا از روئے شرع مسلمان کے لئے اس طرح قسطوں پر گھر لینا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال جب کہ مذکورہ غیر مسلم بائع نے آپ کے نام سے بینک سے قرضہ وصول کرکے اپنے مکان کی پوری قیمت وصول کرلی ہے اور مکان آپ کے حوالہ کردیا ہے تو اُس کی ملکیت مکان پر باقی ہی نہیں رہی، تو اُس پر کرایہ لینے کا کیا مطلب ہے؟ اور چوں کہ قانونی طور پر مسلمان خریدار کے نام لون لیا گیا ہے، تو بینک کا مطالبہ بھی اُس مسلمان سے ہی ہوگا اور یہی اس سودی معاملہ کا ذمہ دار قرار پائے گا، اِس لئے یہ معاملہ سرے سے ناجائز ہے یعنی نہ تو لون لینا جائز ہے اور نہ ہی بینک کی قسطیں اَدا کرنے تک غیر مسلم بائع کو کرایہ اَدا کرنا جائز ہے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب: لعن آكل الربا وموكله ۲۷/۲ رقم: ۱۵۹۸)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن بیع وشرط. (مجمع الزوائد ۸۵/٤ رقم: ٦٣٨٦ بیت الأفکار والدولیة)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن صفقین في صفقة. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۳۹۸/۱ رقم: ۳۷۸۲)

کل قرض جر نفعًا حرامٌ. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب البیوع / باب المرابحة ۳۹۵/۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کی طرف سے ایئرپورٹ پر لاؤنج سروس سے فائدہ اُٹھانا

سوال (۱۰۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب کا ایچ ڈی ایف سی بینک میں سیونگ اکاؤنٹ ہے، ان کا اس بینک سے کافی بڑی رقومات کا لین دین رہتا ہے، جس کی وجہ سے بینک نے ان کو ایک خصوصی کارڈ دے رکھا ہے جس کو دکھا کر ان کے لئے ہر ایئرپورٹ پر ناشتے وغیرہ اور آرام کرنے کی سہولت مفت میں فراہم ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کارڈ کی بنیاد پر یہ سہولتیں اُٹھانا اُن کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بینک میں جو رقومات جمع کی جاتی ہیں وہ دراصل قرض ہوتی ہیں اور قرض دینے والے کے لئے قرض کی بنیاد پر نفع اُٹھانا خواہ اِضافی رقم کے طور پر ہو جسے انٹرسٹ کہا جاتا ہے، یا کسی اور مشروط سہولت کے طور پر ہو، جس کا سوال میں ذکر ہے یہ سب ناجائز اور شبہۃ الربا میں داخل ہوکر ممنوع ہیں۔

الربا: هو فضل خال عن عوض مشروط لأحد المتعاقدین في المعاوضة. (رد المحتار / باب الربا ۳۹۸/۷-٤٠١ زکریا)

عن علي أمير المؤمنين مرفوعًا: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة ، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٥١٢/١٤ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل المشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم أخذه من أخيه المسلم أبدا؛ لإجماع العلماء المجتهدين على حرمته فلم يقل أحد منهم بجواز الفضل المشروط في القرض.

(إعلاء السنن / الأصل الثامن من رسالة كشف الدجىٰ عن وجه الربا ٥٣٣/١٤ إدارة القرآن كراتشي)

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب: لعن آكل الربا وموكله ٢٧/٢ رقم: ١٥٩٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمیٹی میں روپیہ جمع کرنے کی مختلف صورتیں

سوال (۱۰۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل لوگ کمیٹی کے نام سے آپس میں متعینہ ماہ تک رقم کی ایک متعینہ مقدار جمع کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ۱۲ر مہینہ تک پانچ ہزار روپئے کے حساب سے جمع کرنا ہے جو کہ ۱۲ر مہینے کے ۶۰ر ہزار روپئے بنتے ہیں، تو یہ لوگ ہر مہینے تمام کے نام کی پرچی ڈال کر اس میں سے ایک پرچی کھولتے ہیں جس کا نام ہوتا ہے اُس کو مکمل ۶۰ر ہزار رقم دے دیتے ہیں، اور اُس میں روپئے ۱۲ر ماہ تک ہر ایک کو جمع کرنا ہے، چاہے اس کا نام نکل چکا ہو یا نہیں؟ مقصد اس کا یکبارگی رقم مل جانا ہے۔

اِسی کی دوسری قسم یہ ہے کہ جب ناموں کی پرچی نکلتی ہے تو جس کے نام کی پرچی نکلی ہے اس کو ضرورت نہیں ہے اور دوسرے ممبران کو اُن روپیوں کی ضرورت ہے، اب جن کو ضرورت وہ

اُس کی بولی لگاتے ہیں کہ ۶۰/ ہزار کے ۶۵/ ہزار، ۷۰/ ہزار یہاں تک کہ جہاں پر معاملہ طے ہوجائے۔ اورایک کمیٹی ایسی ہے کہ وہ بیس مہینہ تک روپئے جمع کرتے ہیں اور جو بیس مہینہ مکمل کر لیتا ہے تو اس کو کچھ زائد رقم ملتی ہے اسی طرح اگر ۱۲/ مہینہ سے پہلے پہلے روپئے لیتا ہے تو اس کو جمع ہونے والی رقم سے کم ملتا ہے اور ۱۲/ مہینہ کے بعد زیادتی شروع ہوجاتی ہے، مثال کے طور پر کل رقم جو بیس ماہ میں جمع ہونی ہے وہ ۸۸۰۳۰ روپئے، اب اگر وہ دوسرے ماہ میں روپئے لیتا ہے تو اس کو ۴۸۰۰ ۷، تیسرے میں ۶۲۰۰ ۷/ روپئے ملتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ۱۲/ مہینے مکمل کر لینے کے بعد روپئے لیتا ہے تو پھر اس کو ۸۸۸۰۰/ روپئے ملتے ہیں، یعنی بڑھوتری شروع ہوجاتی ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی کمیٹیوں میں شرکت کرنا جائز ہے، اگر شرکت صحیح نہیں ہے تو جو شریک ہوگئے ہیں ناواقفیت کی وجہ سے ان کو کیا کرنا چاہئے؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں ذکر کردہ کمیٹی کی صورتوں میں سے پہلی صورت میں اگرچہ انجام کے اعتبار سے سب کی رقم برابر سرابر ہوجاتی ہے؛ لیکن دو وجوہات سے اُس میں شبہ پایا جاتا ہے: اول یہ کہ قرعہ اندازی کر کے قرض کی رقم لی جارہی ہے، جس میں ایک طرح سے جوئے اور قمار کی مشابہت ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کمیٹی کی مقررہ مدت کے دوران کسی شریک کا انتقال ہوجائے تو رقم کی وصولی خطرہ میں پڑسکتی ہے۔ بریں بنا ایسی کمیٹی میں حصہ لینا شبہ سے خالی نہیں، اِس سے احتراز کرنا چاہئے۔ اور دوسری صورت بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں ۶۰/ ہزار روپئے کو زیادہ کے بدلے میں بیچنے کی وجہ سے صراحۃً سود کی شکل پائی جاتی ہے اور تیسری شکل بھی بلاشبہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس میں بھی کمی بیشی کی وجہ سے سودی لین دین پایا جاتا ہے، اِس لئے اِس طرح کی کمیٹی میں شرکت کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

ومنها أن يكون الخطر فيه من أحد الجانبين إلا إذا وجد فيه محللا حتى لو كان الخطر من الجانبين جميعًا ولم يدخلا فيه محللا لا يجوز؛ لأنه في

معنى القمار. (بدائع الصنائع، كتاب السباق / شرائط جواز السباق ٣٠٦/٥ زكريا)

وحقيقته (الميسر) تمليك المال على المخاطرة وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار. (أحكام القرآن للجصاص / باب تحريم الخمر ١٢٧/٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

القرعة ثلاث: الثالثة لإثبات حق واحد، وفي مقابلته مثله فيفرز لها كل حقه كالقسمة فهو جائزٌ. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب القسمة / الفصل الخامس في الرجوع من القسمة ١٧٧/١٧ رقم: ٢٦٨٧٦ زكريا)

عن النعمان بن بشير رضي اللّٰه عنه يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: الحلال بين والحرام بين وبينهما مشبَّهات، لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى المشبَّهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات كراع يرعى حول الحمى يوشک أن يواقعه ألا وإن لكل ملک حمى، ألا إن حمى اللّٰه في أرضه محارمه الخ. (صحيح البخاری، كتاب الإيمان / باب فضل من استبرأ لدينه ١٣/١ رقم: ٥٢)

وفي الشريعة: الربا هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع لما بينا أن البيع الحلال مقابلة مال متقوم بمال متقوم، فالفضل الخالي عن العوض إذا دخل في البيع كان ضد ما يقتضيه البيع فكان حرامًا شرعًا.

(المسبوط للسرخسي / أول كتاب البيوع ١٢/ ٩٥ دارالفكر بيروت)

أما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا ويكون رأس المال باقيًا. (تفسير كبير [البقرة، تحت رقم الآية: ٢٧٥] ٩٣/٧ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فیکٹری کی طرف سے ملازمین کے لئے ہیلتھ انشورنس کا حکم

سوال (۱۰۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی فیکٹری اپنے سارے ملازمین کا ہیلتھ انشورنس (صحت بیمہ) اپنے خرچہ سے کرارہی ہے جس کے خرچہ کا ملازمین سے کوئی پیسہ نہیں لیا جائے گا، اس کے عوض میں انشورنس کمپنی پر ملازم اور اس کی بیوی کا علاج ایک سال کی مدت تک ایک لاکھ روپئے تک کا علاج اپنے خرچہ سے انشورنس کمپنی کروائے گی، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسب تحریر سوال چوں کہ فیکٹری کی طرف سے ملازم کا جو ہیلتھ انشورنس کرایا جارہا ہے اس میں ملازم کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اور نہ ہی اس سے اس نام پر کچھ پیسہ لیا جارہا ہے، بریں بنا اگر وہ بیمار ہونے کی وجہ سے حسب شرائط ایک سال میں ایک لاکھ روپئے تک کا علاج ہیلتھ انشورنس کمپنی کی طرف سے کرائے گا تو یہ قمار میں داخل نہ ہو گا؛ بلکہ فیکٹری کی طرف سے ملازمین کو دی جانے والی سہولیات میں شامل ہوکر جائز ہو گا۔ (مستفاد: فتاویٰ عثمانی ۳/۳۳۶)

ومستفاد: لا شک في جواز التامين التعاوني في الإسلام؛ لأنه يدخل في عقود التبرعات ومن قبيل التعاون على البر ...... سواء في التامين على الحياة أو الحوادث الجسمانية أو على الأشياء أو ضد المسؤولية من حوادث السير أو حوادث العمل، ويجوز أيضًا للمؤمن له التامين الإلزامي كالتامين المفروض على السيارات ضد الغير وتجوز التامينات الاجتماعية ضد العجز والشيخوخة والمرض والتقاعد. (الفقه الإسلامي وأدلته، البيع الباطل والبيع الفاسد / حكم التأمين مع شركات التأمين في الإسلام ٢٠٤/٤ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۵/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

○

میڈیکل (ہیلتھ) اِنشورنس کی چند شکلیں

''میڈیکل (ہیلتھ) اِنشورنس کی چند شکلوں'' سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے بارہواں فقہی اجتماع مؤرخہ: ۲۶-۲۷-۲۸ رجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۴-۵-۶ مئی ۲۰۱۶ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ (دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (اَز: مرتب)

آج کل ایک طرف جہاں نت نئی بیماریاں عام ہیں، وہیں دوسری طرف اُن کا علاج بھی گراں سے گراں تر ہوتا جارہا ہے، خصوصاً اَعضاء رئیسہ (دل، گردہ وغیرہ) کا تعطل اور کینسر وغیرہ کا علاج ایک غریب؛ بلکہ متوسط طبقہ کے لئے ناقابلِ تحمل ہوگیا ہے۔ اِسی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر دنیا میں ''میڈیکل اِنشورنس'' کو رواج دیا گیا ہے؛ تاکہ ایسے ضرورت مند مریضوں کو سہولت فراہم کی جائے۔ نیز بعض ممالک میں ''میڈیکل اِنشورنس'' کو قانوناً لازم کردیا گیا ہے، اِس لئے ضرورت ہے کہ ''میڈیکل اِنشورنس'' کے مختلف پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھ کر حکم شرعی واضح کیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں درج ذیل سوالات پیش ہیں:

سوال (۱/۱۰۲۵):- میڈیکل اِنشورنس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟ کیا اِس میں تملیک علی الخطر کا پہلو غالب ہے یا اِس میں تعاون کا پہلو بھی نکلتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) الف:- میڈیکل (ہیلتھ) انشورنس املاک کے بیمہ کی صورت سے زیادہ قریب ہے؛ کیوں کہ جس طرح املاک کے بیمہ میں ممکنہ نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، اور پالیسی ہولڈر کو جمع شدہ رقم کے عوض بہرحال مزید رقم کی واپسی کا التزام

نہیں ہوتا، اسی طرح میڈیکل انشورنس میں بھی جمع شدہ رقم کی واپسی ضروری نہیں ہوتی؛ بلکہ حسبِ شرط بیماری متحقق ہونے پر علاج میں تعاون ہوتا ہے، اِس لئے یہ بات طے شدہ ہے کہ اَملاک کے بیمہ کی طرح میڈیکل انشونس میں بظاہر سود مشروط نہیں ہے (تاہم قمار کے ضمن میں سود متصور ہوتا ہے)

البتہ پالیسی لینے والا شخص چوں کہ اپنی جمع شدہ رقم کے عوض میں ممکنہ بیماری کی تلافی کی اُمید رکھتا ہے اور بیماری کا وقوع موہوم ہے، اِس بنا پر اِس میں قمار اور جوئے کا پہلو نکلتا ہے؛ گویا کہ بالفاظِ دیگر متعینہ رقم کے عوض تعاون معرضِ خطر میں ہے کہ اگر بیماری متحقق ہوگی تو تعاون ملے گا اور اگر متحقق نہیں ہوگی تو تعاون نہیں ملے گا۔ اِسی شبہ قمار کی وجہ سے اِس طرح کے عقود کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور عام طور پر مفتیان کا فتویٰ عدمِ جواز کا ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۹۰]

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وإن المخاطرة من القمار.

قال ابن عباس: إن المخاطرة قمار. (أحكام القرآن للجصاص ۱/۳۹۸)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر. (صحيح مسلم، كتاب البيوع / باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر ۲/۲)

التأمين على الأشياء: هو التزام شركة التأمين بتعويض ضرر يلحق بجسم المؤمَّن له أو بماله – إلیٰ أن قال – وفي كل واحد من العقدين غرر ظاهرٌ، وفي كثير من الحالات إن العقد يشتمل على الربا أيضًا. (هامش فقه البيوع ۲/۱۰۶۸ النعيمية ديوبند)

الغرر في البيع: ما يكون مجهول العاقبة لا يدریٰ أيكون أم لا؟ (قواعد الفقه ص: ۳۹۹ دار الكتاب ديوبند)

أن يعمد الرجل إلى الرجل قد ضلت راحلته أو دابته أو غلامه وثمن هٰذه الأشياء خمسون دينارًا، فيقول: أنا آخذها منک بعشرين دينارًا، فإن وجدها المتاع ذهب من مال البائع ثلاثين دينارًا، وإن لم يجدها ذهب البائع منه بعشرين دينارًا، وهما لا يدريان كيف يكون حالها في ذٰلک، ولا يدريان أيضًا إذا وجدت تلک الضالة كيف توخذ، وما حدث فيها من أمر اللّٰه مما يكون فيه نقصها وزيادتها فهٰذا أعظم المخاطرة. (مدونة الكبریٰ ٣/٤ ٣٥، بحواله: جواهر الفقه ٤/٦ ١ ٥ زكريا)

والحقيقة أن عقد التأمين من عقود الغرر. العقود الاحتمالية المترددة بين وجود المعقود عليه وعدمه، وقد نهى الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع الغرر ويقاس عليه عقود المعاوضات المالية، فيؤثر الغرر فيها كما يؤثر في عقد البيع. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ٤/٦ ٠ ٢)

ب:- زمانے کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے عرب کے بعض علماء نے تکافل کے نام سے انشورنس کا ایسا نظام پیش کیا ہے، جو شبۂ سود اور قمار سے خالی ہے۔ اِس نظام کی بنیاد درج ذیل باتوں پر ہے:

(ا) جو رقم جمع کی جائے وہ عوض کی نیت سے نہ ہو؛ بلکہ باہمی تعاون کی نیت سے ہو۔

التأمين الذي تقوم به جمعيات تعاونية يشترک فيها جميع المستأمنين لتؤدي لأعضائها مايحتاجون إليه من معونات وخدمات أمر مشروع، وهو من التعاون على البر. (بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ٢٨١ دار البشائر الإسلامية بيروت)

وقرر مجلس المجمع الفقهي التابع لرابطة العالم الإسلامي ...... من جواز التأمين التعاوني بدلاً من التأمين التجاري المحرم ...... للأدلة التالية:

الأول:— إن التأمين التعاوني من عقود التبرع. (بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ٢٨٧ دار البشائر الإسلامية بيروت)

(۲) تعاون کرنے والوں میں سے حسبِ شرائط جو شخص ضرورت مند ثابت ہو، اُس کا مشترکہ سرمایہ سے تعاون کیا جائے۔

الأول:– أن التأمين التعاوني من عقود التبرع التي يقصد بها أصالة التعاون على تفتيت الأخطار، والاشتراک في تحمل المسؤولية عند نزول الكوارث، وذٰلک عن طريق إسهام أشخاص بمبالغ نقدية لتعويض ما يصيبه الضرر. (بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ۲۸۷ دار البشائر الإسلامية بيروت)

(۳) اگر یہ مشترکہ سرمایہ کسی اور حلال کاروبار میں لگے اور اُس سے نفع ہو، تو جتنے بھی سرمایہ کار ہیں، اُن کے تناسب سے وہ نفع اُنہیں واپس لوٹایا جائے۔

وللشركة أن تستثمر فائض رأس مالها وأموالها في المشروعات التجارية أو الصناعية أو الزراعية بأيّ طريقٍ مشروعٍ كالمضاربة مثلاً – إلىٰ أن قال – ولما كان فائض الأموال قد ينسحب إلىٰ زيادة الأقساط المحصلة عن التعويضات المدفوعة واحتياطيِّ العمليات السارية؛ فإن الأرباح الناشئة عن الاستثمار يجب أن تعود إلى المساهمين وإلى المؤمَّنين كلٍ بقدر مساهمة أمواله في الاستثمار. (بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ۲۹۶–۲۹۷ دار البشائر الإسلامية بيروت)

(۴) اگر اِس طرح کے اِدارہ کو نقصان سے دوچار ہونا پڑ جائے، مثلاً تعاون کے مستحقین کی تعداد سرمایہ سے زیادہ ہو تو اُس نقصان کی تلافی بھی سارے سرمایہ کار مل کر کریں گے۔

یہ شرعی تکافل کا وہ نظام ہے جو علماءِ عرب نے پیش کیا ہے اور جس کا بعض مسلم ممالک میں کامیاب تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

إذا تجاوزت المخاطر موارد الصندوق بما قد يستلزم زيادة الأقساط

فتقوم الدولة والمشتركون بتحمل هٰذه الزيادة. (بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ٢٨٩ دار البشائر الإسلامية بيروت)

وقد اقترح بديل للتامين باسم التكافل، وقد جرى العمل به في عدة بلاد إسلامية، وأجازه بعض العلماء المعاصرين وكثير من الهيئات الشرعية – إلىٰ أن قال – وجملة الكلام أنه لو وجد بديل للتامين بطريقةٍ مقبولةٍ شرعًا، فلا بأس بالاستفادة منه. (فقه البيوع ١٠٩٦/٢ المكتبة النعيمية ديوبند)

أن الذي يتولى التأمين التعاوني ليس هيئة مستقلة عن المُؤمَّنِ لهم، ولا يسعىٰ أعضاؤه إلى تحقيق ربح، وإنما يسعون إلىٰ تخفيف الخسائر التي تلحق بعض الأعضاء. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ٢٠٤/٤)

نوٹ:- اگر تکافل کے اِدارہ کو مالیاتی اِدارہ کے بجائے رفاہی اور خیراتی اِدارے کے طور پر قائم کیا جائے، اور اُس میں تعاون کرنے والے افراد لازمی طور پر اُس سے نفع اُٹھانے کی اُمید نہ رکھیں، تو پھر اِس میں درج بالا دفعہ نمبر ۳ اور ۴ کی کوئی ضرورت نہ رہے گی اور پورا اِدارہ ایک شخص حکمی کے طور پر رفاہی خدمات انجام دے گا۔ پھر اِس میں یہ قید بھی نہ رہنی چاہئے کہ جن لوگوں نے تعاون کیا ہے وہی اُس سے فائدہ اُٹھائیں؛ بلکہ جو بھی حاجت مند ہو، اُس کا تعاون اُس ادارہ سے کیا جاسکے گا، ایسی صورت میں شرعاً کسی طرح کا کوئی اِشکال نہ ہوگا۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه يقول في حديث طويل: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من استطاع منكم أن ينفع أخاه فليفعل. (صحيح مسلم / باب استحباب الرقية الخ ٢٢٣/٢)

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: خير الناس أنفعهم للناس. (كنز العمال / كتاب المواعظ والرقاق والخطب والحكم / قسم الأقوال ٣٢٩/١٥ رقم: ٤٣٠٥٨ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي موسىٰ رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضًا. (صحيح البخاري / باب تعاون المؤمين الخ ۸۹۰/۲ رقم: ۶۰۲۸، صحيح مسلم / باب تراحم المؤمنين الخ ۳۲۱/۲)

وكذٰلک نجد في الشريعة ما يمكن إطلاق التأمين عليه عن الحوادث والمصائب الكبيرة ...... حتى يتغلبوا على الكوارث التي أصابتهم والمدينين الذين أصابهم غرم ...... فيُعطىٰ له من الزكاة ما يعيده إلى حالته المالية السابقة، وإن بلغ ذٰلک الألوف. (بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ۲۹۱ دار البشائر الإسلامية بيروت)

ج:- اِس طرح کی کوئی اِنشورنس کمپنی (شرعی تکافل) ہمارے ملک میں قائم ہو، تو اُس میں میڈیکل یا اَملاک کا اِنشورنس کرانے میں کوئی حرج نہ ہوگا؛ لیکن سوال یہ ہے کہ مروجہ اِنشورنس کمپنیاں جن میں شرعی اُصول وضوابط کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا، اور جن کا جمع شدہ سرمایہ عموماً سودی بینکوں میں جمع ہوکر مسلسل سود کے ذریعہ بڑھتا ہی رہتا ہے، ایسی کمپنیوں کے ذریعہ اِنشورنس پالیسی سے نفع اُٹھانا یقیناً محل اشکال ہے۔ صرف اِس مشورہ سے معاملہ حل نہ ہوگا کہ پالیسی جمع کرنے والا صرف تعاون کی نیت کرکے جمع کرے؛ اِس لئے کہ کمپنی کی طرف سے ادائیگی اپنے اُصولوں کی بنیاد پر ہوگی، نہ کی جمع کرنے والوں کی نیت کی بنیاد پر؛ تاہم اگر یہ اِنشورنس کمپنی سرکاری ہو اور اِس میں جمع شدہ رقم سے زائد تعاون کی شکل حسبِ شرط پیش آئے، تو اِس زائد تعاون کو حکومت کی طرف سے اِمداد وتعاون قرار دیا جاسکتا ہے، اِس پر اربابِ اِفتاء کو غور کرنا چاہئے۔

لا خلاف بين الجميع في أن فكرة التأمين فكرةٌ مقبولةٌ؛ بل مشروعةٌ مطلوبةٌ إسلاميًّا؛ ولٰكن صياغتها في عقودها الراهنة التي لم تراع فيها مبادئُ الشريعة وقواعدُها العامَّةُ من حرمة الربا، والضرر، والقمار، والمراهنة، والجهالة، هي التي جعلت هٰذه العقود غير مشروعة عند الكثيرين. (بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ۲۷۹ دار البشائر الإسلامية بيروت)

عقد التأمين مع الشركات من عقود المعاوضات المالية فيؤثر فيه الغرر، كما يؤثر في سائر عقود المعاوضات المالية، وقد وضعه رجال القانون تحت عنوان عقود الغرر؛ لأن التأمين لا يكون إلا من حادث مستقبل غير محقق الوقوع أو غير معروف وقوعه، فالغرر عنصر لازمٌ لعقد التأمين، والغرر في التأمين كثير، لا يسير ولا متوسطٌ؛ لأن من أركان التأمين الخطر، والخطر هو حادث محتمل لا يتوقف على إرادة العاقدين. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ٢٠٦/٤)

سوال (۱۰۲۶/۲):- اگرکوئی شخص قانوناً ''میڈیکل اِنشورنس'' کرانے پر مجبور ہو، تو اُس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور شرط پائے جانے پر اُس سے انتفاع کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۲) جو شخص قانوناً میڈیکل اِنشورنس کرانے پر مجبور ہو، تو اُس کے لئے اِنشورنس کرانے کی اِجازت ہے؛ لیکن نفع اُٹھانے میں وہ تفصیل ہے جو آگے سوال نمبر۳ کے جواب میں آرہی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿**فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ**﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۱۷۳]

کذٰلک يجوز التأمين الإجباري أو الإلزامي الذي تفرضه الدولة؛ لأنه بمثابة دفع ضريبة للدولة. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ٢١٠/٤)

إن التأمينات الاجتماعية التي تدفعها الدولة أو صندوق المعاشاتِ والتأمين أو مصحلةُ التأمينات للعمال والعاملين والموظفين في الدولة كلها في تقديري جائزة؛ لأن الدولة ملزمة برعاية مواطنيها في حال العجز والشيخوخة والمرض. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ٢١٦/٤)

سوال (۳/ ۱۰۲۷):- بعض مرتبہ بیماری پیش کرنے پر ’’میڈیکل اِنشورنس کمپنی‘‘ علاج کا کل خرچ براہِ راست متعینہ اسپتال کو ادا کرتی ہے، اِنشورنس کرانے والے کو کوئی پیسہ نہیں دیتی، جب کہ بعض کمپنیاں علاج کا بل دکھانے پر اِنشورنس کرانے والے کو حسبِ شرائط روپیہ ادا کرتی ہیں، تو کیا دونوں کا حکم ایک ہے یا اُن میں کچھ فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۳) اگر میڈیکل اِنشورنس کمپنی براہِ راست اسپتال سے علاج کراتی ہے، پیسہ ادا نہیں کرتی، تو اِس میں خواہ کتنا ہی مہنگا علاج ہو، جمع شدہ رقم کے عوض اُسے علاج کرانا جائز ہوگا؛ اِس لئے کہ جنس بدل گئی ہے؛ لیکن اگر اِنشورنس کمپنی کی طرف سے روپیہ ادا کیا جاتا ہے، تو جمع شدہ رقم سے زائد لینا شبہ ربا اور قمار کی وجہ سے ناجائز ہوگا، الا یہ کہ اُسے سرکاری تعاون قرار دیا جاسکے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾

[البقرة، جزء آیت: ۱۷۳]

الربا في اللغة: الزيادة مطلقًا – إلى أن قال – وعلىٰ هٰذا فيدخل فيه النهي عن كل مالٍ حرام بأي وجه اُكتسِبَ. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ۳۴۸/۳)

عن سعيد بن المسيب قال: قال عمر رضي اللّٰه عنه إن آخر ما نزل من القرآن آية الربا وأن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قُبِضَ ولم يفسرها فدعوا الربا والريبة. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۳۶/۱)

الربا فضل خالٍ عن عوض بميعاد شرعيٍّ مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (الموسوعة الفقهية ۵۰/۲۲ كويت)

الأصل أن أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره. وفي هامشه قال: من مسائله أن من باع درهمًا ودينارًا بدرهمين ودينارين، جاز البيع وصرف الجنس إلىٰ خلاف جنسه تحريا للجواز حملا

لحال المسلم على الصلاح، ولو نص على أن الدرهم بالدرهمين والدينار بالدينارين فسد البيع؛ لأنه قد غير هٰذا الظاهر صريحًا. (قواعد الفقه ص: ١٢ طبع دار الكتاب ديوبند)

قاعدة: الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصةً. وفي هامشه: من ذٰلک جواز السلم على خلاف القياس لكونه بيع المعدوم دفعًا لحاجة المفاليس. (قواعد الفقه رقم القاعدة ١٠٨ ص: ٧٥ ديوبند)

سوال (۴/ ۱۰۲۸):- بعض ممالک میں سرکاری یا غیر سرکاری ملازم پر میڈیکل اِنشورنس لازم ہے، اَب بعض ملازمتوں میں یہ رقم ملازموں کی تنخواہ سے کاٹ کرادا کی جاتی ہے، جب کہ بعض کمپنیاں اَزخود اِنشورنس کی رقم جمع کراتی ہیں، ملازم کی تنخواہ سے نہیں کاٹتیں۔ تو ایسے ملازمین کے لئے اِس طرح کے اِنشورنس سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حکم ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کیا دونوں شکلوں میں حکم یکساں ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۴) جن ممالک میں ملازمین پر میڈیکل اِنشورنس کرانا لازم ہے، تو چاہے وہ اَزخود اپنی تنخواہ سے اِنشورنس کی رقم کٹواتے ہوں یا کمپنیاں اُن کی طرف سے وہ رقم جمع کرتی ہوں، بہرحال حسبِ شرائط (درج جواب:۳) اُن کے لئے اِنشورنس سے نفع اُٹھانا درست ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات. (قواعد الفقه ص: ٨٩ رقم القاعدة: ١٧٠ دار الكتاب ديوبند، الأشباه والنظائر / الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة ١/ ١٤٠ رقم: ٥٦٨ كراچی)

الضرر يزال. (قواعد الفقه ص: ٨٨ رقم القاعدة: ١٦٩ دار الكتاب ديوبند، الأشباه والنظائر / الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة ص: ١٤١)

الضروريات الخمس: حفظ النفس والدين والعقل والعرض والمال. (لغة الفقهاء ٢٨٤ كراچی)

الأمر إذا ضاق اتسع. (قواعد الفقه / رقم القاعدة: ٤٨ ص: ٦٢ دار الكتاب ديوبند، الأشباه والنظائر / الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الرابعة ص: ١٣٨)

الأصل أنه قد يثبت الشيء تبعًا، وحكمًا، وإن كان قد يبطل قصدًا. (قواعد الفقه ص: ١٦ رقم الأصول: ٢٠ دار الكتاب ديوبند)

ما يثبت ضمنًا وحكمًا، ولا يثبت قصدًا منه. (الأشباه والنظائر / القاعدة السادسة العادة محكم، القاعدة الرابعة التابع تابع ص:١٨٦)

والحاجة التي من أجلها يجوز العقد المشتمل على الغرر، ولو كان كثيرًا (وهي أن يصل المرء إلىٰ حالة بحيث لو لم يتناول الممنوع يكون في جهد ومشقة، ولكنه لا يهلک) يشترط فيها أن تكون عامةً أو خاصةً بفئة معينة، وأن تكون متعينة. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ٢١٢/٤)

إن التأمينات الاجتماعية التي تدفعها الدولة أو صندوق المعاشاتِ والتأمين أو مصحلةُ التأمينات للعمال والعاملين والموظفين في الدولة كلها في تقديري جائزة؛ لأن الدولة ملزمة برعاية مواطنيها في حال العجز والشيخوخة والمرض ونحو ذٰلک من إعاقة العمل أو الكسب، ولا ينظر إلى الضريبة التي تقتطعها الدولة من الراتب الشهري أو التي يدفعها شهريًا أرباب العمل لمصحلة التأمينات الاجتماعية أو المبلغ الذي يدفعه العامل أو المؤظف باختياره في حدود نسبة مئوية كل سنة الخ. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ٢١٦/٤)

سوال (۵/۱۰۲۹):- آج کل بڑے بڑے اسپتالوں کی طرف سے متعینہ مدت کے لئے میڈیکل پیکیج جاری کئے جاتے ہیں، اور اِس پیکیج کو قبول کرنے والے لوگ ایک متعینہ (قسط وار یا یک مشت) رقم ادا کرکے اس پیکیج سے فائدہ اُٹھانے کے حق دار ہوجاتے ہیں، اِس درمیان علاج پر جتنا بھی خرچ ہو، وہ اسپتال خود ادا کرتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۵) بڑے اسپتالوں کی طرف سے جو میڈیکل پیکیج جاری کئے جاتے ہیں، یہ مستقل عقدِ اجارہ ہے، اِس میں اِنشورنس کا کوئی دخل نہیں، اور عرفِ عام کی وجہ سے یہ معاملہ درست ہے۔ اِس کی نظیر سقایہ سے پانی پینے یا حمام میں غسل کرنے وغیرہ کے جزئیات ہیں۔

وإفتاؤهم بالعفو عن طين الشارع للضرورة وبيع الوفاء والاستصناع والشرب من السِّقا بلا بيان مقدار ما يشرب ودخول الحمام بلا بيان مدة المكث ومقدار ما يصب من الماء. (شرح عقود رسم المفتي ١٧٨ زكريا)

وجاز إجارة الحمام (الدر المختار) **وفي الشامية: لأن الناس في سائر الأمصار يدفعون أجرة الحمام، وإن لم يكن يعلم مقدار ما يستعمل من الماء، ولا مقدار القعود، فدل إجماعهم على جواز ذٰلک، وإن كان القياس يأباه لوروده على إتلاف العين مع الجهالة.** (الدر المختار مع رد المحتار ٧٠/٩-٧١ زكريا)

سوال (۱۰۳۰/۶):- آج کل حکومت غریبوں سے معمولی رقم لے کر اُن کا میڈیکل اِنشورنس کراتی ہے، اور اُن کو ایک کارڈ جاری کرتی ہے، جس سے وہ متعین ڈاکٹروں اور اسپتالوں میں مفت علاج کراسکتے ہیں، اِس طرح کے اِنشورنس سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۶) حکومت کی طرف سے غریبوں کے علاج کے لئے جو اِسکیم جاری کی گئی ہے، یہ بھی دراَصل اِنشورنس نہیں؛ بلکہ سرکاری تعاون کی ایک شکل ہے، اور شروع میں کارڈ بناتے وقت یا بعد میں جو معمولی رقم لی جاتی ہے، وہ کارڈ بنانے کی اُجرت یا زیادہ سے زیادہ سروس ٹیکس ہے، غریبوں کے لئے اِس طرح کی اِسکیموں سے فائدہ اُٹھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا أولىٰ بالمؤمنين من أنفسهم، فمن مات وترک مالا فماله لموالي العصبة، ومن ترک كلا أو ضياعًا فأنا وليّه فلأدع له. (صحيح البخاري / باب ابني عم الخ ۹۹۸/۲-۹۹۹ رقم: ٦٧٤٥)

وكنت أنا الذي إلى ذٰلک عنه منذ بعثه الله إلى حين تُوفِّيَ، وكان عليه السلام، إذا أتاه الإنسان مسلمًا يراه عاريًا يأمرني فأنطلق فأستقرض فأشترى له البردة فأكسوه وأطعمه. (التراتيب الإدارية، بحواله: جواهر الفقه ٥٠٢/٤ زكريا)

اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئًا حرامًا بعينه وهو قول أبي حنيفةؒ وأصحابه. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني عشر ٣٤٢/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۷/۶/۱۰ھ

منظور شدہ تجویز: میڈیکل انشورنس کی چند شکلیں

بارہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

۲۶-۲۷-۲۸/ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۴-۵-۶/ مئی ۲۰۱۶ء بروز بدھ جمعرات جمعہ

بمقام: دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر

(۱) میڈیکل انشورنس پالیسی ہولڈر اور انشورنس کرنے والے ادارے کے درمیان ایسا معاہدہ ہے جس میں وہ ادارہ پالیسی ہولڈر سے یک مشت یا قسط وار متعینہ رقم وصول کر کے محدود مدت کے اندر اندر پالیسی ہولڈر کے کلی یا جزئی علاج یا اس کے اخراجات کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، اور اگر محدود مدت کے اندر اندر پالیسی ہولڈر کو بیماری پیش نہ آئے تو جمع شدہ رقم

واپس نہیں کی جاتی اور آج کل رائج میڈیکل انشورنس کی شکلیں دیگر انشورنس کی طرح قمار کے دائرے میں آتی ہیں اور ناجائز ہیں۔

(۲) چوں کہ اجتماع کے بعض شرکاء کی طرف سے مقالوں میں اور بحث کے دوران کچھ ایسی باتیں بھی سامنے آئی ہیں، جن سے میڈیکل اِنشورنس کے قمار کے بجائے تعاون پر مبنی ہونے کا اِشارہ ملتا ہے، اِس لئے یہ اجتماع مناسب سمجھتا ہے کہ ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کی طرف سے علماء اور ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو انشورنس کمپنیوں کے اُصول وضوابط اور مختلف شکلوں کا جائزہ لے کر اپنی تحقیق پیش کرے۔ اُس کے بعد اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اِس پر دوبارہ غور کیا جائے گا۔

(۳) قانونی مجبوری کی صورت میں میڈکل انشونس کرانے کی گنجائش ہے۔

(۴) ملازمین کے لئے غیر اختیاری انشورنس جس میں انشورنس کی رقم ان کی تنخواہوں سے کمپنی ازخود کاٹ لیتی ہے یا وہ اپنے پاس سے جمع کراتی ہے تو اس طرح کی انشورنس پالیسی سے ملازمین کو فائدہ اُٹھانے کی گنجائش ہے۔

(۵) اسپتالوں کی طرف سے مخصوص بیماریوں کے علاج کے لئے جاری کئے جانے والے میڈیکل پیکیج لے کر اس سے فائدہ اُٹھانا جائز اور درست ہے۔

(٦) حکومت غریبوں کے لئے بلا معاوضہ یا معمولی رقم بطور فیس لے کر کارڈ جاری کر کے جو طبی امداد فراہم کرتی ہے اس سے بھی انتفاع جائز ہے۔

(۷) آج کل ایک طرف جہاں نت نئی بیماریاں عام ہیں وہیں ان کا علاج بھی گراں سے گراں تر ہوتا جارہا ہے خصوصاً اعضاء رئیسہ (دل گردہ وغیرہ) کا تعطل اور کینسر وغیرہ کا علاج ایک غریب؛ بلکہ متوسط طبقے کے لئے بھی ناقابل تحمل ہے، اس لئے بلا شبہ انسانی معاشرے کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ امداد باہمی کا ایسا نظام قائم کیا جائے جس سے ضرورت مندوں کا بروقت تعاون ہوسکے۔

بریں بنا یہ فقہی اجتماع تمام مسلم اِداروں بالخصوص طب وصحت اور رفاہی خدمات سے جڑی ہوئی تنظیموں کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرۂ اثر میں منکرات ومحرمات سے بچتے ہوئے شرعی تکافل (اِمداد باہمی) کا نظام قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اور اِس سلسلے میں اِسلامی اُصولوں پر مبنی تکافل کا جو طریقۂ کار بعض مسلم ملکوں میں متعین کیا گیا ہے، اُس سے استفادہ کیا جائے۔

نوٹ:- مذکورہ بالا تجویز کی دفعہ ۲؍ کی بنیاد پر اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے سترہویں فقہی اجتماع منعقدہ ۱۳-۱۵؍ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲-۱۴؍ اگست ۲۰۲۲ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار بمقام: حج بھون بنگلور کرناٹک میں اِس موضوع پر مزید غور وخوض کیا گیا اور درج ذیل تجویز اتفاق رائے سے منظور کی گئی:

صحت اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے، اِسی بنا پر اِسلام میں حفظانِ صحت پر خاص توجہ دی گئی ہے؛ لہٰذا تندرستی کا خیال رکھنا اور حسبِ وسعت بیماریوں کا علاج کرانا مشروع ہے۔

(۱) موجودہ ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں کسی نا قابل تحمل مصارف بیماری میں مبتلا ہونے کے اندیشہ سے اگر ضرورت مند لوگ ''میڈیکل (ہیلتھ) انشورنس'' کی پالیسی سے استفادہ کریں تو اُس کی گنجائش ہے۔

(۲) انفراداً یا گروپ کی شکل میں ضرورۃً میڈیکل انشورنس کراتے وقت بہتر یہ ہے کہ کمپنی سے معاہدہ کرلیا جائے کہ سالانہ پریمیم جمع کرنے کے عوض وہ سال میں کم از کم ایک مرتبہ اپنے ممبران کا میڈیکل چیک اَپ ضرور کرائے گی، تو ایسے ہیلتھ انشورنس سے بھی استفادہ کی اِجازت ہے اور میڈیکل انشورنس کی یہ شکل ''عقود الصیانۃ'' (سروس کنٹراکٹ) کے مشابہ ہے۔

○

سرکاری وغیر سرکاری چند منافع بخش اسکیموں کے شرعی احکام

''سرکاری وغیر سرکاری چند منافع بخش اسکیموں کے شرعی احکام'' سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے پندرہویں فقہی اجتماع منعقدہ: ۲۱-۲۳ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷-۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ جمعرات جمعہ (بمقام مدنی ہال مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (اَز: مرتب)

تمہید:- مختلف سرکاری یا غیر سرکاری اِدارے (مثلاً: بینک، کمپنیاں وغیرہ) پسماندہ طبقات کے فائدے یا رفاہِ عام اور اِنسانی ہمدردی کے جذبہ سے مختلف قسم کی اسکیمیں جاری کرتے ہیں، جن کے ذریعہ تعلیم، صحت، علاج، مکان، تجارت اور زراعت وغیرہ کے میدان میں عام آدمی کو کسی قدر فائدہ بھی پہنچتا ہے۔

ضرورت ہے کہ اِس طرح کی اسکیموں کا بغور جائزہ لے کر اُن کا شرعی حکم بیان کیا جائے؛ تاکہ جو حضرات اِس نظام سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں، اُن کے سامنے اَصل صورتِ حال واضح ہوسکے۔

اِسی لئے ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' جمعیۃ علماء ہند علماء اور مفتیانِ کرام کو اِس قسم کی چند مروجہ اِسکیموں کے بارے میں غور وفکر کی دعوت پیش کرتا ہے۔ اُمید ہے کہ تنقیح وتحقیق کے بعد حکم شرعی واضح کیا جائے گا۔

اِسی مقصد سے چند سوالات پیش خدمت ہیں:

سرکار کی طرف سے بچیوں کی پیدائش پر تعاون کی اسکیم

سوال (۱/۱۰۳۱): - **الف:** حکومت نے لڑکی کی پیدائش کے متعلق ایک اسکیم بنائی ہے، جس کے تحت بچی کی پیدائش پر متعلقہ محکمہ سے فارم کی خانہ پری کے بعد حکومت اس لڑکی کے نام پر بینک میں دس ہزار روپئے جمع کرتی ہے اور ۱۵ رسال پورے ہونے پر لڑکی کے کھاتے میں حکومت کی طرف سے ایک لاکھ روپئے جمع کردئے جاتے ہیں، درمیان میں لڑکی یا اس کے والدین کی طرف سے کچھ جمع کرنا نہیں پڑتا، تو سوال یہ ہے کہ کیا اولاً جمع کئے جانے والے صرف دس ہزار روپئے کو حکومت کا انعام مانا جائے اور ۱۵ رسال بعد دس کی جگہ ایک لاکھ کو سود قرار دیا جائے؟ یا پوری رقم کو سرکاری تعاون قرار دے کر اس سے انتفاع کو حلال قرار دیا جائے؟ جو بھی شکل راجح ہو اسے مدلل تحریر فرمائیں۔

ب: - بچیوں کی پیدائش کے سلسلہ میں بعض صوبوں میں اس طرح کی اسکیم بھی جاری کی گئی ہے کہ بچی کی پیدائش پر اس کے نام سے بینک میں کھاتہ کھول کر ہر ماہ کچھ رقم جمع کرائی جاتی ہے (مثلاً پانچ سو یا ہزار روپئے) پھر جب لڑکی ۱۸ رسال کی ہوجاتی ہے تو جمع شدہ رقم کی تین گنی مقدار حکومت کی طرف سے اس کے کھاتے میں جمع کردی جاتی ہے (مثلاً اگر دو لاکھ روپئے جمع ہوئے تو چھ لاکھ روپئے حکومت جمع کرائے گی) تو سوال یہ ہے کہ یہ اضافی رقم سود کے دائرہ میں داخل ہوگی یا حکومتی تعاون کہلائی جائے گی؟ اور اس طرح کی اسکیم سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: -(۱) **الف:** اگر حکومت کی طرف سے لڑکی کے نام پر بینک میں جمع شدہ رقم پر لڑکی یا اس کے والدین وغیرہ کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہوتا اور پھر ۱۵ رسال پورے ہونے پر اسی کھاتے میں حکومت کی طرف سے مزید رقم جمع کرائی جاتی ہے، تو یہ

پوری رقم حکومت کی طرف سے عطیہ اور انعام کے درجہ میں ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے پرائیویڈٹ فنڈ میں حکومت کی طرف سے اضافہ کیا جاتا ہے، جس کی حلت پر فتویٰ ہے۔

التبرع: العطاء بغير مقابل. (معجم لغة الفقهاء ۱۲۰ کراچی)

الهبة لغة التفضل على الغير بما ينفعه ولو غير مال، واصطلاحًا: هي تمليك العين بلاعوض. (البحر الرائق ۴۸۳/۷ زکریا، ۲۸۴/۷ کراچی)

ب:- مسئولہ صورت میں لڑکی کے نام سے اس کے گھروالوں کی جانب سے جمع شدہ رقم پر حکومت کی طرف سے تین گناہ رقم دینا سراسر سود ہے، اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

وقال تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَاْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَّاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

اعلم أن الربا قسمان: النسيئة وربا الفضل، وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذلک أنهم كانوا يدفعون المال علىٰ أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا، ويكون رأس المال باقيًا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهٰذا هو الربا الذي كان في الجاهلية يتعاملون به. (التفسير الكبير للإمام الرازي [البقرة: ۲۷۵] ۹۱/۷)

قال مالک: والأمر المكروه الذي لا اختلاف فيه عندنا أن يكون للرجل على الرجل الدين إلىٰ أجل فيضع عنه الطالب ويعجله المطلوب، قال مالک: وذٰلک عندنا بمنزلة الذي يؤخر دينه بعد محله عن غريمه، ويزيده الغريمة في حقه، قال هٰذا الربا بعينه لا شک فيه. (الموطا للإمام مالك، ۲۷۹)

اقلیتی طبقے کے لئے روزگار میں تعاون کی اسکیم

سوال (۱۰۳۲/۲): - حکومت کی طرف سے خاص طور پہ اقلیتی طبقہ اور بے روزگار لوگوں کے لئے یہ اسکیم شروع کی گئی ہے کہ حکومت طلب گار کو حسبِ شرائط مثلاً ایک لاکھ روپئے دیتی ہے، جن میں ۸۰/ ہزار روپئے بطور تعاون دئے جاتے ہیں اور ۲۰/ ہزار روپئے بطور قرض ہوتے ہیں، اور اس ۲۰/ ہزار روپئے پر حکومت حسبِ ضابطہ سود لیتی ہے، یعنی اس رقم کی ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوگی اتنی ہی اس پر سود کی رقم بڑھتی جائے گی، کیا ایک مسلمان کے لئے اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - (۲) اِس صورت میں ۸۰/ ہزار روپئے حکومت سے بطور تعاون لینے میں تو کوئی اشکال نہیں ہے؛ البتہ ۲۰/ ہزار روپئے جن میں واپسی پر سود کی شرط لگی ہوئی ہے، اس کی قسطیں اگر پہلے سے طے ہوں اور تمام قسطیں مقررہ وقت پر اَدا کی جائیں تو اس طرح معاملہ کرنے کی گنجائش ہوگی۔

اور اگر مقررہ وقت پر اَدائیگی نہ ہو جس کی وجہ سے سود کے نام کی رقم بڑھتی چلی جائے تو اس میں بھی دو پہلو نکلتے ہیں:

الف: - اس معاملہ کو سودی قرار دیا جائے۔

ب: - دوسرا پہلو یہ ہے؛ جو بظاہر راجح ہے کہ سود کے نام پر دی جانے والی رقم جب تک ایک لاکھ سے زائد نہ ہو اس وقت تک اس پر سود کا حکم نہ لگایا جائے؛ کیوں کہ اس میں انجام کار تعاون کا پہلو نکل سکتا ہے؛ اِس لئے کہ حکومت کی نگاہ میں ۸۰/ ہزار اور ۲۰/ ہزار دونوں آپس میں مربوط ہیں، ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ (مستفاد: کتاب النوازل ۱۱/ ۳۲۷)

التبرع بأنواعه المختلفة من الخير فيكون مشروعًا بهذه الأدلة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ وأما السنة، فإن

الأحاديث الدالة علىٰ أعمال الخير كثيره...... ومنها: تهادوا تحابوا .... وأما الإجماع فقد اتفقت الأمة علىٰ مشروعية التبرع ولم ينكر ذلك أحدٌ.

(الموسوعة الفقهية ۱۰/٦٥-٦٧ الكويت) نیز دیکھئے: ۱۵/۷۷، ۱/١٤٦، معجم لغة الفقهاء ۱۲۰، ٤٩٢، رد المحتار / كتاب الهبة ٤٨٨/٨ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية / كتاب الهبة ٤١٢/١٤ رقم: ۲۱۰۳۵ زكريا)

اعلیٰ تعلیم کے لئے سودی قرض

سوال (۳/۱۰۳۳):- اعلیٰ ڈگری کے حصول کے لئے حکومت بینک کی طرف سے طالب علم کو قرض دلاتی ہے اور دوران تعلیم اس قرض پر جو سود عائد ہوتا ہے وہ حکومت اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، طالب علم کو ادا کرنا نہیں پڑتا؛ البتہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد اس رقم کی ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوگی اس کا سود طالب علم کو خود دینا ہوگا، اس طرح کی اسکیم سے مسلم طلباء کے استفادہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۳) اِس معاملہ میں چونکہ صراحۃً سود کی شرط لگی ہوئی ہے؛ اس لئے اس اسکیم سے مسلمانوں کے لئے فائدہ اٹھانا شرعاً درست نہ ہوگا؛ البتہ اگر کسی شخص کے پاس ایسا انتظام ہو کہ وہ بلاسودی قرض لے کر تعلیم مکمل کرلے اور اس کے فوراً بعد پوری رقم جمع کرسکے کہ انجام کار کوئی سود دینا نہ پڑے تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ (کتاب النوازل ۱۱/۱۰۴ فرید بک ڈپو دہلی)

اعلم أن الربا قسمان: النسيئة وربا الفضل. وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال علىٰ أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا، ويكون رأس المال باقيًا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق

والأجـل، فهٰـذا هو الربا الذي كان في الجاهلية يتعاملون بهٖ. (التـفسير الكبير للإمام الرازي [البقرة: ۲۷۵] ۹۱/۷)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آيت: ۲۷۵]

عـن عـلـقـمة عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربا وموكله. (صحيح مسلم ۲۷/۲)

عـن عـلي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (إعلاء السنن، كتـاب الحوالة ، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ١٤/ ٥١٢ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

قـال مـالک: والأمر المكروه الذي لا اختلاف فيه عندنا أن يكون للرجل عـلـى الـرجـل الـدين إلىٰ أجلٍ فيضع عنه الطالب ويعجله المطلوب، قال مالک: وذلک عـنـدنـا بـمنزلة الذي يؤخر دينه بعد محله عن غريمهٖ، ويزيده الغريمة في حقهٖ، قال هٰذا الربا بعينه لا شک فيه. (الموطا للإمام مالك ص: ۲۷۹)

بچوں کی تعلیم کے فروغ کے لئے سودی اسکیم

سوال (۱۰۳۴/۴): - اکسس (AXIS) بینک نے تعلیم کے فروغ کے مقصد سے ایک اسکیم جاری کی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ بچہ کا والد اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے پانچ سال تک بینک میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ جمع کرے، جب پانچ سال کی مدت پوری ہوجائے تو آگے جتنی مدت تک بینک میں اس پیسہ کو چھوڑے رکھے گا اس کو غیر متعینہ نفع ملتا رہے گا، جو کم بھی ہوسکتا اور زیادہ بھی؛ البتہ اس میں نقصان کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تو اِس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - (۴) سوال میں ذکر کردہ صورت سود پر مشتمل ہے،

اس میں اگرچہ نفع کی مقدار متعین نہیں ہے؛ لیکن بہرحال پانچ سال میں جمع شدہ رقم سے زائد رقم دینے کا محظور پایا جارہا ہے، اِس لئے یہ صورت جائز نہ ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آيت: ٢٧٥]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَاْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَّاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ١٣٠]

اعلم أن الربا قسمان: النسيئة وربا الفضل. وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا، ويكون رأس المال باقيًا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهٰذا هو الربا الذي كان في الجاهلية يتعاملون به. (التفسير الكبير للإمام الرازي [البقرة: ٢٧٥] ٩١/٧)

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٥١٢/١٤ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

قال مالک: والأمر المكروه الذي لا اختلاف فيه عندنا أن يكون للرجل على الرجل الدين إلىٰ أجلٍ فيضع عنه الطالب ويعجله المطلوب، قال مالک: وذلک عندنا بمنزلة الذي يؤخر دينه بعد محله عن غريمه، ويزيده الغريمة في حقه، قال هٰذا الربا بعينه لا شک فيه. (الموطا للإمام مالك ص: ٢٧٩)

مویشی پالن وغیرہ میں تعاون کی سرکاری اسکیم

سوال (۱۰۳۵/۵):- سرکار مویشیوں کو خریدنے کے لئے کسی شخص کو مدد کی غرض سے مثلاً دس لاکھ روپئے دیتی ہے اور ان دس لاکھ میں سے صرف پانچ لاکھ روپئے

واپس لیتی ہے، حتی کہ ان خریدے ہوئے جانوروں میں سے کوئی جانور مرجائے تو مطالبہ پر اس کی رقم حکومت کی طرف سے دوبارہ دی جاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو اس معاملہ کو شریعت کے کس اصول کے تحت رکھا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۵) مویشی پالن کی مذکورہ اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور یہ سرکاری تعاون کی ایک شکل ہے، اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔

الهبة لغة: التفضل على الغير ولو غير مال، وشرعًا: تمليك العين مجَّانا أي بلا عوضٍ. (رد المحتار ۸/۴۸۸ زکریا)

الأصل إباحة الجائزة علىٰ عمل مشروعٍ سواء أ كان دينيًا أو دنيويًا؛ لأنه من باب الحث علىٰ فعل الخير والإعانة عليه بالمال، وهو من قبيل الهبة.

(الموسوعة الفقهية ۱۵/۷۷ الكويت)

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يُعلم أنه يُعطيه من حرام. قال محمد: وبهٖ نأخذ ...... وهو قول أبي حنيفة وأصحابه الخ. (الفتاویٰ الهندية ۵/۳۹۶ جديد زكريا، ۵/۳۴۲ قديم زكريا)

ڈرا بیک کا حکم

سوال (۶/۱۰۳۶):- ایک شخص ایکسپورٹ کا کاروبار کرتا ہے، سرکار ہر مصنوعات ایکسپورٹ کرنے پر الگ الگ فیصد کے حساب سے ''ڈرابیک'' (واپس اضافی رقم) دیتی ہے، جیسے ایک آدمی نے پیاز ایکسپورٹ کی تو سرکار اس ایکسپورٹ کردہ پیاز کی قیمت کا تین فیصد اپنی جانب سے ایکسپورٹر کو دیتی ہے، تو کیا اس اسکیم سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور سرکار کی طرف سے دی جانے والی رقم کو کس زمرہ میں رکھا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (٦) تحقیق سے معلوم ہوا کہ حکومت بیرونی کاروبار (ایکسپورٹ امپورٹ) کے فروغ کے لئے ڈرابیک پالیسی جاری کرتی ہے، جس کی بنیاد پر ایکسپورٹ شدہ سامان کی قیمت پر فیصدی کے اعتبار سے بائع کو رقم مہیا کی جاتی ہے، تو یہ سرکاری تعاون کی ایک صورت ہے، جس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱؍۳۴)

الهبة لغة: العطية الخالية عن الأعواض والأغراض أو التبرع بما ينفع الموهوب له مطلقًا، وهي شرعًا: تمليك العين بلا عوضٍ. (الموسوعة الفقهية ١٤٦/١ الكويت)

والهبة: التمليك بلا عوض، وتمليك في الحياة بغير عوضٍ. (لغة الفقهاء ص: ١٢٠ ص: ٤٩٢)

التبرع بأنواعه المختلفة من الخير فيكون مشروعًا بهذه الأدلة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ وأما السنة، فإن الأحاديث الدالة علىٰ أعمال الخير كثيره...... ومنها: تهادوا تحابوا .... وأما الإجماع فقد اتفقت الأمة علىٰ مشروعية التبرع ولم ينكر ذلك أحدٌ. (الموسوعة الفقهية ١٠/٦٥-٦٧ الكويت) نیز دیکھئے: ٧٧/١٥، ١٤٦/١، معجم لغة الفقهاء ١٢٠، ٤٩٢، رد المحتار / كتاب الهبة ٤٨٨/٨ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية / كتاب الهبة ٤١٢/١٤ رقم: ٢١٥٣٥ زكريا)

هي (الهبة) لغة: التفضل على الغير ولو غير مالٍ، وشرعًا: تمليك العين مجّانا أي بلا عوضٍ، لا أن عدم العوض شرط فيه. (الدرالمختار مع رد المحتار / كتاب الهبة ٤٨٨/٨ زكريا)

الأصل إباحة الجائزة علىٰ عمل مشروعٍ سواء أكان دينيًا أو دنيويًا؛ لأنه من باب الحث علىٰ فعل الخير والإعانة عليه بالمال، وهو من قبيل الهبة. (الموسوعة الفقهية ٧٧/١٥ الكويت)

''ڈیبٹ کارڈ'' کے استعمال پر ''کیش بیک'' کا حکم

سوال (۱۰۳۷/۷): - اسٹیٹ بینک آف انڈیا (SBI) نے اپنے صارفین کے لئے یہ اسکیم جاری کی ہے کہ اگر صارف اس کا ''ڈیبٹ کارڈ'' استعمال کر کے کچھ خریداری کرے تو وہ پانچ فیصد نقد واپس کرتی ہے، مثلاً کوئی شخص ۱۵/ ہزار کا سامان ڈیبٹ کارڈ سے خریدے تو بینک پانچ فیصد کے حساب سے ساڑھے سات سو روپئے واپس کرتی ہے، تو شرعاً اس واپس شدہ رقم لینے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۷) ''ڈیبٹ کارڈ'' کے ذریعہ خریداری پر بینک کی طرف سے جو رقم واپس ملتی ہے، اس کو لینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ رقم دراصل ''کیش لیس اکانومی'' (ہاتھ در ہاتھ لین دین کے بغیر رقومات کی منتقلی والی تجارت) کے فروغ کے لئے بطور حوصلہ افزائی دی جاتی ہے، اس میں بظاہر حرمت کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔

الأصل إباحة الجائزة علیٰ عمل مشروعٍ سواء أ كان دينيًا أو دنيويًا؛ لأنه من باب الحث علیٰ فعل الخير والإعانة عليه بالمال، وهو من قبيل الهبة.

(الموسوعة الفقهية ۱۵/۷۷ الكويت)

هي (الهبة) لغة: التفضل على الغير ولو غير مالٍ، وشرعًا: تمليك العين مجّانا أي بلا عوضٍ. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الهبة ۸/۴۸۸ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۲/ جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۸/ فروری ۲۰۱۹ء

منظور شدہ تجویز: سرکاری وغیر سرکاری چند منافع بخش اسکیموں کے شرعی احکام

پندرہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ: ۲۱-۲۳/ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷-۲۹/ مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ- جمعہ

(بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی)

اِدارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کے پندرہویں فقہی اجتماع میں ''سرکاری وغیر سرکاری چند منافع بخش اسکیموں کے شرعی احکام'' پر بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) حکومت بعض اسکیموں کے تحت نومولود بچی کے نام پر بینک میں ایک متعینہ رقم جمع کرتی ہے جس میں سردست بچہ یا اُس کے سرپرست کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہوتا، پھر ایک مدت کے بعد حکومت ہی کی طرف سے اُس بچی کے کھاتے میں مزید رقم کا اِضافہ کر دیا جاتا ہے، لڑکی یا اُس کے والدین کی طرف سے بینک میں کوئی رقم جمع نہیں کی جاتی، تو یہ پوری رقم حکومت کا تعاون ہے، اِس سے حسبِ شرائط انتفاع شرعاً جائز ہے۔

(۲) ''سوکنیا سمردھی یوجنا'' یا اِس جیسی دیگر اسکیمیں جن میں دس سال سے کم عمر کی لڑکی کے والدین اُس کے نام سے بینک میں کھاتہ کھول کر ایک متعینہ رقم خاص عمر تک جمع کراتے ہیں اور بینک اِس جمع شدہ رقم پر سالانہ نو فیصدی یا کم وبیش اِضافہ کرتا ہے، تو مذکورہ صورت میں والدین کی طرف سے لڑکی کو مالک بنا کر جمع کردہ رقم پر بینک کی طرف سے جو اِضافہ ہوگا وہ صراحۃً سود ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔

(۳) حکومت کی طرف سے اَقلیت اور پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے بے روزگار نوجوانوں کو بعض اسکیموں کے تحت ایک رقم دی جاتی ہے، جس کا بڑا حصہ معاف کر دیا جاتا ہے اور

بقیہ رقم مع سود واپس کی جاتی ہے، تو اِس صورت میں اگر سود کے نام پر دی جانے والی رقم معاف کردہ رقم کے برابر یا اُس سے کم ہو، تو اُس پر شرعی سود کی تعریف صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ حکومت سے اُس نے جو کل رقم لی تھی، واپسی اُس سے زیادہ کی نہیں ہورہی ہے، تو اِس اسکیم سے فائدہ اُٹھانے کی گنجائش ہوگی؛ لیکن اگر واپس شدہ رقم کل رقم سے زیادہ ہوجائے تو اِس کی گنجائش نہ ہوگی۔

(۴) اگر حکومت اعلیٰ تعلیم کے لئے اِس طرح قرض فراہم کرے کہ دورانِ تعلیم سود کی رقم حکومت خود اَدا کرے گی؛ البتہ تعلیم کی تکمیل کے بعد متعینہ مدت سے تاخیر کی صورت میں طالب علم کو حسبِ ضابطہ سود اَدا کرنا پڑے گا، تو اِس صورت میں اگر طالبِ علم کو پورا اعتماد ہو کہ وہ متعینہ مدت سے پہلے رقم واپس کردے گا اور اُس پر سود لازم نہ آئے گا، تو اُس کے لئے اس اسکیم سے فائدہ اُٹھانا جائز ہوگا۔

(۵) فروغ تعلیم کے نام پر بعض بینکوں کی طرف سے یہ اسکیم جاری کی گئی ہے کہ بچے کا باپ اُس کی طرف سے متعینہ مدت تک بینک میں سالانہ مثلاً ایک لاکھ روپیہ جمع کرے تو اُس پر مقررہ مدت کے بعد بینک جو زائد رقم دیتا ہے وہ سودی معاملہ پر مشتمل ہے، اِس لئے اِس اسکیم سے فائدہ اُٹھانا ناجائز ہے۔

(٦) مویشی پالن اسکیم کے تحت حکومت غیر سودی قرض فراہم کرتی ہے، جس کا بعض حصہ معاف کردیا جاتا ہے، اِس اسکیم سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے۔

(۷) مال ایکسپورٹ کرنے پر ڈرا بیک پالیسی کے تحت حکومت جو کچھ فیصد رقم ایکسپورٹر کو دیتی ہے، یہ ایک انعام ہے، اِس سے استفادہ شرعاً جائز ہے۔

(۸) ڈیبٹ کارڈ استعمال کرنے پر کمپنی کی طرف سے جو کیش بیک ملتا ہے، اُس کو لینا جائز ہے۔

○❖○

مصارفِ سود

رفاہِ عام کا مطلب

سوال (۱۰۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رفاع عام کا جچا تلا معیار فی زمانہ کیا ہے؟ یعنی کس طرح کے مصرف میں خرچ کرنے کو رفاہِ عام میں خرچ کرنا کہا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- رفاہِ عام سے مراد ایسی چیز ہے، جس سے بلا کسی امتیاز اَمیر غریب، مسلم وغیر مسلم سب کو فائدہ اُٹھانے کی اجازت ہو، مثلاً سرکار کی طرف سے لگائے گئے ''ہینڈ پمپ'' یا عام راستہ یا فٹ پاتھ پر بنے سائبان وغیرہ۔ (مستفاد: فیروز اللغات: ۷۱۳۰) اِس میں سودی رقم لگانا جائز نہیں ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع ۵۵۳/۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم سے غریب قرض دار کی مدد کرنا

سوال (۱۰۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا سود کے پیسوں کو کسی مسلمان کی گردن چھڑانے میں جو بینک یا ساہوکار سے سود پر رقم لے کر پھنسا ہوا ہے اس کے سود سے نجات دلانے کی وجہ سے اس کو بینک سے ملا سود دیا جا سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو شخص غریب فقیر ہو اور سودی قرضوں کے بوجھ میں دبا ہوا ہو اس کی گردن چھڑانے کے لئے سودی رقم سے مدد کرنا جائز ہے۔

یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مرکز الشیخ أبي الحسن الندوي أعظم جراه)

ویردونها علی أربابها أن عرفوهم وإلا تصدقوا بها لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغیره ۵۵۳/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۹/۴/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا شادی کے لئے سودی قرض لیا جاسکتا ہے؟

سوال (۱۰۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا شادی کے لئے سودی قرض لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز کیا زیور گروی رکھ کر سود پر پیسہ لیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بلا ضرورتِ شدیدہ سودی قرض لینا بہرحال ناجائز ہے، خاص طور پر شادی کی بے جا رسومات وتکلفات کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ﴾ [بني اسرائیل: ۲۷]

عن عائشة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن أعظم النکاح برکة أیسره مؤنة. (مشکاة المصابیح، کتاب النکاح / باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثالث ۲۶۸/۲)

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جر منفعة فهو ربا. وفي هامشه: وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن ٤٩٩/١٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۶/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچی کے نام پر فکس ڈپازٹ کرا کر رقم اُس کی شادی میں خرچ کرنا

سوال (۱۰۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بچی کی شادی کے لئے لوگ بچپن ہی سے اس کے نام پر کچھ رقم فکس ڈپازٹ کرا دیتے ہیں اور پھر شادی کے موقع پر سود سمیت اس رقم کو نکال کر خرچ کرتے ہیں، تو یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بینک میں فکس ڈپازٹ کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سراسر سود اور حرام ہے، کسی بھی مسلمان کے لئے اس رقم کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا یا تقریبات میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۳۲۳/۲۰ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

عن فضالة بن عبيد رضي اللّٰه عنه صاحب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / كتاب البيوع ٧٤١/٥ دار الحديث القاهرة، ٥٧٣/٥ رقم: ١٠٩٣٣ دار الكتب العلمية بيروت)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب الربا ٢٧/٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في أكل الربا ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الربا ٢٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کے سروس چارجز اور لاکر کی اُجرت میں سودی رقم دینا

سوال (۱۰۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل ہمیں مجبوراً بینک میں کھاتہ کھولنا پڑتا ہے، جس میں چیک یا ATM کے ذریعہ رقومات کی منتقلی کے لئے بینک مقررہ چارج لیتا ہے، اِسی طرح بینک ''لاکر'' کی سہولت دیتا ہے، جس پر مقررہ چارج دینا پڑتا ہے، تو یہ ''چارجز'' سودی رقم سے اَدا کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ مدلل اور بالتفصیل مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بینک کے ''سروس چارجز'' اور ''لاکر'' کی اُجرت سود سے اَدا کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ رقومات کی منتقلی اور ''لاکر'' کے ذریعہ سامان کی حفاظت ایسی منفعت ہے، جس پر اُجرت لینے کی گنجائش ہے۔ بریں بنا اُس میں سودی رقم صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

الأجرة هي ما يلتزم به المستأجر عوضًا عن المنفعة التي يتملكها، وكل ما يصلح أن يكون ثمنًا في البيع يصلح أن يكون أجرة في الإجارة، وقال الجمهور: إنه يشترط في الأجرة ما يشترط في الثمن. (الموسوعة الفقهية ۱/۲٦۳ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وأما شروط الأجرة فهي اثنان أولا: أن تكون الأجرة مالًا متقومًا معلومًا، وهذا باتفاق العلماء ومحترزات هذا الشرط معروفة كما في عقد البيع. (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود أو التصرفات المدنية المالية / شرط المحل المعقود عليه ٤/٧٤٩ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پولیس یا ٹی سی کی فائن رسید میں سودی رقم دینا

سوال (۱۰۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض دفعہ پولیس والے یا ٹرین کے ٹی سی خلافِ قانون حرکت کی وجہ سے فائن لگاتے ہیں، اور اُس کی باقاعدہ رسید کاٹ دیتے ہیں، تو اس میں سرکاری یا غیر سرکاری بینک کا سود صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اَحناف کے نزدیک چوں کہ مالی جرمانہ جائز نہیں ہے؛ لہٰذا پولیس یا ٹی سی کے ذریعہ جرمانے کی رسید کاٹنے پر سرکاری بینک سے حاصل شدہ رقم دینے کی گنجائش ہے؛ گویا کہ یہ بھی مالک کو رقم لوٹے کی ایک شکل ہے۔

ولا بأخذ مال في المذهب (الدر المختار) وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (رد المحتار، كتاب الحدود / باب التعزير ١٠٥/٦-١٠٦ زكريا)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٥٥٣/٩ زكريا، ٣٨٥/٦ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ٣٤٩/٥ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انکم ٹیکس ریٹرن کرانے والے وکیل کی فیس سودی رقم سے دینا

سوال (۱۰۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انکم ٹیکس ریٹرن کے کاغذات تیار کرنے کے لئے جو وکیل لگایا جاتا ہے، اُس کی فیس سرکاری یا غیر سرکاری بینک کے سود سے اَدا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- کسی بھی طرح کی سودی رقم وکیل کی فیس کی اَدائیگی میں لگانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ سودی رقم کا مصرف یہ ہے کہ یا تو اُسے اصل مالک کو واپس کیا جائے اور اگر یہ مشکل ہو تو بلانیت ثواب غریبوں میں تقسیم کردیا جائے۔

من ملک بملک خبیث ولم یمکنه الرد إلی المالک، فسبیله التصدق علی الفقراء. (معارف السنن / أبواب الطهارة ۳٤/۱ المکتبة الأشرفیة دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری بینک کا سود انکم ٹیکس یا زمین کے اسٹام پیپر میں لگانا

سوال (۱۰۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری آمدنی پر گورنمنٹ جو ہم سے انکم ٹیکس لیتی ہے، یا زمین کی رجسٹری کے وقت جو بڑی مقدار میں گراں قیمت اسٹامپ پیپر خریدنے پڑتے ہیں، تو اُس میں ہم سرکاری یا غیر سرکاری بینک کا بیاج صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ حضور والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سرکاری بینک سے حاصل شدہ رقم اگر انکم ٹیکس یا زمین کی خریداری کے لئے اسٹامپ پیپر میں صرف کی جائے تو یہ بھی مالک کو اُس کی رقم واپس کرنے کی ایک شکل ہوگی؛ لہٰذا اِس کی گنجائش ہے؛ لیکن غیر سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود کو اُس میں صرف نہیں کیا جائے گا۔

صرح الفقهاء بأن من اکتسب مالًا بغیر حق، فإما أن یکون کسبه بعقد فاسد، کالبیوع الفاسدة والاستئجار علی المعاصي والطاعات أو بغیر عقد،

كـالسـرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حـرام عـليـه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مـالـكه إن وجد المالك، وإلاَّ ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تـلـك الأموال على الفقراء. (بـذل الـمجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي أعظم جراه، ١٤٧/١ مطبع ندوة العلماء لكناؤ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعمیری نقشہ پاس کرانے کے لئے سودی رقم دینا

سوال (۱۰۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نگر پالیکا والے گھروں سے سالانہ ہاؤس ٹیکس (پراپرٹی ٹیکس) وصول کرتے ہیں، اِسی طرح آج کل گھروں کی تعمیر کا نقشہ پاس کرانے کے لئے بھاری فیس دینی پڑ رہی ہے، اور اگر بغیر نقشہ کے تعمیر کرلی جائے تو سرکار کی طرف سے بڑا جرمانہ لیا جاتا ہے، تو اِس طرح کے ٹیکسوں میں سودی رقم صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ آپ سے درخواست ہے کہ مسئلہ کو مدلل اور بالتفصیل بیان فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- محض مکان کی ملکیت کی بنیاد پر جو ہاؤس ٹیکس لیا جاتا ہے، اِسی طرح تعمیر کا نقشہ پاس کرانے کے لئے جو گراں قدر فیس اَدا کی جاتی ہے، یہ سب شرعاً غیر واجبی ٹیکسوں میں شامل ہے؛ لہٰذا اِس میں سرکاری بینک سے حاصل شدہ سودی رقم دینے کی گنجائش ہے۔

ويبـرأ بـردهـا ولو بغير علم المالك الخ، وفي البزازية: غصب دراهم إنسـان مـن كيسـه ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرىٰ

كهبة وإيداع وشراء الخ. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الغصب ٢٦٦/٩-٢٦٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاڑی کے انشورنس میں سود کی رقم جمع کرنا

سوال (۱۰۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاڑی کا انشورنس کرانے کے لئے مجبوری میں جو رقم جمع کرائی جاتی ہے، اُس میں سرکاری یا غیر سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود جمع کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ آج کل یہ قانون بنا ہے کہ اگر نئی گاڑی خریدی جائے تو ۵؍سال تک انشورنس کرانا لازم ہے، ورنہ گاڑی خرید نہیں سکتے اور ویسے بھی اگر گاڑی کا انشورنس نہ ہو اور کوئی حادثہ پیش آجائے، تو پولیس والے جرمانہ قائم کرتے ہیں اور مقدمہ درج کرتے ہیں؛ جب کہ انشورنس ہونے کی صورت میں یہ سارے معاملات انشورنس کمپنی خود نپٹاتی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- گاڑی کے انشورنس کرانے سے چوں کہ انجام کار انشورنس کرانے والے کو منفعت حاصل ہوتی ہے کہ وہ بہت سے نقصانات سے محفوظ رہتا ہے؛ اِس لئے گاڑی وغیرہ کے انشورنس میں سودی رقم استعمال کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ اگر ضرورت ہو تو اُس میں اپنی ذاتی حلال رقم ہی جمع کرائی جائے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / كتاب البيوع ٧٤١/٥ دار الحديث القاهرة، ٥٧٣/٥ رقم: ١٠٩٣٣ دار الكتب العلمية بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (رد المحتار،

كتـاب الـحـظـر والإباحدة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٥٥٣/٩ زكريا، ٣٨٥/٦ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ٣٤٩/٥ قديم زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم سے بائیک کا چالان جمع کرنا

سوال (۱۰۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک سے ملنے والی سودی رقم سے بائیک کا چالان جمع کرسکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- اگر چالان کی باقاعدہ رسید بنائی جائے اور وہ رقم سرکاری فنڈ میں جمع کرائی جائے تو سرکاری بینک سے ملنے والی سودی رقم اس چالان میں جمع کرانے کی گنجائش ہوگی؛ البتہ غیر سرکاری بینک کا سود اس میں نہیں دیا جائے گا۔ اِسی طرح اگر رسید کاٹے بغیر رشوت کے طور پر پیسے دئے جائیں تو اُس میں کسی طرح کی سودی رقم دینا جائز نہ ہوگا۔

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الردّ على صاحبه. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ٥٥٣/٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈوکومینٹس ٹھیک کرانے کے لئے سودی رقم دینا

سوال (۱۰۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل رواج ہوگیا ہے کہ سرکاری کام کرانے کے لئے کسی آفس میں جائیں تو وہاں رشوت دئے بغیر کام دشوار ہوتا ہے، مثلاً: آدھار کارڈ، الیکشن کارڈ وغیرہ میں نام اور دیگر

معلومات درست کرانے کے لئے بہت زیادہ رقم دی جارہی ہے تو کیا اس میں بینک سے حاصل شدہ رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- رشوت کا لین دین اُصولاً ناجائز ہے؛ لیکن اگر سخت مجبوری ہو تو رشوت دینے کی گنجائش ہے؛ البتہ اِس میں سودی رقم صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (تلخيص الحبير، كتاب القضاء / باب أدب القضاء: ٢ رقم: ٢٠٩٣، كتاب الدعاء للطبراني ص: ٥٧٩ رقم: ٢٠٩٤ دار الكتب العلمية بيروت، فيض القدير ٤٣/٤ رقم: ٤٤٩٠ المكتبة التجارية الكبرىٰ مصر)

ثم الرشوة أربعة أقسام ...... الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب. (رد المحتار، كتاب القضاء/ مطلب في الكلام على الرشوة والهدية ٣٤/٨-٣٥ زكريا)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٥٥٣/٩ زكريا، ٣٨٥/٦ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ٣٤٩/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم کی ریلی میں سودی رقم استعمال کرنا

سوال (۱۰۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غیر مسلم کی ریلی وغیرہ میں چائے، پانی اور بسکٹ وغیرہ سے میزبانی کی جاتی ہے تو

اُس میں سودی رقم استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ ریلی والوں کی ضیافت میں سودی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٥٥٣/٩ زكريا، ٣٨٥/٦ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ٣٤٩/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پے ٹی ایم سے ملنے والے نفع کا حق دار کون ہے؟

سوال (۱۰۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل موبائل پر پے ٹی ایم کے نام سے ایک کمپنی چل رہی ہے، جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں۔ اُس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص پہلے اس کمپنی میں اپنے موبائل سے کھاتہ کھولتا ہے اور اُس میں موبائل کے ریچارج کی طرح پیسے ڈالتا ہے، پھر اگر وہ شخص اس کھاتے کے ذریعہ اپنے بجلی کے بل یا کسی بھی چیز کی اَدائیگی کرتا ہے تو کمپنی پیسے کی مقدار کے اعتبار سے مثلاً: سو پچاس روپئے اس کھاتے والے کے کھاتے میں بھیجتی ہے، جس کے ذریعہ اَدائیگی کی گئی، تو اس طرح حاصل ہونے والے نفع کا کیا حکم ہے؟

بسا اَوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنا کھاتہ نہ ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے شخص سے اپنے بجلی کے بل وغیرہ کی اَدائیگی کراتا ہے، جس کا کمپنی میں کھاتہ ہوتا ہے؛ پھر ملنے والا نفع اس کھاتے والے کے کھاتے میں آتا ہے، اب وہ شخص جس نے بل وغیرہ کی رقم اَدا کرائی وہ اس نفع والی رقم کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ میری ہے، اِس لئے مجھ کو دو اور کھاتے والا کہتا ہے کہ میرے

کھاتے میں رقم آئی ہے اس لئے میں ہی اس کا مالک ہوں، تو آیا ایسی صورت میں اس رقم کا شرعاً کون مستحق ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- پے ٹی ایم استعمال کرنے پر کمپنی کی طرف سے مقررہ ضابطہ کے مطابق واپس ملنے والی رقم انعام کے درجہ میں ہے اور حسبِ ضابطہ اس انعام کا مستحق وہی شخص ہے جس کا کھاتا کمپنی میں درج ہے؛ لہٰذا پے ٹی ایم کھاتے دارخواہ اپنی رقم جمع کرائے یا دوسرے کی رقم منتقل کرے، بہرصورت وہی ملنے والے انعام کا مستحق ہوگا، جس دوسرے شخص نے رقم جمع کرائی ہے وہ مستحق نہیں۔

الثالث: ما جرى به عمل بعض التجار أنهم يعطون جوائز لعُملائهم الذين اشتروا منهم كمية مخصومة ولو في صفقات مختلفة ...... وليس هذا من قبيل الزيادة في المبيع ...... فهي هبة مبتدأة موعودة من البائع لتشجيع الناس على أن يشتروا البضائع منه وجواز أخذ الجوائز مشروط بأن لا يكون البائع زاد في ثمن البضاعة من أجل هذه الجوائز. (فقه البيوع، المبحث الثامن / الجوائز على المبيعات ۸۱۱/۲ رقم المسئلة: ۳۵۷ مكتبة معارف القرآن كراچی، ۷۷۵/۲ دار المعارف ديوبند)

حكم الشيء قد يدور مع خصائصه. (قواعد الفقه / قاعده: ۱۲۴ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کی رقم کے ساتھ صحیح رقم ملا کر پلاٹ خریدنا

سوال (۱۰۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس سود کی رقم تقریباً تیس ہزار روپئے ہیں، اب وہ اور تیس ہزار

روپئے اپنی حلال کمائی کے ملاکر کل ساٹھ ہزار روپئے میں ایک پلاٹ خریدتا ہے، یہ پلاٹ تقریباً دس سال کے بعد چھ لاکھ روپئے میں فروخت ہوجاتا ہے، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اپنی حلال کمائی اور سودی رقم ملاکر جو پلاٹ خریدا گیا یا اسی طرح اور کوئی کاروبار میں لگایا گیا تو پھر جو منافع ہوا ہے وہ پورا منافع حلال ہوگا اور اسے استعمال کرنا جائز ہوگا؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں، نیز تیس ہزار روپئے سودی جو کاروبار میں یا پلاٹ میں لگائے تھے وہ صدقہ کرے یا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں سود کی رقم (۳۰؍ ہزار روپئے) کے تناسب سے جو حصہ پلاٹ میں آرہا ہے (یعنی نصف حصہ) اس میں ملکیت خبیث سمجھی جائے گی اور اُس سے نفع اُٹھانا درست نہ ہوگا؛ اَب ملکیت کو خبث اور حرمت سے بچانے کی صورت یہ ہے کہ اس پورے حصہ کی موجودہ قیمت لگاکر اسے اصل مالک کو لوٹا دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُسے بلانیت ثواب غرباء پر تقسیم کردیا جائے۔

الحرام ينتقل أي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاک.

(رد المحتار، کتاب البیوع / باب البیع الفاسد ۷/ ۳۰۰ زکریا)

قولـه: الحرمة تتعدد الخ ...... وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلک، أما لو رأى المكاس مثلاً يأخذ من أحد شيئًا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلک الآخر آخر فهو حرام الخ. (رد المحتار، کتاب البیوع / باب البیع الفاسد، مطلب: الحرمة تتعدد ۷/ ۳۰۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۳/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

GST میں سودی رقم صرف کرنا

''GST میں سودی رقم صرف کرنے'' سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے سترہواں فقہی اجتماع بتاریخ: ۱۳-۱۵؍محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲-۱۴؍اگست ۲۰۲۲ء بروز جمعہ، ہفتہ واتوار (بمقام حج ہاؤس بنگلور کرناٹک) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (از: مرتب)

اکثر اہل افتاء کی رائے یہ ہے کہ غیرواجبی سرکاری ٹیکس میں حکومتی اِداروں کی طرف سے ملنے والی سودی رقم صرف کرنے کی گنجائش ہے۔ اس حکم کی اصل بنیاد ''ردالی المالک'' کا تحقق ہے؛ لیکن جی ایس ٹی Goods and Services Tax (جو موجودہ دور میں ایک مشہور ومعروف سرکاری ٹیکس ہے) اس میں سودی رقم صرف کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اور اگر گنجائش ہے تو کس کے لئے؟ گاہک کے لئے یا تاجر کے لئے یا دونوں کے لئے؟ یہ مسئلہ قابل تحقیق ہے۔

اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند نے GST کی نوعیت سمجھنے کے لئے ماہرین سے رابطہ کر کے مستقل نشست منعقد کی، جس سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ GST کا نظام مختلف الجہات ہے، اس میں اِن ڈائریکٹ (بالواسطہ) ٹیکس کی مختلف اَقسام کو ملاکر ایک کردیا گیا ہے، اور اس میں مال بنانے والے سے لے کر آخری خریدار تک پوری ایک چین ہوتی ہے، جس میں ہر ایک کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے؛ لیکن ٹیکس کا سارا بوجھ آخری کسٹومر (گاہک) پر پڑتا ہے؛ کیوں کہ مینوفیکچر (صانع) سے لے کر رٹیلر (دوکان دار) تک سب کو فائل ریٹرن بھرنے کی صورت میں GST واپس مل جاتی ہے، جب کہ گاہک کو GST واپس ملنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

دوسری طرف یہ پہلو بھی سامنے آیا کہ حکومت GST فروخت کرنے والوں سے وصول

کرتی ہے، حکومت کو اس سے مطلب نہیں ہے کہ تاجر نے گاہک سے وصول کیا یا نہیں؟ اُس کو تو بہرصورت تاجر سے GST وصول کرنا ہے۔ اس تحقیق کی روشنی میں حضرات مفتیانِ کرام کی خدمت میں چند سوالات پیش ہیں:

سوال (۱۰۵۳/۱):- GST میں سرکاری اِداروں سے حاصل شدہ سودی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۱) جس صورت میں GST میں جمع شدہ رقم واپس ہونے کی کوئی اُمید نہ ہو، اور وہ رقم واسطہ یا بلاواسطہ سرکاری فنڈ میں جمع ہو سکے، تو اُس میں ''ردالی رب المال'' کے اُصول پر سرکاری اِداروں سے حاصل شدہ سودی رقم صرف کرنے کی گنجائش ہے۔

ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علیٰ صاحبه. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ۵۵۳/۹ زکریا، ۳۸۵/۶ کراچی، الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة / الباب الخامس عشر في الکسب ۳۴۹/۵ قدیم زکریا)

سوال (۱۰۵۴/۲):- اگر گنجائش ہے تو کس کے لئے؟ گاہک کے لئے یا تاجر کے لئے؟ گاہک کی طرف سے اَدا کردہ پوری رقم سامان کا ثمن شمار ہوگی یا GST کے بقدر رقم کا حصہ ناروا ٹیکس مانا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۲) اگر Bill بناتے وقت سامان کی قیمت اور GST کی رقم کو الگ الگ لکھا گیا ہے، تو یہ کل رقم ثمن میں شامل نہ ہوگی، اور ٹیکس والا حصہ الگ سمجھا جائے گا۔ اور اگر Bill میں اس بات کو نہ کھولا گیا ہو تو یہ پوری رقم ثمن شمار ہوگی۔

والـذي يـؤخـذ فـي الـطـريق بطريق الظلم لا يضم إلا في موضع جرت به العادة. (مجمع الأنهر / باب المرابحة والتولية ٧٦/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وإذا اشتـرى الـرجـل متـاعًـا ثم رقمه بأكثر من ثمنه ثم باعه مرابحة على رقـمـه فهـو جائز، ولا يقول قام على كذا بكذا؛ ولكن رقمه كذا و كذا، فأنا أبيعه مرابحة على ذلـك. (الأصل الـمعروف بالمبسوط للشيباني / باب المرابحة ١٧٣/٥ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

سـوال (۳/۱۰۵۵):- اگر GST پہلے جمع کردی گئی اور بعد میں سودی رقم حاصل ہوئی، تو کیا جمع کی ہوئی رقم کے بقدر سودی رقم سے انتفاع کی گنجائش ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- (۳) اِس صورت میں اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ اپنی جوحلال رقم پہلے GST میں اَدا کردی جائے، وہ بعد میں حاصل کردہ سودی رقم سے وصول نہیں کرنی چاہئے۔

لیکن اِس میں ایک دوسرا پہلو بھی پایا جاتا ہے، جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ ٹیکس حکومت کی طرف سے جبراً وصول کیا جارہا ہے، تو کیا اس کو دین جبری قرار دے کر مدیون یعنی سرکار سے کسی بھی طرح وصولی کی اِجازت پر مسئلہ کا مدار رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ گویا کہ GST میں مجبوراً رقم دینے والا شخص سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود کو سود نہ سمجھتے ہوئے اپنے دین کی تلافی سمجھ کر استعمال میں لانا چاہے، تو شرعاً اس کی اِجازت ہوگی یا نہیں؟ اِس پہلو پر حضراتِ مفتیانِ کرام کو غور کرنا چاہئے۔

وصولی کی رقم پہلے سرکاری فنڈ میں جمع کردی گئی ہو تو بعد میں گاہک سے حاصل شدہ سودی رقم سے اُس کی تلافی کرنے کی گنجائش ہے، یہ گویا کہ مدیون سے اپنا دین وصول کرنا ہے۔

والـفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان، لا سيما في

ديارنا لمداو متهم للعقوق. (رد المحتار، كتاب السرقة / مطلب يعذر بالعمل بمذهب الغير عند الضرورة ۱۵۸/٦ زكريا، ۹۵/٤ كراچی)

يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۷/۱)

سوال (۱۰۵۶/۴):- بسا اَوقات تاجر GST ملحوظ رکھ کر سامان فروخت کرتا ہے؛ لیکن گاہک کو پکا بل نہیں دیتا ہے؛ بلکہ بغیر Bill کے یا کچے Bill کے ساتھ سامان فروخت کر دیتا ہے، تو ایسی صورت میں کیا گاہک کے لئے سودی رقم کا کچھ حصہ GST میں دینے کی نیت سے شامل کرنا درست ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۴) بغیر Bill یا کچے Bill کے ساتھ خریداری میں چوں کہ ٹیکس کی رقم کی صراحت نہیں ہوتی ہے، اس لئے اس میں گاہک کو سودی رقم دینا درست نہ ہوگا؛ بلکہ یہ پوری رقم ثمن شمار ہوگی۔

الثمن المسمى هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع بالتراخي، سواء كان مطابقًا بقيمته الحقيقية أو ناقصًا عنها، أو زائدًا عليها. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۷۳/۱ رقم المادة: ۱۵۳ مكتبة الاتحاد ديوبند، مجلة الأحكام العدلية ۳۳/۱ رقم المادة: ۱۵۳)

سوال (۱۰۵۷/۵):- دوکان دار بسا اَوقات ایسا بھی کرتا ہے کہ گاہک سے تو GST وصول کرلیتا ہے؛ لیکن بعد میں کسی تدبیر کے ذریعہ ریٹرن فائل نہیں کرتا، ایسی صورت میں GST کے عنوان سے وصول کی ہوئی رقم کو سامان کی مکمل قیمت کا حصہ قرار دے کر دوکان دار کے لئے رکھنا جائز ہوگا؟ اگر نہیں تو اتنی رقم کا مصرف کیا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۵) جس صورت میں پکا Bill بنایا جائے تو گاہک

ٹیکس کی نیت سے جو زائد رقم دے گا وہ تاجر کے پاس اَمانت ہوگی۔ اس پر لازم ہے کہ وہ یا تو سرکاری اِدارہ تک اُسے پہنچائے، ورنہ گاہک کو واپس کرے، اپنے ذاتی استعمال میں نہ لائے۔

والسبيل في المعاصي ردها، وذلک ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الكراهية ٤٠٣/٥ الاتحاد)

سوال (۱۰۵۸/۶):- سود کے مصرف کے بارے میں بالعموم یہ لکھا جاتا ہے کہ ثواب کی نیت کے بغیر غرباء کو دے دیا جائے، اَب اگر ناروا ٹیکسوں کے ذریعہ ''رد الی المالک'' کی شکل موجود ہو، تو کیا ان ٹیکسوں میں سودی رقم صرف کرنے کو ضروری قرار دیا جائے گا یا اختیار ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۶) جس شخص پر سرکار کی طرف سے ناروا ٹیکس عائد ہوتے ہوں اور اس کے پاس سرکاری اداروں کا سود موجود ہو، اس کے لئے اولیٰ یہی ہے کہ وہ اولاً سودی رقم ٹیکسوں میں صرف کرے، اور اگر یہ کسی وجہ سے دشوار ہو تو بلانیت ثواب غرباء میں تقسیم کردے؛ اِس لئے کہ فقہاء نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ غرباء پر تقسیم کا حکم اُس وقت ہے جب کہ رد الی رب المال مستعذر ہو۔

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق بنية صاحبه. (رد المحتار / كتاب البيوع ٣٠١/٧ زكريا)

من ملک بملک خبيث ولم يمكنه الرد إلى المالک، فسبيله التصدق على الفقراء. (معارف السنن ٣٤/٢ المكتبة الأشرفية ديوبند)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن

وجـد المالک، وإلاَّ ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلک الأموال على الفقراء؛ فإن الحديث دال على حرمة التصدق، بمال الخبيث. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / بـاب فـرض الـوضوء ۳۵۹/۱ تحت رقم: ۵۹ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤۷/۱ لكناؤ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۲۸؍رجب المرجب ۱۴۴۳ھ مطابق یکم مارچ ۲۰۲۲ء

منظورشدہ تجویز: GST میں سودی رقم صرف کرنا

ستر ہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ ۱۳-۱۵؍محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲-۱۴؍اگست ۲۰۲۲ء بروز جمعہ، ہفتہ واتوار

(بمقام حج ہاؤس بنگلور کرناٹک)

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے سترہویں فقہی اجتماع میں ’’GST میں سودی رقم صرف کرنے‘‘ کے موضوع پر بحث ومناقشہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

GST سرکاری ٹیکس کا وہ نظام ہے جس میں بالترتیب تاجر وصارف حضرات کو مختلف تناسب سے ٹیکس جمع کرنا پڑتا ہے اور سرکاری ضوابط کے مطابق بعض صورتوں میں جمع شدہ رقم واپس مل جاتی ہے اور بعض صورتوں میں نہیں ملتی اور صارفین کو اَدا کرنی پڑتی ہے، تو مروجہ سبھی پہلوؤں پر بحث کے بعد درج ذیل اُمور پر اتفاق ہوا:

(۱) جس صورت میں GST میں دی جانے والی رقم صارف یا تاجر کو واپس ملنے کی اُمید نہ ہو اور وہ رقم بالواسطہ یا بلاواسطہ سرکار کو پہنچتی ہو، تو اُس میں ’’رد الی المالک‘‘ کے اُصول پر سرکاری اِداروں سے حاصل شدہ سود کی رقم دینے کی گنجائش ہے۔

(۲) دوکان دار صارف سے GST کے نام پر متعین رقم وصول کرلے تو اُس رقم کو حکومت تک پہنچانا لازم ہے، اُسے کسی تدبیر سے اپنے لئے روکنا درست نہیں ہے۔ ❍❖❍

سودی قرض کے مسائل

ماہانہ خرچ اور مکان بنانے کے لئے سودی قرض لینا

سوال (۱۰۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک کرایہ کے مکان میں رہتا ہے جس کا ماہانہ کرایہ مع بجلی کے تقریباً ۶/ ہزار روپئے ہوتا ہے جب کہ زید خود ایک مدرسہ کا مدرس اور نگراں ہے جس کی تنخواہ ۸/ یا ۱۰/ ہزار ہے، دیگر اخراجات کی وجہ سے وہ اپنا ذاتی مکان نہیں خرید سکتا؛ کیوں کہ اس کے پاس ذاتی مکان کے بقدر رقم نہیں ہے، گھر کے کرایہ اور مہنگائی کے پیش نظر وہ مستقل ذہنی انتشار کا شکار رہتا ہے، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا جواز کی کوئی ایسی شکل ہے جس میں لون اور سود سے بچا جا سکے؟ تو وہ بھی واضح فرمائیں۔ کن کن حالات میں بینک سے لون لینے کی گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں بینک وغیرہ سے سودی قرض لینا ناجائز اور گناہ ہے؛ اِس لئے زید کو چاہئے کہ وہ ہرگز بینک سے لون نہ لے؛ البتہ اگر کوئی مکان بغیر سودی قرض کے آسان قسطوں پر مل سکے تو وہ خرید سکتا ہے؛ بشرطیکہ بروقت قسطوں کی اَدائیگی کا انتظام ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة، جزء آيت: ۲۷۵]

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم،

كتـاب الـمسـاقاة / باب الربا ٢٧/٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في أكل الربا ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الربا ٢٤٤)

عن عبد الله بن حنظلة غسيل الملائكة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: درهم ربًا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الربا ص: ٢٤٦)

واضح ہو کہ انتہائی ناگزیر حالت میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہوتی ہے، اور اِس کے متعلق کسی معتمد عالم یا مفتی سے بذاتِ خود رجوع کرکے اُس کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے۔

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً كانت أو خاصةً. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ص: ٢٦٧ زكريا)

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة: الضرر يزال ص: ٢٥١ زكريا)

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر / آخر القاعدة الخامسة ص: ٢٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بینک کا سودی قرض بیٹی کی شادی اور جہیز میں خرچ کرنا

سوال (۱۰۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک سرکاری ٹیچر ہے اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ بکر سے طے کردیا، بکر جہیز کے سخت خلاف تھا، اِس کے باوجود زید نے یہ کہتے ہوئے کہ ’’میں اپنی بیٹی کو دے رہا ہوں‘‘ کہہ کر بکر کو خاموش کردیا اور زید نے شادی اور جہیز کے لئے بینک سے سات لاکھ روپئے لون لے کر

شادی کردی بینک سے لئے ہوئے پیسے کا کچھ حصہ ہر ماہ اس کی تنخواہ سے کٹ جاتا ہے تو کیا اس رقم سے ملی ہوئی گاڑی اور سامان اور شادی درست ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بینک سے سودی قرض لینے کا عمل بلا شبہ ناجائز ہے، اور جب تک یہ قرض اَدا نہ ہوگا اس وقت تک زید سخت گنہگار رہے گا؛ تاہم چوں کہ بینک سے قرض کے طور پر لی ہوئی رقم پر زید کی ملکیت ثابت ہوچکی ہے، اِس لئے اس رقم سے جو سامان وغیرہ خرید کر اپنی بیٹی کو دیا ہے اُس کا استعمال حرام نہیں ہے، اور بہر حال ہر مسلمان کو سودی قرض کی لعنت سے بچنے کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے، خصوصاً تقریبات میں رسومات وتکلفات اور اسراف وفضول خرچی کے لئے سودی قرض لینا گناہ پر گناہ ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرۃ، آیت: ۲۷۵]

وقال تعالیٰ: ﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب الربا ٢٧/٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في أكل الربا ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الربا ٢٤٤)

وقال تعالیٰ: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْآ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الأعراف: ٣١]

وأما حكم القرض فهو ثبوت الملك للمستقرض في القرض للحال، وثبوت مثله في ذمّة المستقرض. (بدائع الصنائع، كتاب القرض / فصل في حكم القرض ٥١٩/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

ويملك المستقرض القرض بنفس القبض عندهما ...... فله رد المثل ولو قائمًا. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ٣٩٢/٧ زكريا)

القرض لا يتعلق بالجائز من الشروط، فالفاسد منها لا يبطله، ولكنه يلغو شرط (الدر المختار) وفي الشامية: ما يصح أي في نفسه ويلغو الشرط. (الدر المختار مع رد المحتار ۷/ ۳۹٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/ ۳/ ۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

سودی رقم کو بطور قرض لے کر کتابیں خریدنا

سوال (۱۰۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے اکاؤنٹ میں صرف سود کا پیسہ پڑا ہوا ہے، ذاتی کوئی پیسہ نہیں ہے، اور اُس کو دینی کتابیں خریدنے کی ضرورت ہے، تو کیا وہ اِن پیسوں سے کتابیں خرید سکتا ہے، اور اُس کی نیت یہ ہے کہ جیسے ہی حلال رقم آئے گی، وہ فوراً اُس رقم کو اِکاؤنٹ میں جمع کر دے گا، تو کیا اُس کے لئے ایسا کرنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریرِ سوال کیوں کہ مذکورہ اکاؤنٹ میں صرف سودی رقم ہے؛ لہٰذا اُس کو اپنے کسی بھی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، اُس کو بطور قرض لے کر کتابیں وغیرہ خریدنا بھی جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ ایسے حرام پیسے کی حرمت بہرصورت برقرار رہتی ہے، نوعیت بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتی، نیز اُس کو قرض لینا بھی اُس سے انتفاع کی ایک شکل ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

قال اللّٰه تعالى: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آيت: ۲۷۵]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم،

كتـاب الـمسـاقاة / باب الربا ٢٧/٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في أكل الربا ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الربا ٢٤٤)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملك بعقد فاسد، أو حصل لـه بـغيـر عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فـليـس لـه حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بـذل الـمـجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٤٩/١ تحت رقم: ٥٩ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

وفيـه: الـحرام ينتقل، وتحته في الشامية: أى تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد ٣٠٠/٧ زكريا)

لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة ولا يأخذون منه شيئًا، وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تـصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الردّ على صاحبه.

(رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ٥٥٣/٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۴۱/۱/۳۰ھ

چوتھی فیکٹری چلانے کے لئے سودی قرض لینا

سوال (۱۰۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکر نے اپنی چار فیکٹریاں لگائیں جن میں سے تین فیکٹریاں چالو ہیں؛ لیکن آمدنی تھوڑی ہے، چوتھی فیکٹری چلانے کے لئے اُن کے پاس اتنی پونجی نہیں ہو پا رہی ہے کہ جس سے فیکٹری چلا سکے، فیکٹری چل جانے سے تقریباً پندرہ سو آدمیوں کا روزگاری سلسلہ جڑتا ہے۔

اگر بینک سے قرض لئے بغیر چالو کر دیا جائے تو انکم ٹیکس کی شرح اتنی بڑھ جاتی ہے کہ جس سے دشواریاں بڑھ جاتی ہیں، ایسی صورت میں اگر بینک سے لون پر قرض لے کر چالو کیا

جائے، اس اِرادے کے ساتھ کہ مال بکتا جائے اور لون کی اَدائیگی ہوتی رہے، اِس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اطمینان بخش جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال جب کہ بکر کی تین فیکٹریاں چل رہی ہیں تو مزید چوتھی فیکٹری چلانے کے لئے بینک سے سودی قرضہ لینے کی اجازت نہیں ہے، اُس کو چاہئے کہ چلتی ہوئی فیکٹری کی آمدنی بڑھانے کی فکر کرے اور سودی قرض میں مبتلا نہ ہو۔

وإذا كان لإنسان حاجة أو ضرورة ملحة اقتضت معطى الفائدة أن يلجأ إلى هذا الأمر فإن الإثم في هذا الحال يكون على آخذ الربا وحده وهذا بشرط أن تكون هناك حاجة أو ضرورة حقة لا مجرد توسع في الكماليات أو أمور يستغني عنها. (الحلال والحرام في الإسلام / للشيخ محمد يوسف القرضاوي ص: ۲۱۹ بيروت، بحواله كتاب النوازل ۱۱/۳۲۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمپنی کا قرض چکانے کے لئے سودی قرض لے یا زمین بیچے؟

سوال (۱۰۶۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید یونانی آیورویدک دوائیوں کا ہول سیل تاجر ہے، زید نے جب کاروبار شروع کیا تھا تو کاروباری حالت بہت ہی اچھی تھی؛ اِس لئے لین دین میں کوئی دقت نہیں ہوئی، جب سے لاک ڈاؤن شروع ہوا، مارکیٹ میں پیسے پھنستے چلے گئے، اس وقت زید کے تقریباً ۸/لاکھ روپئے مارکیٹ میں ہیں، اور زید کے اوپر مختلف کمپنیوں کا ۱۵/لاکھ روپئے ہیں، کمپنیاں اپنا پیسہ وصولنے کے لئے بہت زیادہ دباؤ ڈال رہی ہیں، زید نے بہت کوشش کی کہ کہیں سے ادھار مل جائے اور کام چل جائے؛ مگر یہ فی الحال ممکن نہیں ہے، اب دو صورتیں بچتی ہیں:

(۱) زمین فروخت کی جائے، زمین کی قیمت ہماری مجبوری کو دیکھتے ہوئے کم لگا رہے ہیں۔

(۲) سی سی اکاؤنٹ، سی سی اکاؤنٹ تاجروں کے لئے حکومت کا ایک انتظام ہے، جس میں حکومت ۹ ر فیصد سود لیتی ہے، مگر طریقہ یہ ہے کہ آپ جب اکاؤنٹ کھولیں گے تو ایک بڑی رقم یعنی ۱۰ رلاکھ، ۱۵ رلاکھ یا ۲۰ رلاکھ یہ طے ہوتا ہے، اس رقم میں سے جتنی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے اُس کو استعمال کیا جاسکتا ہے اور استعمال شدہ رقم دس دن میں بینک میں جمع کرنے پر کوئی سود نہیں ہے، اور اس سے زیادہ دن ہونے پر جتنے دن میں رقم واپس کی جائے گی اتنے دن کے حساب سے بینک سود لے گا، اگر زید نے بینک سے طے کی گئی رقم میں سے کچھ بھی خرچ نہیں کیا تو بینک کچھ بھی نہیں لے گا تو زید کیا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آپ کو چاہئے کہ اپنی جائیداد فروخت کر کے قرض چکانے کی کوشش کریں اور حتی الامکان سودی قرض سے بچیں۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب الربا ۲/۲۷ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في أكل الربا ۱/۲۲۹ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الربا ۲۴۴) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۱/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

معاملہ ختم ہونے کے بعد زائد رقم کے ساتھ قرض کا مطالبہ کرنا

سوال (۱۰۶۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قضیہ ذیل میں حکم شرعی کیا ہے؟ اِسی لئے یہ استفتاء آنجناب کی خدمت میں پیش ہے، اُمید ہے کہ آنجناب زحمت فرما کر جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

قضیہ درج ذیل ہے۔

(۱) شاہد نے اپنی زمین لطیف کے ہاتھ فروخت کردی، قیمت متعین ہوگئی لطیف نے زر ثمن اَدا کردی، جب رجسٹری کا وقت آیا تو شاہد کے گھر والوں نے احتجاج کیا اور زمین رجسٹری کرنے نہیں دی۔

(۲) شاہد نے لطیف سے اپنی مجبوری بتائی اور درخواست کی کہ آپ اپنی رقم واپس لے لیں، لطیف نے کہا بہت بہتر آپ رقم واپس کردیں۔

(۳) شاہد کی بچی کی شادی تھی، اِس لئے شاہد نے لطیف سے درخواست کی کہ بچی کی شادی ہے کہ اگر آپ ۴-۵/ مہینے بعد رقم لیتے، تو آپ کی مہربانی ہوتی، لطیف نے کہا بہت اچھا آپ ۴-۵/ مہینے بعد دے دیں۔

(۴) اَب لطیف کا مطالبہ ہے کہ میری رقم آپ کے پاس عرصہ تک رہی ہے، اِس لئے رقم بڑھا کردیں۔

مذکورالصدر قضیہ میں یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا شق نمبر دو کی بنیاد پر بیع فسخ ہوگئی؟

کیا شق نمبر تین کی بنیاد پر لطیف کی رقم شاہد کے پاس (ذمہ) بطور قرض کے رہی؟

کیا شق نمبر چار کی بنیاد پر لطیف کا مطالبہ شرعاً درست وجائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال جب کہ بائع شاہد کی مجبوری دیکھتے ہوئے مشتری لطیف نے اپنی ادا کردہ زرِ ثمن واپس لینے پر رضامندی ظاہر کردی، تو اسی وقت یہ زمین کا معاملہ فسخ ہوگیا اور زرِ ثمن شاہد کے ذمہ دین قرار پایا اور لطیف نے اُس کو اَدائیگی کے لئے جو چار یا پانچ مہینے کی مہلت دی وہ اُس کی طرف سے شاہد پر تبرع اور احسان تھا، جس کا اجر وثواب اُسے اِن شاء اللہ آخرت میں ملے گا؛ تاہم اس رقم پر لطیف کی طرف سے مزید رقم بڑھا کر دینے کا مطالبہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ اِضافہ سود کے دائرہ میں داخل ہوکر ممنوع ہے۔

بریں بنا مذکورہ معاملہ میں لطیف صرف اپنی اَدا کردہ زرِ ثمن واپس لینے کا مجاز ہے، اس سے زائد رقم لینے کا وہ مستحق نہیں ہے۔

الاقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأول لقوله عليه السلام: من أقال نادمًا بيعته أقال اللّٰه عثرته يوم القيامة؛ ولأن العقد حقهما فيملكان رفعه دفعًا لحاجتهما؛ فإن شرط أكثر منه أو أقل فالشرط باطل ويرد مثل الثمن الأول، والأصل أن الإقالة فسخ في حق المتعاقدين. (الهداية / باب الإقالة ٦٩/٣ المكتبة الأشرفية ديوبند)

كل دين حال إذا أجّله صاحبه صار مؤجلا. (الهداية / باب المرابة والتولية ٧٦/٣ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وأما الذي يرجع إلى نفس القرض فهو أن لا يكون فيه جرّ منفعة فإن كان لم يجز ...... لما روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه نهى عن قرض جر نفعًا. (بدائع الصنائع / كتاب القرض ٥١٨/٦ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

پلاٹ کی آدھی قیمت بینک سے سودی قرض لے کر اَدا کرنا

سوال (۱۰۶۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک سرکاری اسکول میں ملازمت کرتا ہوں، میں اپنے والد کے مشترکہ مکان میں رہتا ہوں، جس میں میرے علاوہ میرے دو چھوٹے بھائی بھی رہتے ہیں، میں اپنا ذاتی مکان بنانے کی غرض سے ایک پلاٹ خریدنا چاہتا ہوں، جس پر اپنا مکان بنا سکوں؛ لیکن پلاٹ خریدنے کے لئے میرے پاس آدھی رقم کا انتظام ہے، تو کیا میں باقی آدھی رقم کے لئے بینک سے قرض لے کر وہ پلاٹ خرید سکتا ہوں، بینک کو اَدائیگی کے وقت سود بھی دینا پڑے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جب تک سودی قرض کی اَدائیگی مکمل نہ ہوگی، سود دینے کا گناہ ہوتا رہے گا، اِس لئے سود سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ / باب الربا ۲/۲۷ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي، أبواب البیوع / باب ما جاء في أکل الربا ۱/۲۲۹ رقم: ۱۲۰۶، مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع / باب الربا ۲۴۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شرکت کے بغیر قرض لے کر ماہانہ متعین رقم دینا

سوال (۱۰۶۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد اعظم سے محمد شادان نے ۲۰؍ ہزار روپئے قرض لئے، تو محمد اعظم نے رقم دینے سے پہلے ایگریمنٹ لکھوایا کہ محمد شادان ہر مہینہ مجھے کبھی ۲۵؍سو کبھی ۲۷؍سو اور کبھی ۳؍ ہزار روپئے دیں گے، اور میرے ۲۰؍ ہزار روپئے اپنی جگہ رہیں گے، ساتھ ہی ساتھ اُس میں یہ بھی لکھوایا گیا کہ کسی طرح کا کوئی سود نہیں لیا جائے گا۔

تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اِس طرح سے کسی کو قرض دے کر اس رقم پر ہر مہینے متعینہ یا غیر متعینہ رقم لینا اور بعد میں اپنی پوری رقم واپس لے لینا جب کہ کاروبار میں کوئی شرکت نہ ہو، کیا کسی مسلمان کے لئے یہ طریقہ جائز ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو اسلام میں اِس کی سزا اور عذاب کیا ہے؟ اور جن مسلمانوں نے اپنی رقمیں اِس طرح سے کرایہ پر دینے کا کاروبار بنا رکھا ہے، اُن کا حکم کیا ہے؟ کیوں کہ آج مسلم محلوں میں بہت کثرت سے یہ کام ہو رہا ہے اور جائز سمجھ کر ہو رہا ہے، صحیح رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شرکت کے بغیر قرض لے کر ماہانہ متعین رقم دینا سراسر سود ہے، جو کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے، ایسے حرام لین دین سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

أخرج الحارث بن أبي سلمة في مسنده عن علي أمير المؤمنين: کل قرض جر منفعةً فهو ربا. (فیض القدیر / حرف الکاف ۵/۳۴ رقم: ٦٣٣٦ دار الفکر بیروت، رد المحتار، کتاب البیوع / باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض، مطلب: کل قرض جر نفعًا حرام، قبیل: باب الربا ۷/۳۹۵ زکریا، ۵/۱٦٦ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مشترک کاروبار میں باپ بیٹے کے درمیان قرض کا لین دین

سوال (۱۰٦۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے ۳؍ لڑکے ہیں، تینوں بالغ اور ملازم ہیں، اور سب کا کھانا پینا باپ کی شرکت میں ہے، اور کمائی بھی سب کی مشترک ہے، بیٹے کچھ پیسے اپنے باپ کو دیتے ہیں، کچھ اپنے پاس رکھتے ہیں، باپ کو اِس کا علم ہے، کبھی باپ اپنے بیٹوں سے بطور قرض رقم لیتا ہے، کبھی ملازم بیٹا اپنے باپ سے بطور قرض رقم لیتا ہے، کیا جب کھانا پینا مشترک ہے، ابھی کسی بیٹے کو باپ نے الگ نہیں کیا ہے، اِس حال میں اِس طرح کے قرض کی اَدائیگی ایک دوسرے پر فرض ہوگی، اِسی حال میں اگر ایک دوسرے کا انتقال ہوجائے تو اس قرض کی اَدائیگی کی کیا شکل ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال چوں کہ پورا کاروبار باپ کی نگرانی اور سرپرستی میں چل رہا ہے؛ اِس لئے اِس کاروبار کی ساری آمدنی کا مالک باپ ہی ہے؛

البتہ اگر باپ کسی بیٹے کو اس آمدنی میں سے کچھ رقم دیدے، جس کی بنا پر وہ بیٹا اُس کا مالک بن جائے اور پھر باپ اس سے بطور قرض لے، یا کوئی بیٹا الگ سے باپ سے قرض لے، تو اس کی اَدائیگی حسبِ ضابطہ ضروری ہے، اگر اِس دوران کسی مقروض کا انتقال ہوجائے تو اُس کے ترکہ سے قرض کی اَدائیگی کی جائے گی۔

لما في القنية: الأب وابنه يكتسبان في صنعةٍ واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عياله لكونه معينًا له. (رد المحتار، كتاب الشركة / فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: اجتمعا في دار واحدةٍ واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية ٦/٥٠٢ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب الشركة / الباب الرابع في شركة الوجوه ٢/٣٣٢ زكريا)

إن الديون تقضى بأمثالها على معنى أن المقبوض مضمون على القابض؛ لأن قبضه بنفسه على وجه التملک، ولرب الدين على المدين مثله. (رد المحتار، كتاب الأيمان / باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك ٥/٦٧٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر قرض دینے والا قرض میں دی ہوئی رقم لینے سے انکار کردے

سوال (۱۰۶۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اور عمرو کے درمیان مخلصانہ وہمدردانہ تعلقات ہیں؛ زید نے عمرو سے ضرورت پڑنے پر اب تک بہت مرتبہ رقم لی ہے؛ البتہ زید کی نیت ہمیشہ سے رقم لوٹانے کی رہی ہے اور عمرو کچھ کہے بغیر رقم دیتا رہا، اب جب اللہ نے زید کو مال عطا کیا ہے، زید عمرو کو وہ ساری لی ہوئی رقم واپس کرنا چاہتا ہے اور عمرو لینے سے انکار کر رہا ہے کہ میں نے تو ویسے ہی تمہاری مدد کے لئے رقم دی تھی، وہ قرضہ نہیں تھا؛ لیکن زید کا اصرار ہے کہ عمرو وہ ساری رقم واپس لے لے اور زید کہہ رہا ہے کہ میں نے ایک مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ جب آدمی قرضہ کی نیت

سے کسی سے رقم وغیرہ لے تو جس شخص سے رقم لی گئی ہے اس کے ذمہ ضروری ہے کہ قرضدار جب رقم واپس دے تو اسے لے لے۔ اب حضرت مفتی صاحب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً ضروری ہے کہ ہم نے کسی کو رقم دی ہو تو جب وہ شخص رقم لوٹائے تو ہم وہ رقم واپس لے لیں یا نہیں؟ براہ کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو قرضہ کی رقم دے اور قرض دار وہ رقم واپس کرے تو مقرض (قرض دینے والے) کے لئے دونوں باتوں کا اختیار ہوتا ہے، چاہے وہ قرض واپس لے لے یا معاف کردے؛ البتہ قرض دار کو یہ حق رہتا ہے کہ وہ مقرض کی طرف سے قرض کی معافی کو قبول نہ کرے اور اس کی پیشکش کو رد کردے، غالباً اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ مفتی صاحب نے مسئلہ بتلایا ہوگا اور حسب تحریر سوال چوں کہ زید اپنا قرضہ واپس کرنے پر اصرار کر رہا ہے تو عمرو یہ صورت اپنا سکتا ہے کہ اس سے قرض کی رقم وصول کر کے دوبارہ اس کی خدمت میں ہدیہ کردے۔

والإبراء يتم من غير قبول ولكن للمديون حق الرد قبل موته إن شاء.

(المحيط البرهاني، كتاب الهبة والصدقة / الفصل الرابع في هبة الدين ممن عليه الدين ۱۸۲/۹ مكتبة الرشيد الرياض)

والإبراء يتم من غير قبول ولكن للمديون حق الرد قبل موته إن شاء. (المبسوط للسرخسي، كتاب الهبة / باب العوض في الهبة ۸۳/۱۲ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۴/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض دے کر مقروض کی زمین سے نفع اٹھانا

سوال (۱۰۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: میں نے ایک کھیت لے رکھا ہے دو سال کے لئے پچیس ہزار روپئے پر جس کا کھیت ہے وہی بوتا ہے، جو اس میں پیدا ہوتا ہے، مجھے اس کا آدھا ملتا ہے، فصل بونے میں جو لاگت لگتی ہے اس کا نصف بھی دیتا ہوں جب وہ میرا روپئے واپس کردے گا اس وقت معاملہ ختم ہوجائے گا، میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- پچیس ہزار روپئے قرض دے کر مقروض کی زمین سے آپ کا نفع اٹھانا کسی طرح حلال نہیں ہے، اس معاملہ کو فوری طور پر فسخ کردینا لازم ہے اور اب تک اس سے آپ نے جو نفع حاصل کیا ہے اس کو لاگت نکالنے کے بعد قرض میں سے منہا کیا جائے گا، مثلاً اس درمیان اگر آپ کو پانچ ہزار روپئے حاصل ہوگئے ہوں تو آپ کا قرضہ اب پچیس ہزار میں سے صرف بیس ہزار رہ جائے گا۔

وقال الموفق في المغني: وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف قال ابن المنذر اجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادة أو هدية فأسلف على ذلك أن أخذ الزيادة على ذلك ربا، وقد روي عن أبي بن كعب وابن عباس وابن مسعود أنهم نهوا عن قرض جر منفعة. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ۵۱۳/۱۴ تحت رقم: ۴۸۵۸ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متعینہ مدت پر اَدا نہ ہونے کی صورت میں قرض پر فائن لگانا

سوال (۱۰۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقے میں کچھ عورتیں مل کر کچھ رقم جمع کرتی ہیں، جس کو ''سمیتی'' کہا جاتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ماہانہ یا ہفتہ وار ۱۰۰/ یا ۵۰/ روپئے کچھ عورتیں جمع کرتی ہیں، پھر ان

میں جس کو ضرورت ہوتی ہے وہ بطور قرض ایک مدت کے لئے لے لیتی ہے، اگر اس مدت میں اس نے واپس کردیا تو کوئی بات نہیں، ورنہ مدت معینہ میں رقم نہ لوٹانے پر فائن کے نام سے ۱۰۰؍روپئے میں ۲؍روپئے جرمانا لگایا جاتا ہے اور رقم برابر جمع ہوتی رہتی ہے، اسی طرح عورتیں برابر بطور قرض لیتی رہتی ہیں، پھر ایک سال کے بعد کل جمع شدہ رقم کے ساتھ فائن میں ملی رقم ملا کر شریک عورتیں اس کو تقسیم کرلیتی ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ: (۱) کیا اس طرح کی اسکیم میں حصہ لینا جائز ہے؟ (۲) کیا جمع شدہ رقم اس شرط کے ساتھ قرض کے طور پر لینا جائز ہے کہ نہیں کہ وقت متعین میں ادائیگی نہ ہونے پر فائن جمع کرنا ہوگا؟ (۳) فائن لینا اور اس کی رقم کا ایک سال بعد برابر تقسیم کرلینا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) اس کے جواز کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مطلع فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں متعینہ وقت پر قرض نہ لوٹانے پر فائن یعنی جرمانہ لگانے کی شرط فاسد ہے اور اس شرط کے ساتھ قرض کا لین دین جائز نہیں ہے اور اگر اس طرح کا قرض لے لیا گیا تو متعینہ مدت سے پہلے اس کا لوٹانا واجب ہے، اور فائن کے ذریعہ جمع شدہ رقم سراسر سود اور حرام ہے، کسی کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں اور اس معاملہ کے جواز کی شکل صرف یہی ہے کہ فائن وغیرہ کی شرط ہٹادی جائے اور بلا سود قرض جاری کیا جائے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب الربا ۲۷/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في أكل الربا ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الربا ۲۴۴)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرة: ۱۸۸]

قال القرطبي: من أخذ مال غيره لا على وجه إذن الشرع، فقد أكله

بالباطل. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي [تفسير سورة البقرة آيت: ١٨٨] ٢/٣٣٨ دار الكتب المصرية القاهرة)

قال العلامة البغوي رحمه اللّٰه: "الباطل" بالحرام، يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها. (معالم التنزيل للبغوي [تفسير سورة النساء آيت: ٢٩] ٢/١٩٩ دار طيبة للنشر والتوزيع الرياض)

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جر منفعة فهو ربا ...... وقال الموفق في المغني: وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ١٤/٥١٣ إدارة القرآن كراچی)

أما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا ويكون رأس المال باقيًا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال فإن تعذر عليه الأداء زاد في الحق والأجل فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (التفسير الكبير [سورة البقرة آيت: ٢٧٥] ٧/٧٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

كل قرض جر نفعًا حرامٌ أي إذا كان مشروطًا ...... وإن لم يكن النفع مشروطًا في القرض...... لا بأس به. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ٧/٣٩٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پڑوسی سے سلنڈر لے کر بعد میں بھرا ہوا سلنڈر واپس کرنا

سوال (۱۰۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل گھروں میں یہ دستور ہے کہ کسی کے یہاں اگر گیس سلنڈر ختم ہوجاتا ہے تو

وہ پڑوسی سے سلنڈر لے لیتے ہیں، اور بعد میں جب اُن کا سلنڈر بھر جاتا ہے تو اُسے واپس کردیتے ہیں، تو اِس طرح کا لین دین درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں عرف وتعامل کی وجہ سے برابری کی شرط کے ساتھ سلنڈر کا قرض پر لین دین شرعاً درست ہے یہ بیع نہیں؛ بلکہ قرض کا معاملہ ہے۔ اور اِس کی نظیر ضرورت کے وقت آٹا یا روٹی قرض لینے کا مسئلہ ہے، جس کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

ولا خير في استقراضه عددًا أو وزنًا عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه؛ لأنه يتفاوت بالخبز والخباز والتنور والتقدم والتأخر، وعند محمد يجوز بهما للتعامل وعند أبي يوسف يجوز وزنًا ولا يجوز عددًا. (الهداية، كتاب البيوع / باب الربا ۳/ ۹۰ المكتبة النعيمية ديوبند)

وعند محمد يجوز بهما أي عددًا أو وزنًا للتعامل بين الجيران بذلك والحاجة قد تدعو إلى ذلك بين الجيران ...... وأنا أرى أن قول محمد أحسن. (فتح القدير، كتاب البيوع / باب الربا ۷/ ۳۷ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ويستقرض الخبز وزنًا وعددًا عند محمد وعليه الفتوى، واستحسنه الكمال واختاره المصنف تيسيرًا الخ. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ۷/ ۳۸۹ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱۱/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

قرض سے متعلق چند مسائل

سوال (۱۰۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: (۱) زید نے بکر اور عمر سے مختلف موقعوں پر قرض لیا، کبھی تجارت کے نام پر، کبھی کوئی مجبوری بتا کر، کبھی تنخواہ رکی ہوئی ہے بتا کر، کبھی مکان بنانے کے لئے، کبھی پلاٹ خرید نے کے لئے، کبھی مسجد کے نام پر، خوب پیسے لے کر تجارت میں لگائے اور خوب نفع اور نقصان بھی اٹھائے، نقصان پہنچانے والوں کو کچھ نہیں کہا البتہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں نے اس گھر میں نکاح کر کے غلطی کی ہے، اگر ابھی ختم کر دوں تو سب بہتر ہو جائے گا۔

(۱) کیا زید کا اس طرح کہنا جائز ہے؟

(۲) کیا ایسا کہنے کی صورت میں نکاح باقی رہے گا؟

عمر اور دیگر حضرات نے اپنے پیسوں کا مطالبہ کیا تو زید نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر میں اپنا مذہب تبدیل کر دوں تو پیسہ ہی پیسہ ہو جائے؟

(۳) کیا ایسے الفاظ نکالنے سے ایمان کی تجدید کرنی ہوگی؟

(۲) بکر کو چند سال قبل زمین کا معاوضہ ملا، انہوں نے اس پیسہ کو تقسیم کرنے کی ذمہ داری اپنے چھوٹے بیٹے کو دی، زید نے اپنے نسبتی بھائی عمر سے قرض مانگا تین دن کے لئے کہ اتنی رقم دیدو تو عمر نے دیدیا، کچھ وقت کے بعد کہا کہ اتنی رقم مدرسہ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دو (مجھے رسید جمع کرانی ہیں) وہ بھی کر دیا اس کے بعد کہا کہ اتنی رقم اپنی باجی کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دو (میں نے بینک سے لون لیا ہے وہ اَدا نہیں کیا تو جرمانہ آئے گا) وہ بھی کرالیا، اس کے بعد بکر اے ٹی ایم کارڈ لے کر خود نکالے اور مختلف موقعوں پر قرض لیتے رہے حتی کہ ایک بڑی رقم ہوگئی، اس کے بعد معاوضہ میں سے حصہ مانگنا شروع کر دیا کہ بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کا بھی حصہ بنتا ہے میراث، اس میں اپنی بہنوں کی میراث بھی نکالو اور خود ہی مفتی صاحب کو لے کر آئے، مفتی صاحب سے معلوم کیا تو مفتی صاحب نے بتایا کہ والدین میں سے کوئی ایک موجود ہو تب میراث نہیں بنتی: لہٰذا آپ میراث کا مطالبہ نہیں کر سکتے، تو زید نے مفتی صاحب سے کہا کچھ پیسہ ہمیں مل جائے کوئی راستہ ہے؟

عمر کی موجودگی میں مفتی صاحب نے کہا اگر بکر (اپنے سسر) اپنی مرضی سے کچھ دیں تو لینا جائز ہے، خود اپنی زبان سے کہہ کر ان سے نہیں لے سکتے، زید نے پھر زور لگایا، کچھ پیسہ ہاتھ لگ جائے، تب مفتی صاحب نے کہا آپ صرف ترغیب دے سکتے ہیں، زور دے کر مطالبہ نہیں کر سکتے۔

لیکن زید نے زور دینا شروع کر دیا، نسبتی بھائی کو کہنا شروع کر دیا کہ کچھ حصہ اپنی بہنوں کا بھی نکالو اور یہ مشورہ دیا کہ بکر کی تینوں بہوؤں کو اتنی اتنی رقم دے دو، عمر نے کہا کہ بہنوں کو بھی بہوؤں کے برابر رقم دے دیتا ہوں، تو زید نے کہا اپنی بہنوں کو زیادہ رقم دے دو، عمر نے کہا اگر میں ایسا کرتا ہوں تو دوسرے تینوں بھائی ناراض ہو جائیں گے؛ لیکن زید نے مجبور کیا؛ چوں کہ بکر، ان کا بیٹا عمر جو زید کے مکان میں رہ رہے تھے، اُن کی مجبوری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن سے ایک بڑی رقم منظور کرالی۔

ساتھ ہی زید نے اپنی شریک حیات، بکر، نسبتی بھائی عمر کو یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ میں نے اپنا مکان یہاں سسرال میں اس لئے بنایا ہے کہ بوڑھے ساس سسر کی خدمت کرسکوں، مجھے یہاں رہ کر بہت نقصان ہوا ہے۔

(۴) سوال یہ ہے کہ چالاکی سے قرض لے کر اس طرح کی باتیں کہ زبردستی مطالبہ کر کے معاوضہ کی رقم میں سے لینا ہبہ، یا میراث کہلائے گا؟ کیا یہ رقم زید کے لئے جائز ہے؟

کیا یہ رقم زید کو واپس لوٹانی نہیں چاہئے؟ جس سے قرض لیا ہے اس کو معاوضہ کے مالک بکر کو؟

(۳) اس پیسے کی تقسیم سے بہت پہلے عدالت میں ایک کیس چل رہا تھا جس میں پورے گھرانے کے افراد کی نامزد رپورٹ کی گئی تھی، سب کی ضمانت کی گئی، اس میں کافی پیسہ خرچ ہوا، جس میں دونوں کا مشترکہ پیسہ خرچ ہوا، زید کے سسر بکر نے اپنے داماد زید اور بیٹے عمر کو بار بار بغیر کسی ترغیب دلائے اپنی مرضی سے کہا پہلے یہ کیس کا خرچ نکال دو، تب بیٹیوں اور بیٹوں پر تقسیم کر دو۔

لہٰذا اخراجات کیس نکال دیا گیا جو عمر اور زید کا مشترکہ خرچ ہوا تھا وہ پیسہ دونوں نے تقسیم

کرلیا، جب کہ عمر کے کیس پر بعد میں مزید خرچ ہوا اور کیس کی فائل ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی، الحمدللہ۔

(۵) یہاں پر سوال ہے کہ جو رقم کیس پر خرچ ہوئی ہے، معاوضہ تقسیم ہونے سے پہلے یا بعد میں وہ عمر اپنی کمائی سے خرچ کرے گا؟

سب کی ضمانتوں پر جس میں والد صاحب تینوں بھائی، ایک بہنوئی زید، ایک بہن (زوجۂ زید) یا عمر صرف اپنی ضمانت پر خرچ کرے گا؟ یا والد صاحب نے اپنے مال میں سے جو رقم ادا کی ہے وہ عمر کو واپس لوٹانی چاہئے؟ یا بعد میں جو عمر کی جیب سے مزید رقم خرچ ہوئی ہو وہ بھی والد صاحب کے مال سے ادا کی جائے؟

(۴) خیر، ایک بڑی رقم دونوں سالے بہنوئی کے درمیان تقسیم ہونے کے بعد زید نے عمر کو کہا کہ تم کچھ پیسہ تجارت پر لگا دو، بہت نفع ہوگا، عمر نے کہا کہ سالے بہنوئی کی تجارت چلتی نہیں، تنازعہ پیدا ہوتا ہے، زید نے وعدہ کیا میں تمہارے ساتھ جھگڑا نہیں کروں گا، تو عمر نے زید کو تجارت کے لئے ایک بڑی رقم دیدی، اس کے بعد زید نے دوبارہ ایک بڑی رقم کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میں یہ دونوں رقموں کو تمہارے فلاں پلاٹ میں لگا دوں گا، عمر نے مزید رقم دیدی، دونوں رقمیں تجارت کی غرض سے زید نے وصول پائی (عمر چار سال سے تجارت کے لئے دی گئی کل رقم کی زکوٰۃ بھی اَدا کررہا ہے)

(٦) سوال یہ ہے کہ کیا عمر اس تجارتی رقم کا مالک ہے جو والد صاحب نے شروع میں ہی کیس کے لئے نکلوائی تھی؟ اِسی دوران دو بھائیوں کی شرارتیں بڑھتی چلی گئی، بالآخر زید کے مشورے سے پنچایت بیٹھانی پڑی جب کہ زید پنچایت میں شریک نہیں ہوئے، پنچایت میں ساری باتیں رکھی گئیں؛ لیکن زید نے پنچایت میں وہ تجارتی رقم جو دو مرتبہ میں لی گئی تھی کا تذکرہ کرنے سے انکار کردیا، عمر نے کہا کہ پھر یہ (تجارتی رقم) حساب میں کیسے آئے گی، تو زید نے جواب دیا کہ رقم اولاد میں تقسیم ہونے کے بعد والد صاحب کو جو پیسہ ملے گا اس میں پورا کیا جائے گا، خیر اس تجارتی رقم کا تذکرہ پنچایت میں نہیں کیا گیا اور پنچایت نے فیصلہ صادر کردیا کہ

میراث کے طریقے پر تقسیم ہوگی، دو حصے بھائی کو اور ایک حصہ بہن کو دیا جائے؟

پنچایت نے یہ بھی کہا کہ والد صاحب کے ذاتی مکان و پلاٹ میں سے بڑے دو بھائیوں کو دو حصے، چھوٹے دونوں بھائیوں کو ایک حصہ دیا جائے، کھیت کی زمین میں سب کا برابر کا حصہ رہے گا؟

(۷) سوال ہے کہ کیا ہمیں پنچایت کے اس فیصلے پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص بھی دوسرے سے قرض لے وہ حسب وعدہ اسے ادا کرنے کی فکر اور کوشش کرے، اگر وہ ادائیگی میں بلا وجہ ٹال مٹول کرے گا تو وہ شرعاً ظالم کہلائے گا اور قرض خواہوں کو بہرحال اس سے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے، اس مطالبے پر قرض دار کو ناراضگی جتانے کا اختیار نہیں ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں قرضخواہوں کے مطالبہ پر زید قرض دار کا اپنی منکوحہ سے رشتہ ختم کردینے کی دھمکی دینا ہرگز مناسب نہیں ہے؛ تاہم محض اس دھمکی سے نکاح ختم نہ ہوگا، البتہ مذہب کی تبدیلی کی دھمکی دینا بہت خطرناک ہے، جس پر سچی توبہ اور احتیاطاً تجدید ایمان کرنا چاہئے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: مطل الغني ظلم، وإذا أتبع أحدكم على ملي فليتبع. (سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في مطل الغني أنه ظلم ۲۴۴/۱ رقم: ۱۳۰۸)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رجلا تقاضى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأغلظ له فهم به أصحابه فقال: دعوه، فإن لصاحب الحق مقالا، إلى آخر الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الاستقراض / باب استقراض الإبل ۳۲۱/۱ رقم: ۲۳۹۰)

لأن الطلاق محظور فلا يباح الإقدام عليه إلا لدفع حاجة التخلص عنها بتنافر الأخلاق. (تبيين الحقائق / كتاب الطلاق ۲۳/۳ زكريا)

ولـو قال أطلقك لم يقع. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر / كتاب الطلاق ١٤/٢ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

من رضي بكفر نفسه فقد كفر. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٨٣/٧ رقم: ١٠٤٩٣ زكريا)

لـو قـالـت لـزوجهـا: إن جـفـوتـنـي بعد هذا وقالت إن لم تشتر لي كذا لكفرت، كفرت في الحال كذا في الفصول العمادية. (الفتاویٰ الهندية، كتاب السير / مطلب في موجبات الكفر أنواع منها ما يتعلق بالإيمان والإسلام ٢٧٩/٢ زكريا قديم)

(۲) برتقدیرِ صحت سوال زید مذکورہ زمین کے معاوضے میں سے زبردستی قرض کا مطالبہ کرنا درست نہ تھا، تاہم جو رقم اسے قرض دیدی گئی اس کی واپسی بہرحال اس پر لازم ہے، اور یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ زندگی میں میراث کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا؛ لیکن دوسری طرف والدین کی ذمہ داری ہے کہ ہبہ میں اپنی سب اولاد (لڑکے لڑکیوں) کے درمیان برابری کا خیال رکھیں، تو مناسب انداز میں اس کی ترغیب دی جاسکتی ہے، پس اگر بکر نے برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی خوشی سے بیٹی کو کوئی رقم دی ہے تو بیٹی اس کی مالک بن جائے گی، اس رقم کی واپسی بیٹی پر لازم نہیں ہے۔

عـن أبـي أمـامة رضـي اللّٰه عنه قال: سـمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يـقـول فـي الـخـطبة عـام حـجة الـوداع: الـعارية مؤداة والزعيم غارم والدين مقضي. (سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في أن العارية مؤداة ٢٣٩/١ رقم: ١٢٦٥)

وقـضاء الدين يستحق على المديون. (المبسوط للسرخسي ٢٨/٢٠ دار الكتب العلمية بيروت)

الـمـخـتـار التسوية بين الذكر والأنثىٰ في الهبة. (البحر الرائق / كتاب الهبة ٤٩٠/٧ زكريا)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الهبة ٤٩٣/٨ زكريا)

(۳) حسبِ تحریر سوال بکر کی رضا مندی سے مقدمہ اور ضمانت پر زید اور عمر کی جو رقم خرچ ہوئی ہے، اس کا زمین کے معاوضے کی رقم سے لینا درست ہے اور رقم کی تقسیم کے بعد عمر کا جو پیسہ الگ سے خرچ ہوا ہے، اس کے متعلق بکر کو اختیار ہے چاہے تو وہ خرچ کردہ پوری رقم عمر کو ادا کردے ورنہ یہ رقم عمر ہی کے ذمہ ہوگی۔

كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرم حلالا أو أحل حرامًا والمسلمون على شروطهم إلا شرطًا حرم حلالًا أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱ رقم: ۱۳۵۲)

الإنفاق إذا كان بقصد التبرع فلا رجوع فيه. (الموسوعة الفقهية ۱۶۱/۱۲ الكويت)

(۴) مشترکہ تجارتی معاملہ سے متعلق سوال گنجلک ہے؛ کیوں کہ حسب تحریر سوال عمر تجارت کے نام پر رقم دینے کا مدعی ہے جب کہ زید اس کا منکر ہے، اِس لئے جب تک فریق ثانی کی طرف سے واضح بیان سامنے نہ آئے اس وقت تک کوئی حکم نہیں لکھا جا سکتا۔ اِسی طرح پنچایت میں جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ کن بنیادوں پر ہے؟ اُس کے متعلق بھی ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/٦/٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گروی رکھے ہوئے زیور پر قبضہ کر کے اُس کی واپسی سے انکار کرنا

سوال (۱۰۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والد مرحوم کا بہت اچھا کاروبار تھا، کسی وجہ سے اُن کا کاروبار بگڑ گیا تھا، اور

قرضہ ہوگیا تھا، قرضہ کو اَدا کرنے کے لئے وہ مکان بیچنا چاہ رہے تھے، مگر مکانوں پر کرایہ داروں سے مقدمہ بازی ہورہی تھی وہ بک نہیں پا رہے تھے، تو اُنہوں نے مجبور ہوکر شادی شدہ بیٹی اور شادی شدہ بیٹے کے زیور جو اُنہوں نے شادی پر دیئے تھے اُن سے لے کر اپنے بہنوئی کے پاس گروی رکھ دیئے تھے، بیٹی کے زیور کو اُنہوں نے واپس کرنے کے لئے کہا تھا، بیٹے کے زیور کو اُنہوں نے کہا تھا کہ میں نے چڑھایا تھا، پریشانی میں بیٹوں کے زیور لے لئے ہیں، بیاج برابر چڑھ رہا تھا، اندیشہ تھا کہ کہیں زیور ختم نہ ہوجائے تو اُنہوں نے اپنے بہنوئی جو اَمیر آدمی تھے، اُن کے سامنے پریشانی رکھی، اُنہوں نے کہا بھائی میرا مکان نہیں بک رہا ہے، آپ بیٹی کا زیور واپس کردو اور باقی زیور بیچ کر اپنا قرضہ چکالو، اُن کے بہنوئی اُن کو ٹالتے رہے، اِس بیچ مکان جس میں میرے والد رہتے تھے، اس پر بہنوئی سے مقدمہ بازی شروع ہوگئی، جس کی وجہ سے وہ زیور دبا کر بیٹھ گئے، اور اُنہوں نے زیور نہیں دیا، اِسی دوران میرے والد کا ۳۵؍ سال پہلے انتقال ہوگیا اور قریب ۲۰ یا ۲۵؍ سال پہلے اُن کے بہنوئی میرے پھوپھا کا بھی انتقال ہوگیا، مگر زیور کا مسئلہ اَٹکا پڑا رہا، اَب اُن کے انتقال کے بعد بھی طے نہیں ہوا، اَب اُن کے ورثہ میں ایک بیٹے محمد شریف سے میری بات ہوئی تھی، تب اُنہوں نے کہا نہ ابا ہیں نہ ماموں ہیں، زیور تو جب ہی ختم ہوگیا تھا، وہ صاف انکار کرنے لگا اور وارثان سے میری اِس بارے میں بات نہیں ہوئی ہے، مسئلہ بالا میں شرعی فتویٰ کیا ہے، بتایا جائے؟ اِس مسئلہ کے سلجھانے میں وارثان میرے پھوپھا کی کیا ذمہ داری ہوتی ہے وہ اور میرے مرحوم پھوپھا پر اس کا کوئی بار ہے؟ اس کی شرع کی رو سے وضاحت فرمادیں اس میں کچھ چھپایا نہیں ہے، مسئلہ یہی پیش کیا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - سوال میں ذکر کردہ تفصیلات اگر درست ہیں تو حکم یہ ہے کہ والد مرحوم نے ضررت کے وقت بیٹی کی ملکیت والا جو زیور بطور قرض لیا تھا، وہ انہیں بیٹی کو واپس کرنا چاہئے تھا، اب چوں کہ والد مرحوم وفات پاچکے ہیں تو بیٹی کا قرض والد مرحوم کے

وارثین پر ہے، وہ اس کی اَدائیگی کی فکر کریں، اور والد مرحوم نے جو زیور بہنوئی کے پاس گروی رکھوایا تھا، وہ بہنوئی کے پاس امانت تھا جس کی واپسی ان پر لازم تھی، اس زیور میں تصرف کی انہیں اجازت نہ تھی؛ لہٰذا اُن کی وفات کے بعد بہنوئی کے وارثین پر لازم ہے کہ وہ والد مرحوم کے وارثین سے قرض کی رقم واپس لے کر زیور انہیں واپس لوٹا دیں، یا آپس میں صلح صفائی اور معافی تلافی کرلیں؛ تاکہ مرحومین کے ذمہ میں آخرت میں کوئی جواب دہی نہ رہے۔

وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن. (الهداية / كتاب الرهن ٥٢٣/٤ مكتبة بلال)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث طويل: ...... لا يحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه.

(مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ٢٥٥، سنن الدار قطني / كتاب البيوع ٢٧/٣ رقم: ٢٨٨٥ مكتبة دار الإيمان سهارنفور، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٧٢/٥ دار الفكر بيروت، شعب الإيمان للبيهقي ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۰/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

۱۰/ ہزار قرض کے بدلے ۲۵/ ہزار کا موبائل بشرط استعمال گروی رکھا

سوال (۱۰۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک شخص سے ۱۰/ ہزار روپئے قرض لیا اور اس کے پاس بطور رہن اپنا موبائل رکھا، جس کی قیمت ۲۵/ ہزار روپئے ہے اور اُس سے یہ کہہ دیا کہ وہ موبائل استعمال کرتا رہے گا اور اگر وقت پر قرض اَدا نہ ہوا تو وہ پورا موبائل اسی قرض دینے والے کا ہو جائے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ ۱۰/ ہزار کے مقابلے میں ۲۵/ ہزار کا موبائل دینا اور قرض دہندہ کو اس موبائل سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں نہ تو قرض دہندہ کا مرہون

موبائل سے فائدہ اُٹھانا جائز اور نہ ہی ۱۰/ ہزار کے قرض کے مقابلے میں ۲۵/ ہزار کی ملکیت کی اجازت ہے؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر قرض دار طے شدہ وقت پر قرض اَدا نہ کرے تو قرض خواہ اُس موبائل کو فروخت کر کے اپنی رقم وصول کر لے اور زائد رقم قرض دار کو واپس کر دے۔

وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن …… لأن حق المرتهن الحبس إلى أن يستوفي دينه دون الانتفاع. (مجمع الأنهر/ كتاب الرهن ٢٧٣/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

قوله: وقيل لا يحل للمرتهن قال في المنح: وعن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندي: وكان من كبار علماء سمرقند أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً فيكون ربا وهذا أمر عظيم. (رد المحتار / كتاب الرهن ٨٣/١٠ زكريا)

عن سعيد بن المسيب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”لا يغلق الرهن“ قال مالك رحمه الله: وتفسير ذلك فيما يرىٰ أن يرهن الرجل الرهن بالشيء وفي الرهن فضل عما رهن به، فيقول الراهن للمرتهن إن جئتك بحقك إلى أجل يسميه له وإلا فالرهن لك بما فيه، فهذا لا يصح ولا يحل. (الموطأ للإمام مالك، كتاب الأقضية / ما لا يجوز من غلق الرهن رقم: ٢١٣٢-٢١٣٣، العناية شرح الهداية / كتاب الرهن ١٤١/١٠ دار الفكر بيروت)

فكما يجوز تعليق البيع كأن يقول إذا دخلت الدار فقد بعتك كذا بمأة، فقبل الآخر لا يثبت البيع عند الدخول. (فتح القدير/ كتاب الكفالة ١٧٣/٧ زكريا، ٢٩١/٦ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض کے بدلہ رہن رکھا ہوا مکان دوسرے کو بیچنا اور اُس کا کرایہ وصول کرنا

سوال (۱۰۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عبداللہ نے محمود سے قرض لیا تجارتی قرض پھر قرض کی وصولیابی کے لئے محمود کی طرف سے کچھ لوگوں نے عبداللہ پر دباؤ ڈالا عبداللہ نے کہا: ابھی میرا کاروبار نہیں چل رہا ہے، میرے پاس میرا صرف مکان ہے، اسے گروی رکھ لو، ان لوگوں نے زور ڈال کر مکان محمود کے نام بیع نامہ کردیا، ادھر عبداللہ کے ایک رشتہ دار کامل نے جو اس مکان کے بیع نامہ کو جانتے تھے، انہوں نے عبداللہ کے قرض کی اَدائیگی میں معاونت کے لئے اپنے تین پلاٹ اور ۵/لاکھ نقد کے عوض یعنی کل ۴۵/لاکھ میں عبداللہ سے اس مکان کا سودا کرلیا، کامل نے کیش ۱۵/لاکھ ادا کردئے اور بیع نامہ کئے ہوئے مکان کے بارے میں پتہ چلا تو اُس نے مکان بیچنے پر عبداللہ پر اعتراض کیا اور ناراضگی کی ادھر کامل مکان پر قبضہ کرنے اور اسے خالی کرانے کا مسلسل تقاضہ کررہا ہے۔

واضح ہو کر عبداللہ کا مکان کرایہ پر چلتا ہے اور ابھی تک عبداللہ ہی اس کا کرایہ استعمال کر رہا ہے تو سوال یہ ہے کہ شرعاً یہ بیع ہوئی یا نہیں؟ اب مکان کس کا ہے؟ کیا کامل اس مکان پر قبضہ کا اور اس کے کرایہ کا حق دار ہے؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر عبداللہ (قرض دار) نے محمود (قرض خواہ) کے نام گروی کے طور پر اپنے مکان کا رجسٹرڈ بیع نامہ کردیا ہے تو ایسی صورت میں محمود کی اجازت کے بغیر عبداللہ کا کامل کے ہاتھ اس مکان کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا اور کامل کے لئے اس مکان کا کرایہ وصول کرنا بھی جائز نہ ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ مکان کی ملکیت مرتہن محمود کے حق میں محبوس ہے، جب تک وہ راضی نہ ہو اس میں راہن یعنی عبداللہ کو بیچنے

کا حق نہیں ہے، اگر محمود اس بیع کی اجازت نہ دے تو کامل سے کیا گیا، بیع کا معاملہ فسخ ہوگا اور اس نے جو رقم عبداللہ کو دی ہے وہ اسے واپس لے سکتا ہے؛ لیکن مکان پر اس کا کوئی حق نہیں ہے اور محمود نے جو رقم عبداللہ کو قرض میں دی ہے وہ رقم وصول نہ ہونے کی صورت میں محمود کے لئے اس مکان کو فروخت کر کے اپنے قرض کو وصول کر لینے کا حق ہے۔

توقف بيع الراهن رهنه على إجازة مرتهن أو قضاء دينه فإن وجد أحدهما نفذ. (تنوير الأبصار، كتاب الرهن / باب التصرف في الرهن والجناية عليه الخ ١٠/١٢٥ زكريا)

بيع الراهن الرهن موقوف على إجازة المرتهن (ملتقى الأبحر) لتعلق حق المرتهن به. (مجمع الأنهر، كتاب الرهن / باب التصرف في الرهن الخ ٤/٢٩٤ دار الكتب العلمية بيروت)

بقي ما إذا كان حاضرًا وامتنع عن بيعه ...... وحرر في الخيرية أنه يجبره على بيعه وإن كان دارًا ليس له غيرها يسكنها لتعلق حق المرتهن بها. (رد المحتار، كتاب الرهن / باب ما يجوز ارتهانه وما لا يجوز ١٠/١١٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رشوت کے مسائل

سرکاری ملازمت کے لئے رشوت دینا

سوال (۱۰٧٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے پانچ لاکھ روپئے رشوت دیا؛ کیوں کہ رشوت کے بغیر ملازمت پکی نہیں ہوتی، تو اب سوال یہ ہے کہ اس طرح ملازم بننے کے بعد جو تنخواہ مل رہی ہے وہ حلال ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نااہل شخص کا حق داروں کو محروم کر کے رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنا قطعاً حرام اور سراسر ظلم ہے؛ البتہ اگر کسی شخص کے ساتھ ایسی صورت پیش آئے کہ اہلیت اور شرائط پائے جانے کے باوجود رشوت دیئے بغیر اس کے تقرر کو منظور نہ کیا جائے تو ایسے شخص کے لئے اپنا حق حاصل کرنے کی غرض سے رشوت دینے کی گنجائش ہوگی اور ملازم بن جانے کے بعد جو تنخواہ ملتی ہے وہ عمل اور کارکردگی کا معاوضہ ہے وہ حسبِ شرائط بہر حال حلال ہے۔

أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به عن نفسه ظلمًا فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح، الإمارة والقضاء / باب رزق الولاة وهداياهم ٢٩٥/٧ تحت رقم: ٣٧٥٣ دار الكتب العلمية بيروت)

ثم المذهب عند جمهور الفقهاء أن جميع أنواع الكسب بالإباحة على السواء. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٥٦/١٨ رقم: ٢٨٣٣٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنا اور اُس کی تنخواہ لینا

سوال (۱۰۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رشوت دے کر لیا گیا عہدہ یا نوکری سے حاصل شدہ رقم حلال ہے یا نہیں؟ یعنی رشوت دی پھر نوکری مل گئی، اَب جو تنخواہ پائے گا وہ حلال ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کوئی شخص کسی ملازمت کا مستحق ہو؛ لیکن متعلقہ محکمہ یا اِدارہ کے لوگ رشوت لئے بغیر اُس کا تقرر نہ کریں تو ایسے شخص کے لئے رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنا شرعاً درست ہے؛ البتہ غیر مستحق شخص کا رشوت دے کر نوکری حاصل کرنا ممنوع ہے؛ تاہم اگر کوئی شخص کسی بھی طرح ملازمت حاصل کرلے اور پھر مفوضہ ذمہ داری صحیح طریقہ پر انجام دے، تو اُس پر ملنے والی تنخواہ اُس کے لئے حرام نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہ اُس کی محنت کا صلہ اور عمل کا معاوضہ ہے۔

في الخانية: الرشوة على وجوه أربعة ...... ومنها إذا دفع الرشوة ليسوي أمره عند السلطان حل له الدفع ولا يحل للآخذ. (شرح المجلة لخالد الأتاسي، القضاء / الباب الأول في الحكام ٣٧/٥ دار الكتب العلمية بيروت)

منها: ما لو دفعها ليسوّي أمره عند السلطان حل الدفع ولا يحل الأخذ. (البناية / كتاب أدب القاضي ٧/٩ المكتبة النعيمية ديوبند)

منها: ما هو حرام على الآخذ والمعطي وهو الرشوة على تقليد القضاء

والأمارة. (رد المحتار، كتاب القضاء / مطلب في الكلام على الرشوة والهدية ۳٤/۸ زكريا)

الأجر يطيب وإن كان السبب حرامًا. (رد المحتار، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ٦٢/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اسکول منیجر کا پیسہ لے کر تقرری کرنا

سوال (۱۰۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اسکول یا سرکاری مدرسہ میں ایک استاذ کی ضرورت ہے اور مدرسہ کا منیجر اس خالی جگہ پر پیسہ لے کر تقرری کرواتا ہے، کئی حضرات اپنی تقرری کے لئے منیجر کو پیسہ دینے کے لئے تیار ہیں اور ان سب کے اندر پڑھانے کی صلاحیت بھی ہے نیز منیجر اس خالی جگہ پر اس آدمی کا تقرر کرواتا ہے جو سب سے زیادہ پیسہ دے، تو مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اس خالی جگہ پر پیسہ دے کر اپنا تقرر کروانا از روئے شرع کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- رشوت کا لین دین شرعاً حرام ہے اور اسکول یا مدرسے کے منیجر کا خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے اَساتذہ سے پیسہ لینا ہرگز جائز نہیں ہے؛ تاہم اگر کوئی شخص تقرر کے انٹرویو یا امتحان میں پاس ہوا اور اس کے اندر مفوضہ ذمہ داری ادا کرنے کی صلاحیت بھی ہو؛ لیکن رشوت دیئے بغیر اس کا تقرر منظور نہ ہوسکے تو ایسے شخص کے لئے اپنے حق کو حاصل کرنے کی غرض سے پیسہ دینے کی گنجائش ہوگی؛ لیکن لینے والوں کے لئے اس کا لینا بہرحال ناجائز ہوگا۔

قال العلامة ابن عابدين: وفي الفتح: ثم الرشوة أربعة أقسام ...... الثالث أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعاً للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على

الأخذ فقط. (رد المحتار، كتاب القضاء / مطلب: في الكلام على الرشوة والهدية ۳۵/۸ زكريا)

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الراشي أي معطي الرشوة (والمرتشي) أي آخذها، قال الخطابي: فأما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق و يدفع عن نفسه ظلما فإنه غير داخل في هذا الوعيد. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب القضاء / باب في كراهية الرشوة ۳۰۵/۱۱ تحت رقم: ۳۵۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابُ الشرکۃ والمضاربۃ

شرکت ومضاربت کی بعض قابلِ تنقیح شکلیں

’’شرکت ومضاربت کی بعض قابلِ تنقیح شکلوں‘‘ سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے سولہواں فقہی اجتماع بتاریخ: ۳-۵/شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷ تا ۱۹/مارچ ۲۰۲۱ء بروز بدھ، جمعرات (بمقام مدنی ہال مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہندنئ دہلی) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (از: مرتب)

سوال (۱/۱۰۷۹):- شرکت کے تحقق کے لئے فقہاء نے بوقت عقد یا کم از کم بوقت خریداری فریقین کے سرمایہ کے موجود ہونے کی شرط لگائی ہے۔ علامہ کاسائیؒ فرماتے ہیں:

ومنها أن يكون رأس مال الشركة عينًا حاضرًا لا دينًا، ولا مالا غائبًا، فإن كان لا تجوز عنانًا كانت أو مفاوضة؛ لأن المقصود من الشركة الربح، وذلک بواسطة التصرف، ولا يمكن في الدين ولا المال الغائب فلا يحصل المقصود الخ. (بدائع الصنائع ٦٠/٦)

آج کل رقومات عموماً بینکوں میں جمع رہتی ہیں اور عقد کے وقت بڑا سرمایہ سامنے رکھنا دشواری کا سبب بن سکتا ہے اور اس میں قانونی پیچیدگیاں بھی پیش آسکتی ہیں، پس اگر شرکاء کی رقم اپنے اپنے بینک اکاؤنٹ میں موجود ہو، تو کیا شرکت کے جواز کے لئے اتنی بات کافی ہے یا اکاؤنٹ سے نکال کر بوقت شرکت حسی طور پر رقم حاضر کرنا یا کسی مشترکہ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا ضروری ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ (حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ) کے نزدیک شرکت میں عقد کے وقت شرکاء

کے مال کا حاضر یا مخلوط ہونا شرط نہیں ہے؛ البتہ جب تجارت شروع ہو تو خریداری کے وقت نقد مال ہونا ضروری ہے اور یہ نقد کسی ایک شریک کا بھی ہوسکتا ہے، جس میں وہ اپنے حصے کے بقدر اصیل ہوگا، اور دیگر شرکاء کی طرف سے وکیل سمجھا جائے گا۔ اور اِس بارے میں سوال میں جو بدائع الصنائع کی عبارت نقل کی گئی ہے، وہ مکمل نہیں ہے۔ اگر اُسی صفحہ کی مکمل عبارت نقل کی جاتی تو مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا۔ مکمل عبارت درج ذیل ہے:

ومنها أن يكون رأس مال الشركة عينًا حاضرًا لا دينًا، ولا مالاً غائبًا، فإن كان لا تجوز، عنانًا كانت أو مفاوضة؛ لأن المقصود من الشركة الربح، وذلک بواسطة التصرف، ولا يمكن في الدين ولا المال الغائب، فلا يحصل المقصود. وإنما يشترط الحضور عند الشراء لا عند العقد؛ لأن عقد الشركة يتم بالشراء، فيعتبر الحضور عنده، حتىٰ لو دفع إلىٰ رجلٍ ألف درهمٍ فقال له: اخرج مثلها، واشتر بهما وبع، فما ربحت بيننا، فأقام المامور البينة إنه فعل ذٰلک جاز. وإن لم يكن المال حاضرًا من الجانبين عند العقد لما كان حاضرًا عند الشراء.

وهل يُشترط خلط المالين، وهو خلط الدراهم بالدنانير أو الدنانير بالدراهم، قال أصحابنا الثلاثة: لا يُشترطُ، وقال زفر: يشترط. وبهٖ أخذ الشافعي رحمه اللّٰه تعالىٰ الخ.

وجه قولهٖ: أن الشركة تُنبئ عن الاختلاط، والاختلاط لا يتحقق مع تمييز المالين، فلا يتحقق معنى الشركة، ولأن من أحكام الشركة أن الهلاک يكون من المالين، وما هلک قبل الخلط من أحد المالين يهلک من مال صاحبهٖ خاصةً، وهٰذا ليس من مقتضى الشركة.

ولنا أن الشركة تشتمل على الوكالة فما جاز التوكيل بهٖ جازت الشركة فيه، والتوكيل جائزٌ في المالين قبل الخلط، كذا الشركة.

وأما قوله: الشركة تنبئ عن الاختلاط فمسلمٌ؛ لٰكن علىٰ اختلاط رأس

المال أو على اختلاط الربح، فهٰذا مما لا يتعرض له لفظ الشركة، فيجوز أن يكون تسميته شركةً لاختلاط الربح لا لاختلاط رأس المال، واختلاط الربح يوجد، وإن اشترىٰ كل واحد منهما بمال نفسهٖ علىٰ حدةً؛ لأن الزيادة وهي الربح تحدث على الشركة الخ.

وأما تسليم رأس المال كل واحد منهما إلىٰ صاحبهٖ وهو التخلية بين مالهٖ وبين صاحبهٖ، فليس بشرطٍ في العنان والمفاوضة جميعًا، وإنه شرط لصحة المضاربة. (بدائع الصنائع ٧٩/٥-٨٠ نعيمية)

نیز یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو:

ولو قال له: اشتر بألف درهم من مالك علىٰ أن يكون ما اشتريته بيننا جاز. (بدائع الصنائع / كتاب الشركة ٧٧/٥)

علاوہ ازیں ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کے درج ذیل جزیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

ولا يشترط اتفاق الجنس في رأس المال ولا خلط المالين، ويجوز أن يكونا رأس مال أحدهما دراهم، ومال الآخر دنانير، أو كان الكل دراهم أو دنانير، فاشترىٰ كل واحدٍ منهما بمالهٖ قبل الخلط، فجميع المشترىٰ كان مشتركًا بينهما عندنا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٦٥/٧ زكريا)

اور الدر المختار میں لکھا ہے:

وركنها أي ماهيتها الإيجاب والقبول ولو معنىً، كما لو دفع له ألفًا، وقال: اخرج مثلها واشتر والربح بينهما. (الدر المختار ٤٧٤/٦ زكريا)

شیخ وہبہ زحیلیؒ نے بھی یہی بات نقل فرمائی ہے:

أما لو قال: اشتر بألف درهم من مالك علىٰ أن ما اشتريته يكون بيننا، وأنا اشتري بألف درهم علىٰ أن اشترى يكون بيننا جاز؛ لأن الشركة تكون في النقود. (الفقه الإسلامي وأدلته / كتاب الشركة ٦٠٢/٤-٦٠٣)

اور ''البحر الرائق'' میں ''الذخیرۃ'' سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

ولو دفع إلىٰ رجلٍ ألفًا وقال: اشتر بها بيني وبينک نصفين، والربح لنا والوضيعة علينا الخ، وهٰذا ليس بقرض، وإنما هو شركة، ولو اشترى بالمال ثم هلک المال فعلى الأمر ضمان نصف المال، وعلى المشتري نصف ذٰلک.

(البحر الرائق جديد ٢٨٩ زكريا)

تاہم یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اگر شریکین کا مال یکجا نہ ہو؛ بلکہ ایک نے دوسرے کی رضامندی یا حکم سے اپنا مال شرکت میں لگایا، تو علامہ شامیؒ اس معاملہ کو شرکتِ عقد کے بجائے ''شرکتِ مال'' مان کر جائز قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ علامہ شامی بحر کے درج بالا جزئیہ کی تعلیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال: ووجهه أنه لما أمره بالشراء نصفين صار مشتريًا للنصف وكالةً عن الأمر والنصف إصالةً عن نفسه، وقد أوفى الثمن من مال الأٰخر فيضمن حصة نفسه، والظاهر أن هٰذه شركة ملک لا شركة عقد. (رد المحتار / كتاب الشركة ٤٨٢/٦-٤٨٣ زكريا)

اسی بات کو دوسری جگہ مزید وضاحت سے فرماتے ہیں:

فأفاد أن هٰذه شركة ملک لا عقدٍ، وقدمنا عن الولوالجية اشتركا علىٰ أن ما اشتريا من تجارة فهو بيننا يجوز، ولا يحتاج فيه إلىٰ بيان الصفة والقدر والوقت؛ لأن كلاً منهما صار وكيلاً عن الأٰخر في نصف ما يشتريه، وغرضه تكثير الربح، وذٰلک لا يحصل إلا بعموم هٰذه الأشياء. وفي التاتارخانية عن المنتقىٰ: قال هشام: سمعت أبا يوسف يقول في رجل، قال لأٰخر: هي عشرة اٰلاف فخذها شركة تشتري بيني وبينک، قال: هو جائز، والربح والوضيعة عليهما. (رد المحتار، كتاب الشركة / قبيل الفروع ٥٠٨/٦ زكريا)

بہرحال جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ائمہ احناف کے نزدیک شرکت میں سارا سرمایہ یکجا

ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اصل شرکت بالآخر خریداری کے بعد متحقق ہوتی ہے؛ لہٰذا عقد شرکت میں ابتدا ہی سے سب شرکاء کے سرمایہ کو ایک اکاؤنٹ میں جمع کرنا کوئی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ مروجہ قوانین کا لحاظ کرتے ہوئے ایک کھاتے سے یا الگ الگ کھاتوں سے خریداری کی جاسکتی ہے۔ اور جب تک یہ معاملہ باقی رہے گا، خریدی ہوئی چیز سب شرکاء میں مشترک رہے گی، اور جس شریک کی طرف سے خریداری میں رقم زائد لگے گی، وہ دوسرے شرکاء سے مطالبے کا حق دار رہے گا۔

سوال (۱۰۸۰/۲):- اگر چند شرکاء کے درمیان زبانی اس طرح معاہدہ ہو کہ ہم شراکت کے طور پر کام کریں گے اور شرکاء مختلف مرحلوں میں ترتیب وار رقم لگائیں گے، تو کیا اس طرح شرکت کا معاملہ کیا جاسکتا ہے؟ یا ابتداء ہی سے سارے شرکاء کی رقم جمع کر کے مشترکہ رقم سے کاروبار کرنا ضروری ہے؟ اس کا ثمرہ یوں ظاہر ہوگا کہ اگر درمیان میں کام بند ہوگیا یا ناگہانی آفات سے منصوبہ جاری نہ رہ سکا، تو نفع ونقصان کے ذمہ دار سارے شرکاء قرار دئے جائیں گے، یا جن کی رقم لگ چکی تھی صرف وہی ذمہ دار ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۲) شرکت کے معاملے میں عقد یا شراء کے وقت تمام شرکاء کا سرمایہ یکجا ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ عقد کے بعد جو شریک بھی شرکت کے لئے خریداری کرے گا، وہ اپنے حصہ کے بقدر اصیل اور دوسرے حصہ داروں کے بقدر اُن کا وکیل ہوگا؛ لہٰذا اگر اُس تجارت میں نقصان ہوجائے تو سب شرکاء اپنے حصہ کے بقدر نقصان کے ذمہ دار ہوں گے، جس نے رقم لگائی ہے صرف وہی ذمہ دار نہ ہوگا۔ جیسا کہ درج ذیل جزئیہ سے واضح ہے:

ولا يشترط اتفاق الجنس في رأس المال ولا خلط المالين، ويجوز أن يكون رأس مال أحدهما دراهم، ومال الآخر دنانير، أو كان الكل دراهم أو دنانير، فاشترىٰ كل واحدٍ منهما بمالهٖ قبل الخلط، فجميع المشترىٰ كان مشتركًا بينهما عندنا. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٦٥/٧ زكريا)

سوال (۳/۱۰۸۱):- کتب فقہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ شریک اجرت پر کام نہیں کرسکتا؛ لیکن آج کل مشترکہ کاروبار میں ہر سطح پر یہ طریقہ کثرت سے رائج ہے کہ سرمایہ کے اعتبار سے نفع میں شرکت کے ساتھ ساتھ کام کرنے والے شرکاء کی تنخواہ اور اجرت بھی متعین کردی جاتی ہے، موجودہ حالات میں کیا اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے؟ واضح رہے کہ بعض اہل علم مثلاً صاحب ''احسن الفتاویٰ'' نے اس سلسلے میں جواز کی بات کہی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۳) اگر شریک کو شرکت کے ساتھ مربوط کرکے اجیر بنایا جائے، تو اُصولاً یہ معاملہ صفقۃ فی صفقۃ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس لئے زائد عمل کرنے والے شریک کو اجیر بنانے کے بجائے شریک ہی کے درجہ میں رکھتے ہوئے نفع کے تناسب میں کچھ زائد حصہ کا حق دار بنایا جائے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہ ہوگا، یہ سب سے بے غبار صورت ہے۔ جس کی تائید درج ذیل عبارات سے ہوتی ہے:

وإن شرطا العمل علیٰ أحدهما، فإن شرطاه على الذي شرطا له فضل الربح جاز، والربح بينهما على الشرط، فيستحق ربح رأس ماله بماله، والفضل بعمله. (بدائع الصنائع ۵/۸۳)

أما إذا شرطا العمل عليهما، وشرطا التفاضل في الربح، وكان مال أحدهما أكثر أولا، يصح ذٰلک سواء عملا أو عمل أحدهما متبرعًا. (البحر الرائق ۵/۲۹٤ زکریا)

ومع التفاضل في المال دون الربح وعكسه. (تنوير الأبصار) **وتحته في الشامية: أي بأن يكون لأحدهما ألف وللآخر ألفان مثلاً، واشترطا التساوي في الربح، وقوله: …… عكسه، أي بأن يتساوى المالان ويتفاضلا في الربح.** (رد المحتار / كتاب الشركة ٦/٤٨٤ زكريا)

نیز اگر عقد شرکت کے ساتھ اجارہ کے معاملہ کو مشروط نہ کیا جائے؛ بلکہ دونوں کو الگ الگ رکھا جائے، بایں طور کہ اگر شرکت میں نفع نہ ہو، پھر بھی یہ اجیر اپنے عمل پر تنخواہ کا مستحق قرار دیا جائے، تو بھی اس معاملہ میں جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ جس کی ایک گونہ تائید حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ایک فتویٰ سے بھی ہوتی ہے۔ (مستفاد: اِمداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۱۳۶/۸-۱۳۷ از کریا)

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الآثام لا بأس به؛ بل هو مندوب إليه. (عمدة القاري / كتاب الحيل ٢٣٩/١٦ زكريا)

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلالٍ فهي سنة، وهي ما نقل عن الشعبي، لا بأس بالحيل فيما يحل ويجوز.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٣١١/١٠ زكريا)

نیز تعامل ناس اور عدمِ نزاع کی بنیاد پر بھی اس میں جواز کا پہلو نکل سکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳۲۸/۷)

سوال (۱۰۸۲/۴):- آج کل یہ طریقہ بھی رائج ہوگیا ہے کہ اگر کوئی ہوٹل یا تجارتی مرکز ثالث (بروکر) کے ذریعہ خریدا جائے تو محنتانہ اس طرح طے ہوتا ہے کہ جو کچھ نفع ہوگا اس کا اتنا پرسینٹ ماہانہ یا سالانہ اس کو دیا جائے گا، اب یہ امر قابل تنقیح ہے کہ کیا اس طرح محنتانہ طے کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۴) دلال اور کمیشن ایجنٹ اپنے عمل دلالی کی متعینہ اُجرت لینے کا تو مجاز ہے؛ لیکن سوال میں اُجرت کی تعیین کی جو صورت لکھی گئی ہے وہ درست نہیں؛ اِس لئے کہ اس میں اُجرت مجہول اور غیر محدود ہے۔ نیز اِس میں نزاع کا خطرہ بھی برقرار ہے (اس لئے کہ کاروبار کی حقیقی آمدنی کے بارے میں آپس میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے) لہٰذا دلالی کی اُجرت میں ہوٹل وغیرہ کی فیصدی آمدنی کی شرط مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار؟ فقال: أرجو أنه لا بأس بهٖ وإن كان في الأصل فاسدًا لكثرة التعامل وكثير من هٰذا غير جائز، فجوزه لحاجة الناس إليه. (رد المحتار ٨٧/٩ زكريا)

قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل ما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا فذاک حرام عليهم. (رد المحتار، کتاب الإجارة / باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال ٨٧/٩ زكريا)

ولا يستحق المشترک الأجر حتى يعمل كالقصار ونحوه، كفتال وحمام ودلال وملاح (تنوير الأبصار مع الدر المختار) وتحته في الشامي: لأن الإجارة عقد معاوضة فتقتضي المساواة بينهما فيما لم يسلم المعقود عليه للمستأجر لا يسلم له العوض والمعقود عليه هو العمل أو أثره، فلا بد من العمل. (رد المحتار ٨٨/٩ زكريا، حاشية الطحطاوي على الدر المختار ٣٥/٤)

وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتها تفضي إلى المنازعة. (الدر المختار / كتاب الإجارة ٧/٩ زكريا)

سوال (۱۰۸۳/۵):- ایک شخص اپنی زمین دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ اس زمین پر سرمایہ کاری کا جو طریقہ اختیار کرے گا، اس میں مثلاً دس فیصد نفع میرا ہوگا، کیا یہ شکل جائز ہے، اگر نہیں تو کیا اس کی متبادل صورت نکل سکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۵) بیع کرنے کے بعد مبیع یا اس کی کسی بھی منفعت سے بائع کا تعلق ختم ہوجاتا ہے، پس بیع میں کوئی ایسی شرط لگانا جس میں مبیع کی موجودہ یا آئندہ منفعت پر بائع کا حق برقرار رہے، یہ سرے سے مقتضائے عقد کے خلاف ہے؛ لہٰذا ایسی کسی شرط پر بیع کرنا شرعاً فاسد ہوگا، اور اس شرط پر اگر معاملہ کرلیا گیا ہو، تو فوری طور پر اس معاملہ کو ختم کرنا لازم ہے۔ الغرض اس معاملے کے تحت بائع کے لئے مبیع سے فائدہ اُٹھانے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے؛ تاہم اگر بیع کا معاملہ مکمل ہونے اور مشتری کے مبیع پر قبضہ کرلینے کے بعد اگر مشتری کے ساتھ شرکت یا مضاربت کے طور پر الگ سے کوئی معاملہ کیا جائے، تو حسب شرائط وقواعد اس کی اجازت ہوگی۔

كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه ...... يفسده. (الهداية ۵۹/۳ المكتبة الأشرفية ديوبند)

الشرط الفاسد: وهو ما خرج عن الأقسام الأربعة السابقة أي لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، ولا ورد به الشرع، ولا يتعارفه الناس، وإنما فيه منفعة لأحد المتعاقدين كأن اشترىٰ حنطة علىٰ أن يطحنها ...... البيع في هٰذا كله فاسدٌ؛ لأن كل زيادة منفعة مشروطة في العقد تكون ربًا؛ لأنها زيادة لا يقابلها عوض في عقد البيع. (الفقه الإسلامي وأدلته ۲۵۱/٤، رد المحتار ۲۸۲/۷ زكريا)

سوال (۱۰۸۴/۶):- مضاربت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اگر اس میں خسارہ ہوجائے تو سابق میں جو کچھ نفع ہوا ہو، پہلے اس سے اس کی بھرپائی کی جائے گی، اگر اس سے تلافی نہ ہو تو رب المال کا مال جائے گا اور مضارب کی محنت؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ بسا اوقات کاروبار سالہا سال جاری رہتا ہے اور نفع بھی سالانہ اور ماہانہ تقسیم ہوتا رہتا ہے، اَب اگر مضارب کو سابقہ تمام منافع واپس کرنے کا مکلّف بنایا جائے تو عملاً یہ بہت مشکل ہے؛ بلکہ بسا اوقات یہ ناممکن ہوجاتا ہے، کیا اس میں کوئی سہولت کی راہ نکل سکتی ہے؟ بعض حضرات نے یہ ضوابط پیش کئے ہیں کہ رب المال اور مضارب پر سرمایہ اور مارکیٹ ویلو کے حساب سے اثاثہ کی قیمت کا تخمینہ لگا کر ایک حتمی حساب کر کے منافع تقسیم کرلیں اور اگلے سال سے کاروبار کا حساب لگا کر نیا کاروبار شروع کریں (واضح رہے کہ نئے کاروبار کے لئے شرکت بالنقود ضروری ہے اور یہاں کچھ کاروباری اثاثہ مشترک ہے) اس سے یہ سہولت مل جائے گی کہ آئندہ جو نقصان ہوگا تو سابقہ سالوں کا جو لین دین ہو چکا ہے اس سے خسارہ کی تلافی لازم نہیں ہوگی، کیا فقہی نصوص کی روشنی میں اس کی گنجائش نکل سکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۶) عقد شرکت ومضاربت میں حساب وکتاب کی درستگی اور امانت ودیانت کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ اور ایک مرتبہ عقد مضاربت شروع کرنے کے بعد جب تک وہ برقرار رہے، تو درمیان میں رب المال اور مضارب اس کاروبار سے جو بھی علی

الحساب رقم لیتے رہے ہیں، اس کا ریکارڈ محفوظ رہنا چاہئے۔ پھر جب خدانخواستہ کاروبار میں نقصان ہوجائے تو شروع سے اب تک دونوں نے جو رقم لی ہے، اَولاً نقصان کی تلافی میں اس پوری رقم کو جوڑا جائے گا، اگر اس سے نقصان کی تلافی نہ ہو، تو پھر رأس المال سے نقصان کی بھرپائی کی جائے گی، جس کی طرف سوال میں بھی اشارہ موجود ہے۔

اور سوال میں محدود مدت کے بعد ایک عقد کو ختم کرکے ازسرنو جو دوسرے عقد کی بات کی گئی ہے، تو اس میں اصولاً کوئی حرج نہیں ہے؛ اِس لئے کہ عقد مضاربت عقود غیر لازمہ میں ہے، جس کو فریقین یا کوئی ایک فریق ختم کرنے کا مجاز ہوتا ہے؛ لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ اگر ختم کرتے وقت مضاربت کا مال نقدی کی شکل میں نہ ہو؛ بلکہ سامانِ تجارت کی شکل میں ہو، تو یہ عقد اس وقت تک ختم نہ ہوگا، جب تک کہ ان سب مال کو فروخت کرکے نقدی میں تبدیل نہ کرلی جائے؛ تاکہ نفع ونقصان پوری طرح ظاہر ہوجائے؛ اس لئے اگر تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی محدود مدت میں عقد کو ختم کرکے پچھلا حساب وکتاب صاف کرلیا جائے، اور پھر ازسرنو نیا عقد کیا جائے، تو ظاہر ہے کہ اس میں شرعاً کوئی حرج نہ ہوگا۔

قال محمد: إذا عمل المضارب بمال المضاربة فربح ألفا فاقتسما الربح، ومن مال المضاربة في يد المضارب على حاله، فأخذ رب المال من الربح خمس مائة، والمضارب خمس مائة، ثم ضاع رأس المال في يد المضارب قبل العمل أو بعده، فإن قسمتها باطلة، والخمس مائة التي أخذها رب المال تحسب من رأس المال ويؤدي المضارب الخمس مائة التي أخذها إلىٰ رب المال إن كان قائمًا بعينه، وإن هلكت في يده رد مثلها علىٰ رب المال حتى يقيم لرب المال رأس ماله، والألف التي هلكت في يد المضارب هي الربح. (الفتاوى التاتارخانية ۱۵/۴۷۲ رقم: ۲۳۸۰۳ زكريا)

فإن اقتسماه أي المضارب والمالک الربح وفسخت المضاربة ثم عقدت المضاربة جديدًا، فهلک المال أو بعضه في يد المضارب لا يترادن أي المضارب والمالک الربح المقسوم؛ لأن المضاربة الأولىٰ قد انتهت، وثبوت الثانية بعقدٍ جديدٍ،

فهلاک المال في الثاني لا يوجب انتقاض الأول. (مجمع الأنهر ۴۵۸/۳-۴۵۹ بيروت)

وأما صفة عقد الشركة فهو أنها عقد غير لازمٍ، حتى ينفرد كل واحدٍ منهما بالفسخ، إلا أن من شرط جواز الفسخ أن يكون بمحضرة صاحبه أي بعلمه. (بدائع الصنائع / كتاب الشركة ۱۰۵/۵ زكريا)

ولو لم يمت لكن فسخ أحدهما الشركة ولم يعلم شريكه لا تنفسخ الشركة، ولم يعلم شريكه لا تنفسخ الشركة، ولو علم إن كان رأس مال التركة دراهم أو دنانير انفسخت الشركة، ولو كان عروضًا وقت الفسخ، ذكره الطحاوي أنها لا تنفسخ، كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الشركة ۳۳۵/۲ کوئٹه، ۳۳۶/۲ جديد زكريا)

سوال (۱۰۸۵/۷):- کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ شریک کسی بھی وقت شرکت سے علاحدہ ہوسکتا ہے؛ لیکن بعض کاروبار، بالخصوص کمپنی وغیرہ کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ اگر شرکاء کو شرکت سے علاحدہ ہونے کا مطلق اختیار دے دیا جائے اور شرکاء اچانک علاحدہ ہوجائیں تو دوسرے شرکاء کو بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے، کیا شرکت کے معاملہ کو مدت کے ساتھ مقید کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۷) اگر کمپنی کا تعلق عقد مضاربت سے ہے، اور کمپنی کا مال عروض کی شکل میں ہے، تو درمیان میں کسی شریک کا کمپنی سے الگ ہونا درست نہیں؛ تا آں کہ وہ سب عروض نقدی کی شکل میں تبدیل نہ ہوجائیں۔

اور اگر کمپنی عقد شرکت کی بنیاد پر چلتی ہے، تو اَموال کے عروض ہونے کے باوجود بعض مشائخ کے نزدیک ہر شریک کو فی نفسہٖ کسی بھی وقت شرکت سے الگ ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔

إن رب المال إذا نهى المضارب عن التصرف فإنه ينظر، إن كان مال المضاربة وقت النهي دراهم أو دنانير صح النهيُ الخ. وإن كان رأس المال وقت النهي عروضًا فلا يصح نهيه؛ لأنه يحتاج إلىٰ بيعها ليظهر الربح، فكان الفسخ إبطالاً

لحقه في التصرف، فجعل الطحاوي في الشركة بمنزلة المضاربة. وبعض مشائخنا فرق بين الشركة والمضاربة، فقال يجوز فسخ الشركة، وإن كان رأس المال عروضًا، ولا يجوز فسخ المضاربة؛ لأن مال الشركة في يد الشريكين جميعًا، ولهما جميعًا ولاية التصرف، فيملك كل واحدٍ منهما نهي صاحبه عينًا كان المال أو عروضًا. فأما مال المضاربة ففي يد المضارب، وولاية التصرف له لا لرب المال، فلا يملك رب المال نهيه، إلا بعد ما صار المال عروضًا. (بدائع الصنائع ۱۰۵/۵)

تاہم اگر عقد کرتے وقت کمپنی کی شرائط میں یہ بات شامل کردی جائے کہ درمیان کاروبار میں جوشخص الگ ہونا چاہے گا، اسے اپنا حصہ دیگر شرکاء ہی کوفروخت کرنا ہوگا، تو بعض حنبلی فقہاء نے اس کی بھی گنجائش دی ہے۔

اور یہ گنجائش موجودہ کمپنیوں کے مروجہ طریقۂ کار کے زیادہ موافق ہے، اس لئے اس پر فتویٰ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ جیسا کہ محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا ہے۔ اُن کی پوری عبارت ذیل میں درج ہے:

> ''اگر شرکاء میں سے کوئی ایک مشارکت ختم کرنا چاہے، جب کہ دوسرا شریک یا باقی شرکاء کاروبار باقی رکھنا چاہیں تو باہمی معاہدے سے یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جو شرکاء کاروبار جاری رکھنا چاہتے ہیں، وہ اس شریک کا حصہ خرید سکتے ہیں، جو اپنی شراکت ختم کرنا چاہتا ہے؛ اِس لئے کہ ایک شریک کے ساتھ مشارکت ختم ہونے کا عملاً یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ مشارکت دوسرے شرکاء کے ساتھ بھی ختم ہوجائے۔
>
> اِس صورت میں مشارکت چھوڑنے والے شریک کے حصہ کی قیمت کا تعین باہمی رضامندی سے ہونا ضروری ہے۔ اگر اس حصے کی قیمت کے تعین میں اختلاف ہو، اور شرکاء کے درمیان کوئی متفق قیمت طے نہ پاسکے، تو مشارکت چھوڑنے والا حصہ دار خود ان اثاثوں کو تقسیم کرکے دوسرے شرکاء سے علیحدہ ہوسکتا ہے، یا لیکویڈیشن یعنی اثاثوں کو بیچ کر نقد میں تبدیل کرکے (علیحدہ ہوسکتا ہے)۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شرکاء عقدِ مشارکت میں داخل ہوتے وقت اس شرط پر متفق ہوسکتے ہیں کہ لیکویڈیشن یا کاروبار کی تقسیم اس وقت تک عمل میں نہیں لائی جائے گی، جب تک کہ تمام شرکاء یا ان کی اکثریت ایسا کرنا نہ چاہے، اور یہ کہ تنہا حصہ دار جو شراکت سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے، اسے اپنا حصہ دوسروں کو بیچنا پڑے گا، اور وہ دوسرے حصہ داروں کو کاروبار کی تقسیم یا لیکویڈیشن پر مجبور نہیں کرے گا۔

اسلامی فقہ کی کتابیں سوال پر عموماً خاموش نظر آتی ہیں؛ تاہم ظاہر یہی ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ شرکاء مشارکت کے بالکل آغاز میں اس طرح کی شرط پر اتفاق کرلیں۔ بعض حنبلی فقہاء نے اس طرح کرنے کی صراحۃً اجازت دی ہے۔

یہ شرط جدید صورتِ حال میں خاص طور پر قرین انصاف معلوم ہوتی ہے؛ اِس لئے کہ آج کل اکثر حالات میں کاروبار کی نوعیت اپنی کامیابی کے لئے تسلسل کا تقاضا کرتی ہے، اور صرف ایک شریک کی خواہش پر لیکویڈیشن یا تقسیم کاروبار سے دوسرے شرکاء کو ناقابل برداشت نقصان ہوسکتا ہے۔

اگر ایک بھاری رقم کے ساتھ ایک کاروبار شروع کیا جاتا ہے، اور یہ رقم کسی طویل المیعاد منصوبے میں لگادی جاتی ہے، اور حصہ داران میں سے ایک شخص منصوبے کے ایام طفولیت میں ہی لیکویڈیشن کا تقاضا کرتا ہے، تو اس صورت میں اسے بلاوجہ لیکویڈیشن یا تقسیم کا اختیار دینا دوسرے شرکاء کے مفاد کے لئے اسی طرح سخت نقصان دہ ہوگا، جس طرح کہ معاشرے کی معاشی نشو ونما کے لئے۔ اس لئے اس طرح کی شرط قرین انصاف معلوم ہوتی ہے۔

اس کی تائید ایک اُصول سے بھی ہوتی ہے، جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معروف حدیث میں بیان فرمایا ہے: ''**المسلمون علیٰ شروطهم، إلا شرطًا أحل حرامًا أو حرم حلالاً**''. (سنن الترمذي ۲۵۱/۲) مسلمانوں کے

معاملے ان کی آپس میں طے شدہ شرطوں کے مطابق ہی ہوتے ہیں، سوائے ایسی شرط کے جو ’’حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے‘‘۔ (اسلام اورجدید معاشی مسائل ۳۹/۵ فیصل دہلی)

مذکورہ بالا تحریر میں حضرت موصوف نے جن بعض حنبلی فقہاء کا حوالہ دیا ہے، اُس کے متعلق عبارت درج ذیل ہے:

والشروط في الشركة ضربان: صحيحٌ وفاسدٌ. فالفاسد مثل أن يشترط ما يعود بجهالة الربح أو ضمان المال الخ، فما يعود بجهالة الربح يفسد به العقد الخ، ونحو ذٰلک، فهٰذا يُفسد العقد بلا نزاعٍ الخ.

ويخرج في سائرها روايتان، وشمل قسمين: أحدهما: ما ينافي مقتضى العقد، نحو أن يشترط لزوم المضاربة أو لا يعزله مدةً بعينها، أو لا يبيع إلا برأس المال أو أقل، أو أن لا يبيع إلا ممن اشترىٰ منه الخ. والثاني: كاشتراط ما ليس من مصلحة العقد ولا مقتضاه الخ.

إحداهما: (أي الرواية الأولىٰ من المذهب) لا يفسد العقد، وهو الصحيح من المذهب المنصوص عن الإمام أحمد رحمه اللّٰه تعالىٰ، صححه في التصحيح. قال في المغني والشرح: المنصوص عن الإمام أحمد رحمه اللّٰه تعالىٰ في أظهر الروايتين أن العقد صحيحٌ، قال في الفروع: فالمذهب صحة العقد نص عليه، وقدمه في المحرر والنظم والرعايتين والحاوي الصغير والفائق، وجزم به في الوجيز.

والرواية الثانية: يفسد العقد ذكرها القاضي وأبو الخطاب. وذكرها أبو الخطاب والمصنف والمجد وغيرهم تخريجًا من البيع والمزارعة. (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف ٤٢٣/٥-٤٢٤ في المكتبة الشاملة / للشيخ علاء الدين أبي الحسن علي المرداوي الدمشقي الحنبلي المتوفىٰ: ٨٨٥ هـ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۸/ جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ مطابق ۳/ فروری ۲۰۲۰ء

منظورشدہ تجویز: شرکت ومضاربت کی بعض قابل تنقیح شکلیں

سولہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ:۳-۵/شعبان المعظم۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷-۱۹/ مارچ ۲۰۲۱ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ

(بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہندنئی دہلی)

حلال طریقے سے مال کمانا شرعاً مطلوب ہے؛ اِسی لئے شریعتِ مقدسہ میں مختلف عقود اور معاملات کی اجازت دی گئی ہے، جن میں ایک عقد شرکت بھی ہے۔ جس میں مختلف صلاحیتوں والے اَفراد آپس میں مل کر محنت کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے کاروبار سے فائدہ اُٹھاتا ہے، اِس طرح کے عقود میں دیانت واَمانت اور باہمی اعتماد کو جزو لازم کی حیثیت حاصل ہے؛ اِسی لئے قرآن وسنت میں ایسے عقود میں ہر طرح کی خیانت اور فریب دہی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ بریں بنا ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علما ہند'' کے سولہویں فقہی اجتماع میں ''شرکت ومضاربت کی بعض قابل تنقیح شکلوں'' پر غور وخوض کے بعد درج ذیل اُمور طے کئے گئے:

(۱) جب بھی متعدد افراد مشترکہ طور پر کاروبار کا اِرادہ کریں تو اُنہیں چاہئے کہ وہ شرعی اُصول وضوابط کی روشنی میں شرکت کا باقاعدہ معاہدہ کریں اور بہتر ہے کہ یہ معاہدہ تحریری ہو، اُس کے بعد ہی اِس سلسلے میں پیش قدمی کی جائے اور سبھی شرکاء طے شدہ معاہدہ کی پابندی کریں۔

(۲) مناسب ہے کہ حسی طور پر مشترک نقد سرمایہ یا مشترک اکاؤنٹ میں رقم جمع کرکے ہی شرکت کا کاروبار انجام دیا جائے۔

(۳) اگر کسی وجہ سے مشترکہ اکاؤنٹ کے ذریعہ کاروبار کرنا دشوار ہو، تو شرکاء کے الگ الگ اکاؤنٹ سے حسبِ معاہدہ رقم نکال کر بھی شرکت کا معاملہ کیا جاسکتا ہے؛ اِس لئے کہ ہر شریک تصرف میں دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔

(۴) شرکت کے معاملے میں اگرچہ کسی ایک شریک کو مقررہ نفع کے ساتھ الگ سے تنخواہ دینے کی ممانعت فقہاء سے منقول ہے۔ اور تنخواہ کے بجائے نفع کا تناسب بڑھا کر یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے؛ تاہم مصلحت اور ضرورت کی بنیاد پر شرکاء کی آپسی رضامندی سے

شریک عامل کو اُس کے سرمایہ کے تناسب سے نفع کے ساتھ مقررہ اُجرت دینے کی بھی گنجائش ہے۔

(۵) ثالث (بروکر) کے ذریعے تجارتی مراکز وغیرہ کی خریداری کرنے کی صورت میں اِس طرح اُجرت مقرر کرنا کہ جب تک وہ تجارتی مراکز نفع دیتے رہیں گے، ثالث متعینہ فیصد کے اعتبار سے ماہانہ یا سالانہ نفع کا حق دار ہوگا، تو اِس طرح اُجرت کی تعیین شرعاً جائز نہیں ہے۔

نوٹ:- تاہم اگر ثالث کے لئے اَولاً کوئی اُجرت مقرر کی جائے اور پھر وہ اُس اجرت کے عوض تجارتی مراکز کے مالکان سے اَز سرِ نو شرکت کا معاملہ کرے تو وہ حسبِ شرائط نفع ونقصان میں شریک ہوگا۔

(۶) مالک زمین وغیرہ کا اپنی زمین اِس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ اُس میں جو بھی سرمایہ کاری کا طریقہ اختیار کیا جائے گا، اُس کے نفع میں وہ متعینہ فیصد کا حق دار ہوگا، تو اِس طرح کا معاملہ شریعت کے اُصولوں کے خلاف اور ناجائز ہے۔

(۷) مضاربت کے کاروبار میں خسارے کی صورت میں اصل حکم یہ ہے کہ اَولاً حاصل شدہ مجموعی منافع سے نقصان کو پورا کیا جائے؛ لیکن اگر طویل مدتی کاروبار کی وجہ سے سابقہ تقسیم شدہ منافع سے خسارہ کی تلافی کرنے میں مشکلات پیش آتی ہوں، تو ہر سال کاروبار اور موجودہ اَثاثے کی مالیت کا تخمینہ لگا کر ایک حتمی حساب کے بعد سابقہ عقد ختم کر کے منافع تقسیم کرنا اور آئندہ متعینہ مدت کے لئے اَز سرِ نو شرکت ومضاربت کے شرعی اُصولوں کے مطابق معاملہ کرنا جائز ہوگا۔ اور ایسی صورت میں گذشتہ مدت میں حاصل شدہ نفع سے بعد میں ہونے والے خسارے کی تکمیل ضروری نہ ہوگی۔

(۸) شرکت کے کاروبار میں اگر چہ ہر شریک کو اپنی صوابدید کے مطابق کسی بھی وقت شرکت سے علاحدہ ہونے کا اختیار رہتا ہے؛ لیکن حسبِ ضرورت ومصلحت شرکاء کسی متعینہ مدت سے پہلے شرکت سے علاحدہ نہ ہونے کا آپس میں معاہدہ کر سکتے ہیں، نیز آپسی رضامندی سے ہر شریک کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا حق بھی دیا جا سکتا ہے۔

شرکت محدودہ (لمیٹڈ کمپنی)
اور شخص قانونی سے متعلق مسائل کی تنقیح

''شرکت محدودہ (لمیٹڈ کمپنی) اور شخص قانونی سے متعلق مسائل کی تنقیح'' کے بارے میں حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے سترہواں فقہی اجتماع بتاریخ: ۱۳-۱۵ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲-۱۴ راگست ۲۰۲۲ء بروز جمعہ، ہفتہ واتوار (بمقام حج ہاؤس بنگلور کرناٹک) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (از: مرتب)

آج کل شرکت پر مبنی کمپنیوں کی نئی نئی شکلیں وجود میں آرہی ہیں۔ ماضی قریب میں ایک شکل یہ سامنے آئی ہے کہ چند افراد مل کر کوئی کاروبار کر شروع کرتے ہیں، اور اُسے شرکت محدودہ (لمیٹڈ کمپنی) کے طور پر رجسٹریشن کراتے ہیں، جس کے لوازمات میں سے یہ ہے کہ حاملانِ حصص (شیئر ہولڈر جو حقیقت میں کمپنی کے مالک ہوتے ہیں) کی ذمہ داری اُن کے لگائے ہوئے سرمایہ تک محدود ہوتی ہے، یعنی اگر کوئی لمیٹڈ کمپنی خسارہ میں گئی تو اُن کا زیادہ سے زیادہ نقصان یہ ہوگا کہ اُن کا لگایا ہوا سرمایہ ڈوب جائے گا۔ پس اگر کمپنی پر قرض زیادہ ہوگیا تو اُن سے اُن کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اِسی طرح کمپنی کی ذمہ داری بھی اُس کے اَثاثوں تک محدود ہوتی ہے، کمپنی کے قرضے کی اَدائیگی کے لئے زیادہ سے زیادہ اُس کے اَثاثے قرق کرائے جاسکتے ہیں، اَثاثوں سے زیادہ کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، یعنی اصل مالکان کے پاس اگر علیحدہ کروڑوں کا سرمایہ ہو یا اُن کے پاس متعدد اور کمپنیاں ہوں، تو بھی قانوناً یہ مطالبہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قرض خواہوں کے قرضے اپنے سرمایہ سے اَدا کریں؛ اِسی لئے کمپنی کے

دستور میں یہ صراحت ہے کہ لمیٹڈ کمپنی کے ساتھ ’’لمیٹڈ‘‘ کا لفظ صراحۃً موجود ہو؛ تاکہ رقم دینے والا اور معاملہ کرنے والا یہ سمجھ کر دے کہ اَدائیگی کی ذمہ دار صرف کمپنی ہے، اصل مالکان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

کمپنی کی یہ شکل اگرچہ اپنے اصل کے اعتبار سے ’’شرکت‘‘ ہے؛ لیکن فقہاء کرام کے ذکر کردہ اَقسام شرکت سے کئی اعتبار سے مختلف ہے۔ سب سے اہم فرق مالکان کی ذمہ داریوں کا محدود ہونا ہے، جس میں بظاہر دوسروں کی حق تلفی معلوم ہوتی ہے، جب کہ فقہاء کرام کے ذکر کردہ شرکت کی تمام اَقسام میں شرکاء پر حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اگر کاروبار میں خسارہ ہوجائے تو اُن پر بہرحال قرض خواہوں کے قرضے واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، صرف یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہوسکتے کہ کاروبار ڈوب گیا۔ آج کل بے شمار کمپنیاں اِس اُصول کے تحت کام کررہی ہیں، شخص قانونی کا اثر دیگر معاملوں میں بھی پڑسکتا ہے، اِس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ فقہی نظائر کی روشنی میں اِس کا جائزہ لیا جائے کہ شرعاً اس کی کس حد تک گنجائش ہے؟

سوال (۱/۱۰۸۶):- لمیٹڈ کمپنی کا جو تصور ہے، کیا یہ شریعت کے مطابق ہے؟ فقہی نظائر واُصول کی روشنی میں یہ جواز کے دائرے میں آتا ہے یا نہیں؟

(۲/۱۰۸۷):- اگر کوئی کمپنی مذکورہ بالا اُصول پر قائم کی جائے تو شراکت جائز ہوگی یا فاسد؟

(۳/۱۰۸۸):- اور حاملان حصص (کمپنی کے مالکان) جو نفع کمائیں گے، یہ اُن کے لئے جائز رہے گا یا ناجائز؟

(۴/۱۰۸۹):- (۴) کیا ایسی کمپنی کے مالکان دیانۃً قرض خواہوں اور دائنین کے حقوق سے صرف یہ کہہ کر بری ہوجائیں گے کہ کمپنی کے پاس سرمایہ نہیں ہے؟

(۵/۱۰۹۰):- ایسی کمپنی کے مالکان کی وفات کے بعد ورثہ کا قرض خواہوں اور دائنین کے تئیں کیا ذمہ داری عائد ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :- (۱-۵) لمیٹڈ کمپنی یا شخص قانونی کا واضح تصور فقہ کی قدیم کتابوں میں نہیں ملتا؛ البتہ جدید مروجہ تجارتی صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے بعض مفتیانِ کرام نے اِس کو دائرۂ جواز میں لانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اِس موضوع پر سب سے زیادہ تفصیلی بحث زمانۂ قریب کے مشہور شامی فقیہ ''ڈاکٹر احمد مصطفیٰ زرقاءؒ'' نے اپنی کتاب ''**المدخل الفقهي العام**'' جلد۳ر میں درج کی ہیں۔ نیز شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی اسلامی معاشیات کے موضوع پر اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اِن حضرات نے شخص قانونی یا محدود کمپنی کو درج ذیل نظائر پر مبنی قرار دیا ہے: (۱) وقف (۲) بیت المال (۳) وہ ترکہ جو دین کو گھیرے ہوئے ہو (۴) **خلطة الشيوع عند الأئمة الثلاثة** (۵) **عبد ماذون في التجارة** (۶) مقروض مفلس۔

اور ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے اِس کو شرکۃ العنان میں داخل مان کر جواز کی بات کہی ہے؛ تاہم بہت سے حضرات ان فقہی نظائر کے پوری طرح شخص قانونی پر منطبق ہونے کے نظریہ سے اتفاق نہیں رکھتے؛ چناں چہ اِس پر پاکستان میں مرکزی اِداروں کے مفتیان کے مابین نقد وجرح کا سلسلہ بھی جاری رہ چکا ہے۔

البتہ پوری بحث کو سامنے رکھتے ہوئے بطور خلاصہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ملکی قانون کے مطابق بطور شرکت عنان لمیٹڈ کمپنی کا قیام اور اُس کے ذریعہ تجارت تو درست ہے، اور اس کا نفع بھی حسبِ شرائط حلال ہے؛ لیکن اگر کمپنی کا نقصان خدانخواستہ اُس کے اَثاثوں سے بڑھ جائے، تو گو کہ قانوناً مالکین سے مطالبہ کا حق نہ ہو؛ لیکن دیانۃً اُن پر اَدائیگی لازم ہونی چاہئے؛ کیوں کہ جب وہ ذاتی طور پر کمپنی سے نفع اُٹھانے کے مجاز ہیں، تو حسبِ حدیث ''**الخراج بالضمان**'' اُنہیں نقصان کی ذمہ داری بھی اُٹھانی چاہئے؛ لہٰذا کمپنی میں جس فریق کا جتنا سرمایہ لگا ہو، اُسی تناسب سے وہ کمپنی کے قرضہ جات کے تحمل کا پابند ہوگا، اور مالکان کی وفات کے بعد

اُن کے ترکہ سے اَولاً دیون کی اَدائیگی ہوگی، اُس کے بعد ہی وارثین میں تقسیم عمل میں آئے گی۔

شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء اپنی کتاب ’’المدخل إلی نظریة الإلتزام العامة في الفقه الإسلامي‘‘ کی ستائیسویں فصل میں ’’الشخصية الحكمية في الفقه الإسلامي‘‘ کے عنوان سے بیت المال اور اوقاف وغیرہ پر شخصیت حکمیہ کو منطبق کرکے فرماتے ہیں:

ومقتضى هذه النصوص المتقدمة وأمثالها أن الفقهاء قد اعتبروا لمجموع الأمة أو الدولة شخصية حكمية ذات أهلية وذمة مستقلة عن شخصيات أفرادها الذين تتألف منهم. ولها مالية خاصة مستقلة عن أموالهم، وإن كانت تجبى منهم، وهي بيت المال. واعتبروا عمال الأعمال العامة التي لها نيابة عن الخليفة أو السلطان ممثل الأمة – وباصطلاح اليوم: عناصر وفروع السلطة التنفيذية من وزارات وإدارات وقضاء – فروعًا متفرعة عن شخصية الدولة الكبرىٰ، ويمثلونها كل منهم في دائرة اختصاصه. فما كان منهم من خطأ معذور فالتزام ضمانه في ذمة شخص الدولة، ويوفى من خزينتها المالية العامة. وهذا يتفق تمامًا مع النظريات الحقوقية الحديثة في مسئولية الدولة. فنستطيع القول إذن بأن الفقه الإسلامي في نطاق الشخصية الحكمية، قد بنى أحكامه على إقرار فكرة هذه الشخصية واعتبار خصائصها. وإن عدم التسمية لا يدل على عدم المسمى، وإنما العبرة للمفاهيم والأحكام. (المدخل إلى نظرية الإلتزام العامة في الفقه الإسلامي / الباب الرابع: في الأشخاص ٢٧٥-٢٧٦ دار القلم دمشق)

اور ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں:

الشركة ذات المسئولية المحدودة هي شركة تجارية كباقي شركات الأموال لا اعتبار فيها لشخصية الشركاء، واشترط القانون فيها إلا يزيد عدد الشركاء عن خمسين شريكًا. لا يكون كل متهم مسئولا إلا بقدر حصته، فهي

تجمع بين خصائص شركات الأموال وشركات الأشخاص، ففيهما من شركات الأموال أن مسئولية الشريك محدودة بمقدار حصته ...... وكل ذلك جائز شرعًا، وتعتبر هذه الشركة من شركات العنان، وقد يكون فيها بعض خصائص المضاربة كما في تحديد مسئولية الشريك بمقدار حصته، كما أن رب المال في المضاربة لا يسأل إلا في حدود رأس ماله الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته ٦٧٢/٤-٦٧٣)

اشتركا فجاء أحدهما بألف والآخر بألفين، على أن الربح والوضيعة نصفان فالعقد جائز، والشرط في حق الوضيعة باطل، فإن عملا وربحا فالربح على ما شرطا، وإن خسرا فالخسران على قدر رأس في مالهما. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الشركة ٣٢٦/٢ زكريا)

تتعلق بترك الميت حقوق أربعة: الأول: يبدأ بتكفينه وتجهيزه ...... ثم تقضیٰ ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة. (السراجي في الميراث ص: ٥-٣١، كذا في الدر المختار / كتاب الفرائض ٧٥٩/٦ كراچی)

سوال (۱۰۹۱/۶):- اِس طرح کی کمپنی کو قرض دینا یا اُس کو سامان سپلائی کرنا یا اُس کی مصنوعات خریدنا شرعاً کیسا ہے؟ جائز یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ایسی کمپنی کو قرض دینا، سامان سپلائی کرنا یا اُس کی مصنوعات خریدنا سب درست ہے؛ کیوں کہ اَصلاً یہ کاروبار حلال ہے۔

وأحل اللّٰه البيع عموم في إباحة سائر البياعات. (أحكام القرآن للجصاص / تحت سورة البقرة ٥٦٨/١)

سوال (۱۰۹۲/۷):- اِس کمپنی کے کسی انتظامی عہدے پر ملازمت کرنا یا اُس میں بطور مزدور کام کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور حاصل شدہ اُجرت کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- لمیٹڈ کمپنی میں ملازمت یا مزدوری کرنا بھی شرعاً درست ہے۔

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (رد المحتار ٣٠٧/٤ زكريا)

سوال (۱۰۹۳/۸):- ’’شخصی قانونی‘‘ کے اُصول پر مبنی ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ تنظیموں (جن کے تحت اسکول اور ہسپتال وغیرہ چلتے ہیں) کے پاس زکوٰۃ کی رقم آتی ہے، بعض جگہ اُن کا طریقۂ کار یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مستحق زکوٰۃ شخص کے بچے اُن کے اسکول میں پڑھتے ہیں یا اُن (مستحقین) کا علاج تنظیم کے ہسپتال میں ہوتا ہے، جب بل یا فیس کی اَدائیگی کا نمبر آتا ہے تو مستحق سے ایک تحریر لے لی جاتی ہے کہ میرا بل یا میری فیس متعلقہ ہسپتال اور اسکول کو مدز کوٰۃ سے ادا کردی جائے؛ چناں چہ انتظامیہ اتنی رقم زکوٰۃ فنڈ سے ہسپتال کے یا اسکول کے جنرل فنڈ میں منتقل کردیتی ہے، پھر اس رقم سے انتظامی اخراجات پورے کئے جاتے ہیں اور تنخواہوں کی اَدائیگی کی جاتی ہے۔ اَب اِس اَمر کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ ایسا کرنے سے معطین کی زکوٰۃ اَدا ہوجائے گی؟ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ تنظیم کا ایک مستقل قانونی وجود ہے، اور وہ دائن بھی ہوسکتی ہے؛ لہٰذا جب ذمہ دار نے مدیون (فقراء) کی اِجازت سے تنظیم کے ہسپتال (جو اُس کا دائن ہے) کے جنرل فنڈ میں رقم دے دی، تو ذمہ دار کا ذمہ فارغ ہوگیا اور معطین کی زکوٰۃ اَدا ہوگئی؟ یا یہ کہا جائے گا کہ ابھی تک زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی؛ کیوں کہ ذمہ دار چوں کہ ایک ہے تو یہ گویا ایسا ہوگیا جیسے ایک جیب سے دوسری جیب میں منتقل کردیا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- محض مستحق زکوٰۃ شخص کی درخواست پر مذکورہ تنظیم کا اپنے ماتحت اسکول اور ہسپتال میں زکوٰۃ کی رقم جمع کرنے سے زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی؛ اِس لئے کہ فقیر کی تملیک نہیں پائی گئی؛ کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ دائن ومدیون ایک ہی شخص ہو، اور اُسے بیت المال پر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا، مثلاً: بیت المال میں الگ الگ کھاتے ہوں اور کوئی فقیر شخص بیت المال کے ناظم کو یہ تحریر دے کہ میری طرف سے عشر وزکوٰۃ کے کھاتے سے اتنی رقم نکال کر خراج والے کھاتے میں رکھ دی جائے، تو اِس سے زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی؛ کیوں کہ درمیان میں فقیر کی طرف سے تملیک نہیں پائی گئی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکًا لا إباحة. (رد المحتار، کتاب الزکاۃ / باب المصرف ۳/۲۹۱ زکریا)

الزکاۃ فیها یجب تملیک المال؛ لأن الإیتاء في قوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا الزَّکَاةَ﴾ [البقرة: ٤٣] یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحة. (تبیین الحقائق / کتاب الزکاۃ ۲/۱۸ زکریا)

ذکروا أنه یجب علیه أن یجعل لکل نوع منها بیتًا یخصه، ولا یخلط بعضه ببعض وأنه إذا احتاج إلی مصرف خزانة ولیس فیها ما یفتی به یستقرض من خزانة غیرها الخ. (رد المحتار، کتاب الزکاۃ / باب العشر ۳/۲۸۱ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۲۸؍رجب المرجب ۱۴۴۳ھ مطابق یکم مارچ ۲۰۲۲ء

منظور شدہ تجویز: شرکتِ محدودہ (لمیٹڈ کمپنی) شخص قانونی سے متعلق مسائل کی تنقیح

ستر ہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ ۱۳-۱۵/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲-۱۴/اگست ۲۰۲۲ء بروز جمعہ، ہفتہ واتوار

(بمقام حج ہاؤس بنگلور کرناٹک)

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے سترہویں فقہی اجتماع میں ’’شرکتِ محدودہ (لمیٹڈ کمپنی) اور شخص قانونی سے متعلق مسائل کی تنقیح‘‘ کے موضوع پر بحث ومناقشہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) شرکتِ محدودہ (لمیٹڈ کمپنی) اُصولی طور پر شرکتِ عنان یا مضاربت کے قریب تر ہے؛ لہٰذا اگر ایسی کمپنی کا بنیادی کاروبار سود وقمار اور اَشیاء محرمہ کی صنعت وتجارت پر مشتمل نہ ہو، تو ایسی کمپنی قائم کرنا، اُس میں شریک ہونا، ملازمت کرنا اور اُس سے منافع حاصل کرنا جائز ہے۔

(۲) لمیٹڈ کمپنی اگر خسارے سے دوچار ہوجائے، تو ذمہ داران پر کمپنی کی منقولہ اور غیر منقولہ اَملاک اور اَثاثوں کو فروخت کر کے قرض اور دیگر بقایاجات کی اَدائیگی لازم ہے، اُس کے بعد بھی اگر کمپنی کے ذمہ کچھ دَین باقی رہ جائے اور خسارے کا سبب ذمہ داران کی طرف سے لاپرواہی اور تعدی ہو، تو دَین کی اَدائیگی بہرحال اُن کے ذمہ شرعاً ضروری ہوگی؛ البتہ اگر ذمہ داران کی طرف سے تعدی نہ پائی جائے تو وہ اُس دَین کی اَدائیگی کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔

نفع کی تعیین کے بغیر مشترکہ کاروبار چلانا

سوال (۱۰۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے پھوپھی زاد بھائی مکان بنا کر فروخت کرنے کا کام کرتے ہیں، جس میں میں بھی پیسہ لگاتا ہوں، جس میں ساری محنت اُن ہی کی ہوتی ہے؛ البتہ پہلے سے نفع کا حساب طے نہیں کر رکھا ہے، تو میں کس قدر نفع کا حق دار ہوں، اِس کی وضاحت فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شرکت کے معاملہ میں کاروبار شروع کرنے سے پہلے ہی نفع اور دیگر شرائط واضح طور پر طے کرلینا چاہئے، اگر ان کو طے نہیں کیا گیا تو وہ معاملہ فاسد قرار پائے گا اور اس اعتبار سے سوال میں ذکر کردہ صورت بھی فاسد ہے، پس اب اس کا حکم یہ ہے جس شریک نے جتنا سرمایہ لگایا ہے، اسی کے تناسب سے اس کا نفع متعین کردیا جائے یا فریقین آپسی رضامندی سے نفع کی کسی مقدار پر صلح کرلیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ﴾ [النساء، جزء آیت: ۱۲۸]

تقسيم الربح بين الشركاء شرط، فإذا بقي مبهما ومجهولا تكون الشركة فاسدة؛ لأن الربح هو المعقود عليه، وجهالة المعقود عليه توجب فساد العقد ...... وإذا فسدت الشركة بذلك فالربح على قدر المال. (شرح المجلة ۷۱۳/۲ رقم المادة: ۱۳۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشترکہ کاروبار میں بغیر حساب کے نفع میں شریک ہونا

سوال (۱۰۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: زید پہلے سے کاروبار کر رہا تھا اور اچھی خاصی اُس کی آمدنی ہے، بعد میں بکر کہتا ہے کہ میں تمہیں ۵۰؍لاکھ روپئے دیتا ہوں تم اسے اپنے کاروبار میں لگاؤ اور تم مجھے جتنا بھی نفع دو گے میں اُس پر راضی ہوں، چاہے ۵؍لاکھ دو یا ۱۰؍لاکھ، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، اور ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ۵؍لاکھ کے اعتبار سے کتنا بنتا ہے اُس کا حساب کرنے کا موقع زید کے پاس نہیں ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اِس طرح سے شرکت درست ہے؟ اور اگر درست نہیں ہے تو کیا جواز کی کوئی ایسی شکل ہے جس میں زید حساب سے بری ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شرکت ہو یا مضاربت بہر صورت مضارب کو کاروبار کا مکمل حساب رکھنا ضروری ہے، اِس کے بغیر نفع یا نقصان کا تعین نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا حساب وکتاب کے بغیر شرکت یا مضاربت کی شریعت میں کوئی صورت نہیں ہے، اور سوال میں جو شکل لکھی گئی ہے وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

تقسيم الربح بين الشركاء شرط، فإذا بقي مبهمًا ومجهولًا تكون الشركة فاسدة؛ لأن الربح هو المعقود عليه في الشركة، وجهالة المعقود عليه تفسد العقد. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۶۵۷/۱ رقم المادة: ۱۳۳۶ بيروت)

ثم المدفوع إلى المضارب أمانة في يده؛ لأنه قبضه بأمر مالكه لا على وجه البدل والوثيقة الخ. (الهداية / كتاب المضاربة ۲۶۲/۳ المكتبة النعيمية ديوبند)

كل شرط فاسد في المضاربة يوجب جهالة الربح أو قطع الشركة في الربح يوجب فساد المضاربة. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب المضاربة / الفصل الأول: شرائط المضاربة ۳۹۷/۱۵ رقم: ۲۲۵۲۴ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲؍۱۱؍۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مشترک کاروبار سے ہر شریک کے نام خریدی گئی زمین کا حکم

سوال (۱۰۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والد مرحوم عبدالرحیم کا ملے کی جائیداد میں تین پراپرٹی ہیں: (۱) منگل وار پیٹھ کا مکان (۲) بیجاپور بیس کا مکان (۳) چمڑے کی منڈی۔

ہم کل ۵/ بھائی ہیں: (۱) عبدالرزاق (۲) عبدالغفار (۳) عبداللطیف (۴) محمد سعید (۵) محمد ادریس۔ منگل وار پیٹھ کا مکان عبدالغفار کے نام والد صاحب نے اپنی حیات میں کردیا تھا، اور بیجاپور بیس کا مکان میری والدہ کے نام پر کیا تھا اور منڈی میں چاروں بھائیوں: عبدالرزاق، عبداللطیف، محمد سعید، محمد ادریس کا پاٹنر بنایا تھا۔

چاروں بھائی مل کر کاروبار کرتے تھے، اِس دوران زمین مکان وغیرہ خریدتے تھے، تو بڑے بھائی کہا کرتے تھے کہ جس کے نام پر جگہ یا زمین خرید رہے ہیں، وہ اُسی کے نام پر رہے گی جب بھی کبھی گھر میں بھائیوں کی میٹنگ ہوتی تو سب بھائی یہی کہتے تھے کہ جس کے نام پر جو جگہ ہے وہ ہمیشہ اُسی کے نام پر رہے گی، کاروبار کے دنوں میں میں نے کافی محنت کی اور میرے اوپر ہمیشہ کاروبار کی دھن سوار رہتی تھی، اللہ کا فضل یہ ہوا کہ میرے نام پر جو زمین وغیرہ خریدی تھی اُس کی قیمت بڑھ گئی ہے، تو اب دوسرے بھائی اُس میں حصہ مانگ رہے ہیں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ جو جگہ میرے نام سے ہے وہ مجھے دینا اور انصاف پر قائم رہنا، مرنے کے بعد اللہ کو جواب دینا ہے، پل صراط کا راستہ چلنا ہے۔

میٹنگ میں جب میں بولتا تھا کہ جو جگہ جس کے نام پر ہے اُسی کے نام پر رہے گی، تو بھائی بولتے تھے کہ کتنی بار بولتا ہے؟ فتنہ کیوں ڈالتا ہے جس کے نام پر جو جگہ ہے وہ اُسی کے نام پر ہمیشہ رہے گی۔

سوال یہ ہے کہ کیا بھائیوں کا میری جگہ میں حصہ مانگنا صحیح ہے؟ اگر میں انہیں نہ دوں تو کیا میں گنہگار رہوں گا؟ میں اپنے اوپر کسی کا حق نہیں رکھنا چاہتا، اور یہ چاہتا ہوں کہ جو میرا حق ہے وہ

مجھے ملے، اَب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آپ سے درخواست ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ جزاک اللہ خیراً فی الدارین۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مشترک کاروبار میں اُصولاً سب حصہ دار نفع میں برابر کے حق دار ہوتے ہیں؛ لیکن حسبِ تحریرِ سوال جب کہ سب شرکاء نے آپسی رضامندی سے جس شریک کے نام سے جو جائیداد خریدی گئی، اُسی کو قابض و مالک قرار دیا ہے اور پہلے سے اِس بارے میں کوئی نزاع اور اعتراض نہیں رہا ہے، تو بعد میں کسی شریک کے نام کی جائیداد کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے اُس میں دیگر شرکاء کو اپنا حصہ مانگنے کا حق نہ ہوگا اور اگر مالک اُن کے مطالبہ کو پورا نہ کرے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

إن مقتضی الشرکة یقتضي التسویة، قال اللّٰہ تعالی: ﴿فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ﴾ (فتح القدیر / کتاب الشرکة ١٦٦/٦، المحیط البرهاني، کتاب الشرکة / الفصل الثاني في الألفاظ التي تصح الشرکة بها الخ ١٤/٦ دار الکتب العلمیة بیروت)

لا یجوز التصرف في مال غیره بلا إذنه ولا ولایته. (الدر المختار مع رد المحتار / کتاب الغصب ٢٩١/٩ زکریا، ٢٠٠/٦ کراچی، الأشباه والنظائر، الفن الثاني / کتاب الغصب ١٥٧)

تنعقد الهبة بالإیجاب والقبول: وتتم بالقبض الکامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرعات لا تتم إلا بالقبض. (شرح المجلة لسلیم رستم باز ٤٦١/١ رقم المادة ٨٣٧ کوئٹه، کذا في البحر الرائق / کتاب الهبة ٤٨٣/٧ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۱/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

۴۰ ؍فیصد نفع کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنا

سوال (۱۰۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: افضل پراپرٹی ڈیلر ہے، سالانہ ۴۰؍فیصد منافع پر اپنے ساتھ بہت سے شرکاء کو شریک کیا ہوا ہے، ایسا کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر سرمایہ لگانے والوں کی طرف سے مضارب (پراپرٹی ڈیلر) کو کاروبار میں ہر طرح کے تصرف کا مختار بنایا گیا ہے اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے تو وہ اس کاروبار میں متعدد لوگوں کا سرمایہ لگا کر حسبِ شرائط اُن کو نفع میں شریک کرسکتا ہے، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ تاہم ہر ایک کا حساب الگ رکھنا ضروری ہے؛ تاکہ کوئی نزاع نہ ہو۔

المستفاد: وكذا له أن يخلط مال المضاربة بمال نفسه؛ لأنه فوض الراى إليه وقد رأى الخلط فإذا ربح قسم الربح على المالين الخ. (بدائع الصنائع / كتاب المضاربة ١٣٦/٥ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مشترکہ کمپنی کے حقوق وتصرفات میں مساوات ضروری ہے

سوال (۱۰۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محترم مفتی صاحب، میں صدیق الرحمٰن آپ سے اپنے بھائی کے ساتھ اپنے کاروبار میں شراکت داری کے معاملات میں فتویٰ چاہتا ہوں۔ کاروباری تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ہم دو بھائیوں نے ۱۹۸۹ میں ایک کمپنی بنائی جس میں ۱۰ روپئے کا ایک شیئر تھا (یعنی ایک شیئر کی ویلیو ۱۰؍روپئے تھی)۔ ہم نے دس شیئر والد صاحب کے نام رکھے، دس شیئر بھائی کے نام سے تھے اور دس شیئر میرے نام سے تھے۔ اس کمپنی کا منظور شدہ سرمایہ پچاس ملین (پانچ کروڑ) رکھا تھا۔ اس کمپنی نے یو لیب بنانے کی فیکٹری لگائی تھی؛ لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر اس کمپنی کو اس وقت فعال نہیں کیا جاسکا۔

(۲) ۱۹۹۲ میں ہم دونوں بھائیوں اور ہمارے کزنز نے یہ طے کیا کہ ہم لوگ مل کر پاکستان میں ایک فیکٹری لگائیں گے۔اس سلسلے میں ایک کزن سلمان رشید نے نمائندگی کی جس میں یہ طے ہوا کہ۔

سلمان رشید کی کمپنی ہمیں تکنیکی مدد فراہم کرے گی اور اس کے علاوہ وہ ہماری کمپنی کے شیئرز بھی خریدے گی۔اس سلسلے میں فروری ۱۹۹۲ میں انہوں نے مجھے امریکا بلایا اور مجھے یو لیب کے متعلق تکنیکی ٹریننگ کروائی اور ہم نے تکنیکی معاونت کے عمومی معاہدے پر دستخط کئے۔اس معاہدے میں طے پایا کہ وہ ہمیں ٹریننگ اور مشاورت فراہم کریں گے کہ فیکٹری کس طرح لگائی جائے۔

(۳) اس سلسلے میں کمپنی کے نام سے ایک پلاٹ خریدا گیا دو ایکڑ کا تھا۔ وہ ہم نے (یعنی کمپنی نے) ایک پراویٹ شخص سے ۱۹۹۲ میں خریدا۔

(۴) اسی سال ۹ جولائی ۱۹۹۲ کو ہم نے حصص کی تقسیم، ملکیت کا معاہدہ کیا جو میرے (صدیق)، میرے بھائی (یعنی خلیل الرحمٰن)، اور (Salman And Company) کے درمیان ہوا۔سلمان اینڈ کمپنی کے اصل مالک میرے کزن سلمان رشید تھے۔اس کمپنی نے مختلف ادوار میں (۱۹۹۲ سے ۱۹۹۸ تک) چھبیس لاکھ بہتّر ہزار نوسو تیس (26,72,930) ڈالر کی سرمایہ کاری کی، پاکستانی کرنسی میں جس کی مالیت آٹھ کروڑ پچاس لاکھ چھیاسی ہزار چار صد اٹھاون (8,85,86,458) روپئے ہے۔اس سرمایہ کاری کے عوض کمپنی کے چالیس فیصد حصص ان کی ملکیت میں ہوئے۔ نیز یہ طے ہوا کہ کمپنی کے چار ڈائرکٹر ہوں گئے، دو ڈائرکٹر سپانسرز کے (یعنی ہمارے) اور دو ڈائرکٹر سلمان کمپنی کی طرف سے، چیف ایگزیکٹو، مینجنگ ڈائرکٹر بھی سپانسرز کی طرف سے ہوگا (یعنی میں یا میرے بڑے بھائی ہوں گے)۔ یہ سب معاہدے کے مطابق تھا۔

(۵) کمپنی میں جو قانونی سرمایہ کاری کرنی تھی اس سلسلے میں ہم نے ۱۹۹۲ سے ۱۹۹۳ تک بینک آف امریکہ سے (Certificate FEBC) بنوائے جو کہ صدیق الرحمٰن اور خلیل الرحمٰن (یعنی ہم دونوں بھائیوں کے نام پر تھے۔

(۶) اس کے بعد ۱۹۹۳ میں ہم نے فیکٹری کی عمارت تعمیر کرنا شروع کی اور مل کر ایک مستعمل (second-hand) پلانٹ خریدا۔ یہ پلانٹ ہمیں سلمان رشید صاحب کے تعلقات کی وجہ سے ملا، اس پلانٹ کو کراچی سے فیکٹری منتقل کیا گیا۔

(۷) ۱۹۹۴ میں ہم نے کمپنی کا اداشدہ سرمایہ (paid-up capital) جاری کیا جس میں میرے اور میرے بھائی کے نام پر مساوی طور پر ساڑھے چار لاکھ حصص فی کس جاری ہوئے، اور چار لاکھ پینسٹھ ہزار حصص سلمان اینڈ کمپنی کے نام جاری ہوئے۔ یعنی حصص کی کل تعداد تیرہ لاکھ پینسٹھ ہزار تھی۔

۱۹۹۵ میں مزید حصص جاری ہوئے جس کے نتیجے میں ہم دونوں بھائیوں کے حصص کی تعداد یکساں طور پر سات لاکھ اسّی ہزار فی کس ہوگئی اور ہال دوڈ کمپنی کے حصص کی تعداد نو لاکھ پانچ ہزار ہوگئی۔ جس سے کمپنی کے کل حصص کی تعداد چوبیس لاکھ پینسٹھ ہزار ہوگئی۔

- ۱۹۹۶ میں میرے حصص تو سات لاکھ اسی ہزار ہی رہے اور ہال دوڈ کمپنی کے حصص کی تعداد نو لاکھ پانچ ہزار ہی رہی۔ لیکن بھائی صاحب نے اپنے حصص ذرج ذیل ترتیب کے ساتھ منتقل کردیئے:
- اہلیہ، چار لاکھ اسی ہزار حصص
- ہمشیرہ: ایک لاکھ حصص
- ہمشیرہ: ایک لاکھ حصص
- ہمشیرہ: ننانوے ہزار نوصد نوے حصص
- حبیب الرحمٰن: فقط دس حصص
- اسی سال بھائی جان نے بطور ناظم الامور (CEO) استعفی دے دیا اور بورڈ نے بھائی صاحب کی رضامندی سے مجھے چیف ایگزیکٹو بنا دیا۔ سلمان اینڈ کمپنی کی طرف سے حبیب الرحمٰن کو ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ تب سے اب تک (تقریباً چوبیس سال سے) میں بطور ناظم

الاموراپنی ذمہ داریاں سرانجام دے رہاہوں۔

○ ۱۹۹۷ میں حکومت پاکستان نے ویلتھ ٹیکس کا نفاذ کیا تو اس سے بچنے کیلئے ہم بھائیوں نے اپنے تمام حصص ایک ہولڈنگ کمپنی (VDL) بنا کر برابری کی بنیاد پر اس کے نام منتقل کردیئے۔اب صورتحال یوں ہوگئی کہ:

○ VDL: پندرہ لاکھ انسٹھ ہزار نو سو نوے حصص

○ سلمان اینڈ کو: نو لاکھ پانچ ہزار حصص

○ صدیق الرحمٰن: دس حصص

(۸) ۱۹۹۷ کے آخر میں حبیب الرحمٰن نے بطور ڈائریکٹر استعفیٰ دے دیا اور اُس کے بعد مختلف اَدوار میں مختلف اَفراد اِس منصب پر آتے جاتے رہے:

○ ۱۲/۱۲/۱۹۹۷ سے ۱۲/۰۷/۱۹۹۸ تک امجد خان۔

○ ۱۹/۰۷/۱۹۹۸ سے ۲۵/۱۰/۲۰۰۱ تک ایاز خان۔

○ ۲۵/۱۰/۲۰۰۱ سے ۰۸/۰۶/۲۰۰۸ سے ۳۱/۱۰/۲۰۰۸ تک بھائی صاحب کی اہلیہ۔

○ ۳۱/۱۰/۲۰۰۸ سے اب تک ہمارا بھانجا عبداللہ۔(اَب تک میرے ساتھ کمپنی میں ڈائریکٹر ہے)

(۹) کمپنی اس دوران خسارے کا شکار بھی رہی۔۱۹۹۴ سے ۱۹۹۹ تک تقریباً چھ کروڑ بیالیس لاکھ کا نقصان ہوا جس کے نتیجے میں ہمارے کزنز کے ساتھ ہماری شراکت ختم ہوگئی۔ انہوں نے اپنے حصص ہمیں دے دیئے اور جو قرض تھا وہ بھی منہا کر دیا۔ان کی طرف سے رعایت دیئے جانے کے باوجود ہم نے انہیں ایک لاکھ تیرہ ہزار ڈالر ادا کئے۔ان کے حصص برابری کی بنیاد پر ہم بھائیوں کے نام پر VDL کمپنی میں منتقل ہوگئے۔

(۱۰) الحمدللہ پھر ۲۰۰۱ء میں ہم نے مختلف بینکوں سے لئے گئے اپنے تمام قرضے ادا کر دیئے۔تین کمپنیوں کے نام پر حاصل کئے گئے ان قرضوں کی کل مالیت چھ کروڑ گیارہ لاکھ انیس

ہزار دوصد شسں روپے تھی۔ یہ تمام قرضے ہماری کمپنی نے ادا کئے جب کہ دوسری دونوں کمپنیاں بند ہو چکی تھیں۔ یہ رقم ہماری کمپنی میں ہی استعمال ہوئی تھی۔

(۱۱) ۲۰۰۴ میں یولیب کمپنی کے منظور شدہ سرمائے (authorized capital) کی حد کو پچاس ملین (پانچ کروڑ) سے بڑھا کر صد ملین (دس کروڑ) کر دیا گیا۔ پھر ۲۰۰۴ میں ایک صد چالیس ملین (چودہ کروڑ)، ۲۰۱۲ میں پانچ صد ملین (پچاس کروڑ) اور ۲۰۱۳ میں ہزار ملین (ایک ارب) تک لے جایا گیا اور آج بھی اسی حد پر ہے۔

(۱۲) ۱۹۹۹ میں جب کزنز سے ہماری شراکت داری ختم ہوئی تھی۔ تو سالانہ فروخت (Annual Sale) چار کروڑ انیس لاکھ روپئے تھی اور ایک سال کا نقصان تقریباً ایک کروڑ بیالیس لاکھ روپئے کے لگ بھگ تھا۔

○ ۲۰۰۵ کے آغاز میں بھائی صاحب نے مجھے کہا کہ مجھ سے فروخت (Sales) کا شعبہ نہیں دیکھا جاتا اور اب تم ہی اس کمپنی کو چلاؤ۔ وہ کمپنی کے کاروباری معاملات سے علیحدہ ہو گئے۔ اس کے بعد سے کمپنی کے تمام معاملات میری نگرانی میں رہے اور آج تقریباً ساڑھے پندرہ سال ہونے کو ہیں کہ میں کمپنی کی تمام تر ذمہ داریاں ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ باحسن انجما دے رہا ہوں۔

○ ۲۰۰۵ میں جب کمپنی کی فروخت اکسٹھ کروڑ تھی اور منافع ساٹھ لاکھ تھا، اب ۲۰۲۰ء میں الحمدللہ فروخت بائیس ارب روپئے اور منافع ایک ارب تریسٹھ کروڑ روپئے سے اوپر ہے۔

(۱۳) اس ساڑھے پندرہ سالہ سفر میں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے دن رات محنت کی، بہت سے نشیب وفراز بھی دیکھے، جن کی گواہی تاجر حضرات، ملازمین اور وہ تمام جاننے والے دیں گے، جنہوں نے اس کمپنی کو پھلتے اور پھولتے دیکھا۔

○ الحمدللہ کسی مالیاتی اِدارے یا بینک کا قرضہ بھی نہیں ہے۔

○ ہماری کمپنی جو کہ چھ ایکڑ رقبہ پر محیط تھی آج بفضل اللہ اس کا رقبہ تقریباً تیس اعشاریہ

پچھتر ایکڑ سے زائد ہے۔

○ ہماری کمپنی پاکستان کی نمبر ایک یو لیب کمپنی بن گئی۔ جس کی مقامی فروخت اور بر آمدات اپنے شعبے میں سب سے زیادہ ہے۔

○ پاکستان میں اس شعبے کی جدید ترین مشیزی اور تیکنیک لے کر آئی۔

○ برآمدات میں ۲۰۰۴ سے ۲۰۲۰ تک بیسٹ ایکسپورٹ ایوارڈ مل رہا ہے۔

○ الحمدللہ سولہ برس سے مختلف قسم کے بین الاقوامی سرٹیفیکیشن حاصل کی ہے۔

○ مختلف ٹیکسز کی مد میں حکومتی خزانے میں سالانہ چار ارب روپئے ادا کر رہے ہیں۔

○ ۲۰۰۵ میں کمپنی کے اثاثہ جات کی قدر (book value) اٹھارہ کروڑ چھبیس لاکھ روپئے تھی اور آج یہ بارہ ارب روپئے ہے۔

(۱۴) ہم دونوں بھائی ہمیشہ سے برابر تنخواہ لیتے رہے اور اس تنخواہ کے علاوہ جو بھی زائد رقم لیتے تھے وہ پچاس فیصد کی بنیاد پر تقسیم ہوتی تھی۔ مجھے زائد کام کرنے کی کوئی اضافی اجرت نہیں ملی۔

(۱۵) ۲۰۰۵ میں ہم نے کمپنی میں مزید حصص کا اجرا کیا اور کمپنی کا ادا شدہ سرمایہ ایک کروڑ چھبیس لاکھ تین صد ننانوے حصص ہو گیا اور ۲۰۰۸ تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

○ ۲۰۰۹ء میں معمولی اضافہ ہوا اور اب حصص کی کل تعداد ایک کروڑ چھبیس لاکھ پینسٹھ ہزار تین صد ننانوے ہو گئی۔

(۱) ۲۰۰۸ میں ہماری فیکٹری میں شدید آگ لگ گئی جس کی وجہ سے فیکٹری کا ایک بڑا حصہ جل کر راکھ ہو گیا جس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور مشینری لگائی گئی۔

(۲) ۲۰۰۸ کے بعد حصہ کی تعداد میں دوبارہ تھوڑا اضافہ کیا گیا اور یہ بڑھ کر ایک کروڑ چونتیس لاکھ نواسی ہزار ایک صد اٹھاسی ہو گئی اور ۲۰۱۱ تک اسی پر برقرار ہیں۔ ۲۰۱۲ میں کمپنی کے حصہ تین کروڑ ہو گئے۔

(۳) ۲۰۱۳ میں کمپنی کے حصہ سات کروڑ ہو گئے۔ جو اَب ۲۰۲۰ء میں اسی طرح ہیں۔

کمپنی میں جتنی سرمایہ کاری ہوئی وہ میرے ذریعے اور میرے ہی نام سے ہوئی، یہ سرمایہ کاری بنیادی طور پر کمپنی کا منافع ہی تھا جو ہم بھائی دوبارہ کمپنی میں لگا دیئے تھے۔ ۲۰۱۴ میں نواسی فیصد (۸۹%) حصہ میرے نام پر تھے اور باقی کے گیارہ فیصد حصہ بھائی صاحب کے نام پر تھے۔ لیکن چوں کہ ہم آغاز سے ہی برابر تنخواہ لیتے تھے، برابر اخراجات لیتے تھے۔ (ہم مالک تھے، سارا منافع ہمارا تھا اور ہمیں تنخواہ کی ضرورت نہ تھی؛ لیکن ہمارے ٹیکس کے معاون نے بتایا کہ کمپنی کے منافع پر زیادہ ٹیکس لگے گا؛ لہٰذا آپ دونوں بھائی تنخواہ لیں۔ اس سے ایک تو کمپنی کا خرچہ بڑھنے کی وجہ سے کمپنی پر کم ٹیکس لگے گا دوسرا آپ کا شمار تنخواہ دار طبقے میں ہونے کی وجہ سے آپ کی آمدنی پر بھی کم ٹیکس لگے گا)۔ ہمارا آپس میں زبانی طور پر ایک دفعہ نہیں؛ بلکہ متعدد بار اس بات پر اتفاق رہا تھا کہ بھائی صاحب نے یہ اقرار کیا کہ میں اور میرا بھائی نصف نصف (۵۰-۵۰) کے مالک ہیں اور یہ بات مجھے بھی تسلیم ہے۔

(۴) ۲۰۱۵ میں بھائی صاحب نے مجھے کہا کہ میرے وہ پچاس فیصد حصہ پورے کرو جو ابھی تمہارے نام پر ہیں، تو میں نے ان کے حکم کے مطابق وہ حصہ ان کے بچوں کو تحفہ کر دیئے، خود ان کے نام پر نہیں کیئے گئے تا کہ ان کو ٹیکس میں بچت ہو۔

○ پہلے مرحلے پر میں نے ان کے بڑے بیٹے صفی بن خلیل کو دو کروڑ دس لاکھ حصہ اور پھر ان کی بیٹی مریحہ بنت خلیل کو ستر لاکھ حصہ دے دئے۔

○ پھر ۱۷،۲۰۱۶ میں دوبارہ صفی بن خلیل کو آٹھ لاکھ ترپن ہزار اکہتر حصہ تحفتاً منتقل کیئے۔ اب صورتحال یوں ہے کہ:

○ (۲۰۱۷ سے ۲۰۲۰) تک میرے اپنے تین کروڑ پچاس لاکھ کے حصہ میرے پاس موجود ہیں۔

○ بھائی صاحب کے حصہ اکسٹھ لاکھ چھیالیس ہزار نوصد نو ہیں۔

- اٹھتر لاکھ ترپن ہزار اکہتر حصہ صفی بن خلیل کے نام۔
- ستر لاکھ حصص مریحہ بنت خلیل کے نام۔
- ستر لاکھ حصص قاسم بن خلیل کے نام۔
- ستر لاکھ حصص مہین بنت خلیل کے نام۔
- دس حصص بھانجے عبداللہ کے نام ہیں۔

یہ کل سات کروڑ حصص ہیں۔ (ہم دونوں بھائیوں کے)

(۱۶) ہم نے ۲۰۱۶ میں کمپنی میں آفیشل ڈیویڈینڈ (dividend) دیا جس میں میرے ملکیتی حصص کا تناسب اکیاون اعشاریہ بائیس فیصد، بھائی صاحب اوران کے اہلخانہ کا حصہ اڑتالیس اعشاریہ اٹھتر فیصد تھا۔ باقی کے ایک اعشاریہ بائیس فیصد کے حساب سے جورقم بنتی تھی وہ بصورت نقدان کوادا کی۔ یہی صورتحال ۲۰۱۷ میں بھی رہی اگرچہ اس برس دوبار ڈیویڈینڈ دیا گیا اورفرق والی رقم بھائی صاحب کے کہنے پران کے بیٹے کے بینک اکاؤنٹ میں تحفہ کے طور جمع کروائی تاکہ ہماری مجموعی نسبت پچاس فیصد کے حساب سے برابر رہے۔ اس کو ہم دونوں بھائیں نے باقاعدہ قانونی طور پرقبول کیا اورحکومتی ٹیکس کواسی حساب سے جمع کروایا۔ سنہ ۲۰۱۸ میں ہم نے کوئی ڈیویڈینڈ نہیں لیا۔ ۲۰۱۹ میں پھر کمپنی سے ڈیویڈینڈ دیا گیا جوکہ برابر برابر پچاس فیصد کے اعتبار سے دیا گیا اوراسے قانونی طور پرقبول کیا گیا۔ اس بار بھائی صاحب اوراُن کے اہل خانہ نے اپنا حصہ پہلے وصول کیا اور مجھے کچھ مہینوں بعد دیا گیا؛ لیکن الحمدللہ مجھے مل گیا۔

(۱۷) اب ۲۰۲۱ میں بھائی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ میرے کچھ ضروری اخراجات اورمعاملات ہیں جس کی وجہ سے مجھے پیسوں کی اشد ضرورت ہے، اِس لئے دوسال تک کمپنی سے جتنے بھی پیسے ہوں وہ میں لوں گا اورتم اس میں سے کچھ نہیں لینا تاکہ میں اپنے معاملات درست کرسکوں۔ میں نے بڑا بھائی ہونے کی وجہ سے ان کی یہ بات مان لی۔ یہ ان کا پہلا مطالبہ تھا۔ اس کے بعد دوسال تک مجھے کمپنی سے کوئی رقم نہیں دی گئی اور بھائی صاحب نے

چھتر کروڑ روپئے کمپنی سے لے لئے جو آج تک ایڈ جسٹ نہیں کئے گئے۔ مئی ۲۰۲۰ء میں بھائی صاحب آئے اور اُنہوں نے کہا کہ یہ رقم ان کے ناقابل وضاحت اخراجات (unexplained expenses) میں ایڈجسٹ کرلوں اور مزید رقم دینے کا کہا لیکن کوئی معین رقم نہیں بتائی۔ ہاں یہ ضرور کہا کہ اُن کے کمپنی سے جانے کے عدسے ان چودہ سالوں میں جوان کے ذاتی اخراجات ہوئے ہیں وہ بھی کمپنی سے اَدا کئے جائیں، یہ سب باتیں ہماری تنخواہ کے علاوہ ہیں۔ اُن کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ جب کمپنی بنی تھی تو اس وقت (۱۹۹۳،۹۴) میں میرا ارادہ تمہیں چالیس فیصد حصہ دینے کا تھا اور خود ساٹھ فیصد حصہ رکھنے کا تھا؛ لیکن کزن سلمان رشید کے کہنے پر میں نے حصہ کا تناسب پچاس فیصد رکھا تھا؛ لیکن اب ان کی خواہش ہے کہ میں اپنے دس فیصد حصہ ان کو دے دوں اور بصورت دیگر میں اُن کو کمپنی سے پچھلے دو سال کا مکمل منافع (بعد از ٹیکس کٹوتی وزکوۃ اَدائیگی) اَدا کروں، اُنہوں نے کہا ہے کہ چاہے کمپنی یہ رقم اقساط میں ادا کرے۔ (یاد رہے کہ کمپنی کے حصہ ۱۹۹۲ سے سکورٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن میں اسی تناسب (۵۰،۵۰ فیصد) سے رجسٹرڈ ہیں، ہمارے آڈٹ شدہ اکاؤنٹس، ہمارے ٹیکس گوشواروں اور دیگر تمام قانونی دستاویزات میں یہی تناسب ہے۔ اور گزشتہ اٹھائیس برس سے میں انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس بھی اسی تناسب سے دیتا رہا ہوں)۔ میں نے جب اس کا حساب کتاب کیا تو چوں کہ یہ (book profit) ہے تو اگر کمپنی ان کو یہ ادا کرنے کہ کوشش کرے تو کم از کم چار سال اور زیادہ سے زیادہ آٹھ سال کا عرصہ لگے گا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ اگر کمپنی ہر سال اتنا ہی منافع کمائے جو پہلے سال ۲۰۱۷ میں رہا ہے۔ یہ نتیجہ دیکھ کر میں نے ان کی یہ بات ماننے سے معزرت کرلی؛ البتہ وہ اب تک مجھ سے ذاتی طور پر قرض ساڑھے بارہ کروڑ روپئے لے چکے ہیں جن کا وہ انکار نہیں کرتے؛ البتہ اب اس رقم کی معافی کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب ہم بھائیوں نے ہمیشہ کمپنی سے برابر کی تنخواہ لی ہے اور اخراجات بھی برابر کے لئے ہیں، میں نے بحیثیت ناظم الامور کام کرنے کا الگ سے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ صرف

ایک مصرف (اسفار بسلسلہ تجارت) میں پانچ سال میں آٹھ لاکھ دس ہزار آٹھ صد چودہ روپئے لئے ہیں (یعنی سالانہ پونے دولاکھ روپئے فقط) اور وہ بھی اس لئے کہ وہ اسفار کمپنی کے کاموں کے سلسلے میں کئے تھے۔ اُس کے علاوہ کسی بھی مد میں (میرے ذاتی اخراجات ہوں، ذاتی اسفار ہوں، مہمان داری ہوں، گاڑی یا کمپنی سے پیٹرول وغیرہ) کوئی زائد رقم نہیں لی؛ بلکہ میں نے نہایت اِیمان داری سے اور محنت سے کمپنی کے تمام معاملات چلائے ہیں۔

اَب صورتِ حال یہ ہے کہ میرے بھائی نے پہلے دس فیصد اِضافی حصہ پر دعویٰ کیا (اور مجھے کہا کہ دس فیصد حصہ میرے نام منتقل کردو؛ کیوں کہ ابتداء میرا ارادہ تمہیں چالیس فیصد دینے کا تھا اور خود ساٹھ فیصد رکھنے کا تھا، پر میں مروۃً چپ رہا اور تمہیں پچاس فیصد حصہ دے دئے) پھر اَب وہ سو فیصدی حصے پر دعوے دار ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں شروع سے تمام رقم میرے توسط سے آئی ہے اس لئے تمام کاروبار کا مالک میں ہوں۔ اِس صورتِ حال میں میرے سوال مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کیا پہلے دن سے پچاس فیصد ملکیت کی میری شرکت، ۲۹ سالوں میں نفع ونقصان میں پچاس فیصد کی بنیاد پر ہمیشہ شریک رہنا، جب ری انویسمنٹ کی ضرورت پڑی تو اس میں بھی پچاس فیصد کے حساب سے شریک رہنا وغیرہ، کیا اس کے بعد یکا یک میری پچاس فیصد ملکیت سے انکار ہوسکتا ہے؟

(۳) اگر کسی کمپنی میں شرکت کا قانونی تناسب کچھ یوں ہو:

فریق اول: پچاس فیصد۔

فریق ثانی: چونتیس فیصد۔

فریق ثالث: سات فیصد۔

فریق رابع: نو فیصد۔

(واضح رہے کہ فریق ثانی، ثالث اور رابع دراصل ایک ہی فرد ہے مگر قانونی مجبوریوں کی وجہ سے حصہ دوسروں کے نام پر ہیں)۔ اس صورت میں کاروباری فیصلوں، تقرریوں وغیرہ کا اختیار کس فریق کا کتنا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - تفصیلی سوال نامہ اگر واقعہ کے مطابق ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی سے دونوں بھائی خلیل الرحمٰن اور صدیق الرحمٰن اس کاروبار میں برابر کے شریک رہے ہیں اور حسبِ حصہ اپنے کو مستحق سمجھتے رہے ہیں۔ اور قانونی کاغذات میں بھی دونوں بھائیوں کا حسبِ حصہ ملکیت کا اندراج رہا ہے، اِس لئے یہ دونوں بھائی مساوی طور پر کمپنی میں تصرف کا حق رکھتے ہیں، کسی ایک بھائی کو دوسرے کے حق میں اپنے طور پر کمی کرنے کا حق نہیں ہے۔

إما مفاوضة من التفويض بمعنى المساواة في كل شيءٍ إن تضمنت وكالةً وكفالةً (الدر المختار) قال في الهداية: لأنها شركة عامة في جميع التجارات. وفي القاموس: المفاوضة الاشتراك في كل شيءٍ: المساواة. لكنها في الاصطلاح أخص؛ لأنه لا يلزم فيها مساواتهما في العقار والعروض كما أفاده، ط. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشركة / مطلب في شركة المفاوضة ٤٧٥/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گوشت فیکٹری سے گوشت لینے میں اشتراک کی صورت

سوال (۱۰۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سنبھل میں گوشت فیکٹریاں ہیں، لوگ فیکٹریوں کو گوشت فراہم کرتے ہیں، بسا اَوقات اُن کے پاس رقم کم ہوتی ہے، تو وہ وہاں کے مقامی لوگوں سے رقم لے لیتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ جتنی رقم تم ہمیں دوگے اسی کے تناسب سے ہم تمہیں نفع میں شریک کرلیں گے،

لوگ انہیں اپنی رقم دے دیتے ہیں، سارے عمل دخل انہیں کے ہوتے ہیں، مقامی لوگوں کی طرف سے رقم ہوتی ہے اور یہ معاملہ اُن کے درمیان زبانی ہوتا ہے، کاغذی نہیں ہوتا ہے، پھر جب کمپنی اُنہیں مہینے یا پندرہ دن میں پیسہ اَدا کرتی ہے تو وہ مقامی لوگوں کو اُن کی رقم کے تناسب سے اُن میں نفع تقسیم کردیتے ہیں، اِس میں نقصان کا اندیشہ کم ہوتا ہے اور نقصان اُسی وقت ہوتا ہے جب کہ کمپنی پیسہ نہ دے تو کیا یہ معاملہ شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ معاملہ جائز ہے اور یہ مالی شرکت کی ایک شکل ہے اور جس نے جتنی رقم لگائی ہے وہ اسی تناسب سے نفع ونقصان میں شریک ہوگا؛ تاہم حساب وکتاب تحریراً ہونا چاہئے؛ تاکہ بعد میں کوئی نزاع نہ ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَآیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلیٰ اَجَلٍ مُسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۸۲]

إذا شرطا الربح على قدر المالين متساويًا أو متفاضلا فلا شك أنه يجوز ويكون الربح بينهما على الشرط سواء شرطا العمل عليهما أو على أحدهما والوضيعة على قدر المالين متساويًا ومتفاضلا؛ لأن الوضيعة اسم لجزء هالك من المال فيتقدر بقدر المال. (بدائع الصنائع / كتاب الشركة ۸۳/۵ زكريا)

ولو اشتركا ولأحدهما ألف درهم وللآخر مائة دينار قيمتها ألف وخمس مائة على أن الربح والوضيعة بقدر رأس المال صح. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴۹۲/۷ رقم: ۱۰۹۷۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۵/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کچھ رقم لگاکر ایک شریک نے شرکت سے انکار کردیا

سوال (۱۱۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: میں محمد معین ایک بہت بڑے کاروبار میں لگا ہوا تھا، جس میں بے حساب (اَن گنت) میرا پیسہ انویسٹ ہوا؛ حتیٰ کہ مجھے اپنی کچھ ملکیت بیچنی پڑگئی، ایک موقع پر مجھے مزید رقم کی ضرورت پڑگئی، تو میں ایک صاحب صدیق بھائی کے پاس گیا اُن کو پورا کاروبار سمجھایا، اور اُن سے ایک کروڑ روپئے انویسٹ کی بات کی، صدیق بھائی نے ہر چیز کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر پورے ہوش وحواس میں نفع نقصان کی شرکت قبول کی، اور ایک کروڑ کے عوض اگر کاروبار ہو جائے تو چار سو کروڑ نفع کم سے کم طے کیا۔

صدیق بھائی نے رقم دینا شروع کی اور ۳/ ماہ میں ۶۹.۷۵/ لاکھ روپئے مجھے دئے، ۳/ ماہ میں اتنی رقم دینے کے بعد اور ۳/ ماہ گذرنے کے بعد بھی جب کاروبار نہیں ہوا، تو صدیق بھائی کے دل میں کچھ کھٹکا اور بے اطمینانی پیدا ہوئی، اور باقی رقم کاروبار میں لگانے پر پریشانی ظاہر کی، اور کہا کہ مجھ سے کاروبار میں نقصان برداشت نہیں ہوتا ہے، اُن کی اِس کیفیت کو دیکھ کر میں نے خود ہی مشورہ دیا کہ آپ استخارہ کر لیجئے اور جو بھی جواب آئے، اُس پر شوق سے عمل کیجئے۔

کچھ ہی دن کے بعد ہم پھر ملے اور صدیق بھائی نے کہا کہ استخارہ میں جواب منع آیا ہے، اِس لئے میں اِس کاروبار سے الگ ہوتا ہوں، اب جب کہ صدیق بھائی نے بقیہ رقم دینے سے منع کیا، اُس وقت میں نے یہ نہیں کہا کہ آپ چوں کہ نفع نقصان کے شریک ہیں، اور کاروبار ابھی ہوا نہیں ہے، اور آپ درمیان ہی سے کاروبار سے الگ ہو رہے ہیں، اِس لئے آپ کو بھی نقصان اُٹھانا پڑے گا؛ بلکہ اِنسانیت کے ناطے میں نے یہ کہا کہ جناب صدیق بھائی چاہے نفع نقصان کی بات طے ہوئی تھی؛ لیکن آپ کا جتنا انویسٹ ہوا ہے وہ میں قرض قبول کرتا ہوں، جیسے ہی میرے پاس انتظام ہو جائے گا، میں آپ کا قرض اَدا کردوں گا، میں نے کوئی ٹائم یا وقت متعین نہیں کیا تھا کہ آئندہ کتنے دنوں میں رقم واپس کروں گا، میں نے یہی کہا تھا کہ جب میرے پاس انتظام ہو جائے گا تو میں واپس کردوں گا۔

جس وقت ہماری بات ہوئی اور میں نے مذکورہ تجویز پیش کی اُس وقت صدیق بھائی نے

بہت ہی خوشی سے میری رائے اور تجویز قبول کی تھی اور بہت ہی خوشی سے اِس بات کو منظور کیا تھا، اور خود ہی کہا تھا کہ جب بھی آپ کے پاس سہولت ہو قرض لوٹا دیں، میں نے ایسا اِس لئے کہا تھا کہ ممبئی اندھیری میں میری ایک زمین برائے فروخت ہے، وہ بک گئی تو رقم واپس کر دوں گا؛ لیکن تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے؟ آج ۳؍سال کی مدت گذرنے کے بعد بھی میرے پاس رقم کا کوئی انتظام نہیں ہوا ہے؛ کیوں کہ نہ میرا کاروبار ہوا ہے اور نہ ہی میری ممبئی کی زمین بکی ہے۔

اَب صدیق بھائی کا بھی اُن کے ایک دوسرے سے قرض کا معاملہ ہے، جو مجھے معلوم نہیں کیا اور کتنا ہے؟ کچھ ماہ پہلے وہ صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھے صدیق بھائی نے بھیجا ہے اور اَب وہ رقم آپ مجھے دیں گے، اور مجھے ۳؍ماہ میں پوری رقم چاہئے، میں نے اُن سے کہا کہ میرا معاملہ صدیق بھائی کے ساتھ ہوا ہے، آپ کے ساتھ نہیں، اور اُنہوں نے مجھے کوئی قرض نہیں دیا تھا؛ بلکہ شرکت کے لئے رقم لگائی تھی، ایک انسانیت کے طور پر میں نے کہا ہے کہ میں آپ کو واپس لوٹا دوں گا، یہ بات سن کر وہ چلے گئے؛ لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک دوسرے صاحب آئے اور وہی بات دہرائی، میں نے مذکورہ جواب دے کر اُن کو بھی واپس بھیج دیا، پھر کچھ دن گذرنے کے بعد وہی پہلے والے صاحب نے میرے اُوپر بہت پریشر ڈالا اور مجھے مجبور کرنے لگے کہ کہیں سے بھی لاکر پیسے واپس کرو، میں نے صدیق بھائی سے ملنے کی تاریخ طے کی؛ تاکہ بات اچھی طرح صاف ہوجائے، میٹنگ میں صدیق بھائی ہر چیز قبول کرتے ہیں، جیسے:

(۱) اُنہوں نے اپنی رضامندی سے نفع نقصان سوچ سمجھ کر رقم دی تھی۔

(۲) شرکت کے لئے رقم دی تھی۔

(۳) مجھے قرض نہیں دیا تھا۔

(۴) میں نے اُن سے کوئی قرض نہیں لیا تھا۔

(۵) میرا کاروبار نہیں ہوا ہے۔

(۶) میں نے یہ کہا ہے کہ جب بھی میرے پاس انتظام ہوجائے گا میں رقم لوٹا دوں گا،

میں نے کوئی مدت طے نہیں کی۔

لیکن افسوس کہ اِن باتوں کا اقرار کرنے کے باوجود بھی اَب صدیق بھائی اور میٹنگ میں موجود اُن کے دوست مجھے اِس بات پر مجبور کررہے ہیں کہ میں کہیں سے بھی انتظام کرکے ۳؍ماہ میں اَدا کروں اور بات سمجھنے کے بجائے مجھ سے پوچھتے ہیں کہ قرض کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ تفصیل کے مطابق صدیق بھائی مجھ پر زبردستی تھوپ سکتے ہیں؟ کیا اُن کا مجھے مجبور کرنا صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال جب کہ کاروبار شروع کرنے سے پہلے ہی صدیق بھائی نے شرکت سے انکار کردیا، اور کاروبار سے بالکل الگ ہوگئے تو اُن کی دی ہوئی رقم محمد معین کے ذمہ میں قرض ہوئی جس کا مطالبہ کے بعد جلد اَز جلد اَدا کرنا اُن پر لازم ہے، اِس قرض کی اَدائیگی میں محمد معین کی طرف سے ٹال مٹول اور تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔

یری جمهور الفقهاء أن عقد الشركة عقد جائز غير لازم فيجوز لكل شريك أن يفسخ العقد. (الفقه الإسلامي وأدلته / المطلب الرابع: صفة عقد الشركة ويد الشريك ٨٢٧/٤ دار الفكر بيروت)

وكلّ دين حال إذا أجله صاحبه صار مؤجلا لما ذكرنا إلا القرض؛ فإن تأجيله لا يصحّ؛ لأنه إعارة وصلة في الابتداء. (الهداية / كتاب البيوع ٧٦/٣ المكتبة الأشرفية ديوبند)

والأجل لا يلزم في القرض سواء كان مشروطًا في العقد أو متأخرًا عنه بخلاف سائر الديون. (بدائع الصنائع، كتاب القرض / فصل في حكم القرض ٣٩٦/٧ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشترکہ کاروبار میں سے کسی شریک کا اپنا کل سرمایہ جبراً لے کر الگ ہوجانا

سوال (۱۱۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج سے تین سال پہلے میرے ساتھ ایک پروپرٹی میں چار لوگ پارٹنر تھے، جس میں سب لوگوں نے ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ روپیہ لگایا تھا، جس میں میرے ڈیڑھ کروڑ روپئے میں سے میں نے میرے دوست کے ۲۵/لاکھ روپیہ لگائے تھے، جوکہ انہوں نے بیچ میں میرے اوپر دباؤ بنا کر کچھ جگہ اپنے نام کرالی اور کچھ نقد لے لیا، کل ملاکر ان کے پاس ۲۹/لاکھ ۵۰/ہزار روپئے پہنچ گئے اور سارے لوگوں کی اصل ابھی باقی ہے، ان حالات میں میرے دوست کا پرافٹ اخیر تک چلے یا جس وقت انہوں نے اپنی رقم لے لی ہے، اس وقت تک چلے گا، جس وقت انہوں نے پیسے لئے تھے اور جگہ لکھائی تھی، اس وقت تک آدھی سے کچھ کم جگہ بکری ہوئی تھی۔ آپ سے درخواست ہے کہ اِس مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسب تحریر سوال جب کہ آپ کے کاروباری شریک دوست نے مشترکہ کاروبار میں سے اپنی لگائی ہوئی کل رقم نقد یا زمین کی شکل میں واپس لے لی ہے تو اب وہ اس مشترکہ کاروبار کے منافع میں حصہ داری کے مستحق نہیں رہے۔ بریں بنا رقم نکالنے سے پہلے کے حاصل شدہ منافع میں تو وہ حصہ دار ہیں اور بعد میں اس کاروبار میں جو نفع ہوا اس کے وہ حق دار نہیں۔

فإذا فسخه أحدهما عند وجود شرط الفسخ ينفسخ. (بدائع الصنائع، کتاب الشركة / الوكالة المفردة والمضاربة ۵/۱۰۵ زكريا)

وإذا قال أحد الشريكين لصاحبه لا أعمل معك بالشركة فهو بمنزلة

قولہ فاسختک الشرکۃ. (الفتاویٰ التاتارخانیة / کتاب الشرکة ۴۷٦/۷ رقم: ۱۰۹۲۴ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/٦/۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک شریک کا دوسرے شریک کی مرضی کے بغیر اپنا حصہ بیچنا

سوال (۱۱۰۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دو آدمیوں نے مل کر ایک زمین خریدی خریدتے وقت جس کی قیمت ۵۱/لاکھ تھی، اور اب اُس زمین کا ریٹ گھٹ کر ۳۱/لاکھ ہوگیا ہے، اُن میں سے ایک شریک اپنے حصہ کو بیچنا چاہتا ہے اور دوسرا شریک راضی نہیں ہے۔ اَب سوال یہ ہے کہ اگر ایک شریک اپنے حصہ کو دوسرے شریک کی رضامندی کے بغیر فروخت کرے، تو کیا اُس کا فروخت کرنا درست ہے؟ اور اگر ایک شریک اپنا حصہ بیچ دے جس کی وجہ سے دوسرے شریک کے حصہ کی قیمت مزید کم ہوجائے تو اس نقصان کا بار کس پر پڑے گا؟ شریک اول یا صرف شریک ثانی یا پھر دونوں پر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں ہر شریک دوسرے کی رضامندی کے بغیر اپنا حصہ فروخت کرسکتا ہے، دوسرے کی اِجازت ضروری نہیں ہے، اور اپنا حصہ فروخت کرنے سے دوسرے شریک کے حصہ کی قیمت اگر کم ہوجائے تو بیچنے والا شریک اُس کا ذمہ دار نہ ہوگا؛ البتہ دوسرا شریک اگر چاہے تو حق شفعہ کا دعویٰ کر کے یہ حصہ خود خرید سکتا ہے۔

ویجوز بیع أحدهما نصیبه من شریکه في جمیع الصور ومن غیر شریکه بغیر إذنه إلا في صورة الخلط والاختلاط کذا في الکافي. (الفتاویٰ الهندیة / کتاب الشرکة ۳۰۱/۲ زکریا)

ذهب الحنفیة والشافعیة إلی أن للشریک أن یبیع نصیبه لغیر شریکه

في غير حالة الضرر الآتية بدون إذن منه، واستثنى الحنفية حالة واحدة: هي حالة اختلاط المالين دون شيوع. (الموسوعة الفقهية / الشركة ٢٦/٢٣ الكويت)

وكل من شركاء الملك (أجنبي) في الامتناع عن تصرف مضر (في مال صاحبه) لعدم تضمنها الوكالة (فصح له بيع حصته ولو من غير شريكه بلا إذن إلا في صورة الخلط) لماليهما (الدر المختار) قوله: إلا في صورة الخلط والفرق أن الشركة إذا كانت بينهما من الابتداء بأن اشتريا حنطة أو ورثاها كانت كل حبة مشتركة بينهما فبيع كل منهما نصيبه شائعًا جائز من الشريك والأجنبيّ الخ. (رد المحتار / كتاب الشركة ٦/٤٦٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ایک شریک کا دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر ذاتی رقم لگانا

سوال (۱۱۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک شخص سے یا کئی لوگوں سے ایک لاکھ روپئے بطور مضاربت کے لئے اور نفع میں دونوں شریک کا ۵۰-۵۰ر فی صد حصہ طے پایا، زید نے مضاربت پر لئے ہوئے اس رأس المال میں ۲ر لاکھ روپئے اور ملا لئے جو کہ اس کا ذاتی مال تھا اور کل مال یعنی ۳ر لاکھ روپئے کی ایک زمین یا کوئی اور چیز خرید کر ۹۰ر ہزار کے منافع کے ساتھ فروخت کردیا اور دو تہائی نفع یعنی ۶۰ر ہزار روپئے اپنے رأس المال کے حساب سے لے لیا اور باقی نفع یعنی ۳۰ر ہزار کا نصف یعنی ۱۵ر ہزار روپئے بحیثیت مضارب کے لئے اور باقی یعنی ایک لاکھ روپئے ۱۵ر ہزار رب المال کو اس کے رأس المال اور نفع کے ساتھ اَدا کئے۔ اَزروئے شرع اِس طرح کے معاملہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر رب المال نے زید کو اس

بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ مال مضاربت میں اپنا مال بھی شامل کرلے تو ایسی صورت میں زید کا اپنے اضافہ شدہ مال کا پورا نفع لینا اور مال مضاربت کے نفع کو حسب شرائط آپس میں تقسیم کرلینا شرعاً درست ہے؛ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے؛ لیکن اگر رب المال کی طرف سے زید کو اپنا مال ملانے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت نہ دی گئی ہو تو ایسی صورت میں زید کے اپنا مال ملاتے ہی مضاربت کا معاملہ ختم ہوجائے گا اور زید مال مضاربت کا ضامن کہلائے گا اور وہی اس کے نفع ونقصان کا ذمہ دار ہوگا، رب المال نہ نفع کا مستحق ہوگا اور نہ نقصان کا ذمہ دار۔

لو خلط مال نفسه بمال المضاربة ضمن مال المضاربة والربح له والوضيعة عليه ...... هذا إذا لم يقل له اعمل فيه برأيك وإن قال له: اعمل فيه برأيك: فله أن يخلط مال المضاربة بمال نفسه وإذا ربح قسم الربح بين المالين فربح ما له يكون له خاصة و ربح مال المضاربة يكون على الشرط بينهما. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴۱۳/۱۵ رقم: ۲۳۵۸۴ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والد اور چچا کی مشترکہ ملکیت میں کاروبار آگے بڑھانا

سوال (۱۱۰۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اپنے ایک ذاتی مسئلے میں شریعتِ اسلامیہ کی روشنی چاہتا ہوں، آپ سے اُمید ہے کہ اِس میں آپ شریعت کا واضح حکم عنایت فرماکر مجھے ممنون فرمائیں گے۔

میرے والد صاحب دو بھائی تھے، خاندان بھی مشترک تھا، جائیداد بھی اور کاروبار بھی، اِسی دوران ۱۹۹۲ء کے قریب کلکتہ میں ایک شاخ کھولی گئی، جس میں ۴-۵/ سالوں تک کام ہوا، اُس کی دیکھ بھال کسی دوسرے شخص کے ذمہ تھی، اُس کی لاپرواہی یا خلافت کی وجہ سے اُس میں کافی نقصان ہوا، یہ شاخ تقریباً بند ہوگئی اور شخص مذکور بھی اُس کو چھوڑ کر چلا گیا، میں نے ہمت کی

اور کمپنی کا جو روپیہ کچھ لوگوں کے یہاں باقی تھا، جیسے تیسے اُس میں سے کچھ حاصل کر کے اُسی سے کام کرنا شروع کیا، اصل مالکان تو والد اور چچا صاحبان تھے، اور گھر پر جو کاروبار تھا، اُسے میرے بھائی صاحب سنبھالتے تھے، اُنہوں نے کلکتہ والی اُس شاخ کو بند کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ اَب یہاں سے کوئی مدد نہیں ملے گی، والد اور چچا صاحبان نے میری حمایت کی، اور فرمایا کہ آخر وہ یہاں آ کر بھی کیا کرے گا، اُس کو وہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اِسی دوران میری شادی ہوگئی، اور اللہ کے فضل سے کام کچھ چل پڑا، پھر میں نے اپنے چچا زاد بھائی کو بھی اپنے ساتھ شریک کرلیا، پورا حساب یہاں کا باقاعدہ رکھا جاتا تھا؛ لیکن نہ کبھی بزرگوں نے طلب کیا نہ اُن کے سامنے پیش کیا گیا۔ ہاں رمضان کے موقع پر زکوٰۃ کی اَدائیگی کے لئے اِجمالی مالیت اُنہیں بتادی جاتی تھی، اور زکوٰۃ کی اَدائیگی بھی یہیں سے ہوتی تھی، اللہ کی مہربانی سے کام کچھ اور آگے بڑھا، اور ہم دونوں بھائیوں نے بطور خود یہاں آفس کے لئے فلیٹ خریدا، اور اپنے وطن میں بھی اپنے ہی نام سے زمین کے ٹکڑے خریدے کسی کو اِس پر کوئی اشکال نہ ہوا، پھر ۲۰۰۶ء میں والد صاحب اور ۲۰۱۱ء میں محترم چچا جان اللہ کو پیارے ہوگئے، یہاں کے آفس وغیرہ کی خریداری ہم نے بطور خود کی، اور گھر پر زمینوں کی خریداری سب کے علم میں رہ کر سب کے مشورے سے ہوئی؛ لیکن قیمت یہاں سے ہم نے اَدا کی، زمین بھی ہمیں دونوں بھائیوں کے نام سے ہے۔

خاندان کی مشترک جائیداد ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی تھی، اَب دوسرے بھائیوں کا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کلکتہ کے کاروبار اور جائداد کو بھی مشترکہ مال قرار دے کر اُس میں بھی سب کا حصہ مانا جائے؛ جب کہ اُس کو ہم لوگوں نے محض اپنی محنت وہمت سے کھڑا کیا ہے، ورنہ گھر کی طرف سے اُسے عملاً بند کر دیا گیا تھا، اور زبانی بھی اُسے بند کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا تھا۔ کلکتہ میں ہی والد صاحب کے زمانے کا خریدا گیا ایک آفس بھی موجود ہے۔ جو ہماری نگرانی میں ہے؛ لیکن بند رہتا ہے، یہیں کی رقم سے ایک فلیٹ دہلی میں بھی خریدا گیا، جس کا علم بھائیوں کو بہت بعد میں ہوا وہ حضرات اُس میں بھی حصہ چاہتے ہیں۔

اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میری محنت سے قائم کردہ کمپنی اور اُس کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائیداد عنداللہ مشترک مانی جائے گی، اور اُس میں بھی سب کا حصہ ہوگا؟

یا یہ ہم دونوں بھائیوں کی ذاتی مانی جائے گی، اور دوسرے حضرات کا اُس پر کوئی حق نہ ہوگا؟ خدا کے واسطے مہربانی فرما کر شریعتِ مطہرہ کا واضح حکم عنایت فرما کر مسئلے کا حل فرمادیں، اللہ آپ کو دونوں جہاں میں اَجر عظیم عطا فرمائے گا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تفصیلی سوال نامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے کلکتہ کی جس کاروباری شاخ کو ترقی دی ہے وہ اَصلاً والد صاحب اور چچا صاحب کی مشترکہ ملکیت تھی اور اُسی کے سرمایہ سے کاروبار کو آگے بڑھایا گیا ہے، اِس لئے یہ پورا کاروبار اور اُس کے ذریعہ خریدی گئی سبھی جائیدادیں مشترک قرار پائیں گی، اور والد صاحب اور چچا صاحب کے وارثین حسبِ حصصِ شرعیہ اُن میں حق دار ہوں گے۔

لما في القنية: الأب وابنه يكتسبان في صنعةٍ واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عياله لكونه معينًا له. (رد المحتار، كتاب الشركة / فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: اجتمعا في دار واحدةٍ واكتسبا الخ ۶/۵۰۲ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الشركة / الباب الرابع في شركة الوجوه ۲/۳۳۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۱۱/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مشترکہ زمین میں سے ایک شریک کا بٹوارہ کے بغیر مدرسہ کو اپنا حصہ دینا

سوال (۱۱۰۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ایک خاندان کے لوگوں کی زمین ہے جس کا بٹوارہ نہیں ہوا ہے، کسی خاص حصہ پر کسی کا قبضہ نہیں ہے، اَب اگر کوئی حصے دار بغیر بٹوارہ کے مدرسہ کو دینا چاہتا ہے تو یہ دینا کیسا ہے؟ اور اُس کی کیا شکل ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مشاع زمین کا وقف حضرت اِمام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست اور جائز ہے، اور فقہاء متأخرین نے اِسی قول کو مختار کہا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مذکورہ زمین کا حصہ دار تقسیم سے قبل بھی اپنا حصہ مدرسہ کو دے سکتا ہے اور مدرسہ کے لئے فائدہ اُٹھانے کی شکل یہ ہوگی کہ جلد اَز جلد باقاعدہ تقسیم کراکے متعینہ حصہ پر اپنا قبضہ مکمل کرلے، اور جب تک تقسیم نہ ہو تو مذکورہ زمین کی آمدنی میں سے حصہ موقوفہ کے بقدر رقم لے کر مدرسہ کے مفاد میں خرچ کی جاتی رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۱/۳۳ میرٹھ)

وقف المشاع المحتمل للقسمة لا يجوز عند محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ، وبه أخذ مشايخ بخارى وعليه الفتوىٰ، كذا في السراجية. والمتأخرون أفتوا بقول أبي يوسف رحمه اللّٰه أنه يجوز وهو المختار، كذا في خزانة المفتين.

(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / فصل في وقف المشاع ٢/٣٦٥ زكريا)

ذكر الخصاف في وقفه تفريعًا علىٰ قول أبي يوسف فقال: إذا كانت الأرض بين رجلين وقف أحدهما نصيبه منها وهو النصف، له أن يقاسم شريكه فيفرز حصة الوقف؛ لأن ولاية الوقف إليه. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٨/١٦ زكريا)

وصح عند أبي يوسف وقف المشاع (مجمع الأنهر) وتحته في سكب الأنهر: إليه ذهب هلال، ومشايخ بلخ وصنيع المصنف يرجحه على عادته في تقديم الأقوى، والمختار للفتوى. (مجمع الأنهر مع سكب الأنهر / كتاب الوقف ٢/٥٧٥ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱۱/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

دو بھائیوں کے پیسے سے خریدی ہوئی زمین میں ملکیت کی تقسیم

سوال (۱۱۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے بڑے بھائی نے مجھ کو میرے ماں باپ سے بچپن میں ہی اپنے پاس اپنے گھر پر بھائی یا بیٹا بنا کر مانگ لیا تھا، اپنے گھر پر رکھنے کے لئے، میں اُن کے پاس رہتا رہا، اسی دوران وہ مجھے سارے گھر کی ذمہ داری سونپ کر سعودی عرب چلے گئے، میری شادی وغیرہ بھی انہوں نے ہی کی، میں دوکان پر بیٹھ کر دوکان چلاتا تھا، وہ سعودی عرب میں کماتے تھے، دونوں شرکت میں ہی رہتے تھے، انہوں نے مجھ سے کچھ زیادہ کمایا، میں نے گھر کی ذمہ داریوں کی وجہ سے کم کمایا، اسی دوران وہ یہ کہتے تھے کہ میرا جو کچھ بھی ہے وہ میرے بیٹے اور میرے بھائی کے بیٹے کا ہے، ان کی غیر موجودگی میں میں نے قریب پانچ پراپرٹی خریدیں، جس میں میں نے اپنا نام نہ ڈلوا کر اپنے بھائی کے نام لکھوا دیں؛ تاکہ میرے بڑے بھائی یہ نہ سمجھیں کہ ساری پراپرٹی اپنے نام کرالی، اس کو خریدنے میں ان کا بھی پیسہ لگا اور میرا بھی لگا، ان کا زیادہ لگا اور میرا کچھ کم لگا، اب وہ سعودی سے واپس آکر گھر پر رہنے لگے ہیں تو ان کا کہنا ہے کہ تیرا اس پراپرٹی میں کچھ حق نہیں بنتا، تو کیا شرعی حساب سے جو کچھ میں نے لکھا ہے، میرا اس پراپرٹی میں حق ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کتنا، قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

نوٹ:- اُوپر جو پانچ پراپرٹی لکھی ہیں اُن میں سے ایک میں میرا اور میرے بھتیجے کا نام ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحت سوال زمینوں کی خریداری میں آپ کا اور آپ کے بھائی صاحب کا جس قدر پیسہ لگا ہے ہر بھائی اپنے لگائے ہوئے پیسے کے تناسب سے خریدی ہوئی جائیدادوں میں ملکیت کا حق رکھتا ہے، اس لئے بڑے بھائی صاحب کا آپ سے مطلقاً یہ کہنا کہ آپ کا جائیداد میں کچھ حق نہیں ہے، درست نہیں ہے، بلکہ آپ اپنی لگائی ہوئی رقم کے بقدر ملکیت کا حق رکھتے ہیں۔

وأمـا الشركة بحسب الاختلاط فإذا أذن كل واحد لصاحبه في التصرف فما حصل من الربح يكون بينهما على قدر المالين فسمي شركة العنان. (مرقاة المفاتيح، باب الشركة والوكالة / الفصل الأول ۱۰۹/٦ تحت رقم: ۲۹۳۰ المكتبة الأشرفية ديوبند)

والـعـنان بينهما يجوز مع اشتراط التفاضل في ملك المشترى وينبغي أن يشتـرط الـربـح فـي هـذه الشـركة على قدر اشتراط مالهما في المشتري، حتـى لـو تـفـاضـلا في ملك المشترى واشترطا التساوي في الربح بينهما أو كان على العكس لا يجوز هذا الشرط ويكون الربح بينهما على قدر ما شرطا الـملـك بينهما. (الـمـحـيـط البرهاني، كتاب الشركة / الفصل الأول في بيان أنواع الشركات، وشرائطها وحكمها ۹/٦ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۳۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نقصان کی صورت میں رأس المال میں مضارب کا ذاتی تصرف کرنا

سوال (۱۱۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عمرو کو ۱۳/ ہزار روپئے بطور مضاربت کے دئے؛ تاکہ وہ اس سے تجارت کرے؛ لیکن عمرو نے اس میں سے ۳/ ہزار اپنے ذاتی کام میں صرف کئے اور تجارت کے لئے ۱۰/ ہزار روپئے کی گاجر خرید لی؛ لیکن خریدنے کے بعد گاجر کی قیمت آدھی ہوگئی، یعنی ۱۰/ ہزار کی گاجر ۵/ ہزار روپئے کی ہوگئی۔ اب زید کا یہ کہنا ہے کہ مجھے پورے ۱۳/ ہزار روپئے چاہئیں؛ لیکن عمرو کا کہنا ہے کہ میں صرف ۸/ ہزار روپئے واپس کروں گا، ۳/ ہزار تو وہ جو میں نے اپنی ذاتی ضروریات میں خرچ کئے اور ۵/ ہزار گاجر بیچ کر، اس سے زیادہ نہ دوں گا، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شریعت مطہرہ عمرو کو زید پر کتنے پیسے لوٹانا واجب ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ۱۳؍ ہزار روپئے میں سے ۳؍ ہزار روپئے جو عمرو نے ذاتی کام میں صرف کئے ہیں، اُن کا تو وہ بہرحال ضامن ہے اور مابقیہ ۱۰؍ ہزار روپئے میں سے بقصد مضاربت اُس نے جو گاجر خریدی ہیں، اگر یہ ثابت ہوجائے کہ خریدنے کے بعد واقعۃً گاجر کی قیمت آدھی رہ گئی ہے، تو اِس نقصان کا ذمہ دار عمرو مضارب نہ ہوگا؛ بلکہ یہ نقصان زید ربُ المال کو برداشت کرنا ہوگا۔ بریں بنا حسبِ تحریر سوال مسئولہ صورت میں زید کل ملاکر ۸؍ ہزار روپئے ہی واپس لینے کا حق دار ہے، اِس سے زیادہ مطالبہ کا اُسے حق نہیں۔

فإن زاد الهالک علی الربح لا یضمن المضارب لکونه أمینًا سواء کان من عمله أو لا. (مجمع الأنهر، کتاب المضاربة / فصل في المتفرقات ۲/۳۳۲ دار إحیاء التراث العربي بیروت، ۳/۴۵۸ مکتبة فقیه الأمة دیوبند)

وما هلک من مال المضاربة فمن الربح فإن زاد الهالک علی الربح لم یضمن المضارب. (کنز الدقائق مع شرحه کشف الحقائق، کتاب المضاربة / باب المضارب یضارب ۲/۱۳۸ مکتبة الجامعة الأمیر کانیة بیروت)

ولو أنفق بعضها ضمن ما أنفق منها. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۶/۵۶ رقم: ۲۴۱۷۶ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۵/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حوالہ کے کاروبار میں شریک دونوں ساتھی نفع ونقصان میں ذمہ دار ہوں گے

سوال (۱۱۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) دو صاحب حوالہ کا کاروبار میں شریک تھے، ایک صاحب نے حوالہ کی رقم بھیجی

جو رقم یہاں بھروچ شہر میں پولیس کے ہاتھوں پکڑی گئی اور یہ دونوں شخص اسی حوالے کا کاروبار میں نصفا نصفی کے حصہ دار ہیں، وہ رقم فی الحال پولیس کے ہاتھ میں موجود ہے، اس کا قبضہ حاصل کرنے کے لئے ہم نے عدالت میں کیس دائر کیا ہے، ابھی تک اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ اَب سوال یہ ہے کہ جس کے ہاتھوں رقم پکڑی گئی وہ یوں کہتا ہے کہ جتنا خرچ ہم نے کیس وغیرہ میں کیا ہے وہ پورا خرچ بھیجنے والا ساتھی ہی ادا کرے، تو کیا اس ساتھی کا یہ مطالبہ اَز روئے شرع صحیح ہے؟ جب کہ تجارت کے معاملہ میں دونوں ساتھی نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، بھیجنے والا ساتھی یہ کہہ رہا ہے کہ اِس معاملہ میں نصف خرچ میرا اور نصف خرچ دوسرے ساتھی کا ہے، تو کیا بھیجنے والے کا یہ مطالبہ اَز روئے شرع درست ہے؟

(۲) دوسرا ایک سوال یہ ہے کہ جن اصحابِ حقوق کی یہ رقم ہے، جن کو یہ رقم پہنچانا ضروری ہے، اُس میں سے یہ نقصان کاٹنا مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتا، تو کیا میرا سمجھنا صحیح ہے؟ صحیح جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) حسبِ تحریر سوال جب کہ مذکورہ کاروبار میں دونوں فریق برابر کے حصہ دار ہیں، تو پولیس کے ذریعہ پکڑی ہوئی رقم کو حاصل کرنے میں جو بھی خرچ ہوگا، اس کی ذمہ داری دونوں فریقوں پر ہوگی، ساری ذمہ داری کسی ایک فریق پر ڈالنا صحیح نہیں ہے۔

أما الخسارة فتكون بنسبة رأس المال فحسب، عملا بقاعدة الربح على ما شرطا، والوضيعة على قدر المالين. (الفقه الإسلامي وأدلته، شركة الأموال / المطلب الأول: كيفية انعقاد شركات العقود ٤/ ٥٩٢ دار الفكر بيروت)

(۲) یہ معاملہ محض امانت کا نہیں؛ بلکہ ضمانت کا ہے؛ لہٰذا اصحاب حقوق کو پوری رقم پہنچانا لازم ہے اور مقررہ اُجرت سے زائد رقم کا ان سے مطالبہ درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۴۶)

انتهاء الحوالة قد يكون بأداء مالها إلى المحال الخ. (الموسوعة الفقهية ۱۸/۱۲۶-۱۲۹ الكويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

باپ کی فروخت کردہ زمین کی بیع سے اَولاد کا انکار کرنا

سوال (۱۱۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے والد نے اپنی زمین بکر کو فروخت کی اور اس کی قیمت بھی وصول کرلی؛ لیکن زمین کی رجسٹری نہیں کرائی؛ چوں کہ پہلے زمانے میں نہ لوگوں کے پاس تعلیم تھی اور نہ اُن میں بے ایمانی یا بدعہدی کی صفات، آج کے دور کی طرح موجود تھیں، زمین کی خرید وفروخت کا عام لوگوں کو علم تھا اور یہ بات سب کو پتہ تھی کہ زید کے والد نے یہ زمین بکر کو فروخت کرکے قیمت وصول کرلی ہے؛ لیکن جب بکر کے ورثہ نے زمین کو قبضہ میں لینا چاہا تو زید نے انکار کردیا کہ میرے والد نے یہ زمین تمہارے والد کو نہیں بیچی اور اس زمین کا مالک میں ہوں، بکر کے وارثین نے چند لوگوں کو درمیان ڈال کر بات چیت کی، تو زید نے ان سے زمین کے حوالے کرنے کے بدلے ایک بڑی رقم کا مطالبہ کیا ہے۔ (زید کے والد کا انتقال کئی سال پہلے ہو چکا ہے)

اَب سوال یہ ہے کہ کیا زید کا ایسا کرنا صریح ظلم اور بے ایمانی نہیں؟ اور اِس طرح کے کام کرنے والوں سے بستی کے لوگوں کا میل جول رکھنا، اُن کی دعوتوں میں شریک ہونا کیسا ہے؟ اور ایسے لوگوں کی تدفین وغیرہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ براہ کرم مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر اس بات کے پختہ ثبوت موجود ہیں کہ زید کے والد نے اپنی مذکورہ زمین بکر کے ہاتھ فروخت کردی تھی اور اُس کی قیمت بھی اَدا کردی گئی، تو اَب بعد میں زید کے وارثین کے لئے اُس زمین کو بکر کے حوالے نہ کرنا درست

نہیں ہے، اگر وہ ایسا کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے اور آخرت میں مؤاخذہ دار رہیں گے۔

صح بيع عقار لا يخشى هلاكه قبل قبضه من بائعه (الدر المختار) وعبر بالصحة دون النفاذ واللزوم؛ لأنهما موقوفان على نقد الثمن أو رضى البائع وإلا فللبائع إبطاله أي إبطال بيع المشتري. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية ۲٦۹/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۲۶/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میٹرو پروجیکٹ کے لئے زمین بک جانے کے بعد بائع اول کے وارثین کا دعویٰ

سوال (۱۱۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بارے میں کہ: زید نے خالد سے کئی سال قبل ایک زمین خریدی اور معاملہ مکمل ہوگیا، پھر وہ زمین حکومت نے میٹرو پروجیکٹ کے لئے زید سے دوگنی قیمت پر خرید لی، واضح رہے کہ آج کل حکومت میٹرو پروجیکٹ کی تکمیل کے لئے عوام کی زمین عام قیمت سے تقریباً دوگنی قیمت پر خرید رہی ہے، جب خالد کے ورثہ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اس زمین پر اپنے حق کا کورٹ میں دعویٰ دائر کیا، جس کے نتیجے میں زید کو موصول ہونے والی رقم اس کو نہ مل سکی اور حکومت نے زمین کی قیمت (مثلاً دو کروڑ) مشتری کے نام بینک میں جمع کردی اور زمین اپنے استعمال میں لے لی، جب تک یہ معاملہ کورٹ میں زیر التواء ہے، رقم بینک میں جمع رہے گی اور بینک کے ضابطے کے حساب سے اس رقم پر انٹرسٹ بھی بنتا رہے گا، پھر جب کورٹ کسی کے حق میں فیصلہ سنائے گا تو وہ رقم اس کو مع انٹرسٹ ملے گی، اَب سوال یہ ہے کہ:

(۱) حکومت نے جتنی رقم بینک میں جمع کی تھی، صرف وہ زمین کی قیمت ہوگی یا انٹرسٹ کے ساتھ کل رقم زمین کی قیمت ہوگی، مثلاً دو کروڑ اصل قیمت ہے اور اس پر پچیس لاکھ انٹرسٹ

ہے، تو کیا دو کروڑ ہی زمین کی قیمت مانی جائے گی یا سوا دو کروڑ قیمت ہوگی؟

(۲) اس درمیان اگر فریقین کی آپس میں مصالحت ہو جائے اور خالد زید سے کچھ رقم لے کر کیس واپس لینے کے لئے تیار ہو جائے، تو کیا زید زمین کی اصلی قیمت پر حاصل ہونے والا سود اسے دے سکتا ہے؟

مثال کے طور پر حکومت نے زمین دو کروڑ میں خریدی اور معاملہ زیر التواء ہونے کی وجہ سے مشتری کے نام دو کروڑ بینک میں جمع کر دئے، جس پر تقریباً ۲۵/لاکھ سود بنا اور مصالحت ۵۰/لاکھ پر ہوئی، جو زید خالد کو اَدا کرے گا، تو کیا زید ۲۵/لاکھ سود کی رقم مصالحت کی رقم میں شامل کر کے دے سکتا ہے؟ بینوا وتوجروا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- برتقدیر صحت سوال جب مذکورہ زمین کئی سال قبل زید نے خالد سے خرید لی تھی اور معاملہ مکمل ہو چکا تھا، تو اس کے بعد زید نے جو میٹرو پروجیکٹ سے زمین فروخت کرنے کا معاملہ کیا، اس پر خالد یا اس کے ورثہ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، ان کی طرف سے مذکورہ زمین پر استحقاق کا دعویٰ سراسر ظلم ہے، انہیں بہر حال اس سے دست بردار ہو کر زید کو اس کا حق دلانے میں مددگار بننا چاہئے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث طويل: ...... ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ۲۵۵، مرقاة المفاتيح ۱۱۸/۶ المكتبة الأشرفية ديوبند، سنن الدار قطني / كتاب البيوع ۲۷/۳ رقم: ۲۸۸۵ مكتبة دار الإيمان سهارنفور، شعب الإيمان للبيهقي ۳۸۷/٤ رقم: ٥٤۹۲ دار الكتب العلمية بيروت)

اِس مختصر تمہید کے بعد سوال نامے کا جواب درجِ ذیل ہے:

(۱) زید اور میٹرو کمپنی کے درمیان زمین کی جو قیمت طے ہوئی تھی، جسے تنازعہ کے سبب

بینک میں جمع کیا گیا ہے وہی اصل قیمت سمجھی جائے گی، اس میں بعد میں انٹرسٹ کی جو رقم شامل ہوگی وہ اصل قیمت میں شمار نہ ہوگی۔

هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي. (تنوير الأبصار مع الدر المختار)

لأن الربا هو الفضل الخالي عن العوض. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب الربا ۳۹۹/۷ -۴۰۰ زكريا، ۱۶۹/۵ كراچی، كذا في البحر الرائق، كتاب البيوع / باب الربا ۱۲۴/۶ كراچی)

(۲) اگر فریقین میں مصالحت ہوتی ہے تو زید کو اپنی ذاتی رقم سے اَدائیگی کرنی ہوگی، سودی رقم سے اَدائیگی درست نہ ہوگی؛ بلکہ اس سودی رقم کو بلانیت ثواب غرباء پر خرچ کرنا ضروری ہوگا۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۵۵۳/۹ زكريا، ۳۸۵/۶ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ۳۴۹/۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جی ایس ٹی کے جعلی بل پر رشوت بھرنے کی وجہ سے شیئرز میں پیسہ لگانا

سوال (۱۱۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مشتری نے جس ایس ٹی کے ساتھ مال خریدا؛ لیکن بائع نے بل جمع نہیں کیا (یا تو وہ مارکیٹ سے بھاگ گیا یا غریب ہوگیا یا رشوت سے کام چلایا) اب کچھ روز بعد سرکاری افسران مشتری سے ٹیکس کا مطالبہ کرتے ہیں، مشتری جواب دیتا ہے کہ میں نے تو تمام رقم ٹیکس والی بائع کو دے دی، افسران کہتے ہیں کہ بل جمع نہیں ہوا اور ہم بائع کو نہیں جانتے، ہمیں ٹیکس چاہئے، اسی طریقہ سے بعض مرتبہ بائع مشتری کو عندالعقد جی ایس ٹی والا بل دیتا ہے؛ لیکن وہ بھی نقلی ہوتا ہے اور جب سیل ٹیکس والے اس بل کو دیکھتے ہیں تو اس کو نقلی بتا کر غیر معمولی رشوت کا مطالبہ

کرتے ہیں، اس طرح کی الجھنوں سے بچنے کے لئے کیا شیئر بازار میں پیسہ لگایا جاسکتا ہے، اگر شیئر بازار میں پیسہ لگانا جائز ہے تو اس کی کیا کیا شرائط ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جی ایس ٹی کے متعلق سرکاری قانون کو ملحوظ رکھتے ہوئے، حساب کے کاغذات کو حتی الامکان درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ سرکاری گرفت سے سے محفوظ رہا جائے، اور شیئرز کے کاروبار میں بعض شرائط کے ساتھ حصہ لینے کی اگرچہ اجازت دی گئی ہے؛ لیکن موجودہ دور میں اس کی اکثر شکلیں مشتبہ اور مجہول ہیں، نیز اس کاروبار میں نقصان کا خطرہ بھی بہت زیادہ رہتا ہے، اس لئے اس کے بجائے حلال کاروبار کے ذریعہ مال کمانا بہتر ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر. (صحيح مسلم / باب بطلان بيع الحصاة الخ رقم: ١١٥٣)

عن حكيم بن حزام رضي اللّٰه عنه قال: نهاني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن أبيع ما ليس عندي. (سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عندك رقم: ١٢٣٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۶/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰/لاکھ میں پتھر کا سودا کرکے کسی شریک کا نفع لے کر کم میں خریدوانا

سوال (۱۱۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی پتھر کے ۳/شریک ہیں، ان تینوں کے مشورے سے پتھر کی قیمت مثلاً ۱۰/لاکھ طے ہوئی، اَب اِن تینوں پارٹنر میں سے کوئی بھی پاٹنر اگر کسی سے اس طرح بات کرے کہ ہم نے پتھر کی قیمت تو ۱۰/لاکھ رکھی ہے؛ لیکن میں آپ کو ۹/لاکھ میں دلوا دوں گا؛ البتہ آپ کو مجھے کسی کو بتلائے بغیر ۵۰/ہزار دینے ہوں گے، یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شرکت کے معاملے میں ہر شریک دوسرے کے معاملے میں وکیل اور امین ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر مسئولہ صورت میں کوئی ایک شریک دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر ایسا معاملہ کرے جس میں خود اس کا زیادہ فائدہ اور دیگر شرکاء کا نقصان ہو تو وہ معاملہ جائز نہ ہوگا، بریں بنا ۵۰/ ہزار کی زائد رقم اصل قیمت کا حصہ سمجھی جائے گی اور اس میں سب شرکاء حسبِ حصہ شریک ہوں گے۔

أن الشریک أمین في المال. (الدر المختار مع رد المحتار / کتاب الشرکة ٦/٤٩٠ زکریا)

لأن کل واحد من الشریکین وکیل من جهة صاحبه بالتصرف. (المبسوط للسرخسي ١٩/١٠٥ دار الکتب العلمیة بیروت)

ولا یجوز لأحدهما أن یتصرف في نصیب الآخر إلا بأمره. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الشرکة / الباب الأول ٢/٣٠١ زکریا)

فما کان من ربح فهو بینهما علی قدر رؤوس أموالهما، وما کان من وضیعة أو تبعة فکذلک. (رد المحتار / کتاب الشرکة ٦/٤٧٥ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دس فی صد نفع کے ساتھ کاروبار کے لئے رقم اُدھار دینا

سوال (۱۱۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب ہماری دوکان سے مال لے کر بیچا کرتے تھے، اب وہ یہ کرتے ہیں کہ مال کی جگہ ہم سے نقد رقم لے لیتے ہیں، اور اُن پیسوں سے اپنی پسند کا مال دہلی سے لے آتے ہیں، پھر اُس مال کو بیچ کر اپنی سہولت پر تھوڑے تھوڑے پیسے ہمیں دیتے ہیں، ہماری دی ہوئی رقم پر وہ ہمیں ۱۰/ فیصد کا نفع بھی دیتے ہیں، اور مال لانے میں جو بھی خرچہ آتا ہے وہ ہماری طرف سے ہے، اُسے ہم اَدا کرتے ہیں۔ حضرت والا سے معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں آپ کی طرف سے دی ہوئی رقم پر مطلقاً ۱۰؍فی صد زائد دینے کا معاملہ شرعاً درست نہیں ہے۔ جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ آپ باقاعدہ عقد مضاربت کریں۔ اور اُس کی صورت یہ ہوگی کہ آپ کاروبار کے لئے ایک متعینہ رقم مذکورہ صاحب کے حوالے کردیں، پھر وہ سامان خرید کرلائیں، اور سامان فروخت کرنے کے بعد جو رقم زائد بچے وہ آپس میں رضامندی سے پہلے سے طے شدہ فیصدی نفع کے اعتبار سے تقسیم کرلی جائے، اور بالفرض اگر کاروبار میں نقصان ہو اور نفع سے اُس کی تلافی نہ ہوسکے تو وہ نقصان آپ کو برداشت کرنا ہوگا، اِسی طرح اگر کوئی نفع نہ ہو تو آپ مزید کسی رقم کے حق دار نہ ہوں گے۔

أخرج الحارث بن أبي سلمة في مسنده عن علي أمير المؤمنين: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (فيض القدير / حرف الكاف ٥/٣٤ رقم: ٦٣٣٦ دار الفكر بيروت، رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جر نفعًا حرام، قبيل: باب الربا ٧/٣٩٥ زكريا، ٥/١٦٦ كراچی)

المضاربة عقد يقع على الشركة بمال من أحد الجانبين، ومراده: الشركة في الربح …… ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح؛ لأن شرط ذلک يقطع الشركة بينهما. (الهداية / كتاب المضاربة ٣/٢٦٣ المكتبة النعيمية ديوبند)

وإن سافر فطعامه وشرابه وكسوته وركوبه ومعناه شراءً وكراء في المال …… قال: وإذا ربح أخذ رب المال ما أنفق من رأس المال، فإن باع المتاع مرابحة حسب ما أنفق على المتاع من الحملان ونحوه ولا يحتسب ما أنفق على نفسه. (الهداية، كتاب المضاربة / باب المضارب يضارب ٣/٢٧٢-٢٧٣ مكتبة بلال ديوبند) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹؍۴؍۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

باپ اور بیٹوں کے مشترکہ کاروبار کی چند اَہم صورتیں

''باپ اور بیٹوں کے مشترکہ کاروبار کی چند اَہم صورتوں'' سے متعلق حضرت الاستاذ کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے بارہویں فقہی اجتماع مؤرخہ: ۲۶-۲۷-۲۸/ رجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۴-۵-۶/ مئی ۲۰۱۶ء (منعقدہ دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (از: مرتب)

اِسلام دینِ کامل ہے، اُس کا امتیاز جامعیت اور ابدیت ہے، جس میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق واضح اور مستحکم ہدایات موجود ہیں، وہ عبادات اور شخصی زندگی سے لے کر اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں رہنمائی کرتا ہے، اُس نے زندگی کے تمام مراحل میں ایسے اُصول عطا کئے ہیں، جو اعتدال وتوازن پر مبنی اور اِفراط وتفریط سے خالی ہیں، اُن جامع اُصول اور ہدایات کو اپنانے ہی میں دنیا وآخرت کے مسائل کا حل ہے، زندگی کے جس گوشے سے متعلق بھی شریعتِ اسلامی کی رہنمائی کو نظر انداز کیا جائے گا، اُس میں اُلجھاؤ اور پریشانی کا پیش آنا یقینی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو شریعتِ اسلامیہ میں مشترکہ معاملات اور کاروبار کے حوالے سے بھی ایسی رہنمائی کی گئی ہے کہ اُس کو اپنانے میں نہ صرف آپسی تعلقات کی اُستواری اور باہمی اِجتماعیت کی بقا ہے؛ بلکہ وہی دنیا میں معاشی نظام کے استحکام اور عدل وانصاف کے قیام کا اصل ذریعہ ہے۔

موجودہ وقت میں مشترکہ کاروبار خصوصاً باپ اور بیٹوں کے مابین اور خود بھائیوں کے مابین ہونے والے کاروبار میں بہت سے مسائل اور پیچیدگیاں پیش آرہی ہیں، جن کا اصل حل تو کاروبار شروع کرنے سے پہلے ہی فریقین کا شرعی ضابطے کے مطابق معاملات طے کرلینے میں ہے؛ لیکن

شریعت کے احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے عموماً لوگ غیرشرعی طریقے پر معاملات کر لیتے ہیں، اور عموماً معاملہ سے پہلے کاروبار کرنے والوں کی شرعی ضابطے کے مطابق باہم کوئی نوعیت متعین نہیں ہوتی؛ بلکہ بعض لوگ نوعیت کی تعیین میں عار محسوس کرتے ہیں، جس کی وجہ سے مشترکہ کاروبار ایک ہی خاندان کے افراد کے مابین بڑے اختلاف اور نزاع کا سبب بن جاتا ہے، اور مستحقین کو اُن کا حق ملنا مشکل ہوتا ہے، ایسی صورتِ حال میں ضرورت ہے کہ مشترکہ کاروبار کی مروجہ شکلوں کے حوالے سے اجتماعی طور پر غور وخوض کیا جائے؛ تاکہ اُمت کے سامنے اِس حوالے سے شریعت کی ہدایات اور رہنمائی کو واضح کیا جاسکے۔ اِسی سلسلہ میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

اِس وقت مشترکہ کاروبار کا ایک اَہم حصہ باپ اور بیٹوں کے مابین ہونے والا کاروبار ہے، جس کی موجودہ وقت میں بہت سی صورتیں رائج ہیں، مثلاً:

سوال (۱۱۱۴/۱):- باپ اپنے سرمایہ سے کوئی کاروبار شروع کرتا ہے، پھر مثلاً: بڑا بیٹا اُس کے کام میں شریک ہوجاتا ہے، بیٹے کا اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگتا، اُس کا کھانا پینا، رہنا سہنا باپ ہی کے ساتھ ہوتا ہے، بڑے بیٹے اور گھر کے دیگر افراد کے سارے اخراجات اُسی کاروبار سے پورے کیے جاتے ہیں، بعد میں بڑا بیٹا پورا کاروبار سنبھالتا ہے، باپ کمزوری اور بیماری کی وجہ سے عملی طور پر کاروبار میں وقت نہیں دے پاتا، اِسی حالت میں باپ کا انتقال ہوجاتا ہے، اُس کے انتقال کے بعد بڑا بیٹا کہتا ہے کہ باپ کی زندگی میں چوں کہ میں نے ہی پورا کاروبار سنبھالا ہے، اِس لئے اِس کاروبار اور اُس سے حاصل شدہ آمدنی کا میں ہی تنہا مالک ہوں، دیگر بھائیوں کا اِس میں کوئی حصہ نہیں ہے، ایسی صورتِ حال میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کیا بڑا بیٹا ہی کاروبار کا مالک ہوگا، یا بڑے بیٹے کے کاروبار میں اپنا سرمایہ نہ لگانے اور باپ کے عیال میں رہنے کی وجہ سے اُس کو باپ کا معاون قرار دیا جائے گا؟ اور باپ کے انتقال کے بعد سارا کاروبار اور اُس سے حاصل شدہ آمدنی ورثہ کے مابین حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم کی جائے گی؟

واضح رہے کہ اِس سلسلہ میں علامہ شامیؒ کی یہ عبارت بہت اَہمیت کی حال ہے:

”الأبُ وابنـه يـكتسبـان في صنعةٍ واحدةٍ، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابنُ في عياله لكونه معينًا له“۔

لیکن اِس عبارت میں اِس بات کی تنقیح کی ضرورت ہے کہ بیٹے کا باپ کے عیال میں رہنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا عیال کا مفہوم ہر علاقے کے طرزِ معیشت کو سامنے رکھ کر متعین کیا جائے گا، یا اُس کا کوئی ایک ہی خاص مفہوم ہے، جس کی روشنی میں سارے علاقے والوں کے لئے ایک ہی حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) جو کاروبار باپ نے اپنے سرمایے سے شروع کیا ہو اور بیٹے کا ذاتی سرمایہ اس کاروبار میں شامل نہ ہو، تو ایسی صورت میں اگرچہ باپ کی زندگی میں کسی بیٹے نے پورا کاروبار سنبھال رکھا ہو، پھر بھی اُس کاروبار پر پوری ملکیت باپ کی قرار دی جائے گی، اور اِسی حال میں اگر باپ کا انتقال ہوجائے تو اُس کاروبار اور اُس سے حاصل شدہ منافع کو باپ کا ترکہ قرار دیا جائے گا، جس میں سب وارثین حسبِ حصصِ شرعیہ حق دار ہوں گے، کسی ایک لڑکے کو پورے کاروبار پر ملکیت کے دعویٰ کا حق نہ ہوگا، اور سوال میں ذکر کردہ عبارت میں ”إن کـان الابـن فـي عيالـه“ کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے کا گذر بسر باپ کی سرپرستی میں چلنے والے اُسی کاروبار پر ہو، اَب چاہے اُن کا کھانا پینا اور رہنا سہنا ایک ساتھ ہو یا الگ الگ ہو، دونوں صورتوں پر عیال ہونے کا اطلاق ہوگا۔

إذا عـمـل رجـل فـي صـنـعة هـو وابـنه الذي في عياله فجميع الكسب لـذلك الـرجـل، وولـده يـعـد معينًا له، فيه قيدان احترازيان كما تشعر عبارة الـمتـن. الأول: أن يـكون الابن في عيال الأب. الثاني: أن يعملا معًا في صنعةٍ واحـدةٍ إذ لـو كـان لكل منهما صنعة يعمل فيها وحده فربحه له. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۷٤۱/۲ رقم المادة: ۱۳۹۸)

أب وابـن يـكتسبـان في صنعةٍ واحدةٍ ولم يكن لهما مالٌ فالكسب كله لـلأب، إذا كان الابن في عيال الأب لكونه معينًا له. (الفتاویٰ الهندية ۳۲۹/۲ زكريا قديم، رد المحتار ۵۰۲/۶ زكريا، ۳۲۵/۴ كراچی)

عيـالُ الرجل الذين يسكنون معه وينفق عليهم كامرأته وأولاده وغلامه وأمه وأباه الشيخان الفانيان الفقيران. (لغة الفقهاء ص: ۳۲۵)

الـمتـعـارف عـليه الآن إطلاق لفظ الأسرة على الرجل ومن يعولهم من زوجـه وأصـولـه وفـروعـه، وهٰـذا الـمعنى يعبر عنه الفقهاء قديمًا بألفاظ منها: الآل، والأهل، والعيال. (الموسوعة الفقهية ۲۲۳/۴ الكويت)

سوال (۱۱۱۵/۲):- بسا اَوقات باپ اور بیٹوں کے درمیان کاروبار کی یہ نوعیت ہوتی ہے کہ بیٹا محنت کرنے کے ساتھ ساتھ بلاکسی معاہدہ کے کاروبار میں اپنا کچھ سرمایہ بھی لگاتا ہے، اور باہم نفع کا کوئی فیصد متعین نہیں ہوتا، باپ اپنی زندگی میں بیٹے کو جو بھی دے دیتا ہے، بیٹا اُس کو لے لیتا ہے؛ لیکن باپ کے انتقال کے بعد سرمایہ لگانے والا بیٹا کاروبار میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے، دیگر ورثہ اُس کی مخالفت کرتے ہیں، ایسی صورت میں کیا بیٹے کو سرمایہ لگانے کی وجہ سے کاروبار کی ملکیت میں شریک سمجھا جائے گا، یا یہ اُس کی طرف سے تبرع ہوگا؟ اگر بیٹے کو شریک قرار دیا جائے گا تو اُس کا تناسب کیا ہوگا؟ فقہی کتابوں میں مذکور ''شرکت'' کی تفصیلات کی روشنی میں اِس کا حکم واضح فرمائیں۔ واضح رہے کہ اِس صورت میں بیٹا باپ ہی کے عیال میں رہتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۲) شریعت نے معاملات کی صفائی کا حکم دیا ہے، اِس لئے ہونا تو یہی چاہئے کہ جب باپ کے کاروبار میں بیٹے نے اپنا ذاتی سرمایہ بھی لگایا ہے تو نفع میں شرکت کا تناسب بھی اُسی وقت طے کرلیا جائے؛ تاکہ بعد میں کسی کو کوئی اعتراض نہ

ہو؛ تاہم اگر کچھ طے نہیں کیا گیا؛ بلکہ مطلقاً سرمایہ لگایا ہے، پھر بھی بیٹے کی شرکت سرمایہ کے تناسب سے اُس کاروبار میں ثابت ہوجائے گی اور یہ شرکتِ عنان کی ایک شکل ہوگی۔ اَب والد کے انتقال کے بعد سرمایہ لگانے والا بیٹا اپنے حصۂ تناسب کا خود مالک ہوگا اور مابقیہ حصہ ترکہ قرار دے کر سب وارثین کا حق ہوگا، جس میں یہ سرمایہ لگانے والا بیٹا بھی شامل ہے۔

تقسيم الربح بين الشركاء شرط، فإذا بقي مبهمًا ومجهولا تكون الشركة فاسدة ...... وإذا فسدت الشركة يكون الربح بقدر المال، ولا عبرة بشرط الفضل كما في التنوير. (شرح المجلة لخالد الأتاسي ٢٣٨/٤ رقم المادة: ١٣٣٦ دار الكتب العلمية بيروت)

وأما الأول: وهو الشركة بالأموال، فهو أن يشترك اثنانِ في رأس المال فيقولان: اشتركنا فيه على أن نشتري ونبيع معًا أو شتى أو أطلقا على أن ما رزق الله عزوجل من ربح فهو بيننا على شرط كذا. (بدائع الصنائع ٧٣/٥ زكريا)

إذا شرطا الربح على قدر المالين متساويًا أو متفاضلاً فلا شك أنه يجوز، ويكون الربح بينهما على الشرط، سواء شرطا العمل عليهما أو على أحدهما، والوضيعة على قدر المالين متساويًا ومتفاضلاً؛ لأن الوضيعة اسم لجزء هالك من المال، فيتقدر بقدر المال. (بدائع الصنائع ٨٣/٥ زكريا)

ولو اشتركا ولأحدهما ألف درهم وللآخر مائة دينار قيمتها ألف وخمس مائةٍ على أن الربح والوضيعة بقدر رأس المال صح. (الفتاوى التاتارخانية ٤٩٢/٧ رقم: ١٠٩٧١ زكريا)

سوال (۱۱۱۶/۳):- کبھی کاروبار کی یہ نوعیت سامنے آتی ہے کہ باپ کے عیال میں رہتے ہوئے باپ کی پونجی اور سرمایہ سے بیٹے کوئی کام شروع کرتے ہیں، باپ کاروبار کی ملکیت اور اُس کے منافع میں اپنے کو اور سب بیٹوں کو برابر کا شریک قرار دیتا ہے؛ لیکن باپ

عملی طور پر کاروبار میں شریک نہیں ہوتا، اور بیٹوں میں بعض زیادہ محنت کرتے ہیں، بعض کم اور بعض بالکل نہیں۔ ایسی صورت میں اِس کاروبار کا مالک کس کو قرار دیا جائے گا؟ باپ کو یا کاروبار کرنے والے بیٹوں کو یا سب کو؟ نیز باپ کے انتقال کے بعد اِس طرح کے کاروبار میں بیٹوں کی باہم کیا حیثیت ہوگی؟ کیا سارے بیٹے کاروبار کی ملکیت اور اُس کے منافع میں برابر کے شریک ہوں گے یا بعض بیٹوں کے زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے اُن کا زیادہ حصہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۳) اگر باپ کی دی ہوئی پونجی اور سرمایے سے بیٹوں نے کاروبار شروع کیا ہے، تو یہ باپ کی طرف سے ہبہ کے درجہ میں ہے، اور اُس کاروبار میں جس کے لئے جو حصہ متعین کیا جائے گا وہ اُس کا مستحق قرار پائے گا، اور جب بیٹے کاروبار کریں گے تو اُن کو اختیار ہے کہ نفع میں برابر کے حق دار ہوں، یا محنت کے اعتبار سے کمی بیشی کریں، اگر پہلے سے طے کرلیا جائے تو اُسی کے مطابق عمل ہوگا، اور اگر طے نہ کیا گیا اور بعد میں تقسیم کی نوبت آئی تو سب شرکاء کو نفع میں برابر برابر حق دیا جائے گا، عمل اور محنت میں فرق کی وجہ سے نفع میں فرق نہ ہوگا، اور مسئولہ صورت میں اگر باپ بھی اُس کاروبار میں قانوناً حصہ دار بنا ہے، تو اگرچہ وہ عمل میں شریک نہ ہو، پھر بھی وہ اپنے حصے کے بقدر نفع میں شریک اور اُس کا مالک ہوگا۔ اور انتقال کے بعد اپنے حصہ کے بقدر مال اُس کے ترکہ میں شامل ہوگا، اور وارثین میں حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم ہوگا۔

دفع لابنه مالا ليتصرف فيه، ففعل و كثر ذلك، فمات الأب إن أعطاه هبة فالكل له و إلا فميراث. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الهبة / باب الرجوع في الهبة ۵۲۰/۸ زكريا، ۷۰۹/۵ كراچی)

سوال (۴/ ۱۱۱۷):- باپ اور بیٹوں کے درمیان کاروبار کی یہ شکل بھی سامنے آتی ہے کہ باپ اپنے بیٹوں کو اُن کے سرمایہ لگائے بغیر مثلاً: اپنی کمپنی میں پرسنٹ کے حساب سے

شریک بنالیتا ہے، اور عموماً اِس طرح کے معاملے کے وقت ملکیت اور منافع میں شرکت کی کوئی صراحت نہیں ہوتی، ایسی صورت میں کیا شریعت کی رو سے بیٹوں کو باپ کے ساتھ اصل کمپنی کی ملکیت میں شریک قرار دیا جائے گا، یا صرف منافع میں شریک مانا جائے گا؟ پھر ملکیت میں شریک قرار دیا جائے یا محض منافع میں شریک سمجھا جائے؟ دونوں صورتوں میں فقہ کی رو سے اِس کی کیا توجیہ کی جائے گی؟ کیا یہ سمجھا جائے گا کہ باپ نے گویا بیٹوں کے درمیان کمپنی کی ملکیت پرسنٹ کے حساب سے تقسیم کرکے ہر ایک کو اُس کے حصہ کا مالک بنادیا، اور اگر معاملے کے وقت ملکیت یا منافع میں شرکت کی صراحت ہو جائے، تو اُس وقت کیا حکم ہوگا؟ اِس جزء کے جواب میں اِس بات کی ضرور وضاحت فرمائیں کہ غیر منقسم اشیاء کے ہبہ میں قبضہ کا تحقق ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو اُس میں قبضہ کے تحقق کی صورت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :- (۴) اگر باپ اپنی ملکیت والی کمپنی میں بیٹوں کو فیصد کے اعتبار سے شریک بنالے، تو جتنے فیصد میں جس بیٹے کو شریک بنایا ہے، وہ اُسی تناسب سے کمپنی کی ملکیت اور منافع کا حق دار ہو جائے گا، یہ بھی دراصل زندگی میں ہبہ کرکے قابض ومالک بنانے کی ایک شکل ہے۔ اَب یہاں اگر ہر بیٹے کا حصہ متعین ہے تو قبضہ کے تحقق میں کوئی اشکال نہیں؛ کیوں کہ عرف میں اس تقسیم ہی کو قبضہ مانا جاتا ہے؛ لیکن اگر تقسیم اِس طرح کی ہو کہ مثلاً کاروبار کے ۲۵؍ فیصد حصہ میں پانچ بیٹے شریک ہیں، تو یہ ہبۂ مشاع ہوگا، جو اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ممنوع ہے؛ لیکن صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اِس کی گنجائش ہے، اور مذکورہ معاملات میں ضرورۃً اِس قول پر فتویٰ دینا مناسب ہے۔

وأما شركة العنان منها فلا يشترط لها أهلية الكفالة ولا المساوات بينهما في ملك المشترى حتى لو اشتركا بوجوههما على أن يكون ما اشتريا أو أحدهما بينهما نصفين أو أثلاثًا أو أرباعًا، وكيف ما شرطا على التساوي والتفاضل كان جائزًا. (بدائع الصنائع ۸۷/۵ زکریا)

المستفاد: لو عينه فقال: حانوتي الذي أملكه أو داري لابني الصغير فهو هبة، ويتم بكونها في يد الأب، ولو قال: هٰذا الشيء لولدي الصغير فلان جاز، ويتم من غير قبول. فقولهم: القبول شرط لثبوت الملك في الموهوب يستثنى منه الهبة للصغير من أبيه. (تكملة رد المحتار ۵۷٤/۱۲ زكريا، ٤۳۰/۸ كراچی)

إذا وجب الإقباض واتحدت يد القابض والمقبض وقع القبض بالنية.

قال القرافي: ومن الإقباض أن يكون للمديون حق في يد رب الدين، فيأمره بقبضه من يده لنفسه، فهو إقباض بمجرد الإذن، ويصير قبضه له بالنية كقبض الأب من نفسه لنفسه مال ولده إذا اشتراه منه. (الموسوعة الفقهية ۲٦۳/۳۲ الكويت)

وأما القرض فلأنه تمليك بعوض والشيوع لا يمنع صحته كالبيع بخلاف الهبة، فإن الهبة تبرع محض، والتبرع ينفي وجوب الضمان على المتبرع، وبسبب الشيوع فيما يحتمل القسمة يجب ضمان المقاسمة على المتبرع، فأما القبض بجهة القرض لا ينفي وجوب الضمان. (المبسوط للسرخسي ۱۳٦/۲۲)

قبض كل شيء بما يناسبه، فقبض مفتاح الدار قبض لها، وقبض ما يحتمل القسمة يكون بها، وقبض ما لا يحتملها يكون بقبض كله. قال في التاتارخانية: قد ذكرنا أن الهبة لا تتم إلا بالقبض. والقبض نوعان: حقيقي، وأنه ظاهر، وحكمي، وذلك بالتخلية، وقد أشار في هٰذه المسألة أي مسألة التمكن من القبض قبض إلى القبض الحكمي: وهو القبض بطريق التخلية. (تكملة رد المحتار ۵۷۹/۱۲ زكريا، ٤۳٤/۸ كراچی، الفتاویٰ التاتارخانية ٤۲۱/۱٤ رقم: ۲۱۵٦٤ زكريا)

القبض الحكمي عند الفقهاء يقام مقام القبض الحقيقي، وإن لم يكن متحققًا حسا في الواقع، وذلك لضرورات ومسوغات تقتضي اعتباره تقديرًا وحكمًا، وترتيب أحكام القبض الحقيقي عليه، وذلك في حالات ثلاثٍ.

الحالة الأولى: عند إقباض المنقولات بالتخلية مع التمكين في مذهب الحنفية ولو لم يقبضها الطرف الآخر حقيقة، حيث أنهم يعدون تناولها باليد قبضا حقيقيا، والقبض بالتخلية قبضا حكميا بمعنى أن الأحكام المترتبة عليه كأحكام القبض الحقيقي. (الموسوعة الفقهية ٢٦٢/٣٢-٢٦٣ الكويت)

قال محمد رحمه الله تعالىٰ: إذا اشتركا بغير مال على أن ما اشتريا اليوم فهو بينهما وخصا صنفًا أو عملا أو لم يخصا فهو جائز، وكذلك إذا قالا: هٰذا الشهر، وكذلك إذا لم يذكرا للشركة وقتًا بأن اشتركا على أن ما اشتريا فهو بينهما. (الفتاوىٰ الهندية ٣٠٢/٢ قديم، ٣١٢/٢ جديد)

سوال (۱۱۱۸/۵):- کبھی مشترکہ کاروبار کی یہ شکل ہوتی ہے کہ بیٹے اپنے سرمایہ سے ایک کمپنی قائم کرتے ہیں، اُس میں والد کا کوئی سرمایہ نہیں لگا ہوتا؛ لیکن بیٹے احترام میں کمپنی والد ہی کے نام سے قائم کرتے ہیں، کاغذات میں کمپنی کا مالک والد ہی کو قرار دیا جاتا ہے، اِس طرح کی قائم کردہ کمپنی میں شرعاً باپ کی کیا حیثیت ہوگی؟ باپ کے انتقال کے بعد اِس طرح کے معاملے میں بھائیوں اور بہنوں میں اختلافات کثرت سے پیش آتے ہیں، بہنوں کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ والد محترم یا تو کاروبار کے اصل مالک تھے یا کاروبار میں شریک تھے؛ لہٰذا کاروبار میں اُن کے حصے میں سے ہم کو حق ملے گا۔ بھائیوں کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ کاروبار کے اصل مالک ہم ہی تھے، ہم نے احتراماً کمپنی میں والد صاحب کے نام ڈلوا دیا تھا، اِس طرح کے نزاع کو شریعت کی روشنی میں کیسے حل کیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۵) اگر بیٹوں نے اپنے سرمایہ سے کاروبار قائم کر کے کاغذات میں بطور مالک والد کا نام ڈال دیا ہے، تو اِس صورت میں ملکیت اور نفع کے استحقاق کا فیصلہ کرنے میں یہ دیکھا جائے گا کہ اُس کاروبار کی آمدنی کے تصرف کا اختیار کس کے

پاس ہے، اگر تصرف کا کلی اختیار والد کے پاس ہے تو یہ کل کاروبار والد کی ملکیت قرار پائے گا، اور بیٹوں نے جو سرمایہ لگایا ہے وہ والد پر تبرع اور احسان کہلائے گا، اور کاروبار کرنے والے بیٹے باپ کے معاون قرار پائیں گے، اور باپ کے انتقال کے بعد یہ پورا کاروبار ترکہ میں شامل ہوکر تمام وارثین (بیٹے بیٹیوں وغیرہ) کا حق ہوگا۔

اور اگر صورت یہ ہے کہ کمپنی اگرچہ قانوناً والد کے نام چل رہی ہے؛ لیکن تصرف کے تمام اختیارات کاروبار چلانے والے بیٹوں کے ہاتھ میں ہو، اور والد اپنی مرضی سے کمپنی میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا، تو ایسی صورت میں اُس کاروبار پر والد کی شرعی ملکیت نہیں مانی جائے گی اور والد کے انتقال کے بعد اُس کمپنی پر مذکورہ کاروبار چلانے والے بیٹوں کے علاوہ کسی اور وارث کا حق نہ ہوگا۔

المستفاد: لو دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك. (الفتاوى التاتارخانية ٤٦٦/١٤ رقم: ٢١٧٣٨ زكريا، رد المحتار ٥٠٢/٨ زكريا، ٦٩٧/٥ كراچی)

أما بيع التلجئة فالاتفاق على عدم إرادة البيع مضمر بينهما، وليس هناك بيع أصلا – إلىٰ قوله – أن المتعاقدين في بيع التلجئة يتفقان على أن يظهرا العقد، إما خوفًا من ظالم ونحوه، وإما لغير ذلك، ويتفقان أيضًا على أنهما إذا أظهراه لا يكون بيعًا. (الموسوعة الفقهية ٦٣/٩ الكويت)

بيع تكون التلجئة في إنشائه: وذلك بأن يتواضعا في السر لأمر ألجأهما إليه على أن يظهرا البيع ولا بيع بينهما حقيقة، وإنما هو رياء وسمعة نحو أن يخاف رجل السلطان فيقول لآخر: إني أظهر أني بعت منك داري وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة فتبايعا. (الموسوعة الفقهية ٦٤/٩ الكويت)

التلجئة إذا كانت في الإقرار بالبيع بأن اتفقا على أن يقرا ببيع لم يكن، فأقرا بذلك، ثم اتفقا على أنه لم يكن، فالبيع باطل. (الموسوعة الفقهية ٦٦/٩ الكويت)

سوال (۱۱۱۹/۶):- یہ شکل بھی بہت معروف ہے کہ بیٹوں کا اگرچہ باپ کے ساتھ رہنا نہیں ہوتا ہے؛ لیکن باپ اپنے ہی سرمایہ سے سب کا الگ الگ کاروبار کروادیتا ہے، اور سب کی کمائی باپ کے پاس آتی ہے، کاروبار میں باپ اور بیٹوں کی کوئی حیثیت متعین نہیں ہوتی، باپ بیٹوں کی ضروریات کے تناسب سے اُن کو رقم دیتا رہتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آمدنی باپ کے پاس نہیں آتی، بیٹے باپ کی رہنمائی میں کاروبار کرتے ہیں، اِس طرح کے کاروبار میں باپ اور بیٹوں کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۶) اگر باپ کے سرمایہ سے کاروبار شروع کرنے والے بیٹے اپنی کل آمدنیاں باپ کے پاس لاکر جمع کرتے رہتے ہیں، اور پھر باپ حسبِ ضرورت اُس آمدنی میں سے بیٹوں کو عطا کرتا ہے، تو اِس صورت میں یہ سارے کاروبار والد کی ملکیت قرار پائیں گے، اور یہ سمجھا جائے گا کہ باپ اصل مالک ہے، اور بیٹے اُس کے معاون ہیں، اور اگر ہر کاروبار کرنے والا بیٹا اپنی آمدنی اپنے اختیار سے خود خرچ کرتا ہے، اور باپ اُس سے کوئی باز پرس نہیں کرتا، تو ایسی صورت میں جو بیٹا جو کاروبار کررہا ہے، وہی اُس کا مالک ہے، اور شروع میں باپ نے جو سرمایہ لگاکر کاروبار کرایا تھا، وہ باپ کی طرف سے ہبہ سمجھا جائے گا، باپ کے انتقال کے بعد اُس کاروبار کی ملکیت اور نفع میں دیگر بیٹے حق دار نہ ہوں گے۔

لو دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك. (الفتاوى التاتارخانية ٤٦٦/١٤ رقم: ٢١٧٣٨ زكريا، رد المحتار ٥٠٢/٨ زكريا، ٦٩٧/٥ كراچی)

دفع لابنه مالاً ليتصرف فيه ففعل وكثر ذلك فمات الأب، إن أعطاه هبة فالكل له وإلا فميراث. وتحته في الشامية: بأن دفع إليه ليعمل للأب.

(الدرالمختار مع رد المحتار ٥٢٠/٨ زكريا، ٧٠٩/٥ كراچی)

رجل دفع إلى ابنه في صحته مالا يتصرف فيه، ففعل وكثر ذلك، فمات الأب إن أعطاه هبة فالكل له، وإن دفع إليه لأن يعمل فيه للأب فهو ميراث. (الفتاویٰ الهندیة ٤/٣٩٢ زكريا قديم، ٤/٤١٧ جديد)

سوال (۱۱۲۰/۷):- والد کے انتقال کے بعد کبھی ایسا ہوتا ہے کہ والد کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا، مرحوم باپ کے بیٹوں کا رہن سہن ایک ساتھ رہتا ہے، والد کے پرانے کاروبار کو بعض بیٹے سنبھال لیتے ہیں اور اُس سے حاصل شدہ آمدنی سے پورے گھر کا خرچ چلتا ہے، ایسی صورت میں انتقال کے بعد کاروبار میں جو اِضافہ ہوتا ہے، کیا وہ سب ورثہ کے مابین اُن کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا یا اِضافہ شدہ کاروبار کے صرف وہی بیٹے مالک ہوں گے، جنہوں نے والد کے انتقال کے بعد کاروبار سنبھالا ہے، اگر اِضافہ شدہ کاروبار اور اُس سے حاصل شدہ جائیداد وغیرہ کا صرف کاروبار کرنے والے بیٹوں کو مالک قرار دیا جائے، تو اِس پر بہنوں کو اعتراض ہوتا ہے، اور اگر سب کو برابر کا مالک قرار دیا جائے تو کاروبار کرنے والے بیٹوں کی محنت ضائع ہوتی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۷) اگر سب وارثین کی رضامندی سے باپ کے پرانے کاروبار کو آگے بڑھایا گیا ہے، تو اُس میں جو بھی نفع حاصل ہوگا وہ سب ترکہ میں شامل ہوکر تمام وارثین کو ملتا رہے گا، خواہ وہ وارثین محنت میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اور رہ گیا یہ اشکال کہ اس پر بیٹیوں کا کیا حق ہے، جب کہ وہ عمل میں شریک نہیں، تو اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت شرکتِ املاک کی ہے، اِس میں ہر شریک کا عمل میں بذاتِ خود حصہ لینا لازم نہیں، اور بھائی جو محنت کررہے ہیں، یہ اُن کی طرف سے بہنوں پر تبرع اور احسان سمجھا جائے گا۔

أما الشركة في الأصل نوعان: شركة الأملاك، وشركة العقود. وشركة الأملاك نوعان: نوع يثبت بفعل الشريكين، ونوع يثبت بغير

فعلهما، أما الذي يثبت بفعلهما فنحو أن يشتريا شيئًا أو يوهب لهما ...... أو يتصدق عليهما فيقبلا فيصير المشترى والموهوب والموصى به والمتصدق به مشتركًا بينهما شركة ملك. وأما الذي يثبت بغير فعلهما فالميراث بأن ورثا شيئًا فيكون الموروث مشتركًا بينهما شركة ملكٍ. (بدائع الصنائع ٧٣/٥ زكريا)

وفي الذخيرة: الشركة نوعان: شركة ملك، وشركة عقد، وشركة الملك نوعان: شركة جبر، وشركة اختيار. وشركة الجبر: أن يختلط المالان لرجلين بغير اختيار المالكين خلطا لا يمكن التمييز بينهما حقيقة بأن كان الجنس واحدا أو يمكن التمييز ولكن بكلفة وضرب مشقة نحو أن يختلط الحنطة بالشعير أو يرثا مالا. وشركة الاختيار: أن يوهب لهما مال أو يملكان مالا باستيلاء أو يخلطان مالهما، وفي الخانية: أو يملكان مالا بالشراء أو بالهبة أو بالصدقة. (الفتاوى التاتارخانية ٤٥٧/٧-٤٥٨ رقم: ١٠٨٧٥ زكريا)

فأما شركة الأملاك فحكمها في النوعين جميعًا واحد، وهو أن كل واحد من الشريكين كأنه أجنبي في نصيب صاحبه، لا يجوز له التصرف فيه بغير إذنه؛ لأن المطلق للتصرف الملك أو الولاية ولا ملك لكل واحد منهما في نصيب صاحبه ولاية بالوكالة أو القرابة، ولم يوجد شيء من ذلك. وسواء كانت الشركة في العين أو الدين لما قلنا. (بدائع الصنائع ٨٧/٥ زكريا، هكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز ٦٠١/١ رقم المادة: ١٠٧٥)

الأصل أن كل واحد من الشريكين أو الشركاء في شركة الملك أجنبي بالنسبة لنصيب الآخر؛ لأن هذه الشركة لا تتضمن وكالة ما، ثم لا ملك لشريك ما في نصيب شريكه، ولا ولاية له عليه من أي طريق آخر، والمسوغ للتصرف إنما هو الملك أو الولاية، وهٰذا ما لا يمكن تطرق الخلاف إليه. (الموسوعة الفقهية ٢٢/٢٦ الكويت)

ففي النوع الأول: لو باع أحدهما نصيبه من أجنبي بغير إذن الشريك لا يجوز، وفي النوع الثاني: إذا باع أحدهما نصيبه من أجنبي بغير إذن الشريك جاز، وإن باع أحدهما نصيبه من صاحبه يجوز في الوجهين، ولا يجوز لأحدهما التصرف في نصيب شريكه إلا بإذن الشريك. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٥٨/٧ رقم: ١٠٨٧٦ زكريا)

وكذا لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأي. (رد المحتار ٥٠٢/٦ زكريا، ٣٢٥/٤ كراچی)

يقع كثيرًا في الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة، ويعملون فيها من حرث وزراعة وبيع وشراء واستدانة ونحو ذلك، وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم ويعملون عنده بأمره، وكل ذلك على وجه الإطلاق والتفويض، لكن بلا تصريح بلفظ المفاوضة، ولا بيان جميع مقتضياتها مع كون الشركة أغلبها أو كلها عروض لا تصح فيها شركة العقد ولا شك أن هذه ليست شركة مفاوضة خلافا لما أفتى به في زماننا من لا خبرة له بل هي شركة ملك كما حررته في تنقيح الحامدية، ثم رأيت التصريح به بعينه في فتاوى الحانوتي: فإذا كان سعيهم واحدا ولم يتميز ما حصله كل واحد منهم بعمله يكون ما جمعوه مشتركا بينهم بالسوية، وإن اختلفوا في العمل والرأي كثرة وصوابًا كما أفتى به في الخيرية. (رد المحتار ٤٧٧/٦-٤٧٨ زكريا، ٣٠٧/٤ كراچی)

وما اشتراه أحدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركائه من ثمنه إذا دفعه من المال المشترك، وكل ما استدانه أحدهم يطالب به وحده. (رد المحتار ٤٧٨/٦ زكريا، ٣٠٧/٤ كراچی)

إذا بذر بعض الورثة الحبوب المشتركة بإذن الكبار أو وصي الصغار

في الأراضي المورو ثة تصير جملة الحاصلات مشتر كة بينهم. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۱/۶۰۹ رقم المادة: ۱۰۸۹)

سوال (۱۱۲۱/۸):- کبھی ترکہ کی تقسیم سے پہلے بعض بیٹے والد کی متروکہ رقم لے کر اپنا کوئی کاروبار شروع کردیتے ہیں، اِس رقم سے ہونے والے کاروبار کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟ کیا رقم کی حیثیت کی تعیین میں ورثہ کی رضامندی وعدمِ رضامندی کا کوئی فرق ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۸) اگر ترکہ کی تقسیم سے پہلے کوئی بیٹا متروکہ مال میں سے رقم لے کر اپنا الگ کاروبار کرنے لگے، جو باپ کے کاروبار سے علیحدہ ہو، تو اُس میں نفع نقصان کا وہی بیٹا ذمہ دار ہوگا، دوسرے بیٹے نہ تو نفع میں شریک ہوں گے، اور نہ خسارے کے ضامن ہوں گے۔

لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة وربح، فالربح للمتصرف وحده. (الفتاویٰ الهندية ۲/۳۴۶ قديم، ۲/۳۴۳ جديد)

وما اشتراه أحدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركاءه من ثمنه إذا دفعه من المال المشترك، وكل ما استدانه أحدهم يطالب به وحده. (رد المحتار ۶/۴۷۸ زكريا، ۴/۳۰۷ كراچی)

إذا أخذ أحد الورثة مبلغا من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين، وعمل فيه وخسر كانت الخسارة عليه، كما أنه إذا ربح لا يسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح، وكذا لو باشر العمل والسعي وصي القاصر فليس للأم وللورثة الكبار طلب حصتهم من الربح، حامدية: والأصل في هذا أن الغاصب والمستودع إذا تصرف في المغصوب والوديعة فالربح له لا للمالك. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۱/۶۱۰ رقم المادة: ۱۰۹۰)

أما لو بذرها بغير إذن بقية الورثة فالغلة للزارع فقط، ولو كان البذر مشتركا كما صرح به في الحامدية ورد المحتار، ومفاده أنه يضمن لبقية الورثة مثل نصيبهم في الحبوب، وحصتهم من نقصان الأرض كما يستفاد من الفقرة الآتية، ولكن لو بذر أحدهم حبوب نفسه، فالحاصلات له خاصة لكنه يضمن لبقية الورثة حصتهم مما نقصت الأرض بزراعته. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٦٠٩/١ رقم المادة: ١٠٨٩)

سوال (۱۱۲۲/۹):- جس کاروبار میں ابتداءً معاملے کی نوعیت متعین نہیں ہوتی، اُس میں نوعیت کی تعیین کن بنیادوں پر کی جائے گی؟ کیا اِس سلسلہ میں قرائن اور عرف کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۹) جس کاروبار میں ابتداء معاملہ کی نوعیت متعین نہ ہو، تو اُس کی تعیین صلح کی بنیاد پر کی جائے گی۔ اور صلح میں بہتر یہ ہے کہ اُس عقد سے متعلق عرف جاری کو پیش نظر رکھا جائے اور معاملہ کے سبھی شرکاء وسعت ظرفی کے ساتھ مصالحت کرلیں، اور آئندہ کے لئے جو طے ہو اُس کو تحریر میں لے آئیں۔

وتقوم دلالة الفعل مقام دلالة اللفظ، فلو أن شخصا ما أخرج جميع ما يملک من نقد وقال لآخر: اخرج مثل هذا واشتر وما رزق الله من ربح فهو بيننا على التساوي أو لک فيه الثلثان ولي الثلث فلم يتكلم الآخر، ولكنه أخذ واعطى وفعل كما أشار صاحبه، فهذه شركة عنان صحيحة. (الموسوعة الفقهية ٢٦/ ٤٢ كويت)

وكذلک لو أشركه أحدهما في نصيبه ولم يبين في كم الشركة، ثم أشركه الآخر كان له النصف، ولهما النصف. (الفتاوى الولوالجية ٣١/٣)

أما شركة العنان فهي أن يشترک اثنان في نوع من التجارات بر أوطعام، أو يشتركان في عموم التجارات ولا يذكران الكفالة خاصة – إلىٰ

قوله – فتجوز هذه الشركة بين الرجال والنساء والبالغ والصبي المأذون والحر والعبد المأذون في التجارة والمسلم والكافر – إلىٰ قوله – وأما شرط جوازها فكون رأس المال عينا حاضرا أو غائبا عن مجلس العقد لكن مشارا إليه، والمساوات في رأس المال ليست بشرط، ويجوز التفاضل في الربح مع تساويهما في رأس المال. (الفتاویٰ الهندية ۳۱۹/۲ قديم، ۳۳۵/۲-۳۳۶ جديد)

سوال (۱۱۲۳/۱۰):- باپ اور بیٹوں کے مابین مشترکہ کاروبار کے حوالے سے ایک ایسا واضح لائحۂ عمل تجویز فرمائیں جو شریعت کے اُصول وضابطے کے مطابق ہو، نیز اِس زمانہ کے حالات میں اُس کا نفاذ آسان ہو؛ تاکہ اُن اُصول اور ہدایات کی روشنی میں لوگوں کے لئے اپنے معاملات طے کرنا آسان ہو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱۰) شریعت یہ چاہتی ہے کہ معاملات بالکل صاف ہونے چاہئیں، اور جس کے لئے جو حق متعین ہے، اُس کی پوری وضاحت ہونی چاہئے۔ بریں بنا مالی معاملات میں باپ بیٹوں کے درمیان بھی بہتر یہی ہے کہ ہر ایک کی ملکیت الگ الگ متعین ہو، اور اگر شرکت کا معاملہ ہو تو فیصدی کے اعتبار سے سبھی شرکاء کا حق واضح کردیا جائے؛ تاکہ بعد میں کوئی نزاع نہ رہے۔

الشركة في الأصل نوعان: شركة الأملاك، وشركة العقود، وشركة الأملاك نوعان: نوع يثبت بفعل الشريكين، ونوع يثبت بغير فعلهما، أما الذي يثبت بفعلهما فنحو أن يشتريا شيئا أو يوهب لهما أو يوصى لهما أو يتصدق عليهما فيقبلان فيصير المشترى والموهوب والموصى به والمتصدق به مشتركا بينهما شركة ملك. (بدائع الصنائع ۷۳/۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۷/۵/۲۹ھ

منظورشدہ تجویز: باپ بیٹوں کے مشترکہ کاروبار کی چند صورتیں

بارہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

۲۶-۲۷-۲۸/رجب المرجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۴-۵-۶/مئی ۲۰۱۶ء بروز بدھ جمعرات جمعہ

بمقام: دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر

شریعت کا تقاضہ یہ ہے کہ معاملات بالکل صاف ہوں اور جس کے لئے جو حق متعین ہے، اُس کی پوری وضاحت ہوجائے۔ مالی معاملات میں باپ بیٹوں کے درمیان بھی بہتر یہی ہے کہ ہر ایک کی ملکیت الگ الگ متعین ہو اور اگر شرکت کا معاملہ ہو تو شرعی اصول کا لحاظ کرتے ہوئے سبھی شرکاء کا حق ضرور واضح کردیا جائے؛ تاکہ بعد میں کوئی نزاع نہ رہے، خاص طور پر جب کسی کی اولاد بالغ ہوجائے اور کمانے لگے، تو ان کی حیثیت کا تعین ضرور ہوجائے، کہ کون اجیر وملازم ہوگا، کون شریک اور کون محض معاون، پھر کون اپنی مستقل کمائی کا کس تناسب سے مکمل مالک ہوگا۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند ائمہ، خطباء اور علماء کرام سے یہ اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں معاملات کی صفائی کے سلسلے میں عوام کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں، بالخصوص شرکت ومیراث وغیرہ کے جو شرعی اصول ہیں، اُن سے لوگوں کو آگاہ کریں، اسی طرح والدین، اولاد، بھائیوں وغیرہ کے درمیان شرکت کے مسائل سے لوگوں کو واقف کرائیں۔

باپ اور بیٹوں کے مشترکہ کاروبار کے بارے میں درج ذیل تجاویز اتفاق رائے سے منظور کی گئیں:

(۱) اگر باپ نے اپنے سرمایہ سے کوئی کاروبار شروع کیا، پھر مثلاً: کوئی بیٹا اُس کے کاروبار میں سرمایہ اور معاہدہ کے بغیر شامل ہوگیا ہو، جب کہ وہ باپ کی مکمل ماتحتی اور کفالت میں ہو تو ایسی صورت میں اُس بیٹے کی حیثیت شرعاً باپ کے حق میں معاون کی ہوگی، لہٰذا باپ کے انتقال کے بعد کاروبار اور اُس کا نفع باپ کے ترکہ میں شمار ہوگا۔

(۲) اگر اولاد کاروبار میں معاہدے کے بغیر باپ کی ماتحتی میں رہتے ہوئے اپنا کچھ سرمایہ بھی لگا دے اور اُس کا سرمایہ لگانا عرف میں تبرع سمجھا جاتا ہو، تو بیٹے کا سرمایہ لگانا شرعاً تعاون سمجھا جائے گا اور ملکیت باپ کی ہوگی۔ اور اگر کہیں اس طرح سرمایہ لگانے کو عرف میں شرکت پر محمول کیا جاتا ہو، تو شرعاً اسی کا اعتبار ہوگا اور وہ بقدر سرمایہ شریک قرار پائے گا۔

(۳) اگر باپ نے بیٹوں کو کاروبار شروع کرنے کے لئے سرمایہ دیا اور یہ طے کردیا کہ سارے بیٹے کاروبار کی ملکیت ونفع میں باپ سمیت برابر کے شریک ہونگے، تو اب سب شرکاء نفع اور ملکیت میں برابر کے حصہ دار ہوں گے، بیٹوں کے عمل اور محنت میں فرق کی وجہ سے نفع میں کوئی فرق نہیں ہوگا، باپ بھی نفع میں برابر کا شریک ہوگا خواہ وہ عمل میں بالکل شامل نہ ہو۔

(۴) اگر باپ نے بیٹوں کو سرمایہ لگائے بغیر فیصد کے حساب سے اپنے کاروبار میں شریک بنالیا اور بیٹوں کو اُن کے حصوں میں مالکانہ تصرف کا اختیار بھی دے دیا، تو شرعا اس کو ہبہ قرار دیا جائے گا، لہذا جتنے فیصد میں جس بیٹے کو شریک کیا، وہ اسی تناسب سے کاروبار کی ملکیت اور منافع کا حق دار ہوگا۔

(۵) اگر بیٹوں نے اپنے سرمایہ سے کاروبار شروع کیا اور احتراماً یا مصلحۃً والد کا نام ڈال دیا اور والد کو تصرف کا اختیار نہیں دیا، تو محض اس نام ڈالنے کی وجہ سے اس کاروبار پر شرعاً باپ کی ملکیت نہیں مانی جائے گی؛ بلکہ کاروبار میں سرمایہ لگانے والے بیٹے ہی اپنے سرمایہ کے بقدر کاروبار میں مالک ہونگے۔

(٦) اگر باپ کے سرمایہ سے کاروبار کرنے والے بیٹے اپنی کل آمدنی باپ کے پاس لاکر جمع کرتے رہتے ہیں اور پھر باپ حسبِ ضرورت اُس آمدنی میں سے بیٹوں کو عطا کرتا ہے، تو اِس صورت میں یہ سارا کاروبار والد کی ملکیت قرار پائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ باپ اصل مالک ہے، اور بیٹے اُس کے معاون ہیں۔

(۷) اگر باپ نے اپنے سرمایہ سے بیٹے کے لئے کوئی کاروبار شروع کرادیا اور کاروبار

کرنے والا بیٹا اس کی آمدنی اپنے اختیار سے خود خرچ کرتا ہے اور باپ اُس میں کوئی دخل نہیں دیتا، تو ایسی صورت میں جو بیٹا جو کاروبار کررہا ہے، وہی اُس کا مالک ہے، اور باپ کے انتقال کے بعد اُس کاروبار کی ملکیت اور نفع میں دیگر ورثہ حق دار نہ ہوں گے۔

(۸) تقسیم ترکہ سے پہلے اگر سب وارثین کی رضامندی سے باپ کے پرانے کاروبار کو آگے بڑھایا گیا ہے، تو اُس میں جو بھی نفع حاصل ہوگا وہ سب ترکہ میں شامل ہوکر تمام وارثین کو ملے گا، خواہ وہ وارثین محنت میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔

(۹) تقسیم ترکہ سے پہلے کسی وارث کو متروکہ مال میں کسی طرح کے تصرف کا شرعاً حق نہیں ہے اور دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا خیانت یا غصب ہے؛ البتہ اگر کوئی وارث تقسیم ترکہ سے قبل مورث کی متروکہ رقم لے کر اپنا کوئی کاروبار شروع کردے تو اِس رقم سے ہونے والے کاروبار کی تین شکلیں ہیں:

(۱) اگر اس نے دیگر بالغ ورثاء کی اجازت سے ان کے حصہ کے بقدر رقم بطور قرض حاصل کی، تو دیگر ورثاء اس کاروبار کے نفع ونقصان میں شریک نہ ہوں گے؛ بلکہ صرف اپنی اصل رقم کے حق دار ہوں گے اور سارا نفع کاروبار کرنے والے کا ہوگا۔ اور نابالغ ورثاء کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۲) اگر دیگر ورثاء نے کاروبار کرنے والوں کو عقد شرکت کے طور پر تصرف کرنے کی اجازت دی ہو، تو یہ سب لوگ اس تجارت کے نفع ونقصان میں شریک رہیں گے اور نفع کی تقسیم ملکیت کے تناسب سے ہوگی۔

(۳) اگر کسی وارث نے بلا اجازت ورثاء از خود اس مال سے تجارت شروع کردی تو یہ تصرف ناجائز ہوگا اور خسارے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا؛ البتہ حاصل شدہ نفع سب ورثا کو حسبِ حصص شرعیہ دیا جائے گا۔

❑❖❑

کتابُ الاجارۃ

اِجارۂ صحیحہ کے مسائل

مسلمان ٹھیکیدار کا مندر میں مورتی بنانے کا ٹھیکہ لینا

سوال (۱۱۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) ایک مندر کے ٹرسٹ نے ماربل کے ٹھیکیدار کو مندر کا مکمل کام سونپا اِس شرط پر کہ مورتی بنانے اور لگانے کی ذمہ داری بھی اُسی کی ہوگی، اَب مسلمان ٹھیکیدار یہ سوچتا ہے کہ اگر مورتی نہ بنائی اور نہ لگائی تو ٹھیکہ نہیں ملے گا، اور پھر وہ یہ کرتا ہے کہ مورتی بنانے کا ٹھیکہ کسی غیر مسلم کو دے دیتا ہے، تو اِس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) مندر میں ماربل فٹنگ کا کام کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱-۲) کسی مسلمان کا مندر میں ماربل فٹنگ کا کام کرنا فی نفسہٖ ناجائز نہیں ہے؛ البتہ مورتی بنانے اور لگانے کے کام سے احتراز لازم ہے، اِس کی ذمہ داری غیر مسلم کو دے دی جائے، جس کی اُجرت براہِ راست مندر کے ذمہ داران اُس غیر مسلم کو اَدا کریں۔

قوله: (وجاز تعمير كنيسة) قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ٥٦٢/٩ زكريا)

ولو استأجر الذمي مسلمًا ليبني له بيعة أو كنيسة جاز ويطيب له

الأجر. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الإجارة / الفصل الرابع في فساد الإجارة إذا كان المستأجر مشغولا بغيره ٤/٤٥٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل ٹاوروں کے کرایہ کا حکم

سوال (۱۱۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آئے دن فون کی مختلف کمپنیوں جیسے: بی ایس این ایل، ایئرٹیل اور ٹاٹا وغیرہ اپنے اپنے فون کے نیٹورک کی سہولت کے پیش نظر جگہوں جگہوں پر ٹیلیفون ٹاور نصب کرتے ہیں اور اُس کا کرایہ بھی اَدا کرتے ہیں۔ آں محترم سے از روئے شرع یہ معلوم کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی خالی جگہ میں یا کسی دینی وتعلیمی ادارے کی خالی جگہ پر یہ ٹاور نصب کروانا چاہے تو کیا نصب کرسکتا ہے؟ جواب سے ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اپنی ذاتی زمین یا مدرسہ اور مسجد کی خالی جگہ پر ٹیلیفون کمپنیوں کے ٹاور لگوانا اور اس سے کرایہ وصول کرنا شرعاً درست ہے؛ البتہ جو حصہ مسجد شرعی کی حدود میں آتا ہو اس میں ٹاور وغیرہ لگوانا درست نہ ہوگا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ٹیلیفون کے ٹاور سے غلط استعمال کیا جاتا ہے؛ اِس لئے کہ اس کی ذمہ داری ٹاور لگانے والی ٹیلیفون یا زمین کے مالک پر نہیں؛ بلکہ جو شخص غلط استعمال کرے گا وہی اس کا ذمہ دار ہوگا۔ بریں بنا اِس میں نفس کرایہ داری کے جواز میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة أي قراها (الدر المختار) هذا عنده أيضًا؛ لأن الإجارة على منفعة البيت؛ ولهٰذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه إنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ٩/٥٦٢ زكريا)

إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر. (الأشباه والنظائر / رقم القاعدة: ۱۹ النوع الثاني ٤٠٤/١)

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ٥٦٢/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۵/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

سینما ہال کی تعمیر کی اُجرت لینا

سوال (۱۱۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں سعودی میں رہتا ہوں اور یہاں پر بلڈنگ لائن کا کام کرتا ہوں، جس کے ساتھ کام کرتا ہوں، وہ آج ایک کام پر لے گیا، وہاں پتہ چلا کہ جو بلڈنگ بن رہی ہے یہ سینما ہال ہے، تو کیا ہمارا اُس میں کام کرنا صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آپ کی اپنی محنت کے عوض اُجرت لینا حلال ہے، پھر اُس عمارت میں جو معصیت ہوگی اُس کے ذمہ دار آپ نہ ہوں گے۔

قال الشامي: والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ٣٠٧/٤ زكريا)

ولو استأجر الذمي مسلمًا ليبنى له بيعة أو كنيسةً جاز ويطيب له الأجر. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة والاستيجار على المعاصي الخ ٤٥٠/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۱/۳ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کسٹم ڈیوٹی کی اُجرت کا حکم

سوال (۱۱۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک خلیجی ملک میں کسٹم کلیئرنگ ایجنٹ ہوں، دیگر ممالک سے جو مال یہاں در آمد کیا جاتا ہے، اس کی تفاصیل کسٹم کی ویب سائٹ پر اَپ لوڈ کرنا اور سامان کو چیک کرانا ہمارا کام ہوتا ہے جو لوگ سامان منگواتے ہیں ان کی طرف سے ہمیں اس کی اجرت ملتی ہے، اس ملک کا قانون یہ ہے کہ جو مال درآمد کیا جائے گا، اس پر پانچ فیصد کسٹم ڈیوٹی لگتی ہے، اب جو لوگ سامان منگواتے ہیں وہ کسٹم ڈیوٹی بچانے کے لئے اصل قیمت سے کم کا بل منگواتے ہیں، اسی طرح چین کا بنا ہوا ہوتا ہے مگر وہ لوگ کسی خلیجی ملک کا نام لکھوا لیتے ہیں؛ کیوں کہ یہاں اس سامان کی زیادہ چیکنگ نہیں ہوتی جو خلیجی ملک سے آتا ہے؛ تو کیا اس طرح کرنا درست ہے؟ اور ہم لوگ کسٹم کی ویب سائٹ پر صرف اور صرف وہی تفاصیل اپ لوڈ کر سکتے ہیں جو بل میں لکھی ہوتی ہے، اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتے، تو کیا ہمارا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس پر جو اجرت ملتی ہے وہ حلال ہے یا نہیں؟

اس ملک میں تمبا کو ممنوع ہے، ہزار میں کوئی ایک شپ مینٹ ایسا جاتا ہے جس میں تمبا کو ہوتا ہے، جو لوگ منگواتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ باہر سے مثلاً کپڑے منگوائیں گے اور ان کے بیچ میں رکھ کر تمبا کو منگواتے ہیں، کاغذات میں صرف کپڑوں کا ذکر اور اس کی قیمت ہوتی ہے، تو ہمارا کام یہ ہوتا ہے کہ جب کسٹم انسپکٹر چیک کرنے کے لئے آتا ہے تو ہم اُس کے سامنے کپڑوں کو دکھا دیتے اور بتاتے ہیں، اُن کے درمیان میں جو تمبا کو ہوتا ہے (جس کا ہمیں بھی علم نہیں ہوتا کہ کہاں ہے) اُس کا ذکر نہیں کرتے اور اُس کی اُجرت عام شحنہ کی اُجرت سے زیادہ ہوتی ہے، تو کیا ہمارا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اِس اُجرت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

نوٹ:- ہم لوگ قانوناً مجرم قرار نہیں دئے جائیں گے؛ بلکہ جو شخص سامان منگا رہا ہے

اُس کی پکڑ ہوگی؛ اِس لئے کہ ہمارا تعلق کاغذات سے ہے، جو چیز کاغذات میں نہ لکھی ہوا گر وہ چیکنگ کے دوران سامان میں ملتی ہے تو اُس کا ذمہ دار سامان منگوانے والا ہوگا؛ البتہ اگر ہم لوگ کاغذات میں ردو بدل کرتے ہیں تو پھر ہماری پکڑ ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال جب کہ آپ سامان منگوانے والے کے اَجیر کے حیثیت سے اُس کی بتائی ہوئی تفصیلات کمپیوٹر میں داخل کرتے ہیں اور اُسی کے مطابق سامان کی چیکنگ کراتے ہیں اور خلافِ اُصول یا خلافِ قانون کام کرنے کی کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی، اگر یہ بات درست ہے تو آپ کو اپنے مفوضہ عمل کی اُجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور سامان منگوانے والا جو بھی قانون کی خلاف ورزی کرے گا اُس کا وہ خود ذمہ دار ہوگا، آپ اُس کے بارے میں مسئول نہیں ہیں۔

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ٣٠٧/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

التنقیح: اِس سوال نامے میں یہ امر قابل تحقیق ہے کہ اگر آپ کی طرف سے سامان کی چیکنگ کرانے کے بعد اُس سامان میں کوئی خلافِ قانون چیز کسٹم اَفسران کو دستیاب ہو تو کیا اُن کی نظر میں آپ قانوناً مجرم قرار پائیں گے یا نہیں؟

اِس کی وضاحت مطلوب ہے، اُس کے بعد ہی جواب واضح ہو سکے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمپنی کا شراب خانوں کیلئے ملازم فراہم کرنے پر اُجرت لینا

سوال (۱۱۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ایک صاحب نے کمپنی شروع کی ہے کہ وہ لوگوں کو بندے دستیاب کراتی ہے، مثلاً: ہوم سکیورٹی گارڈ، گیٹ گارڈ یا ہوٹل میں صفائی وغیرہ کے لئے یا کسی بھی ضرورت کے لئے، یہ کمپنی اَفراد مہیا کراتی ہے، اب کمپنی کے پاس شراب خانوں اور دارو کے ٹھیکے کے لئے اَفراد کی ضرورت کا آرڈر آرہا ہے، اَب اہل کمپنی یہ معلوم کرنا چاہ رہے ہیں کہ ہمیں شراب وغیرہ سے کیا لینا دینا، اَفراد مہیا کرانا تو کمپنی کا کام ہے، تو اِس صورت میں ایسی جگہ کمپنی کا افراد مہیا کرانا درست ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ کمپنی کے لئے ہر طرح کی فیکٹری اور اِداروں کے واسطے ملازم مہیا کرنے پر مقررہ اُجرت لینا شرعاً درست ہے اور ملازمت پر لینے والے لوگ یا خود ملازم جو اچھا برا عمل کریں، اُن کی کوئی ذمہ داری ملازمت فراہم کرنے والی کمپنی پر نہیں ہے۔

وجاز تعمير كنيسة وحمل خمر ذمي أو دابته بأجر (الدر المختار) قال الزيلعي: وهذا عنده. وقالا: هو مكروه؛ لأنه عليه السلام لعن في الخمر عشرة وعدّ منها حاملها، وله أن الإجارة على الحمل وهو ليس بمعصية ولا سبب لها، وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار وليس الشرب من ضرورات الحمل؛ لأن حملها قد يكون للإراقة أو للتخليل ...... والحديث محمول على الحمل المقرون بقصد المعصية. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ٥٦٢/٩ زكريا، ٣٩١/٦-٣٩٢ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۴۳/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفر لہ

کرایہ کی قسطوں کو یک مشت اَدا کرنے پر ڈسکاؤنٹ کروانا

سوال (۱۱۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مستأجر کا کئی سالوں کا کرایہ باقی ہے، جو قسط وار اَدا کرنے کی بات کی ہے، اب اگر مستأجر موجر سے یوں کہے کہ اگر آپ کچھ ڈسکاؤنٹ دیں تو میں یک مشت یہ تمام قسطوں کو اَدا کردوں، تو موجر نے کہا کہ ٹھیک ہے، اگر آپ یک مشت اَدا کردیں تو ۳۵۰/ روپئے ماہانہ کے حساب سے رقم لگالی جائے گی، تو کیا اِس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں؟

اِس صورت میں قابل تشویش امر یہ ہے کہ چوں کہ کرایہ اَدا کرنا ہے، تو ماہ کے اختتام پر اسے اَدا کرنا لازم تھا، اور اُس نے اتنے مہینوں تک اَدا نہیں کیا، تو وہ ذمہ میں دین باقی رہا، اَب ہونا تو یہ چاہئے کہ یک مشت اَدائیگی کی استطاعت ہے تو فوری طور پر اَدا کردیا جاتا، ایسی صورت میں اُس مستأجر کا موجر سے ڈسکاؤنٹ کا مطالبہ کرنا کیسا ہے؟ کہ ڈسکاؤنٹ ہو تب ہی یک مشت دوں گا ورنہ قسط وار۔ آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہ دراصل دین سے بری کرنے کی صورت ہے اور دائن کو اِس کا مطلق اختیار ہے، اِس لئے کرایہ میں تخفیف میں کوئی حرج نہیں ہے۔

المستفاد: عن كعب بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان له على عبد اللّٰه بن أبي حدرد الأسلمي دين، فلقيه فلزمه فتكلما حتى ارتفعت أصواتهما، فمر بهما النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: يا كعب! و أشار بيده، كأنه يقول: النصف، فأخذ نصف ما عليه وترك نصفًا. (صحيح البخاري، كتاب الخصومات / باب في الملازمة رقم: ٢٤٢٤)

وصح الحط منه أي من الثمن، وكذا من رأس مال السلم والمسلَم فيه

والزیادۃ والحط یلتحقان بأصل العقد. (الدر المختار، کتاب البیوع / باب المرابحۃ والتولیۃ ۳۷۹/۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پاورلوم بند ہونے کے دنوں میں مزدوروں کو اُن کی تنخواہ یا کھوٹی دینا

سوال (۱۱۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر مالیگاؤں کی اکثریت پاورلوم کی صنعت سے وابستہ ہے، یہاں پے مزدور طبقہ کی اکثریت ہی پاورلوم پر مزدوری کر کے اپنی روزی روٹی کا انتظام کرتی ہے، مزدور ہفتہ بھر لوم پر کپڑا تیار کر کے عموماً جمعہ کے دن اپنی مزدوری میٹر کے حساب سے وصول کرتے ہیں، مزدوری فکس نہیں ہے؛ بلکہ جتنا میٹر کپڑا تیار کریں گے، اتنے میٹر کی مزدوری ملتی ہے، بعض دفعہ بجلی کی زیادہ کٹوتی کی وجہ سے یا بیماری یا دیگر تقریبات کی وجہ سے کام کم ہونے پر مزدوری کم ملتی ہے اور کبھی مزدور کچھ دن یا ہفتہ کی بدلی دے تو اُس کی مزدوری نہیں ملتی، نیز جب بھی مندی آتی ہے جس سے ''بنکر برادری'' کو دو طرح کا نقصان ہوتا ہے، ایک تو منافع انتہائی قلیل ہو جاتا ہے یا دوسری کیفیت ''انڈر کاسٹنگ'' یعنی پورا نقصان ہونے لگتا ہے، تو ''بنکر برادری'' آپسی مشورہ سے کچھ دنوں کے لئے پاورلوم بند کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں، جس سے مزدوروں کو مزدوری ملنا بند ہو جاتی ہے، کچھ بنکر ''کھوٹی'' کے نام پر تھوڑا بہت روپیہ دیتے ہیں، کچھ نہیں دیتے اور کچھ بنکر کچھ دن ''کھوٹی'' دے کر پھر نہیں دیتے۔

درج بالا تفصیل پر آپ سے سوال ہے کہ:

(۱) پاورلوم بند ہونے پر بنکر پر اپنے مزدوروں کو مزدوری یا کھوٹی دینا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) پاورلوم بند ہونے پر مزدوروں کا مزدوری یا کھوٹی کا مطالبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) بنکر برادری کا مالی خسارہ سے بچنے کے لئے کارخانہ بند کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۴) بنکرا گر اخلاقی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے کچھ رقم بند کے دوران مزدور کو دے تو یہ کس زمرے میں آئے گا؟

(۵) بنکر بند کے دوران اپنے مزدور کو جو رقم بھی دے، مزدور اس میں زیادتی کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) بنکر بند کے دوران اپنے مزدور کو کچھ رقم دینا چاہتا ہے؛ لیکن اُس کے پاس گنجائش نہ ہو یا کچھ دن دینے کے بعد پھر گنجائش نہ ہو تو کیا کرے؟

درخواست ہے کہ درج بالا سوالوں کا شریعت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں، فجزاہ اللہ خیراً۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شرعاً یہ پورا معاملہ ''اجارہ بالعمل'' کا ہے، جب مزدور کی طرف سے عمل پایا جائے گا تو وہ مقررہ اُجرت کا مستحق ہوگا، اور اگر کسی وجہ سے عمل نہیں پایا گیا تو وہ اُجرت اور مزدوری کا مستحق نہ ہوگا؛ لہٰذا پاورلوم بند ہونے پر مالکان کی طرف سے جو تعاون کیا جاتا ہے وہ محض تبرع ہے اُس میں زیادتی کرنے یا نہ کرنے کا اختیار مالکان کو ہے، مزدوروں کو اُس کے مطالبہ کا حق نہیں ہے؛ تاہم اخلاقی طور پر سرمایہ دار حضرات کو غریب مزدوروں کا خیال رکھنا چاہئے اور حتی الامکان کاروبار جاری رکھنا چاہئے؛ تاکہ مزدوروں کی معیشت زیادہ متأثر نہ ہو۔

فإن وقعت علی عمل معلوم فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل. (النتف في الفتاویٰ، کتاب الإجارة / ما یجوز وما لا یجوز الخ ۵۵۹/۲ مؤسسة الرسالة دار الفرقان عمان)

الأجرة إنما تکون بمقابلة العمل. (رد المحتار، کتاب النکاح / باب المهر ۳۰۷/۴ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مزدور اپنے پاس رکھی ہوئی مالک کی رقم سے تنخواہ وصول کرسکتا ہے؟

سوال (۱۱۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کسی کے پاس مزدوری کر رہا تھا اور اُس کے پاس مالک کے کچھ پیسے رکھے ہوئے تھے، جن کا مالک کو کچھ علم نہیں تھا، اسی دوران ''لاک ڈاؤن'' لگ گیا اور مالک نے دو تین مہینے کی تنخواہ اُس کو نہیں دی تو کیا یہ مزدور مالک کے رکھے ہوئے پیسوں میں سے اُس کی اجازت کے بغیر اپنی تنخواہ وصول کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر مذکورہ شخص کا مالک کے ساتھ اِجارہ کا معاملہ برقرار ہے اور مالک نے اسے ملازمت سے الگ نہیں کیا ہے، تو اس شخص کیلئے اِس بات کی گنجائش ہے کہ وہ مالک کی رکھی ہوئی رقم سے اپنی واجب شدہ تنخواہ وصول کرے۔

رجل له علی رجل دین مائة درهم وله عنده ودیعة مائة درهم فقال: جعلتها قصاصًا بدیني إن کانت الدراهم في یدیه أو قریبة منه بحیث یقدر علی قبضها جاز وصارت قصاصًا. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الودیعة / البا العاشر في ا المتفرقات ٥٩/٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مارکیٹ کی تعمیر کے لئے دوکان داروں سے پیشگی رقم جمع کرنا

سوال (۱۱۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مارکیٹ تعمیر کرتا ہے؛ لیکن بنانے کے لئے اِس شرط پر لوگوں سے

لاکھوں روپئے پیشگی جمع کرتا ہے کہ اس رقم پر مارکیٹ تعمیر کرنے کے بعد کوئی متعین دوکان مثلاً ایک نمبر یا پانچ نمبر کرایہ پر دیں گے؛ البتہ نصف کرایہ پیشگی رقم سے منہا کرے گا اور نصف ہر مہینہ جمع کرے گا۔

مذکورہ بالا صورت میں مارکیٹ ڈیڑھ سال بعد تیار ہوگی، تو یہ ڈیڑھ سال مالک مارکیٹ جو لوگوں کے لاکھوں روپئے استعمال کرتے ہیں یہ کس چیز کے عوض میں ہیں؟ اور کیا قرض خواہ مقروض کو قرض کی وجہ سے کسی چیز کا پابند کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آپسی رضامندی سے پیشگی کرایہ کی رقم جمع کرنا درست ہے اور اُس سے مالک دوکان کو فائدہ اُٹھانا اور اپنے استعمال میں لانا وغیرہ سب جائز ہے، اور جب دوکان کی تعمیر مکمل ہو جائے گی تو حسبِ معاہدہ کرایہ کا حساب شروع ہوگا، جس میں سے نصف کرایہ پہلے اداشدہ رقم میں سے منہا ہو جائے گا، اور نصف ہر مہینہ مزید کرایہ کے ساتھ جمع ہوتا رہے گا، اس پورے معاملے میں کرایہ دار، مالک دوکان کو کسی خاص مدت تک دوکان کی تعمیر کر کے اسے کرایہ پر دینے کا پابند بنا سکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ اگر آپسی رضامندی سے یہ سب شرائط طے ہوں اور نزاع کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو یہ معاملہ فی نفسہٖ درست ہے۔

یعتبر ویراعی کل ما اشترط العاقدان في تعجیل الأجرة وتأجیلها.

(شرح المجلة ۲٦٥/۱ رقم: ٤٧٣ بیروت)

الأجرة لا تجب بالعقد، وتستحق بإحدی معاني ثلاثة: إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل من غیر شرط أو باستیفاء المعقود علیه. (الهدایة، کتاب الإجارة / باب الأجر متی یستحق ۲۹۷/۳ مکتبة بلال دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۱/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قدیم کرایہ کی دوکان خالی کرانے کے نام پر ملی ہوئی رقم کا حکم

سوال (۱۱۳۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اختر حسین سے میرے والد ببو احمد نے ایک دوکان کرایہ پر لی تھی، والد صاحب کے بعد وہ کرایہ داری جاری رہی، آخر میں والد صاحب کے انتقال کے بعد والد صاحب کے نام کے ساتھ ساتھ کرایہ داری کی رسید میں ببو احمد اینڈ رشید احمد شامل کردیا گیا، رشید احمد ہمارے تایا تھے، والد کے انتقال کے بعد ہماری والدہ کا نکاح رشید احمد کے ساتھ ہوگیا تھا، پھر اُس دوکان پر ہم قابض ہوگئے، اَب وہ پوری مارکیٹ فروخت ہوگئی تو خریدار عرفان حسین کی طرف سے دوکان خالی کرانے کے نام پر ہمیں ساڑھے آٹھ لاکھ روپئے ملے، وہ لینا درست ہیں یا نہیں؟ حضرت مفتی صاحب آپ سے گذارش ہے کہ ہمارے اِس مسئلہ کی دلائل کی روشنی میں ایسی وضاحت فرمائیں کہ ہمارا مسئلہ حل ہوجائے، جزاکم اللہ۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحتِ سوال جب کہ والد کی طویل مدتی کرایہ کی دوکان پر عملاً آپ ہی قابض ومتصرف رہے اور خود ہی اُس کا کرایہ اَدا کرتے رہے، تایا رشید احمد نے کرایہ اَدا نہیں کیا، اور ہمارے عرف میں قدیم کرایہ داروں کو ایک مستقل حق مانا گیا ہے؛ لہٰذا اس حق سے دستبرداری پر آپ کو جو رقم ملی ہے اس میں صرف آپ کا حق ہے دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ ملی ہوئی رقم کو آپ کی طرف سے دوکان میں لگائے ہوئے سامان کا عوض مانا جائے تاکہ کوئی شبہ نہ رہے۔

وفي الأشباه لا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة ...... لكن أفتى كثير باعتباره وعليه فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال وبلزوم خلو الحوانيت، فليس لرب الحانوت إخراجه ولا إجارتها لغيره ولو وقفًا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع / مطلب لو الحوانيت ۷/۳۳-۳۷ زكريا)

المختار عند الحنفية أن حق الوظيفة وإن كان لا يجوز بيعه؛ ولكن يجوز النزول عنه بمال، وكذلك حق استئجار الدار أو الحانوت لا يجوز بيعه ولكن يجوز التنازل عنه بعوضٍ مالي. (بحوث في قضايا فقهية معاصرة / البحث الثالث: بيع الحقوق المجردة ۱۱۱/۱ وزارة الأوقاف) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ٹور والوں کا پیشگی رقم لے کر آدھی قیمت پر حج یا عمرہ کرانا

سوال (۱۱۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ٹور چلانے والی کمپنی عمرہ یا حج کی بکنگ چھ مہینہ یا ایک سال پہلے آدھی رقم لے کر کرتا ہے، مثلاً ساٹھ ہزار کا عمرہ تیس ہزار اور تین لاکھ کا حج ڈیڑھ لاکھ میں، اُس میں عازم کے لئے کراہت یا حرمت کا کوئی مسئلہ تو نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہ معاملہ پیشگی اُجرت وصول کرنے کے دائرے میں آتا ہے اور فریقین جس رقم کی اَدائیگی پر راضی ہوں اور ٹور آپریٹر کی طرف سے بھی معاملات طے شدہ ہوں، تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے، رقم کی کمی بیشی سے اصل معاملہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

الأجرة لا تجب بالعقد وتستحق بإحدى معان ثلاثة، أما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه. (الهداية / باب الأجر متى يستحق ۲۹۴/۳ الأمين كتابستان ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۰/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان گروی رکھ کر قرض خواہ کو رہائش کا کرایہ دینا

سوال (۱۱۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے خالد سے قرضہ مانگا اور رہن میں گھر رکھ دیا؛ لیکن زید نے خالد کو کہا کہ گھر میں رہوں گا اور ماہانہ گھر کا کرایہ آپ کو دوں گا، جب آپ کا قرضہ وصول ہوجائے گا تو یہ بات ختم ہوجائے گی؟ کیا ایسی صورت جائز ہے؟ آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحتِ سوال جب زید خود اپنے گھر میں رہ رہا ہے تو نہ تو یہاں رہن کا تحقق ہوا اور نہ ہی یہ کرایہ داری کا معاملہ ہے، بریں بنا اس نے کرایہ کے نام پر جو ماہانہ جو رقم خالد کو دینے کا ارادہ کیا ہے یہ کرایہ نہیں ہے؛ بلکہ قرضہ کی قسط وار اَدائیگی کی ایک صورت ہے اور اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا للألفاظ والمباني. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۱۹/۱ رقم: ۳ مكتبة الاتحاد ديوبد، مجلة الأحكام العدلية، المقدمة / المقالة الثانية في بيان القواعد الكلية الفقهية ۱۷/۱ رقم المادة: ۳)

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح الخ. (شرح المجلة ۱۲٤/۱ رقم: ۲٤٥ مكتبة الاتحاد ديوبند، مجلة الأحكام العدلية، الباب الثالث في بيان المسائل المتعلقة بالثمن / الفصل الثاني في بيان المسائل المتعلقة بالنسيئة والتأجيل ٥۰/۱ رقم المادة: ۲٤٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۰/٦/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری اسکیم ''نریگا'' میں عورتوں کا نوکری کرنا

سوال (۱۱۳٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ہمارے راجستھان علاقہ میں ''نریگا'' کے نام سے ایک سرکاری اسکیم ہے، جس میں مرد وعورتیں تالاب وغیرہ پر مٹی ڈالتے ہیں، جس کے عوض سرکار پیسے دیتی ہے۔ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ وہاں عورتوں کا جانا کیسا ہے؟ اور اُس کے عوض حاصل شدہ رقم کا گھر میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ آپ سے درخواست ہے کہ اِس مسئلہ کی قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسی وضاحت فرمائیں کہ ہماری سمجھ میں آجائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- مسئولہ صورت میں محنت کا عوض ہونے کی وجہ سے آمدنی تو حلال ہے؛ لیکن اُن عورتوں کے لئے اجنبی مردوں کے سامنے بے پردگی جائز نہیں ہے۔

قال الشامي: والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ۳۰۷/٤ زكريا)

وللحرة جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح خلا الوجه والكفين والقدمين ...... وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۷۷/۲-۷۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۱۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بٹائی پر دی گئی زمین کی فصل خراب ہونے پر سرکاری معاوضہ کون لے گا؟

سوال (۱۱۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۲۰۱۵ء میں گیہوں کی فصل بے موسم بارش ہوجانے کی وجہ سے کہیں کہیں خراب ہو

گئی تھی اس پر کسانوں نے حکومت وقت سے معاوضہ لیا۔ اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض کسانوں نے اپنی زمین میں خود سے گیہوں کی فصل بوئی تھی جب کہ بعض کسانوں نے اپنی زمین بٹائی پر اُٹھائی تھی اور کچھ کسانوں نے اپنی زمین سالانہ کرایہ پر اُٹھائی تھی، حکومت نے معاوضہ کی رقم زمین کے مالکان کے بینک کھاتوں میں یا چیک کے ذریعہ مالکانِ زمین ہی کو دی۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ اس معاوضہ کا حق دار کون ہے؟ آیا زمین کے مالک کا حق ہے یا بٹائی دار یا کرایہ پر لینے والے کا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِس معاوضے کے حق دار سرکاری ضابطہ کے مطابق زمین کے مالکین ہی ہیں، اَب اُن مالکین کو اختیار ہے کہ وہ اِس رقم میں سے نقصان کی بنا پر کرایہ دار اور بٹائی پر کام کرنے والوں کو بھی کچھ حصہ دے دیں تو بہتر ہے؛ تاکہ اُن کے نقصان کی بھی کچھ تلافی ہوسکے۔

القاعدة: إن القول للمملک في التمليک وعدمه الخ. (شرح عقود رسم المفتي / مطلب: الأحكام تتغير بتغير العرف ص: ۱۷۸ زكريا)

وأما ما سيأتي من حديث جابر رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمر بوضع الجوائح فيمكن تأويله على وجوه ثلاثة: الأول أن يكون الأمر بوضع الجوائح للندب لا للوجوب، كما رأيت في حديث عمرة بنت عبد الرحمن "تألّي أن لا يفعل خيرًا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة / باب وضع الجوائح ۱/ ٤٥٦ تحت رقم: ۳۹٥۲ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل اپلی کیشن کے ذریعہ ٹیکسی وغیرہ کرایہ پر لینے کی ایک نئی شکل

"موبائل اپلی کیشن کے ذریعہ ٹیکسی وغیرہ کرایہ پر لینے کی ایک نئی شکل" سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے پندرہویں فقہی اجتماع بتاریخ: ۲۱-۲۳ ر رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷-۲۹ ر مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ جمعرات جمعہ (بمقام مدنی ہال مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (از: مرتب)

کچھ کمپنیاں موبائل اپلی کیشن (Mobile Application) کے ذریعہ ٹیکسی کی سہولت عوام کو فراہم کرتی ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ کمپنی اپنی ذاتی گاڑی بطور ٹیکسی استعمال نہیں کرتی؛ بلکہ گاڑیاں عام لوگوں کی ہوتی ہیں جو کمپنی سے رجسٹرڈ ہو کر پھر کمپنی کی اپلی کیشن کے توسط سے مسافروں کو آرام دہ اور کم خرچ سفر کی سہولت مہیا کرتی ہیں۔ اِس میں دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ کمپنی اور گاڑی مالکان کے درمیان ہونے والے عقد کا شرعی حکم کیا ہے؟ اِس عقد کی ضروری تفصیلات درج ذیل ہیں:

(۱) کمپنی کی ذمہ داریاں:

کمپنی کے ذمہ کئی اُمور ہوتے ہیں، مثلاً: بذریعہ اپلی کیشن مسافروں کا رجسٹرڈ گاڑیوں سے رابطہ پیدا کرنا، گاڑیوں کی نگرانی کے ذریعہ سفر کو محفوظ بنانا، جی پی ایس سروس کی سہولت فراہم کرنا، گاڑی مالکان کو سہولت فراہم کرنا کہ وہ اپنے موبائل کے ذریعہ ڈرائیور اور گاڑی کی

معلومات حاصل کرسکیں، وغیرہ وغیرہ۔

(۲) گاڑی کے مالکان کی ذمہ داریاں:

گاڑیوں کے مالکان کے ذمہ مسافروں کو آرام دہ سفر کی سہولت مہیا کرنا ہے، اور یہ مالکان کی صواب دید پر منحصر ہے کہ وہ گاڑی خود چلائیں یا ڈرائیور کے حوالے کریں، اور خود اُسے اُجرت دیں، کمپنی کا اِس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور یہ بھی مالکان کی ذاتی صواب دید پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ یومیہ کتنے گھنٹے کام کریں گے؛ البتہ جس قدر آمدنی اُنہیں حاصل ہوگی، اُس میں سے کمپنی اپنا فیصدی حصہ وصول کرکے باقی رقم مالکان کے حوالے کردے گی، خواہ وہ تھوڑے وقت کی تھوڑی آمدنی ہو یا اِس کے برعکس ہو؛ لیکن گارنٹیڈ پیمنٹ حاصل کرنے کے لئے کم اَز کم مدت متعین ہوتی ہے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

(۳) سفر کے کرایہ سے متعلق تفصیلات:

کرایہ کمپنی خود طے کرتی ہے جس میں گاڑی مالکان کی رائے کا کوئی دخل نہیں ہوتا؛ البتہ کرایہ میں کسی قسم کے ردوبدل سے اُن کو باخبر رکھا جاتا ہے۔

کرایہ کے بنیادی طور پر تین حصے ہوتے ہیں:

(۱) بنیادی کرایہ مثلاً: ۱۰۰/روپئے۔

(۲) فی کلومیٹر کرایہ مثلاً: ۱۰/روپئے۔

(۳) فی منٹ کرایہ مثلاً: ۳/روپئے۔

بنیادی کرایہ کا مطلب یہ ہے کہ طے کردہ مسافت اور وقت کے کرایہ کو جمع کرکے ٹوٹل نکالا جاتا ہے اور فی منٹ کرایہ بعض کمپنیوں کے یہاں اُسی وقت چارج کیا جاتا ہے جب کہ گاڑی کی رفتار مقررہ حد مثلاً: ۱۵/ کلومیٹر فی گھنٹہ سے کم ہوجائے، جب کہ بعض کمپنیاں رفتار کی کوئی تحدید نہیں کرتیں؛ بلکہ سفر میں کل صرف شدہ وقت پر فی منٹ چارج کرلیتی ہیں۔

بعض کمپنیاں نئے مسافروں کو پہلی رائڈ (بنیادی کرایہ پر بکنگ) مفت دیتی ہیں؛ لیکن گاڑی مالکان کو اِس رائڈ کی اَدائیگی کمپنی کی جانب سے اُس کے حصہ کے مطابق کردی جاتی ہے۔

گاڑی طلب کرنے کے لئے ریکویسٹ (درخواست) بھیجنے کے بعد ابتدائی دو یا تین منٹ کے اندر مسافر رائڈ رد کرسکتا ہے، اس کے بعد منسوخی کی صورت میں کمپنی تقریباً پچاس روپئے یا کم وبیش جرمانہ وصول کرتی ہے، جس کی وصولی اُس مسافر کی اگلی رائڈ کے کرایہ میں شامل کرکے کی جاتی ہے۔

(۴) متعاقدین کے مابین آمدنی کی تقسیم:

اِس کی بنیادی طور پر دو شقیں ہیں:

الف:- طے شدہ متعین رقم (Guaranteed Payments): اِس میں کمپنی گاڑی کے مالک کو ایک طے شدہ رقم دینے کی پابند ہوتی ہے؛ لیکن چند شرائط کے ساتھ یعنی (۱) اگر گاڑی کے ڈرائیور کی کمپنی کے توسط سے مسافروں کی وصول ہونے والی درخواست (Request) کو قبول کرنے کی شرح ۹۰؍ فیصد ہوجائے۔ (۲) وہ یومیہ کم ازکم گیارہ گھنٹے ڈیوٹی پر موجود رہے۔ (۳) یومیہ کم ازکم دس مسافروں کو سفر کی سہولت بہم پہنچائے تو کمپنی اُسے طے شدہ رقم مثلاً: ۵۳۰۰؍ روپے دینے کی پابند ہوگی۔ اگر ڈرائیور کی اُس روز کی کمائی ۵۳۰۰؍ روپئے سے کم ہوتو کمپنی اپنے پاس سے رقم پوری کرکے ادا کرے گی اور اگر ڈرائیور کی کمائی طے شدہ رقم مثلاً: ۵۳۰۰؍ سے زیادہ ہوتو زائد رقم کمپنی کی ہوگی خواہ وہ کتنی ہی ہو۔ بعض کمپنیوں کا ضابطہ اِس سے قدرے مختلف بھی ہوتا ہے، مثلاً: بعض کمپنیاں ہفتہ وار نفع کی تقسیم کرتی ہیں، اِس طرح کہ گاڑی مالکان کو ہفتہ بھر میں جو آمدنی ہوئی ہے خواہ وہ مقررہ رقم کی شرائط پوری کرتے ہوئے حاصل ہوئی ہو یا اِس کے بغیر، کمپنی اس کی آمدنی کا پچیس فیصد خود رکھ لیتی ہے، اور باقی گاڑی کے مالک کے حوالے کردیتی ہے؛ البتہ طے شدہ رقم کی شرائط پوری کردینے کے باوجود اگر آمدنی

طے شدہ سے کم ہو، تو کمپنی پھر بھی طے شدہ رقم دینے کی پابند ہوگی؛ لیکن ہفتہ بھر کے حساب میں کمپنی اپنے پچیس فیصد اس میں سے بھی وصول کرے گی۔

ب:- فیصدی تقسیم: اگر گارنٹیڈ پیمنٹ کی شرائط پوری نہ ہوں تو کمپنی حاصل شدہ آمدنی میں سے اپنا فیصدی حصہ وصول کر کے بقیہ رقم گاڑی کے مالک کو دے دیتی ہے۔

ج:- بونس: کمپنیوں کی طرف سے گاڑی مالکان کو بونس بھی دیا جاتا ہے، جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، مثلاً: ہفتہ وار بونس: جمعہ اور ہفتہ کو دس رائیڈز پر ایک ہزار روپئے یومیہ بونس دیا جاتا ہے، کبھی چودہ روزہ بونس دیا جاتا ہے، یعنی: اگر دو ہفتہ میں مثلاً: ایک سو پچھتر رائیڈز (ride) کرلیں، تو دس ہزار بونس ملے گا وغیرہ وغیرہ، اسی طرح بعض کمپنیاں ڈرائیور کو علیحدہ سے بونس دیتی ہیں، جس کے لین دین سے گاڑی کے مالک کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، گویا کمپنی ڈرائیور کی کارکردگی پر اسے انعام دیتی ہے، یہ بونس بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔

سوالات:

سوال (۱/ ۱۱۳۸):- مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہاں ایک معاملہ تو کمپنی اور گاڑی کے مالکان کے درمیان ہوتا ہے کہ جب کمپنی سے سواری کی خدمت طلب کی جائے گی، تو کمپنی اُس کے لئے گاڑی کے مالک کی خدمت حاصل کرے گی، جب کہ ایک معاملہ گاہک اور کمپنی کے درمیان ہوتا ہے، دونوں معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

(۲/ ۱۱۳۹):- کمپنی اور گاڑی کے مالکان، اِسی طرح کمپنی اور گاہک کے درمیان قیمت کے تعین کا جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے، شرعی نقطہ نظر سے کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳/ ۱۱۴۰):- کیا اِجارہ میں اُجرت کی جہالت علی الاطلاق ممنوع ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱-۳) اِس معاملہ میں ٹیکسی کمپنی کی حیثیت مسافر کے لئے اجیر کی ہے، اور مسافر دراصل مستأجر کے درجہ میں ہے، اس کا جو بھی معاملہ ہے

وہ ٹیکسی کمپنی سے ہے، اُسے اِس سے کوئی غرض نہیں کہ گاڑی کا مالک کون ہے؟ یا گاڑی کے مالک اور کمپنی کے درمیان کس طرح کا معاہدہ ہے؟ اُسے تو مطالبہ پر گاڑی کی دستیابی مطلوب ہے؛ لہٰذا اِس بارے میں ٹیکسی کمپنی کی شرائط کے مطابق مقررہ اُجرت پر گاڑی حاصل کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

دوسری طرف ٹیکسی کمپنی اور گاڑی کے مالکان کے درمیان جو معاملہ ہوتا ہے اُس میں کمپنی مستأجر ہے، اور مالکان اجیر ہیں، جو مقررہ شرائط کے مطابق گاڑی کی اجرت حاصل کرتے ہیں۔

اور بہرحال دونوں معاملات میں آپسی رضامندی سے اجرت کے تعین کا جو بھی طریقہ طے ہوجائے، وہ درست ہے۔ اور اجارہ وغیرہ میں مطلقاً جہالت مفسد نہیں ہے؛ بلکہ وہی جہالت مضر ہوتی ہے جو باعث نزاع ہو، اور یہاں ایسی کوئی جہالت نہیں پائی جارہی، اس لئے یہ معاملہ حسب شرائط درست رہے گا۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالا أو أحلّ حرامًا، والمسلمون علىٰ شروطهم إلا شرطًا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي ﷺ في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱ الأشرفية ديوبند)

إن كانت تلك الجهالة مفضية إلى المنازعة تمنع صحة العقد، وإلا فلا؛ لأن الجهالة المفضية إلى المنازعة تمنع من التسليم والتسلم، فلا يحصل المقصود من العقد، فكان العقد عبثًا لخلوّه عن العاقبة الحميدة. (بدائع الصنائع ٤/٢٤ زكريا، ١٨٠/٤ كراچی) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

ٹیکسی کمپنی کی طرف سے ملنے والے بونس کا حکم

سوال (۱۱۴۱/۴):- گاڑی مالکان اور ڈرائیور کو ملنے والے بونس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ٹیکسی کمپنی کی طرف سے گاڑی مالکان کو یاڈرائیور کو اپنی مرضی سے اور اپنی شرطوں پر جو بونس دیا جاتا ہے وہ درست ہے، یہ حسن کارکردگی پر انعام کے قبیل سے ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۲۱/۵۴۲)

الأصل إباحة الجائزة علیٰ عمل مشروعٍ سواء أ کان دینیًا أو دنیویًا؛ لأنه من باب الحث علیٰ فعل الخیر والإعانة علیه بالمال، وهو من قبیل الهبة.

(الموسوعة الفقهیة ۱۵/ ۷۷ الکویت)

کیا طلب کی منسوخی پر کمپنی کا جرمانہ وصول کرنا جائز ہے؟

سوال (۱۱۴۲/۵):- سواری طلب کرنے کے بعد منسوخ کرنے کی صورت میں کمپنی کا جرمانہ وصول کرنا، نیز مذکورہ بالا طریقے پر کمپنی اور مالک کے درمیان تقسیم کرنا کیسا ہے؟ کیا اِس جرمانے کو کمپنی کی اپیلی کیشن فیس قرار دیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سواری کی درخواست کے بعد منسوخ کرنے کی صورت میں کمپنی کا مقررہ رقم وصول کرنا بھی درست ہے؛ کیوں کہ نیٹ پر درخواست منظور ہونے کے فوراً بعد ٹیکسی کمپنی سے مربوط گاڑی نظام کے مطابق فوری طور پر دستیاب ہوجاتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ڈرائیور گاڑی لے کر چل پڑتا ہے، اس کے بعد منسوخی کی خبر ملتی ہے؛ لہٰذا حسب ضابطہ منسوخ کرنے پر فیس لی جاسکتی ہے۔

استحقاق الأجرة بعمل لا بمجرد قول. (قواعد الفقه / القاعدة الخامس والعشرون ص: ٤٢ مکتبة تهانوی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۲؍ جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۸؍ فروری ۲۰۱۹ء

منظور شدہ تجویز: موبائل اپلی کیشن کے ذریعہ ٹیکسی وغیرہ کرایہ پر لینے کی ایک نئی شکل

پندرہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ: ۲۱-۲۳/ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷-۲۹/ مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ- جمعہ

(بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی)

اِدارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کے پندرہویں فقہی اجتماع میں ''موبائل اپلی کیشن کے ذریعہ ٹیکسی وغیرہ کرایہ پر لینے'' کے بارے میں بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) موبائل اپلی کیشن کے ذریعہ ٹیکسی وغیرہ کی سہولت سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے اور یہ معاملہ فقہی نقطۂ نظر سے اِجارہ کے قبیل سے ہے۔

(۲) کمپنی اور گاڑی مالک یا کمپنی اور گاہک کے درمیان اُجرت کا تعین وقت کے اعتبار سے ہو یا مسافت کے اعتبار سے یا دونوں اعتبار سے؛ بہرصورت جائز ہے۔

(۳) گاڑی مالک اور ڈرائیور کو ملنے والا بونس کمپنی کی طرف سے ایک طرح کا اِنعام ہے، جسے لینا شرعاً جائز ہے۔

(۴) گاڑی بک کرنے کے بعد منسوخ کرنے کی صورت میں کمپنی کا حسبِ ضابطہ رقم وصول کرنا بکنگ فیس ہے، جس کی شرعاً اِجازت ہے۔

○❖○

اِجارۂ فاسدہ

ڈپازٹ کی مقدار کے اعتبار سے کرایہ میں کمی زیادتی کرنا

سوال (۱۱۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل ہمارے علاقہ میں ڈپازٹ دے کر مکان ودوکان لینے کی متعدد شکلیں عام طور پر رائج ہوچکی ہیں، اگر کسی کو مکان ودوکان کی ضرورت ہے تو وہ درج ذیل طریقہ پر لیتا ہے:

(۱) ایک لاکھ روپئے ڈپازٹ دیتے ہیں اور ۷/ ہزار روپئے کرایہ۔

(۲) ۳/ لاکھ روپئے ڈپازٹ اگر دیتے ہیں تو ۲/ ہزار روپئے کرایہ

(۳) ۵-۶/ لاکھ روپئے ڈپازٹ کی صورت میں بلا کرایہ ۱۰۰/ یا ۲۰۰/ روپئے کرایہ

(۴) اور کہیں خود خطیر رقم ڈپازٹ دے کر بلا کرایہ مکان یا دوکان لے کر دوسرے کو کرایہ پر دے دیتے ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ صورتوں میں کون کون سی صورت جائز ہے اور کون نہیں، مدلل جواب کی زحمت فرمائیں؛ کیوں کہ اس وقت اس میں دین دار حضرات بھی ملوث ہورہے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ڈپازٹ کی رقم قرض ہوتی ہے اور قرض کی مقدار کو بنیاد بنا کر کرایہ کی رقم میں کمی کرنا گویا کہ قرض سے نفع اُٹھانے کی ایک شکل ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ اِسی طرح قرض کی خطیر رقم دے کر مقروض کی دوکان یا مکان سے فائدہ اُٹھانا بھی درست نہیں؛ البتہ بہت مجبوری کی شکل میں بیع الوفاء کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، یعنی ڈپازٹ کی رقم کو ثمن سمجھا جائے اور دوکان یا مکان کو مبیع بنایا جائے اور جب دوکان یا مکان خالی کریں تو

پہلی بیع کو فسخ کردیں اور مبیع اور ثمن کا لین دین کرلیں تو اس صورت کی گنجائش ہوگی۔ الغرض اِس طرح کے معاملات کو معتبر واقف کار علماء اور مفتیان کے سامنے پیش کرکے اُن کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔

أخرج الحارث بن أبي سلمة في مسنده عن علي أمير المؤمنين: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (فيض القدير / حرف الكاف ٥/٣٤ رقم: ٦٣٣٦ دار الفكر بيروت، المصنف لابن أبي شيبة ٤/٣٢٧، رد المحتار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جر نفعًا حرام، قبيل: باب الربا ٧/٣٩٥ زكريا، ٥/١٦٦ كراچی)

رجل استقرض دراهم وأسكن المقرض في داره قالوا: يجب أجر المثل على المقرض. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الإجارة / الفصل الرابع والثلاثون في المتفرقات ١٥/٣٦٠ رقم: ٢٣٣٦٧ زكريا)

وهو مقيد أيضًا بما قلنا بما إذا كان يدفع أجر المثل، وإلا كانت سكناه بمقابلة ما دفعه من الدراهم عين الربا، كما قالوا فيمن دفع للمقرض دارًا ليسكنها. (رد المحتار، كتاب البيوع / مطلب في الكدك ٧/٤٠ زكريا)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة المسمى بيع الوفاء جوزه مشائخ بلخ وبخاریٰ توسعة. (الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير ص: ٦٨ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۴/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر طے شدہ مدت میں بلیاں واپس نہ کیں تو کرایہ کتنے دن کا واجب ہوگا؟

سوال (۱۱۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ایک شخص عمارتی ساز وسامان کرایہ پر دینے کا کام کرتا ہے، اُس نے زید کو ۱۰؍ بلیاں کرایہ پر دیں، ہر بلی کا کرایہ فی دن ۱۰ روپئے تھا، زید کا اِرادہ یہ تھا کہ تقریباً ڈیڑھ مہینے بعد انہیں واپس کردے گا؛ لیکن ہوا یہ کہ ڈیڑھ مہینے میں تعمیر مکمل ہونے کے بعد وہ بلی واپس کرنا بھول گیا، اور ۶-۷؍ مہینے گذر گئے، اَب وہ بلیاں واپس کر رہا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ وہ صرف اتنی مدت تک کا کرایہ دے گا جتنا اُس نے بلیاں استعمال کیں، یعنی ڈیڑھ مہینے یا پورے ۶-۷؍ مہینے کا کرایہ اَدا کرنا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جتنے دن مستاجر کے پاس بلیاں رہی ہیں، اُن سب اَیام کا معروف کرایہ اُس پر واجب ہے، خواہ بلیاں اُس نے استعمال کی ہوں یا نہ کی ہوں؛ کیوں کہ عرف یہی ہے کہ عمارتی سامان وغیرہ جتنے دن کے بعد واپس ہوتا ہے، اسی حساب سے اُجرت لی جاتی ہے۔

وفي الخانية: استاجر دارًا أو حمامًا أو أرضًا شهرًا فسكن شهرين هل يلزمه أجر الثاني إن معدّا للاستغلال نعم وإلا لا، وبه يفتى. (الدر المختار، كتاب الإجارة / باب فسخ الإجارة ۱۱۵/۹ زکریا، فتاویٰ قاضي خان / کتاب الإجارات ۱۸۷/۲ مکتبة الاتحاد دیوبند)

سئل عمن استاجر سكنى حانوت مدة معلومةً بأجرة معلومةٍ وانتفع بها زمانا ثم خرب الحانوت وتعطل وكان يمكنه أن ينقل السكنى إلى موضع آخر وينتفع بها فلم يفعل حتى مضى زمان والسكنى في يده، هل تلزمه أجرة هذه المدة قال نعم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الإجارة / الفصل الثالث في بيان أنه متى يجب الأجر ۱۸/۱۵ رقم: ۲۱۹٦٦ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

موقوفہ زمین کے مالک کو اپنے حصہ کا کرایہ متعین کرنے کا حق ہے

سوال (۱۱۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والد کا ایک مکان وقف علی الاولاد ۸۴/ گز کا ہے، اُس میں ہم ۳/ بھائی اور ۳/ بہنیں حصے دار ہیں، میرے حصے میں تقریباً ۱۹/ گز ہیں، ہمارے اِس ۱۹/ گز حصہ پر میرے بھائی نے تعمیر کرکے گودام بنالیا ہے، تعمیر سے پہلے میں نے ایک کرایہ دار کو یہ جگہ کرایہ پر دے رکھا تھا، وہ ۱۳/ سو روپئے کرایہ دیتا تھا اور اُس سے یہ بھی طے تھا کہ ہر سال ۲/ سو روپئے کا اِضافہ ہوتا رہے گا، پھر یہ جگہ بھائی نے کرایہ پر لے لیا، تو اَب اُس کا کرایہ سابقہ کرایہ ۱۳/ سو روپئے پر ہر سال اِضافہ ۲۰۰/ روپئے کے ساتھ ہونا چاہئے یا نہیں، بھائی صرف ۱۲/ سو روپئے دینا چاہتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ سابقہ کرایہ دار کی طرح معاملہ رہے تو شریعت کا اِس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- وقف علی الاولاد کے اعتبار سے جو جگہ آپ کے حصہ میں آتی ہے، اُس سے نفع اُٹھانے کے آپ حق دار ہیں، اور آپ کے مرضی کے بغیر آپ کا کرایہ دار بھائی کرایہ کی مقدار کم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

لا یجوز التصرف في مال غیرہ بلا إذنہٖ ولا ولایتہٖ. (الدر المختار مع رد المحتار / کتاب الغصب ۲۹۱/۹ زکریا، ۲۰۰/۶ کراچی، الأشباہ والنظائر، الفن الثاني / کتاب الغصب ۱۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

موجودہ حالات پر کہانی بنانا اور ویڈیو بنا کر اُس پر اُجرت لینا

سوال (۱۱۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ایک آدمی ایسا ہے جو مسلمانوں کے حالات مثلاً کشمیر کے حالات، شام کے حالات وغیرہ پر سچی کہانیاں بناتا ہے، اور دوسرا شخص اُس کی ویڈیو بناتا ہے، اور یہ کہانی بنانے والا ویڈیو والے سے اُس کہانی کے پیسے لیتا ہے، تو شریعت کی رو سے اُس شخص کا کہانی بنا کر پیسہ وصول کرنا اور دوسرے شخص کا ویڈیو بنانا کیسا ہے؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ مقصد سے ویڈیو گرافی اور اُس کی اشاعت درست نہیں ہے، اور اِس طرح کی کہانیوں پر تحقیق کے بغیر کوئی اعتماد بھی نہیں کیا جا سکتا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع. (مقدمة صحيح مسلم / باب النهي عن الحديث بكل ما سمع ۱/۱۰)

عن عبد اللّٰه ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند اللّٰه المصورون. (صحيح البخاري، كتاب اللباس / باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/۸۸۰ رقم: ۵۹۵۰، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة / باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ ۲/۲۰۰ رقم: ۲۱۰۹)

يحرم تصوير ذوات الأرواح مطلقًا، أي سواء أكان للصورة ظل أو لم يكن وهو مذهب الحنفية والشافعية والحنابلة. (الموسوعة الفقهية ۱۲/۱۰۲ الكويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۶ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

داڑھی کٹانے اور منڈانے کی اُجرت لینا

سوال (۱۱۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: میں حجامت کا پیشہ کرتا ہوں اور اسی برادری سے تعلق رکھتا ہوں، چند سال قبل مجھے معلوم ہوا کہ شیو بنانے کی اُجرت حرام ہے اور شیو بنانا بھی حرام ہے، تو میں نے اللہ کی توفیق سے ہمت کر کے شیو بنانا بالکل ترک کر دیا کہ اگر یہ عمل کروں تو حرام کماؤں گا اور حرام سے بچوں کی پرورش بھی کروں گا، دو سال سے زائد مدت سے یہ عمل چھوڑے ہوئے ہو گئے، اِس پر مجھے اپنی برادری (نائی) کی طرف سے بہت کچھ سننے کو ملا کہ بہت بڑا حلالی بنتا ہے، یہی ایک حلال کا کھانے والا ہے اور ہم سب تو حرام کی کھا رہے ہیں اور اب کچھ دنوں سے ایک مشت سے کم پر بال کترنے اور سیاہ خضاب لگانے کا عمل بھی ترک کرنے کا ارادہ ہے؛ اِس لئے کہ بعض علماء سے سنا ہے کہ یہ دونوں عمل بھی حرام ہیں، تو میرا یہ قدم اُٹھانا کیسا ہے؛ جب کہ میری برادری پہلے سے زیادہ اب طعنے کسے گی، میں نے یہ بات ایک عالم صاحب سے کہی تو انہوں نے فرمایا: کہ یہ سب عمل تو حرام ہیں مگر ان پر لی ہوئی اجرت حلال ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا شیو بنانا حرام اور اس پر لی ہوئی اجرت حلال ہے؟ اسی طرح سیاہ خضاب اور ایک مشت سے کم پر داڑھی کترنے کی اجرت حلال ہے؟ اگر کوئی کہے کہ اجرت تو حلال ہے عمل کرتے رہو کیا فرق پڑتا ہے حرام تو نہیں کھا رہے ہو، اس مال پر قربانی اور زکاۃ واجب ہوگی؟ اگر کوئی کمائی کو پیش نظر رکھ کر یہ عمل کرتا رہے تو اس کا یہ عمل کرنا جائز ہوگا؟ واضح رہے کہ شیو بنانے اور خضاب لگانے میں جو سامان لگتا ہے وہ سب میں خود اپنی جیب سے لگاتا ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- داڑھی مونڈنا اور شیو بنانا بلاشبہ ناجائز عمل ہے اور آپ نے ایسے ناجائز اعمال کو چھوڑ کر بہت قابل قدر اقدام کیا ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، آپ کا یہ مثالی جذبہ آپ کے پیشہ سے جڑے دیگر لوگوں کے لئے قابل تقلید ہے اور جو لوگ اس کی وجہ سے آپ پر نامناسب تبصرے کر رہے ہیں وہ سب نادان ہیں، آپ کو ان کی باتوں سے متأثر نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اپنے اقدام پر ثابت قدم رہنا چاہئے؛ تاہم جہاں تک

فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک داڑھی مونڈنا یا ایک مشت سے کم داڑھی کاٹنا وغیرہ یہ عمل تو اعانت علی المعصیۃ کی وجہ سے ناجائز ہے؛ لیکن اس عمل کو انجام دینے میں جو محنت اور وقت صرف ہوتا ہے اُس کی اُجرت اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہیں ہے۔ بریں بنا اگر کوئی اِس پیشہ سے وابستہ رہ کر یہ ناجائز اُمور انجام دیتا ہے تو اُس کی آمدنی کو مکروہ تو کہا جائے گا؛ لیکن قطعی حرام کے درجہ میں نہیں رکھا جائے گا؛ تاہم اُس کی وجہ سے یہ کہنا کہ ''اجرت تو حلال ہے عمل کرتے رہو کیا فرق پڑتا ہے'' اِس طرح کا جملہ مسائل شریعت کی تخفیف کا سبب ہے، ایسے تبصروں سے احتیاط لازم ہے۔

ويحرم على الرجل قطع لحيته. (الدر المختار / كتاب الحظر والإباحة ٥٨٣/٩ زكريا)

وفي نوادر هشام عن محمد – رحمه الله تعالىٰ –: رجل استأجر رجلا ليصور له صورًا أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فإني أكره ذلك وأجعل له الأجرة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة ٤٥٠/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۷/۱۴۳۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تصویر کے ساتھ بینر اور اشتہارات چھاپنا

سوال (۱۱۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ پرنٹنگ پریس کا کام کرتا ہے جس میں شادی کارڈ وغیرہ چھاپے جاتے ہیں، الیکشن کے موقع پر بندے کے پاس بینر اور اشتہارات کے آرڈر آتے ہیں، جس میں لوگوں کی تصویریں سیٹ کرنی پڑتی ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا میرے لئے اِن تصویوں کو سیٹ کرنا اور پھر بینر اور اشتہارات تیار کر کے پیسہ کمانا حلال اور درست ہے، باحوالہ مکمل ومدلل جواب دے کر ممنون فرمائیں؛ تاکہ ہم اُسی کے مطابق اپنے کام کو انجام دے سکیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر شادی کارڈ اور اشتہارات وغیرہ میں اصل مقصود لکھی ہوئی تحریر ہو اور تصاویر ضمنی طور پر شامل ہوں، تو اُن کو تیار کرنے اور چھاپنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اُس میں حیاء سوز تصویریں نہ ہوں، اور اُس کی آمدنی بہرحال حلال ہے۔ (جواہر الفقہ ۲۴۹/۷ زکریا)

أما إذا كان المبيع شيئًا آخر من المباحات وهو مشتمل على صور فتدخل في المبيع تبعًا فيجوز بيعها، وهذا مثل الجرائد والصحف والكتب التي يقصد منها مضمونها المباح؛ ولكنها ربما تشتمل على صور ممنوعة، وكذلك ما عمت به البلوىٰ من أن العُلب التي تُعَبَّأُ بها الأشياء المباحة يشتمل أكثرها على صور فلايمنع من بيعها إذا كان المقصود الأشياء المباحة دون الصور. (التصوير لأحكام التصوير / للعلامة المفتي محمد شفيع العثماني ص: ٧٦ بحوالة: فقه البيوع، المبحث الثالث في أحكام المبيع والثمن وما يشترط فيهما لجواز البيع / الصور غير المجسدة ٣٢٠/١-٣٢١ المكتبة النعيمية ديوبند)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ٣٠٧/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاڑی میں شراب اور بیئر لادکر لانے کی اُجرت وصول کرنا

سوال (۱۱۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسلم شخص کی گاڑی کرایہ پر چلتی ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کی بیئر شراب بھی لادی جاتی ہے تو کیا اس بیئر کے لادنے کی اُجرت جائز ہے یا ناجائز؟ اِس اُجرت کو استعمال

کرنا کیسا ہے؟ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسلمان کے لئے بالقصد گاڑی پر شراب لادکر اُس کا کرایہ وصول کرنا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے؛ تاکہ ناجائز کام میں تعاون لازم نہ آئے؛ تاہم اِس عمل کی اُجرت ناجائز نہ ہوگی۔

ومن حمل لذمي خمرًا فإنه يطيب له الأجر عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالى، وقال أبو يوسف محمد: يكره له ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية. (الهداية، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٤٧٣/٤ المكتبة النعيمية ديوبند، مجمع الأنهر، كتاب الكراهية / فصل في الكسب ١٨٦/٤-١٨٧ دار الكتب العلمية بيروت)

وجاز – إلىٰ قولهٖ – حمل خمر لذمي بأجر (كنز) يعني جاز ذلك وهذا عند الإمام، وقالا: يكره الخ. (البحر الرائق، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٣٨٢/٨ زكريا)

وجاز تعمير كنيسة وحمل خمر ذمي بنفسه أو دابته (تنوير الإبصار مع الدر) قال الزيلعي: وهذا عنده، وقالا: هو مكروه؛ لأنه صلى اللّٰه عليه وسلم لعن في الخمر عشرة وعد منها حاملها. (رد المحتار، كتاب الكراهية / فصل في البيع، باب الاستبراء وغيره ٥٦٢/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

منتر ومورتیوں والے کارڈ چھاپنا اور بیچنا کیسا ہے؟

سوال (۱۱۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: میں شادی کارڈ بنانے کا کام کرتا ہوں جس میں ہندو، مسلم دونوں گاہک میرے پاس آتے ہیں، ہندوؤں کے کارڈ پر کچھ منتر اور مورتیوں کو بھی چھاپنا پڑتا ہے تو اُن کا بیچنا اور چھاپنا اَزروئے شرع کیسا ہے؟ اِسی طرح مسلم شادی کارڈ کا بیچنا اور چھاپنا کیسا ہے؟ جب کہ اُس میں بھی رسم وغیرہ کی دعوتیں دی جاتی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر شادی کارڈ وغیرہ سے مقصود اصلی صرف لکھی ہوئی تحریر اور تصاویر ضمناً شامل ہوں تو اُن کو بیچنے اور چھاپنے کی گنجائش ہے، پھر بھی بتوں وغیرہ کی تصاویر چھاپنے سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہئے؛ تاہم اُس کی آمدنی بہرحال حلال ہوگی۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۷/۲۴۹)

أما إذا كان المبيع شيئا آخر من المباحات وهو مشتمل على صور فتدخل في المبيع تبعًا فيجوز بيعها، وهذا مثل الجرائد والصحف والكتب التي يقصد منها مضمونها المباح؛ ولكنها ربما تشتمل على صور ممنوعة، وكذلك ما عمت به البلوىٰ من أن العُلب التي تُعَبَّأُ بها الأشياء المباحة يشتمل أكثرها على صور فلايمنع من بيعها إذا كان المقصود الأشياء المباحة دون الصور. (التصوير لأحكام التصوير / للعلامة المفتي محمد شفيع العثماني ص: ٧٦ بحوالة: فقه البيوع، المبحث الثالث في أحكام المبيع والثمن وما يشترط فيهما لجواز البيع / الصور غير المجسدة ١/ ٣٢٠-٣٢١ المكتبة النعيمية ديوبند)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ٤/ ٣٠٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۷/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمیشن اور دلالی

دونوں طرف سے کمیشن لینا

سوال (۱۱۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دونوں طرف سے کمیشن لینا کیسا ہے؟ نیز جس آدمی کو میں مال دلوا رہا ہوں، اُس کو اُس مال کا علم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ کہ جس سے میں مال دلوا رہا ہوں اُس سے بھی کمیشن لے رہا ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جس کاروبار میں فریقین سے کمیشن لینا معروف ہو، وہاں دونوں طرف سے متعینہ کمیشن لینے کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص کسی ایک جانب کا باقاعدہ وکیل ہو، اُس کے لئے بلا اجازت دوسرے فریق سے کمیشن لینا درست نہ ہوگا۔

إذا اشترطت الأجرة في الوكالة وأوفاها الوكيل يستحقها وإن لم تشترط، ولم يكن الوكيل ممن يخدم بالأجرة يكون متبرعًا، وليس له مطالبته بأجرة. (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الكتاب الحادي عشر في الوكالة / الباب الثالث في بيان أحكام الوكالة ٤/٤١٥ رقم: ١٤٦٧ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشترکہ زمین تقسیم کے بعد بکوانے پر فریقین سے کمیشن کا لینا

سوال (۱۱۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: فریق اول: جناب ڈاکٹر محمد مطلوب صاحب، فریق ثانی: محمد شاہد صاحب نے مشترکہ طور پر ایک زمین خریدی، جب دونوں شریکوں میں نزاع ہوا تو امیر مجلس جناب محمد ساجد صاحب نے مشورہ کے ساتھ جناب محمد ممتاز صاحب و جناب شمیم عالم صاحب کو ایک مدلل تحریر کے ساتھ (جس میں جانبین کے دستخط و شرائط موجود تھے) کمیشن پر زمین فروخت کرانے کا جب ذمہ دار بنایا تو شمیم صاحب نے بغیر کمیشن کے بطور معاونت ممتاز صاحب کے ساتھ کام کرنے کے لئے کہا؛ لیکن امیر مجلس نے شمیم صاحب کو بھی کمیشن لینے پر مجبور کر دیا، اور پھر دونوں بخوشی کام کرنے لگے، جب دونوں حضرات حتی المقدور کوشش کرنے کے باوجود زمین فروخت نہ کرا سکے تو ایک روز ممتاز صاحب نے امیر مجلس و فریق ثانی کے سامنے مذکورہ تحریر کو پھاڑ کر پھینک دی اور کہا کہ زمین فروخت کرانے کی اب ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے، آپ دونوں حضرات خود ہی فروخت کر لو، ممتاز صاحب کے زبانی انکار اور پرچہ پھاڑنے سے ارکانِ مجلس و بالخصوص فریق ثانی نے یہ سمجھ لیا کہ اَب اُن کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے؛ بلکہ ہم کو اپنی زمین خود ہی فروخت کرنی پڑے گی، مذکورہ مجلس (جس میں پرچہ پھاڑا گیا) کے ختم ہونے کے بعد جب ممتاز صاحب نے پرچہ پھاڑنے کا تذکرہ شمیم صاحب سے کیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں درمیان سے نہیں نکلوں گا؛ بلکہ کمیشن پر زمین فروخت کرنے کی برابر کوشش کرتا رہوں گا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ فریقین کے درمیان زمین کے تقسیم ہونے اور اُس کے بعد اُس کی فروختگی تک محمد ممتاز صاحب و شمیم صاحب کی گفتگو کا نہ امیر مجلس محمد ساجد صاحب کو پتہ چلا اور نہ ہی فریق ثانی محمد شاہد صاحب کو؛ چوں کہ دونوں فریقوں کے مابین کافی دنوں سے نزاع جاری تھا (اور اِس نزاع کا دیگر حضرات کے علاوہ شمیم بھائی کو بخوبی علم تھا؛ بلکہ فریقین کی بعض مجلسوں میں شریک بھی ہوئے تھے) بایں طور کہ فریق اول زمین کو شرکت کے ساتھ فروخت کرنا چاہتے تھے اور فریق ثانی کا پرزور مطالبہ تھا کہ چاہے زمین واپس ہو جائے؛ لیکن فریق اول کے ساتھ شراکت داری باقی نہیں رکھی جائے گی۔ اور مزید مطالبہ یہ تھا کہ فریق ثانی کو اُن کے پیسوں کے

بقدر زمین مل جائے؛ چناں چہ ہوا بھی ایسے ہی کہ برضا وخوشی مشورے کے ساتھ فریق ثانی کو اُن کے پیسوں کے بقدر زمین مل گئی اور باقی تمام زمین فریق اول کو دے دی گئی (اِن تمام باتوں یعنی فریق ثانی کے مطالبہ اور فروختگی سے قبل زمین کے تقسیم ہونے کا شمیم صاحب کو بخوبی علم تھا) اور فریقین کے درمیان زمین تقسیم ہونے کے بعد اسی رات کو شمیم صاحب نے فریق اول کی زمین میں سے کچھ زمین چودھری ببلو صاحب کو فروخت کرادی اور جب یہ بیع ہوئی تو اس وقت فریق ثانی کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ مشتری کون ہے؟

کیا کمیشن طے کیا گیا، زمین کا ریٹ کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ گویا کہ فریق ثانی سے خفیہ رکھ کر بیع کرائی گئی اور فریقین کے مابین زمین سے متعلق جب تمام معاملات ختم ہو چکے تو اس کے دو چار روز کے بعد شمیم صاحب نے ارکانِ مجلس وبالخصوص فریق ثانی سے (چودھری ببلو صاحب کو زمین فروخت کرانے کے) کمیشن کا مطالبہ کیا تو تمام لوگوں نے منع کر دیا اور کہا کہ آپ نے جو بیع کرائی ہے وہ زمین تقسیم ہونے کے بعد فریق اول کے حصہ میں سے کرائی ہے، فریق ثانی کی تمام زمین باقی ہے؛ لہٰذا فریق ثانی سے کمیشن کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے۔

شمیم صاحب کا کہنا یہ ہے کہ تحریر کے مطابق وقت باقی ہے؛ چوں کہ ہمارا اور آپ کا وقت ۳۱؍جنوری تک تھا اور فروختگی ۲۹؍جنوری کو ہوئی تھی؛ لہٰذا فریق ثانی کو بھی کمیشن دینا چاہئے۔

فریق ثانی محمد شاہد صاحب کا کہنا ہے کہ آپ کے ساتھ محمد ممتاز صاحب کے انکار اور زمین تقسیم ہونے تک آپ کے سکوت کی وجہ سے تحریر سابق باطل ہو چکی ''**السکوت في محل البيان بيان**'' کی وجہ سے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پرچہ پھاڑنے سے زمین کے تقسیم ہونے تک کوئی جدید معاملہ بھی طے نہیں کیا گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب تحریر لکھی گئی تھی تو اس وقت فریقین کے مابین زمین مشترک تھی اور جب زمین فروخت ہوئی تو اس وقت منقسم تھی، جس کا آپ کو بخوبی علم ہے؛ لہٰذا فریق

ثانی سے کمیشن کا کوئی حق نہیں۔

محمد شمیم صاحب کا کہنا ہے کہ جب فریق اول نے کمیشن دیا ہے تو فریق ثانی محمد شاہد کو بھی دینا چاہیے۔

فریق ثانی محمد شاہد صاحب کا کہنا ہے کہ آپ نے فریق اول کے حصہ کی بیع کرائی ہے، نہ کہ فریق ثانی کے حصہ کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ بفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ (شمیم صاحب) فریق اول کی طرح فریق ثانی کو بھی ارض مبیعہ کا مالک سمجھ رہے تھے تو فروختگی فریق ثانی سے خفیہ رکھ کر کیوں کرائی گئی جیسا کہ ماقبل کے سطور سے ظاہر ہو چکا ہے؛ کیوں کہ مالک کی اجازت کے بغیر فروختگی جائز نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ فروختگی کے وقت جس طرح آپ نے مشتری چودھری ببلو صاحب اور بائع فریق اول محمد مطلوب صاحب سے کمیشن کا مطالبہ کیا تھا تو اسی طرح اسی وقت فریق ثانی محمد شاہد سے مطالبہ کیوں نہیں کیا، جب کہ یہ آپ کا پرانا کاروبار ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ محمد شمیم صاحب فریق ثانی سے کمیشن کا مطالبہ کر رہے ہیں اور فریق ثانی منع کر رہے ہیں؛ کیوں کہ فریق ثانی کے حصہ میں سے ایک انچ بھی زمین فروخت نہیں ہوئی اور جو فروخت ہوئی تو وہ بعد التقسیم فریق اول کے حصہ میں سے ہوئی، تو سوال یہ ہے کہ شمیم صاحب کا فریق ثانی سے کمیشن کا مطالبہ کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بر تقدیر صحتِ سوال جب مذکورہ مشترک زمین فریقین کے درمیان باقاعدہ الگ الگ تقسیم کر دی گئی تو اُس کی فروختگی پر کمیشن کا جو معاملہ پہلے طے ہوا تھا وہ دوسرے فریق کی ملکیت کے حق میں فسخ سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ زمین اب مشترک نہ رہی، پس بعد میں جس فریق کے حصے کی زمین بیچی جائے گی، اُسی فریق سے فروختگی کا کمیشن

لینے کا حق ہوگا، دوسرے فریق سے اُس کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته الخ. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الغصب ۲۹۱/۹ زكريا، ۲۰۰/٦ كراچی، الأشباه والنظائر، الفن الثاني / كتاب الغصب ۱۵۷)

وأما الدلال فإن باع العين بنفسه بإذن ربها فأجرته على البائع. (الدر المختار، كتاب البيوع / مطلب في حبس المبيع لقبض الثمن الخ ۹۳/۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۷/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاہک لانے پر دوکان دار سے کمیشن لینے کی متعدد صورتیں

سوال (۱۱۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک کاروباری آدمی ہے، جو کمیشن سے متعلق چند صورتوں کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہے، عمر زید سے کہے۔

(۱) میں آپ کے پاس گاہک لاؤں گا؛ لیکن جب میں گاہک لاؤں تو آپ سو روپئے کی چیز کو اُس کو ۱۲۰/ میں دینا اور بعد میں ۲۰/ روپئے مجھ کو واپس کر دینا۔

(۲) میں آپ کی دکان پر گاہک لایا کروں گا، اِس شرط پر کہ آپ مجھے اتنا روپئے ماہانہ دیا کریں یعنی پیسہ متعین کر دے۔

(۳) میں آپ کی دکان پر گاہک لایا کروں گا اور آپ مجھے کچھ روپئے دیا کریں، روپئے متعین نہ کرے۔

(۴) گاہک لایا کرتا ہے؛ لیکن کوئی شرط نہیں لگائی ہے۔ دکان دار خوش ہوکر خود بخود اس کو کچھ روپئے دے دیا کرتا ہے۔

براہ کرم اِن چاروں صورتوں کا مدلل جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر کمیشن ایجنٹ دوکان دار سے یہ شرط لگائے کہ میں خود گاہک لے کر آؤں گا، اور ہر گاہک لانے کے عمل پر متعینہ اُجرت لوں گا، تو یہ معاملہ بلاشبہ درست ہے؛ کیوں کہ یہ ایک باقاعدہ عمل کی اُجرت ہے۔ واضح ہو کہ اِس صورت میں کمیشن ایجنٹ اُسی وقت اُجرت کا مستحق ہوگا، جب کہ وہ خود گاہک کو لے کر آئے، محض دوکان کا پتہ بتادینے یا ٹیلی فون پر رہنمائی کردینے پر اُجرت کا استحقاق نہ ہوگا۔

اِسی طرح یہ شرط لگانا بھی لغو ہے کہ دوکان دار گاہک سے مثلاً ۱۰۰/روپئے کی چیز ۱۲۰/روپئے میں بیچے؛ کیوں کہ یہ معاملہ گاہک اور دوکان دار کے درمیان کا ہے، اس میں کسی تیسرے کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

نیز یہ شرط لگانا بھی مفسد عقد ہوگا کہ اگر میں گاہک لاؤں تو مجھے کچھ روپئے دے دیا کریں؛ کیوں کہ یہاں اُجرت مجہول ہے، ایسی صورت میں اگر گاہک لائے گا، تو دوکان دار سے صرف معروف اُجرتِ مثل کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

اور اگر پہلے سے کوئی شرط نہ لگائی ہو، تو دوکان دار سے مطالبہ تو نہیں کرسکتا؛ لیکن اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ دے دے تو یہ اُس کی طرف سے تبرع واحسان ہوگا۔

وفي البزازية: إجارة السمسار والمنادي والحمامي والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز، لما كان للناس به حاجة ويطيب الأجر المأخوذ، لو قدّر أجر المثل. (رد المحتار، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ٦٤/٩ زكريا)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل ...... وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدًا لكثرة التعامل. (رد المحتار، كتاب الإجاره / باب ضمان الأجير ٨٧/٩ زكريا)

وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين، لأن جهالتهما تفضي إلى

المنازعة. (الدر المختار / كتاب الإجارة ۷/۹ زكريا)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومةً والأجرة معلومةً. (الهداية / كتاب الإجارة ۲۹۳/۳ المكتبة الأشرفية ديوبند)

إن دلّني على كذا فله كذا، فدله فله أجر مثله إن مشى لأجله، من دلني على كذا فله كذا فهو باطل (الدر المختار) وفي البزازية والوالجية: رجل ضل له شيء فقال من دلني على كذا فله كذا، فهو على وجهين: إن قال ذلک على سبيل العموم بأن قال: من دلني فالإجارة باطلة لأن الدلالة والإشارة ليست بعمل يستحق به الأجر. وإن قال على سبيل الخصوص، بأن قال لرجل بعينه: إن دللتني على كذا فلک كذا، إن مشى له فدلّه فله أجر المثل، للمشي لأجله لأن ذلک عملٌ يستحق بعقد الإجارة، وإن دلّه بغير مشي فهو والأول سواءٌ. (رد المحتار، كتاب الإجارة / باب فسخ الإجارة ۱۳۰/۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گاہک لانے پر طے شدہ کمیشن کا مطالبہ کرنا

سوال (۱۱۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک ماربل بیوپاری ہے، ماربل کا گودام رکھتا ہے، اب ایک شخص زید سے کہتا ہے کہ اگر میں تمہارے پاس گراہک لے کر آؤں تو تمہیں مجھے بطور کمیشن ایک فٹ پر دس روپئے دینا ہوگا، اِس طرح کا معاملہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں زید کا محنت کرکے ماربل تاجر

کے پاس گراہک لانے پر ایک فٹ پر دس روپئے کی اُجرت لینا درست ہے؛ بشرطیکہ مجموعی طور پر یہ متعین ہو کہ کتنے فٹ پتھر کی خریداری ہوگی؛ تاکہ آئندہ کسی نزاع کا خطرہ نہ رہے۔

عن حماد أنه كان يكره أجر السمسار إلا بأجر معلوم. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب البيوع والأقضية / في أجر السمسار ٤/٤٥٤ رقم: ٢٢٠٦٣ مكتبة الرشد رياض)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليه أن من كل عشرة دنانير كذا فذلك حرام عليهم. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة الخ ٤/٤٥٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۶/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاہک کو مال دلوانے پر کہنا کہ اپنی خوشی سے جو چاہو دے دو

سوال (۱۱۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمرو زید سے گراہک کو مال دلوانے کے بعد یوں کہتا ہے کہ آپ کو خوشی سے جو دینا ہو دے دیں، یعنی پہلے سے معاملہ طے نہیں ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جس آدمی کا مشغلہ یہی ہو کہ وہ گراہکوں کو مال دلوا کر اُس سے کمیشن لیتا ہو وہ اپنے عمل پر عرف کے مطابق معاوضہ لینے کا مستحق ہوگا؛ اگرچہ پہلے سے باقاعدہ معاملہ طے نہ کیا ہو۔

وقالوا في الإجارات: لو دفع ثوبًا إلى خياط ليخيط له أو إلى صباغ ليصبغه له ولم يعين له أجرة ثم اختلفا في الأجر وعدمه، وقد جرت العادة بالعمل بالأجرة، فهل ينزل منزلة شرط الأجرة؟ فيه اختلاف، قال الإمام الأعظم: لا أجرة له، وقال أبو يوسف: إن كان الصابغ حريفًا له أي معاملا له

فلـه الأجـر وإلا لا. وقال محمد: إن كان الصابغ معروفًا بهذه الصنعة بالأجر وقيـام حاله بها كان القول قوله، وإلا فلا اعتبار للظاهر المعتاد. وقال الزيلعي: والفتوىٰ على قول محمد. (الأشبـاه والـنظائر، الفن الأول / القاعدة السادسة: العادة محكمة ص: ۲۷۸ مكتبة الحرمين داكا، ص: ۸۵ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۶/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایڈمیشن کرانے پر پرنسپل اور ٹیچر کا باہم کمیشن طے کرنا

سوال (۱۱۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اسکول میں بڑی کلاسوں میں داخلے کے لئے بڑی سفارشات اور مہنگی فیس دینی پڑتی ہے، کچھ لوگوں سے اُس کے پرنسپل نے یہ معاملہ کیا کہ فی طالب علم لانے پر ایک لاکھ میرا اور اِس سے زیادہ تمہارا، اب ایک شخص اپنے بچے کا ایڈمیشن کروانے کے لئے اُن لوگوں سے بات کرتا ہے، تو یہ اُس سے کہتے ہیں کہ ڈیڑھ لاکھ لگے گا، داخلہ ہوجائے گا، پھر ایک لاکھ پرنسپل کو دے دیتے ہیں، باقی خود رکھتے ہیں، تو اِس طرح کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر یہ کمیشن ایجنٹ مذکورہ اسکول میں داخلہ کے لئے کوئی محنت اور عمل کرتا ہے، مثلاً دونوں میں بات چیت کراتا ہے وغیرہ، تو اِس پر مقررہ اُجرت لینے کی گنجائش ہوگی؛ لیکن اگر اُس کی طرف سے کوئی عمل نہ پایا جائے وہ محض اپنی وجاہت کی بنیاد پر اسکول میں داخلہ کی رہنمائی کرے، تو اُس کے لئے داخلہ پر کوئی معاوضہ لینا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: تجویز اِدارۃ المباحث الفقہیۃ ’’جمعیۃ علماء ہند‘‘ گیارہواں فقہی سیمینار، درکتاب النوازل ۱۲/ ۳۹۵ فرید بک ڈپو دہلی)

وفي البـزازية والـولوالجية: رجل ضل له شيء فقال من دلني على كذا

فلـه كذا فهو على وجهين: إن قال ذلک على سبيل العموم بأن قال: من دلني فالإجارة باطلة؛ لأن الدلالة والإشارة ليست بعمل يستحق به الأجر. وإن قال عـلى سبيل الخصوص بأن قال لرجل بعينه إن دللتني على كذا فلک كذا، إن مشى لـه فـدلـه فـلـه أجر المثل للمشي لأجله؛ لأن ذلک عمل يستحق بعقد الإجارة. (رد المحتار، كتاب الإجارة / باب فسخ الإجارة ۹/ ۱۳۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

YIP کمپنی کے کورس بکوانے اور ممبران جوڑنے پر کمیشن لینا

سوال (۱۱۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احقر YIP ایپ سے آن لائن کام کرتا ہے جس کا طریقۂ کار یہ رہتا ہے کہ ہم کو سوشل میڈیا پر لوگوں کو تلاش کر کے اُس کے کورس کو بکوانا رہتا ہے، اور جیسا کورس ہم بکواتے ہیں ویسا ہی کمپنی ہم کو کمیشن دیتی ہے، جس بندہ کو ہم وہ کورس بکوائیں گے اُس کو ایک فارم بھرنا رہتا ہے، جس کو پر کرنے کے بعد وہ بھی کمپنی کا ممبر بن کر اُس کو بکواتا ہے، تو کیا ہمارا اِس کورس کو بکوانے پر کمیشن لینا درست ہے؟ جب کہ ہم کو کچھ پیسوں کی انکم بھی ملتی ہے، یعنی جس بندہ کو ہم نے وہ کورس بیچا تھا، اگر وہ کسی دوسرے بندہ کو کورس بیچتا ہے تو ہم کو بھی کچھ پیسوں کی کمیشن ملتی ہے، جب کہ پیسوں کی انکم بالکل الگ ہوتی ہے، اور ہم اس کو بآسانی علیحدہ کر سکتے ہیں۔

تو کیا ہمارا ایسی صورت میں اس ایپ کا ممبر بن کر کام کرنا اور اُس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو لینا درست ہے؟ براہ کرام قرآن وحدیث کی روشنی میں بندہ کو تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحت سوال مذکورہ کمپنی کا مقررہ کورس

بکوانے پر متعینہ کمیشن لینا آپ کے لئے درست ہے؛ لیکن اُس کے بعد جو ممبر بنیں گے اور جو کچھ فروخت کریں گے تو اُن کے عمل پر آپ کے لئے اُجرت لینا درست نہ ہوگا؛ کیوں کہ اُس میں آپ کا براہِ راست کوئی عمل دخل نہیں ہے اور اُن کا آپ کی ممبری سے وابستہ ہونا محض ایک دلالت اور رہنمائی ہے، جس پر کسی اُجرت کا استحقاق نہیں ہوتا۔

وفي البزازية والولوالجية: رجل ضل له شيء فقال من دلني على كذا فله كذا فهو على وجهين: إن قال ذلک على سبيل العموم بأن قال: من دلني فالإجارة باطلة؛ لأن الدلالة والإشارة ليست بعمل يستحق به الأجر. وإن قال على سبيل الخصوص بأن قال لرجل بعينه إن دللتني على كذا فلک كذا، إن مشى له فدله فله أجر المثل للمشي لأجله؛ لأن ذلک عمل يستحق بعقد الإجارة، وإن دله بغير مشي فهو والأول سواء. (رد المحتار، كتاب الإجارة / باب فسخ الإجارة ۹/ ۱۳۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دلال سے یہ کہنا کہ: چیز بیچنے پر اتنے روپئے میرے اُس سے زائد آپ کے

سوال (۱۱۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمرو زید سے یوں پوچھتا ہے کہ آپ کے مال کی کتنی قیمت ہے؟ زید کہتا ہے کہ تین سو روپئے ہے، آپ جتنے میں بھی بکوادیں، تین سو سے اُوپر آپ کا ہے، تو کیا عمرو کے لئے تین سو سے اُوپر کا نفع لینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال اگر معاملہ اِس طرح کیا جائے

کہ دلال عمرو زید سے اُس کا مال تین سو روپئے میں خرید لے اور پھر اُسے تین سو سے زائد میں بیچ دے، تو اُس کے لئے زائد نفع لینا حلال ہوگا۔

عن الزهري قال: إذا دفع الرجل إلى الرجل متاعًا فقال: ما استفضلت فهو لک أو فبني وبينک فلا بأس به. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب البيوع والأقضية / في الرجل يدفع إلى الرجل الثوب فيقول: بعد فما ازددت فلك ٥٨٢/١٠ رقم: ٢٠٧٧٤، ٣٠٢/٤ رقم: ٢٠٤٠١ مكتبة الرشد رياض)

اور اگر خریداری کا معاملہ نہ ہو؛ بلکہ اَز اول تا آخر دلالی ہی کا معاملہ ہو تو ایسی صورت میں عمرو جتنے میں بھی وہ مال فروخت کرے گا، اُس پوری ثمن کا مستحق مالک زید ہی ہوگا اور عمرو صرف دلالی کی معروف اُجرت لینے کا حق دار ہوگا؛ جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے مستفاد ہوتا ہے۔

والخامس: إجارة السمسار لا يجوز ذلک، وكذا لو قال: بع هذا الثوب بعشرة دراهم فما زاد فهو لک، وإن فعل فله أجر المثل. (النتف في الفتاویٰ ٥٧٥/١ مؤسسة الرسالة)

لو أعطى أحد ماله للدلال وقال: بعه بكذا دراهم، فإن باعه الدلال بأزيد من ذلک فالفاضل أيضًا لصاحب المال وليس للدلال سوى الأجرة، أي: أجرة المثل ...... بقي لو قال للدلال: بعه بعشرة، وما زاد فهو لک أجرة، والظاهر أنه لا أجر له أصلا لو باعه بعشرة أو لم يبعه؛ لأنه لم يجعل له أجرة على ذلک. ولو باعه بزيادة فله أجر المثل لا يزيد على تلک الزيادة. (شرح المجلة للأتاسي ٦٧٩/٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کام کئے بغیر سرکاری کارڈ ہولڈر کا وظیفہ لینا

سوال (۱۱۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے بنگال میں سرکار کی طرف سے ہر فیملی میں ایک سرکاری کارڈ بنا ہوا ہے اور سرکار کی طرف سے پورے سال میں صرف ۱۰۰/دن کا کام دیا جاتا ہے، وہ بھی صرف صبح ۷/بجے سے ۸/بجے تک، اور ہر روز کام کرنے کا ۳۰۰/روپیہ ملتا ہے۔ تو اَب سوال یہ ہے کہ سپروائزر یہ کرتے ہیں کہ جو لوگ کام نہیں کرتے اُن سے بات کرکے سرکاری کاغذ میں اُن کے نام کے سامنے دستخط کردیتا ہے اور جب بینک میں پیسہ آجاتا ہے تو آدھی رقم سپروائزر لیتا ہے اور آدھی کھاتہ دار لیتا ہے؛ حالاں کہ اس مذکورہ شخص نے کام کیا ہی نہیں، تو کیا کھاتے دار کا کام نہ کرکے اور سپروائزر کا اس کے نام پر دستخط کرکے رقم وصول کرنا کیسا ہے؟ جب کہ سرکار کے علم میں ہے کہ اُنہوں نے کام کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں کوئی کام کئے بغیر سرکار کی طرف سے وظیفہ لینا سرکاری ''کارڈ ہولڈر'' یا ''سپروائزر'' کسی کے لئے بھی جائز نہیں، یہ سراسر فریب اور خلافِ قانون ہے۔

وذكر في كتاب الإجارات أن الأجرة إذا كانت عينًا لا تملك بنفس العقد ...... وكان أبو حنيفة أولاً يقول: ولا يجب إيفاء شيء من الأجر إلا بعد استيفاء جميع المنفعة. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الإجارة / الفصل الثاني في بيان متى يجب الأجر ۱۴/۱۵ رقم: ۲۱۹۵۱ زكريا)

الأجرة إنما تكون بمقابلة العمل. (رد المحتار، كتاب النكاح / باب المهر ۳۰۷/٤ زكريا)

عن أبي حميد الساعدي رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، كتاب البيوع / باب الغصب وحرمة مال المسلم ١٧١/٤ مكتبة القدسي القاهرة)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ٢٤٥/١ رقم: ١٣١٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تنخواہ دار ملازم کیلئے حسن کارکردگی کی بناپر اِضافی رقم کی شرط

سوال (۱۱۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مولانا ہارون صاحب کا ہوٹل ہے، اُنہوں نے عمران بھائی کو چلانے کے لئے دیا اور یہ معاہدہ ہوا کہ پوری ذمہ داری مثلاً کوئی ملازم چلا جائے تو اُس کی جگہ دوسرے کو لانا، صفائی ستھرائی کی دیکھ ریکھ رکھنا، مال وسامان لانا وغیرہ آپ کو نبھانا ہے، اگر نبھائیں گے تو نفع میں سے ۲۰/ فیصد کے مستحق ہوں گے، اور اگر ذمہ داری پوری نہیں کی تو ۲۰/ فی صد کے حق دار نہ ہوں گے؛ لیکن عمران بھائی نے دو دن کے بعد ہی منع کر دیا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکے گا، تو مالک ہوٹل مولانا ہارون صاحب نے کہا کہ کچھ دنوں تک آپ رہیں، پھر عمران بھائی نے ۳۳/ دنوں تک ہوٹل چلایا؛ لیکن اِس دوران پوری وہ ذمہ داری جو معاہدہ میں طے ہوئی تھی، عمران بھائی نے اَدا نہیں کی، مولانا ہارون صاحب نے اَدا کی، اب معاہدہ میں جو بیس فی صد طے ہوا تھا، عمران بھائی اُس کے حق دار ہوں گے یا نہیں؟

نوٹ:- ایگریمنٹ میں عمران بھائی کی تنخواہ ۱۰/ ہزار مقرر ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ ہوٹل میں

عمران بھائی کا تقرر ۱۰ر ہزار روپئے تنخواہ پر بطور ملازم ہوا تھا اور ساتھ میں انتظامی ذمہ داری بجالانے پر بطور حوصلہ اَفزائی نفع میں سے ۲۰ر فی صدی حصہ دینے کی بات کہی گئی تھی؛ لیکن حسبِ تحریر سوال اُنہوں نے مزید کوئی ذمہ داری نبھانے سے دو دن بعد ہی انکار کردیا؛ لہٰذا وہ شرط پورا نہ کرنے کی وجہ سے مقرر تنخواہ ۱۰ر ہزار روپئے کے علاوہ مزید کسی رقم کے حق دار نہیں ہوں گے۔

الأجرة لا تجب بالعقد وتستحق ...... باستيفاء المعقود عليه. (الهداية، كتاب الإجارة / باب الأجر متى يستحق ۲۹٤/۳)

هي لغة اسم للأجرة وهو ما يستحق على عمل الخير. (الدر المختار / كتاب الإجارة ٤/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ملازمین کی تنخواہوں میں اسکول فنڈ کے لئے کٹوتی کرنا

سوال (۱۱۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک اسکول ہے جس کو سرکاری اِمداد ملتی ہے؛ لیکن اِمداد کی شکل یہ ہے کہ اسکول کے سبھی ملازمین کو ذاتی کھاتے میں ہر ماہ تنخواہ بھیجی جاتی ہے، اِس کے علاوہ اسکول کی تعمیر وغیرہ میں کوئی اِمداد نہیں ہوتی، تو اسکول کے ذمہ داران یہ کرتے ہیں کہ مثلاً ایک ٹیچر کی تنخواہ ۳۵ر ہزار ہے، تو اس کی رضامندی سے اس پر دستخط تو ۳۵ر ہزار کا کراتے ہیں، اور اسے کل ۱۰ر ہزار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو زائد رقم تمہارے کھاتے میں آئی ہے وہ اسکول کے فنڈ میں جمع کرو، اور جو ٹیچر ایسا نہیں کرتا اس کو کسی بہانے سے اسکول سے الگ کردیتے ہیں، تو اسکول والوں کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ حضرت آپ سے مخلصانہ درخواست ہے کہ ہمارے اِس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سرکاری ایڈیڈ اِداروں میں جوملازم ہوتے ہیں وہ دراصل سرکار کے ہی اجیر ہوتے ہیں، اِسی لئے اُن کی تنخواہ سرکاری فنڈ سے براہ راست اُن ملازمین کے کھاتوں میں آتی ہے، ادارہ کے منتظمین کو نہیں دی جاتی؛ لہٰذا منتظمین کے لئے اُس تنخواہ میں کٹوتی کا جبراً مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، منتظمین کو حسب ضابطہ تقرر کا حق تو حاصل ہے؛ لیکن تنخواہوں کا تعین سرکاری اسکیل کے مطابق ہوگا، اس میں منتظمین کوئی تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں ہیں؛ البتہ اگر کوئی ملازم سرکاری نظام سے ہٹ کر الگ سے رکھا جائے تو اس میں آپسی رضا مندی سے جو بھی تنخواہ طے ہوجائے وہ دی جاسکتی ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم في حدیث طویل: ...... ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال إمرء إلا بطیب نفس منه. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۲۵۵، مرقاة المفاتیح ۱۱۸/۶ المکتبة الأشرفیة دیوبند، سنن الدار قطني / کتاب البیوع ۲۷/۳ رقم: ۲۸۸۵ مکتبة دار الإیمان سهارنفور، شعب الإیمان للبیهقي ۳۸۷/٤ رقم: ٥٤۹۲ دار الکتب العلمیة بیروت)

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي. (رد المحتار، کتاب الحدود/ باب التعزیر، مطلب في التعزیر ۱۰٦/٦ کراچی، شرح المجلة لسلیم رستم باز ٦۲ رقم المادة: ۹۷ کوئٹه، الفتاویٰ الهندیة، کتاب الحدود / فصل في التعزیر ۱٦۷/۲ قدیم زکریا، البحر الرائق، کتاب الحدود / فصل في التعزیر ٦۸/٥ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

لمٹ اور کمیشن پر پیسہ لگانے والے کاروباری کے یہاں نوکری کرنا

سوال (۱۱٦۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ایک شخص کاروبار کرتا ہے، اُس کاروبار میں اُس کا اپنا پیسہ بینک سے لمٹ اور کمیشن پر بھی لگا ہوا ہے، کیا ہم وہاں نوکری کر سکتے ہیں، اگر ہم نوکری کرتے ہیں تو ہمیں بینک لمٹ جو ہر سال رینیول ہوتا ہے، اُس کے پیپر بھی ہمیں ہی تیار کرنے ہوں گے؟ کمیشن کا حساب بھی لگانا ہوگا، یا اگر ہم نوکری کر سکتے ہیں تو کن کاموں کو چھوڑ کر کر سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں سودی معاملہ کے کاغذات تیار کرنے کا عمل تو معصیت میں تعاون کی وجہ سے ناجائز ہوگا؛ لیکن مجموعی طور پر آپ کو ملازمت کی جو تنخواہ ملے گی وہ حلال ہوگی، آپ حتی الامکان معصیت والے کاموں سے بچنے کی کوشش کریں۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ / باب لعن آکل الربا وموکلہ ۲/۲۷ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي، أبواب البیوع / باب ما جاء في أکل الربا ۱/۲۲۹ رقم: ۱۲۰۶، مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع / باب الربا، الفصل الأول ۲۴۴)

رجل استأجر رجلا لیصور لہ صورًا أو تماثیل الرجال في بیت أو فسطاط فإني أکرہ ذلک وأجعل لہ الأجرۃ. (الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الإجارۃ / الفصل الرابع في فساد الإجارۃ إذا کان المستأجر مشغولا بغیرہ ۴/۴۵۰ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۱/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

منی ٹرانسفر کا کام کرنے کا حکم

سوال (۱۱۶۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احمد اور محمود دونوں باہر رہتے ہیں، محمود منی ٹرانسفر کا کام کرتا ہے، احمد نے محمود کو فون

پر بتادیا کہ آپ انڈیا میں فلاں کو ۲۰؍ہزار روپئے دے دو، میں آپ کو کل حوالہ کردوں گا، محمود نے انڈیا میں OK کردیا، تو کیا ایسا معاملہ کرنا اَز روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں محمود کو احمد کا اَجیر مانا جائے گا اور اَجیر کے لئے اپنے متعینہ عمل پر متعین اُجرت لینا درست ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ اور کاروبار بھی درست ہوگا۔ یہ دراصل منی آرڈر کی ایک جدید شکل ہے، اور اَکابر نے منی آرڈر کی اُجرت کو جائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد: اِمداد الفتاویٰ جدید مطول ۶؍۵۹۰)

یلجأ الناس عادة للتحويلات المحلية بنفس العملة، والخارجية بعملة أخرىٰ عن طريق المصارفة أو الصرف، ويأخذ المصرف عادةً من المحول مبلغًا من النقود، وهذا كما تقدم عمل جائز على أساس أنه توكيل للمصرف بدفع مبلغ معين لشخص معين وهو توكيل بأجر. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، للدكتور: وهبة زحيلي / المبحث السادس عشر مصادر التمويل الخ ١١/٤٧٩ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

فون پے اور گوگل پے وغیرہ پر کیش بیک لینا

سوال (۱۱۶۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل فون میں پلے اسٹور سے ’’فون پے‘‘ ’’گوگل پے‘‘ ایپ ڈاؤن لوڈ کرتے ہیں جس کا اپنے بینک اکاؤنٹ سے کنکشن ہوتا ہے، اَب جس کے فون میں ’’فون پے‘‘ ’’گوگل پے‘‘ ایپ ہے اُس کو اپنے فون کے ذریعہ اکاؤنٹ میں روپئے بھیج سکتے ہیں، بینک جانے کی

ضرورت نہیں پڑتی ہے، جب ہم کسی کو روپے بھیجتے ہیں یا کوئی ہم کو روپیہ بھیجتا ہے، تو ایک کوڈ آتا ہے اس کو کھرچیں تو بعض مرتبہ کچھ نہیں آتا ہے اور بعض مرتبہ آٹھ روپئے اور بعض مرتبہ اس سے کہیں زیادہ آتے ہیں، کتنا زیادہ آسکتا ہے اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے تو جو زائد روپئے آتے ہیں اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل فون میں ایپ کے ذریعہ رقومات منتقل کرنے پر جو ''کیش بیک'' کا کوپن ملتا ہے اُس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یہ کمپنی کی طرف سے ایک طرح کا انعام ہے۔ (مستفاد: تجاویز پندرہواں فقہی اجتماع جمعیۃ علماء ہند بمقام دہلی)

الأصل إباحة الجائزة علی عمل مشروع سواء کان دینیًا أو دنیویًا؛ لأنه من باب الحث علی فعل الخیر والإعانة علیه بالمال وهو من قبیل الهبة الخ.

(الموسوعة الفقهیة ۱۵/ ۷۷ الکویت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۳/ ۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

رقم ٹرانسفر پر کمپنی اور گاہک دونوں سے پیسے لینا

سوال (۱۱۶۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک پرائیویٹ کمپنی ہے جس کا نام ''مغنیو'' ہے، زید اس کی ایجنسی لے کر اس کا ایجنٹ بننا چاہتا ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ کمپنی زید سے ۴/ یا ۵/ ہزار روپئے فوراً جمع کراتی ہے، پھر ہر سال تقریباً ایک ہزار روپئے لیتی ہے، ایجنسی لینے کے بعد زید کسی بھی بینک سے پیسے نکال سکتا ہے، اب کوئی بھی پیسہ نکالنے والا بجائے بینک سے خود پیسہ نکالنے کے سہولت کی بنا پر اپنا پیسہ زید سے نکلواتا ہے، زید جس کا پیسہ نکالے گا اس کا آدھار کارڈ اور کھاتا نمبر لے لیتا ہے، پھر

اگر مثلاً عمرو کو دس ہزار روپئے نکلوانے ہیں تو زید سے آکر کہتا ہے کہ دس ہزار روپئے میرے کھاتے سے نکال دیجئے، زید عمرو کے کھاتے سے اپنے نجی کھاتے میں ٹرانسفر کر لیتا ہے اور دس ہزار روپئے عمرو کو دے دیتا ہے، اور زید عمرو سے دس ہزار روپئے پر سو روپئے لیتا ہے، اسی طرح کمپنی بھی زید کو دس ہزار روپئے پر دس روپیہ دیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ شکل میں رقم دے کر کر کے زید کا کمپنی کا ایجینٹ بننا اور پھر کمپنی سے زید کا پیسہ لینا اور اسی طرح پیسہ نکلوانے والے مثلاً عمرو سے زید کا پیسہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: – مسئولہ صورت میں کمپنی خود جو رقم لے رہی ہے وہ اس کی ایپ استعمال کرنے کی فیس ہے اور رقم نکالنے والے سے زید جو متعینہ رقم لے رہا ہے وہ اس کی محنت اور نفع رسانی کی اجرت ہے، پھر رقم ٹرانسفر کرنے پر کمپنی زید کو جو پیسے دے رہی ہے وہ اس کی طرف سے ہبہ اور انعام ہے؛ لہٰذا یہ پورا معاملہ درست ہے اور زید کے لئے اس کاروبار سے نفع اُٹھانا جائز ہے۔

یلجأ الناس عادة للتحويلات المحلية بنفس العملة، والخارجية بعملة أخرىٰ، عن طريق المصارفة أو الصرف، ويأخذ المصرف عادةً من المحول مبلغًا من النقود وهذا كما تقدم عمل جائز الخ. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة للزحيلي، المعاملات المالية المعاصرة / القسم الثاني، المبحث السادس مصادر التمويل في المصارف الإسلامية، ثالثًا: التحويلات ٤٧٩/١١ المكتبة الأشرفية ديوبند)

هي أي الهبة لغة التفضل على الغير ولو غير مال، وشرعًا تمليک العين مجانًا أي بلا عوض. (الدر المختار / كتاب الهبة ٤٨٨/٨ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اَجیر کا مزدور کو مزدوری سے زائد رقم دینے کا حکم

سوال (۱۱۶۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے کسی کا کوئی کام کیا اور اس کی مزدوری بھی لے لی، پھر اس نے میری محنت کے علاوہ کچھ اور روپئے دئے کہ یہ رکھ لو میں خوشی سے دے رہا ہوں، یا کوئی کچھ نہیں بولتا صرف کہتا ہے کہ رکھ لیجئے، ان کی نیت کیا ہوتی ہے مجھے معلوم نہیں؟ کیا میں وہ روپئے لے سکتا ہوں اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرسکتا ہوں؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کام کرانے والا شخص پوری مزدوری دینے کے بعد اپنی خوشی سے مزید رقم دے تو مزدور کے لئے اسے لینے میں کوئی حرج نہیں، یہ رقم اُس کے لئے عطیہ اور تبرع ہے وہ اُسے اپنے اور اپنے بچوں کی ضروریات میں بلاتردد صرف کرسکتا ہے۔

عن الزهري قال: إذا دفع الرجل إلى الرجل متاعًا فقال: ما استفضلت فهو لک أو فبني وبينک فلا بأس به. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب البيوع والأقضية / في الرجل يدفع إلى الرجل الثوب فيقول: بعد فما ازددت فلك ۱۰/۵۸۲ رقم: ۲۰۷۷٤، ٤/۳۰۲ رقم: ۲۰٤۰۱ مكتبة الرشد رياض)

أو لأنه تبرع بأدائه والتبرع لا يرجع. (الهداية ۳/۱۱۸)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الهبة ۸/٤۹۳ زكريا، خانيه على الفتاوىٰ الهندية ۳/۲٦۱ كوئٹه)

عن أبي حرة الرقاشي رضي الله عنه عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب / باب من غصب لوحًا فأدخله في سفينة الخ ۸/٥٦ رقم: ۱۱۷٤۰) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۳/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

Jio نیٹ ورک کی مشین لگانے کے لئے چھت کرایہ پر دینا

ســــوال (۱۱۶۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سائل کا ایک مکان چار منزلہ ہے جس کی چھت پر Jio موبائل کمپنی اپنے موبائل Jio کی اچھی سروس کے لئے ایک مشین لگانا چاہتے ہیں جس کے لگنے سے پورے علاقے کی Jio فون کی سروس بہت اچھی ہوجائے گی، کیا سائل Jio موبائل کمپنی کو اپنے مکان کی چھت پر کرایہ پر دے سکتا ہے؟ اور کیا یہ کرایہ کی رقم سائل کے لئے جائز ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- Jio موبائل کمپنی کو ٹاور لگانے کے لئے اپنی چھت کرایہ پر دینا شرعاً درست ہے اور کرایہ کی رقم اپنے استعمال میں لانے میں بھی کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ Jio مواصلاتی کمپنی ہے جو موبائل میں بات چیت اور نیٹ وغیرہ کی سہولت فراہم کرتی ہے، اَب اگر کوئی شخص نیٹ کا غلط استعمال کرے تو وہ خود اِس کا ذمہ دار ہوگا، کرایہ پر دینے والا اِس کا مسئول نہیں ہے۔

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة أى قراها (الدر المختار) هذا عنده أيضا؛ لأن الإجارة على منفعة البيت ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه، إنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٥٦٢/٩ زكريا)

وإذا استاجر الذمي من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب الخامس عشر، الفصل الرابع ٤٤٩/٤ زكريا)

وكذلک إذا استاجر الذمي بيتًا من المسلم ليبيع فيه الخمر جازت الإجارة. (المحيط البرهاني، كتاب الإجارة / الفصل الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارات وما لا يجوز ١٩٠/٩ كوئٹه)

الإجارة هي تمليك نفع مقصود من العين بعوض. (الدر المختار / أول كتاب الإجارة ٩/٤-٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پگڑی پر دوکان دینا

سوال (۱۱٦۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقے میں گھانوٹ کا رواج ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مالک دوکان کرایہ دار سے کہتا ہے کہ مجھے تین لاکھ روپیہ دیدو اور میری دوکان بغیر کرایہ کے استعمال کرتے رہو، اور دوسال کے بعد آپ کی رقم تین لاکھ روپیہ واپس کردی جائے گی اور آپ دوکان خالی کردینا اور دوکان لئے بغیر کوئی بھی اتنی بڑی رقم مالک دوکان کو نہیں دیتا؛ بلکہ مذکورہ رقم کی شرط لگی ہوئی ہوتی ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح گھانوٹ پر دوکان دینا شریعت کی رو سے درست ہے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں قرض دے کر دوکان سے فائدہ اُٹھانا حکماً سود میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے؛ البتہ جواز کی دوشکلیں ہوسکتی ہیں: اول یہ کہ دوکان والا معمول کے مطابق دوکان کا کرایہ اَدا کرے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ بیع الوفا کی صورت اپنائی جائے، یعنی دوکان مالک سردست تین لاکھ روپئے میں یہ دوکان فروخت کردے اور جب پیسہ واپس کرے تو دوبارہ اتنے ہی روپئے میں وہ دوکان خریدلے؛ گویا کہ قرض کا معاملہ نہ ہو؛ بلکہ آپسی رضامندی سے بیع وشراء کا معاملہ ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک گنجائش نکل سکتی ہے۔

عن فضالة بن عبيد رضي الله عنه صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، البيوع / باب كل قرض جر منفعةً فهو ربا ٢٧٦/٨ رقم: ١١٠٩٢ دار الفكر بيروت)

عن علي رضي الله عنه قال: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (كنز العمال / الدين والسلم ٦/٩٩ رقم: ١٥٥٢ دار الكتب العلمية بيروت)

الربا وهو الفضل الخالي عن العوض المشروط في المبيع. (المسبوط للسرخسي ١٢/١٠٩ دار الكتب العلمية بيروت)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعًا جائزًا مفيدًا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشائخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعًا جائزًا مفيدًا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه – إلىٰ قولهٖ – وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوىٰ. (تبيين الحقائق / كتاب الإكراه ٦/٢٣٧ زكريا)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشائخ بلخ وبخارىٰ توسعة. (الأشباه والنظائر / القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير ص:١٣ زكريا قديم، ١/٢٦٥-٢٣٦ زكريا جديد)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارىٰ وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد. (الأشباه والنظائر / تحت القاعدة الخامسة: الضرر يزال قديم ص:١٤٩، وهكذا: ١٦١، ١/٢٦٧ زكريا جديد)

وصورته أن يقول البائع للمشتري بعت منک هذا العين بدين لک علي على أني متى قضيت الدين فهو لي أو يقول البائع بعت هذا بكذا على أنى متى دفعت الثمن تدفع العين إلي الخ. (البحر الرائق، كتاب البيع / باب خيار الشرط ٦/١١ زكريا، ٦/١١ كوئٹه، تبيين الحقائق / كتاب الإكراه ٦/٢٣٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

○

فرنچائز کا شرعی حکم

"فرنچائز کے شرعی حکم" سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے پندرہویں فقہی اجتماع بتاریخ: ۲۱-۲۳/ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷-۲۹/ مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ جمعرات جمعہ (بمقام مدنی ہال مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (اَز: مرتب)

تمہید:- اِس وقت کاروبار کا ایک نیا طریقہ فرنچائز (Frenchise) کے نام سے چل رہا ہے، یعنی کسی مخصوص علاقے میں کسی کمپنی کی مصنوعات (Product) اُس کے نام سے فروخت کرنے کے حق اور اِجازت نامہ کو فرنچائز سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی: تجارت وخدمات میں فرنچائز ایک قسم کے معاہدے کا نام ہے، جس کی رو سے کوئی کمپنی، شخص یا سرکاری اِدارہ دوسری کمپنی یا شخص یا سرکاری اِدارے کو متعین علاقہ میں طے شدہ مدت تک کے لئے مصنوعات اور خدمات فروخت کرنے کا حق دیتا ہے، اِس حق کو خریدنے والا (فرنچائز) فروخت کرنے والے (فرنچائزر) کو فیس اداء کرتا ہے، بعض مرتبہ وہ کمپنی کی مصنوعات کے فروخت کے تناسب سے کمپنی کو مخصوص فیصدی حصہ اداء کرتا ہے، جب کہ اس کے بدلے کمپنی یا متعلقہ اِدارہ (فرنچائزر) اُسے مختلف سروسس (Services) مہیا کرتا ہے، مثلاً ملازمین کی تربیت، تشہیر اور مالی تعاون وغیرہ۔ مزید برآں متعلقہ اِدارہ اپنا تجارتی مارکہ (Goodwill) استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، جس کی عام طور پر مارکیٹ میں بہت زیادہ قیمت اور اہمیت ہوتی ہے۔

الف:- صنعتی اِدارے کا فرنچائز لینے والے سے معاہدہ کئی شرائط پر مشتمل ہوتا ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

(۱) فرنچائز لینے والا صنعتی اِدارہ کا نام، تجارتی علامت (Monogram) وغیرہ استعمال کرے گا اور اُس کے عوض باہم طے شدہ رقم صنعتی اِدارہ کو دے گا۔

(۲) صنعتی اِدارہ فرنچائز لینے والے کے علاوہ کسی اور کو مخصوص علاقہ میں اپنی مصنوعات فراہم نہیں کرے گا۔

(۳) فرنچائز لینے والا صنعتی اِدارہ کے علاوہ کسی اور کی مصنوعات کی نہ ترویج (مارکیٹنگ) کرے گا، نہ فروخت کرے گا۔

(۴) فرنچائز لینے والے صنعتی اِدارے کے مقرر کردہ قیمت سے کم وبیش پر مصنوعات نہ بیچے گا، نیز بیچنے کا طریقۂ کار، فرنچائز کی جگہ کی کمیت وکیفیت، بیچنے کے لئے ملازمین اور اُن کا لباس وغیرہ، یہ سب چیزیں صنعتی اِدارے کی طے کردہ شرائط کے مطابق ہوں گی۔

ب:- کسی اِدارے اور فرنچائز کے درمیان معاہدہ کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ فرنچائز لینے والا اشیاء خود تیار کر کے فروخت کرے گا؛ البتہ نام، تجارتی علامت، معروف فرنچائز دینے والے اِدارے کی ہی استعمال ہوگی، اشیاء کو تیار کرنے کے لئے خام مال تیار کرنے کا طریقہ، بیچنے کی جگہ کی نوعیت، بیچنے کا طریقہ وغیرہ فرنچائز دینے والے اِدارہ کی لگائی ہوئی شرائط کے مطابق ہوگا۔

ج:- بعض اسکول، کالج، ہسپتال یا دیگر خدماتی اِدارے بھی اپنی فرنچائز دیتے ہیں، جس میں خدمات تو فرنچائز لینے والا ہی لوگوں کو مہیا کرے گا؛ البتہ معیار، طریقۂ کار، اُجرت وغیرہ فرنچائز دینے والا اِدارہ طے کرتا ہے اور فرنچائز لینے والا اُس معروف اِدارہ کا نام استعمال کرنے کے عوض مخصوص رقم اَدا کرتا ہے۔ مذکورہ تین صورتوں میں بعض فرنچائز لینے والے متعلقہ اِدارے کو ایک مشت اَدائیگی کے علاوہ ماہانہ یا سالانہ کچھ اَدائیگی بھی کرتے ہیں، جس کی عموماً درج ذیل صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) بعض اَوقات یہ رقم لگی بندھی ہوتی ہے۔

(۲) بعض اَوقات حاصل ہونے والے نفع میں سے کچھ فیصد طے ہوتا ہے۔
(۳) بعض اَوقات کل آمدنی پر کچھ رقم متعین ہوتی ہے۔

نیز یہ مذکورہ تین قسم کی اَدائیگیاں کبھی فقط متعلقہ اِدارے کا نام، تجارتی علامت وغیرہ استعمال کرنے کے عوض ہوتی ہیں اور کبھی متعلقہ اِدارے کے فرنچائز لینے والے کے کام کی وقتاً فوقتاً نگرانی کے بدلے یا اِس طرح کی کچھ دیگر خدمات مہیا کرنے کے عوض ہوتی ہیں۔

اَب سوال یہ ہے کہ:

سوال (۱۱۶۹/۱):- **الف:** مذکورہ بالا تمام اَقسام کی فرنچائز لینے اور دینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ب:- جو شرائط طے کی جاتی ہیں، کیا معروف ہونے کی بناء پر اُن کی گنجائش دی جاسکتی ہے؟

ج:- صنعتی اِدارے کا نام استعمال کرنے کے عوض اِدارے کو مخصوص رقم بطور اُجرت دینا بظاہر اُس کی حیثیت اِجارہ کی ہوتی ہے؛ لیکن اِجارہ اعیانِ حسیہ اور مادی اَشیاء کا ہوتا ہے، تو کیا غیر مادی اشیاء کے اِجارہ کی گنجائش دی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) فرنچائز جسے جدید عربی اصطلاح میں ''حق امتیاز'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اِس کا تعلق دراصل اُن حقوق سے ہے جنہیں موجودہ دور میں قومی اور بین الاقوامی تجارتی معاملات میں ''حقوقِ عینیہ اَصلیہ'' میں شامل کرلیا گیا ہے، اور اس طرح کے حقوق کی باقاعدہ قیمت بھی لگانے کا عرف عام ہے؛ چناں چہ اس عقد کی اصطلاحی تعریف درج ذیل ہے:

عقد يجوز المرخص له حقَّ انتاج السلع التي تحمل العلامة بكميات معينةٍ، أو في حدود إقليم معينٍ في مقابل أجرٍ معلومٍ. (عقد الترخيص الصناعي ص: ۷

بحوالة: الامتياز في المعاملات المالية وأحكامه في الفقه الإسلامي ۷۵ للدكتور إبراهيم بن صالح بن إبراهيم التنم ط: دار ابن الجوزي)

یعنی حق امتیاز (فرنچائز) ایسا عقد ہے جو مال کی ایجنسی لینے والے کو مقررہ اجرت کے عوض خاص مارکہ کے حامل سامان کی متعین علاقے میں یا متعین مقدار میں درآمدی (یا تیاری) کی اجازت دیتا ہے۔

پس جب کہ آج کل کے عرف میں اسے ایک ذو قیمت حق مان لیا گیا ہے، تو آپسی رضامندی سے حسبِ شرائط اُس پر لین دین کی بھی گنجائش ہوگی۔ اور یہ اگرچہ معنوی نفع ہے جس پر اجرت لی جارہی ہے؛ لیکن عرف کی بنا پر اُس کو حسی شے پر نفع کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

(مستفاد: إمداد الفتاویٰ ۶/ ۵۲۹ جدید زکریا)

حقوق الامتياز:- إن بيع الاسم التجاري والعلامة التجارية قد تطوّر في عهدنا بما يسمى بيع حقوق الامتياز، وأصبحت له صورٌ متعددة منشعبة، وحاصل هٰذا الحق أن مالكًا لحق من حقوق الاسترباح يبيع ذٰلک الحق إلىٰ آخر إما مطلقًا، أو لمدةٍ معلومةٍ، أو في مكان معلومٍ.

فمن صوره الشائعة أن منتجاً من منتجات البائع أصبح معروفًا بين الناس بصفاته، وباسم معلوم وعلامة معلومة، فيريد مشترى حق الامتياز أن ينتفع بسمعة المنتج، فيوفر له البائع التقنية وتدريب العاملين، ومضمون نشرات التسويق، وتصميم محلات البيع، والإشراف الدوري علىٰ طرق الإنتاج، بالإضافة إلىٰ حق استعمال الاسم التجاري والعلامة التجارية، كل ذٰلک لقاء عوضٍ مالي قد يكون مقطوعًا، وقد تُضاف نسبةٌ شائعة من الموارد التي يكسبها مشتري حق الامتياز ببيع هٰذا المنتج، الخ ...... وحيث جاز بيع الاسم التجاري والعلامة التجارية كما أسلفنا، فإن بيع حق الامتياز أولىٰ

بالجواز؛ فإنه ليس مجرد حق، وإنما يصحبه بعض الأعيان، وكثير من الخدمات، مثل التدريب علىٰ تقنية مخصوصة، والإشراف الدائم علىٰ عمل صاحب الامتياز، بما يجعله موافقًا للمواصفات التي حازت سُمعةً فيما بين المستهلكين، ويُبعده عن احتمال الغش والتدليس.

فإن نُقل هٰذا الحق إلىٰ من اشتراه بصفةٍ دائمةٍ، فإنه بيع، وإن نُقل إليه لمدة معلومةٍ، فإنه إجارةٌ يجب أن تُراعى فيه أحكام الإجارة، وبما أن هٰذا النوع من حق الامتياز يُمنح اليوم عادةً لمدةٍ معلومةٍ في مكان معلوم، وليس بصفةٍ دائمةٍ، فمحل الأحكام المتعلقة بها كتاب الإجارة. (فقه البيوع، المبحث الثالث / الشرط الأول مالية المبيع، حقوق الامتياز ۲۷۹/۱ رقم العنوان: ۱۱٤ المكتبة النعيمية ديوبند)

سوال (۲/۱۱۷۰):- متعلقہ اِدارے اور فرنچائز لینے والے کے درمیان اُجرت کا تعین کیا منافع کے فیصد کے تناسب سے طے کیا جاسکتا ہے؟ کیا اِس معاملہ کو شرکت یا مضاربت قرار دیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۲) اور اگر اس معاملے میں نفع کا تعین فیصد کے اعتبار سے ہو، تو پھر اُسے اِجارہ قرار نہ دے کر شرکتِ وجوہ کے درجہ میں رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

وأما وجوه ...... إن عقداها علىٰ أن يشتريا نوعًا أو أنواعًا بوجوههما أي بسبب وجاهتهما ويبيعا، فما حصل بالبيع يدفعان منه ثمن ما اشتريا بالنسيئة وما بقي بينهما الخ. (رد المحتار، كتاب الشركة / مطلب شركة الوجوه ۵۰۰/٦ زكريا)

وفي المنتقىٰ: إذا أراد الرجلان أن يشتركا شركة مفاوضة ولأحدهما دارٌ أو خادمٌ أوعروض وليس للآخر شيءٌ فاشتركا شركة مفاوضة يعملان في

ذٰلک بوجوهما، ولم يسميا شيئًا من العروض التي لأحدهما في شركتهما، كانت الشركة جائزةً وهي مفاوضة، والعروض لصاحبها خاصة، وهٰذه شركة وجوهٍ. (الفتاویٰ الهندية ۳۳۱/۲ جديد زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۲ر جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۸ر فروری ۲۰۱۹ء

منظور شدہ تجویز: فرنچائز کا شرعی حکم

پندرہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ: ۲۱-۲۳ر رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷-۲۹/ مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ- جمعہ

(بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی)

اِدارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کے پندرہویں فقہی اجتماع میں ’’فرنچائز کے شرعی حکم‘‘ پر بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) ’’فرنچائز‘‘ دورِ حاضر میں عرف وتعامل کی وجہ سے ایک مالی حق بن چکا ہے؛ لہٰذا اُس کے عوض کا لین دین جائز ہے اور بنیادی طور پر یہ عقد اِجارہ ہے، جس میں اِجارہ کی سبھی شرائط ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ اور فرنچائز لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ فرنچائز کے مقررہ معیار اور جائز شرطوں کی خلاف ورزی نہ کرے۔

(۲) متعلقہ اِدارے اور فرنچائزی لینے والے کے درمیان فی صد کے تناسب اور مدت کے اعتبار سے اُجرت طے کرنا شرعاً درست ہے۔

○

عقود الصیانہ کی مختلف شکلیں اور اُن کے شرعی اَحکام

’’عقود الصیانہ کی مختلف شکلیں اور اُن کے شرعی اَحکام‘‘ سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے سولہواں فقہی اجتماع بتاریخ: ۳-۵/شعبان المعظم۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷ تا ۱۹/مارچ ۲۰۲۱ء بروز بدھ، جمعرات (بمقام مدنی ہال مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (اَز: مرتب)

عقود کی مروجہ صورتوں میں سے ایک صورت عقود الصیانہ یعنی سروس کنٹرکٹ کی ہے، جس میں ایک فریق دوسرے فریق سے مختلف اشیاء کی نگرانی، مرمت اور صفائی وغیرہ کے طے شدہ عوض پر معاہدہ اور عقد کرتا ہے، اس عقد کی رو سے معاملہ کا ایک فریق ایک مقررہ مدت کے لئے کچھ مقررہ عوض کے بالمقابل کسی مشین یا کسی اور شئ کی مقررہ وقت کے وقفہ سے یا عندالطلب جانچ اور سروس کا ذمہ لیتا ہے۔

پھر اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ ذمہ لینے والا صرف سروس کا ذمہ لیتا ہے، دورانِ سروس اگر کوئی پارٹ لگے گا تو وہ مالک ہی کے ذمہ ہوگا، اور کبھی عمل اور سامان دونوں کی ذمہ داری لیتا ہے، سروس بھی کرے گا اور اس میں جس پارٹ کی ضرورت ہوگی اس کو بھی لگائے گا۔

پھر یہ عقد صیانہ کبھی تو دوسرے عقد کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، جیسے ایک شخص دوکان سے کمپیوٹر خریدتا ہے، اور اُسی وقت یہ معاہدہ کرلیتا ہے کہ اگر اس میں فلاں متعینہ مدت تک کوئی خرابی ہوگی تو اس کو درست کرانا یا اس کی سروس کرانا بھی بائع کی ذمہ داری ہوگی، اِسی شرط کے ساتھ خریداری کا عمل ہوتا ہے۔

اور کبھی دوسرے عقد کے ساتھ مشروط نہیں ہوتا؛ بلکہ عقد کرنے والا مستقل الگ سے عقد

صیانت کرتا ہے، مثلاً ایک شخص کے پاس فرم ہے، وہ کسی سے یہ عقد کر لیتا ہے کہ جس وقت بھی فرم میں کوئی مشین خراب ہوگی یا سروس کی ضرورت ہوگی، تو مرمت اور سروس کرنی ہوگی۔

پھر ہر صورت میں یہ عقد دو طرح ہوتا ہے:

(۱) ایک کسی بھی مشین یا شئ کی مقررہ وقت میں جانچ یا سروس، مثلاً یہ معاہدہ ہوجاتا ہے کہ ہر ماہ یا ہر چھ ماہ پر جانچ اور سروس کرنی ہی ہے، چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ وقفہ کوئی متعین نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ صرف یہ طے ہوتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہی جانچ اور درستگی ہوگی۔

سوال (۱/۱۷۱۱):- مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں غور طلب امر یہ ہے کہ اس عقد صیانہ کی فقہی تطبیق کیا ہوگی؟ اس کو عقد جعالہ، عقد اِجارہ، عقد استصناع، عقد مقاولہ میں سے کس پر منطبق کیا جاسکتا ہے، یا اس کو ایک مستقل عقد سمجھا جائے؟ اگر اس کو مستقل عقد مانا جائے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) عقد صیانت موجودہ زمانے میں رائج شدہ ایک جدید عقد ہے، جس کا مذکورہ تفصیلات کے ساتھ قدیم فقہی کتابوں میں ذکر نہیں ملتا؛ تاہم بعض ہم عصر علماء نے اُس کی تعریف اِس طرح کی ہے:

هو عقد معاوضةٍ يترتب عليه التزام طرفٍ بفحص وإصلاح ما تحتاجه اٰلةً، أو أي شيء اٰخر من إصلاحات دوريةٍ أو طارئةٍ لمدةٍ معلومةٍ في مقاول عوض معلومٍ، وقد يلتزم فيه الصائنُ بالعمل وحده أو بالعمل والمواد. (قرار مجلس الفقه الإسلامي عن منظمة المؤتمر الإسلامي (١٤١٩/٣/٢٥هـ) بحوالة: عقد الصيانة دراسة مقارنة مع الفقه الإسلامي / للدكتور فُليح حسن، جامعة بغداد)

مذکورہ بالا تعریف کے الفاظ سے اِس عقد کے تمام گوشے اُجاگر ہوجاتے ہیں، اور ظاہری

اعتبار سے وہ عقد اِجارہ کے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایسا عقد اِجارہ ہے جس میں عرفِ عام کی وجہ سے معمولی جہالت (جو موجب ِنزاع نہیں ہوتی) اُسے گوارا کرلیا گیا ہے۔

قال الشامي: وصار كصبغ الثوب، مقتضى القياس منعه لأنه إجارة عقدت على استهلاك عين الصبغ مع المنفعة، ولكن جوّز للتعامل، ومثله إجارة الظئر. (رد المحتار مع الدر المختار / مطلب في الشرط الفاسد الخ ۲۱۱/۷ دارالکتاب دیوبند)

سوال (۱۱۷۲/۲):- ایسا عقد صیانہ جو مستقل ہو، دوسرے عقد سے جڑا نہ ہو، اور جس میں عقد کرنے والا صرف اصلاح اور مرمت کا ذمہ لیتا ہے، مرمت اور سروس کے دوران لگنے والا سامان معقود علیہ نہیں ہوتا؛ بلکہ اس میں لگنے والا سامان مالک ہی کو دینا ہوتا ہے، اور یہ سروس متعینہ دورانیہ (مثلاً ہر ماہ) سے لازم ہو، تو اِس صورت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۲) عقد صیانت کی یہ صورت کہ اُس میں صائن ایک مقررہ مدت کے لئے صرف سروس کی ذمہ داری لیتا ہے، اور اُس کا معاوضہ بھی طے ہوتا ہے، تو یہ بلاشبہ عقد اِجارہ ہے جو حسبِ شرائط جائز ہے۔

وأما الذی یرجع إلی المعقود علیه فضروب: منها أن یکون المعقود علیه وهو المنفعة معلوما علما یمنع من المنازعة، فإن کان مجهولاً ینظر إن کانت تلک الجهالة مفضیة إلی المنازعة، تمنع صحة العقد وإلا فلا، لأن الجهالة المفضیة إلی المنازعة تمنع من التسلیم والتسلم، فلا یحصل المقصود من العقد، فکان العقد عبثًا. (بدائع الصنائع / کتاب الإجارة ۲٤/٤ زکریا)

سوال (۱۱۷۳/۳):- ایسا معاہدہ جس میں صائن (سروس کنٹرکٹر) کی جانب سے عمل یعنی سروس، اصلاح ومرمت کے ساتھ ساتھ مشین یا شئ میں خراب ہونے والے پرزے اور آلات کے اپنے پاس سے لگانے کی ذمہ داری بھی لی گئی ہو، تو اِس صورت کا کیا حکم ہوگا؟ اس میں صفقہ فی صفقہ یا معقود علیہ کی جہالت تو لازم نہیں آئے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۳) اُصولاً تو یہ معاملہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ اُس میں شرطِ فاسد لگی ہوئی ہے؛ لیکن چوں کہ اِس طرح کے معاملات کا عرف عام ہو چکا ہے، اور عموماً فریقین میں کوئی نزاع بھی پیش نہیں آتا؛ گویا کہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے، تو انجامِ کار اِسے بھی درست قرار دیا جائے گا۔

ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوما علما يمنع المنازعة، فإن كان مجهولا جهالة مفضية إلى المنازعة يمنع صحة العقد وإلا فلا.

(الفتاویٰ الهندية / كتاب الإجارات ٤/٤٤٠ جديد زكريا، ٤/٤١١ قديم كوئٹه)

عقد صيانة غير مقترن بعقد آخر يلتزم فيه الصائن بتقديم العمل فقط، وقوله: ويلتزم المالك بتقديم المواد، وقوله: هذا العقد يكيف على أنه عقد إجارة على عمل وهو عقد جائز شرعا بشرط أن يكون العمل معلوما والأجر معلومًا. (القضايا المعاصرة، تحت عقد الصيانة ٦٤٣/٩)

سوال (۱۱۷۴/۴/۴):- اگر یہ عقد اس طرح کیا جائے کہ معاہدہ کی متعینہ مدت میں صرف ضرورت پڑنے یا خرابی آنے پر ہی سروس ہوگی، اب کبھی سروس کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی ضرورت ہی نہیں پڑتی، مگر طے شدہ معاوضہ (سروس کنٹرکٹ فیس) ہر حال میں دینا ہوگا، اس صورت کا کیا حکم ہے؟ اس میں ایسا غرر یا جہالت تو نہیں ہے جو جوازِ عقد سے مانع ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۴) محض اِس بات پر اُجرت لینا درست نہ ہوگا کہ جب ضرورت پڑے گی تو سروس کی جائے گی؛ کیوں کہ یہ تملیک علی الخطر کی ایک صورت ہے، اس میں قمار کا شبہ پایا جاتا ہے؛ لہٰذا جواز کی شکل یہ ہوگی کہ صائن کی طرف سے مقررہ مدت میں خدمت کی انجام دہی ضروری قرار دی جائے؛ تاکہ اُس کا عوض لینا صحیح ہو سکے۔

روي عن النبي صلى الله عليه وسلم (إياكم وهاتين الكعبتين، فإنهما ميسر، المعجم) وعن ابن سيرين ومجاهد وعطاء: كل شيء فيه خطر فهو من الميسر. (التفسير الكبير، تحت سورة البقرة، آيت: ۲۱۹، المسألة الرابعة ۴۸/۶، روح المعاني ۱۷۲/۲ زكريا)

لأن القمار من القمر الذي يزاد تارة وينقص أخرى، وسمي القمار قمارا؛ لأن كل واحد من القمارين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه فيجوز الازدياد والنقصان في كل واحد منهما، فصار ذلک قمارًا وهو حرامٌ بالنص. (تكمله البحرالرائق، ۳۶۰/۹ زكريا ديوبند، وهكذا في الشامية ۵۷۷/۹ زكريا)

وقال في حاشيته على لفظ "الغرر": في كتاب المبسوط: في كتاب الشرب: قال أبويوسفؒ: سألت أبا حنيفةؒ عن الرجل استأجر النهر يصيد فيه السمک أو استأجر جهة يصيد فيها السمک، قال: لا يجوز ...... وذلک كله من باب الغرر. (فتاویٰ عثمانی ۴۰۴/۳)

سوال (۱۱۷۵/۵):- عقدِ اجارہ میں مالک یا کرایہ دار پر صیانتِ عامہ اور عمومی دیکھ ریکھ (سروس، صفائی، دورانِ استعمال خراب ہونے والی چیزوں جیسے اے سی، پنکھے، لائٹ وغیرہ کی درستگی وغیرہ) کی شرط لگادی جائے، تو اس عقد کا کیا حکم ہوگا؟ بظاہر اس میں اجارہ اور شرط دونوں جمع ہورہے ہیں۔ نیز صیانت میں جن چیزوں کی شرط لگائی جاتی ہے وہ کبھی مجہول بھی ہوتی ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۵) اَصل حکم تو یہی ہے کہ شیٔ مستاجَر میں عمومی منفعت مہیا کرنے کی ذمہ داری مالک پر ہو؛ لیکن اگر آپسی رضامندی سے مستاجر پر معروف ذمہ

داری ڈال دی جائے، جیسا کہ آج کل بڑے شہروں میں متعدد منزلہ عمارات میں واقع فلیٹوں کی کرایہ داری میں یہ طریقہ بلانکیر جاری وساری ہے، تو حسب عرف اُس کی گنجائش ہوگی۔

هـذا عـقد اجتمع فيه إجارة وشرط، وحكم هذه الصورة أن الصيانة إذا كـانـت مـن الـنوع الذي يتوقف عليه استيفاء المنفعة، فإنها تلزم مالك العين الـمؤجرة من غير شرط، ولا يجوز اشتراطها على المستأجر، أما الصيانة التي لا يتـوقف عـليهـا استيـفـاء الـمنفعة، فيجوز اشتراطها على أي من المؤجر أو المستأجر إذا عينت تعينا نافيا للجهالة. (فقه القضايا المعاصرة / باب عقد الصيانة ٦٤٣/٩ المكتبة الأشرفية ديوبند)

سوال (١١٧٦/٦): - اِس عقد کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عقدِ صیانت کرنے والے یعنی ٹھیکے دار اور مالک کے درمیان یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ ہر مرتبہ میں عامل کے عمل اور مشین میں لگنے والے پارٹس کی ایک متعینہ رقم دی جائے گی، یعنی عامل ایک مرتبہ سامان کے ساتھ سروس کرے گا، تو اس کو اتنی متعینہ رقم ملے گی، قطع نظر اس کے سروس میں کتنا وقت لگے گا، یا اس میں کتنے کا سامان لگے گا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - (٦) یہ معاملہ بھی شرعاً درست ہے، جب کہ حسبِ شرط معروف طریقے پر سروس وغیرہ انجام دی جائے۔

الـمستـفـاد: إن الـمستـصنع طلب منه العمل والعين جميعا، فلابد من اعتبـارهما جميعا، واعتبارهما جميعا من حالة واحدة متعذر؛ لأن بيع الإجارة والبيع تـنـافيـا، فـجوزناها إجارة ابتداء؛ لأن عدم المعقود عليه لا يمنع انعقاد الإجـارـة ويـمـنـع انـعـقـاد البيـع، فـاعتبرناها إجارة ابتداء، وجعلناها بيعا قبل التسـليـم بسـاعة – إلـىٰ قولهٖ – اعتبرناها تبرعا ابتداء عملاً باللفظ بيعًا انتهاء

عملاً بالمعنی. (المحيط البرهاني / الفصل الرابع والعشرون، فصل في الاستصناع ١٠/٣٦٤-٣٦٥ المجلس العلمي والمكتبة دار العلوم كراتشي)

سوال (۷/ ۱۱۷۷):- عقد صیانت کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ عقد صیانت کرنے والا یعنی عامل آلات اور پروگراموں کو اَپ ڈیٹ (تجدید) کرنے کا ذمہ لیتا ہے کہ جب بھی متعین آلہ اور مشین سے متعلق کوئی نئی چیز اور نیا پروگرام آئے گا، تو عامل اس کی تجدید کرے گا، شرعاً اِس معاملہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۷) یہ بھی دراصل اجارہ ہی کی ایک صورت ہے، اور صائن اپنے عمل یعنی تجدید کی اُجرت لیتا ہے۔ نیز اِس کا عرف عام ہو چکا ہے، اور کوئی جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے؛ لہٰذا اِس معاملے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

الإجارة في اصطلاح الفقهاء عقد على المنافع لعوض هو معلوم أي بيع نفع مقوم جنسًا وقدرًا بعوض مالي، إذ نفع من غير جنس المعقود عليه، كسكنى دار بركوب دابة، ولا يجوز بسكنى دار أخرىٰ. (معجم المصطلحات الفقهية ٦٢/١)

سوال (۸/ ۱۱۷۸):- آج کل یہ شکل بھی کثرت سے رائج ہے کہ عقد بیع میں ہی یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ متعینہ مدت میں اگر مبیع خراب ہوتی ہے یا اُس کو سروس کی ضرورت پیش آتی ہے، تو بائع اس کی سروس کرائے گا یا بدل کردے گا اور اِس کا کوئی معاوضہ الگ سے نہیں دینا ہوگا۔ اَب سوال یہ ہے کہ عقد بیع کے ساتھ اِس طرح کی شرط لگا کر فائدہ اُٹھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۸) بیع کے ساتھ کوئی منفعت بخش شرط لگانا

اگرچہ اُصولاً ناجائز ہے؛ لیکن اگر اس کا عرف عام ہوجائے، اور نزاع کا کوئی اندیشہ نہ رہے، تو شرط کے ساتھ بھی اُس بیع کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔

چھٹے فقہی اجتماع بعنوان ’’بیع بالشرط کے چند غور طلب اہم مسائل‘‘ (منعقدہ:۱۶-۱۷-۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق: ۲۶-۲۷-۲۸/ مارچ ۱۹۹۷ء بمقام شیخ الہند ہال دیوبند) میں مندرجہ ذیل تجویز باتفاق آراء پاس ہوچکی ہے:

’’بیع بالشرط کے مسئلہ پر مکمل غور وخوض کے بعد طے پایا کہ بیع میں ایسی شرط لگانا بھی درست ہے جو اگرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اُس میں عاقدین میں سے کسی کا فائدہ بھی ہو لیکن اُس پر تعامل ہوگیا ہو، بشرطے کہ اس کی وجہ سے حقیقی ربا لازم نہ آتا ہو، اس بنا پر موجودہ زمانہ میں مشینریوں کی مقررہ مدت کی گارنٹی اور مرمت کی شرط پر خرید وفروخت تعامل کی وجہ سے درست قرار دی جائے گی‘‘۔ (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز، تجاویز چھٹا فقہی اجتماع، تجویز (۱) ص ۴۷)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

وخلاصة المذهب الحنفي في ذٰلك أنه إن كان شرطًا يقتضيه العقد، أو يلائم العقد، أو شرطًا جرى به التعامل بين الناس فهو جائزٌ، ولا يفسد به البيع ...... الخ.

وقد كثرت في عهدنا أنواع الشروط في البيوع والإجارات وغيرها، فكل ما جرى به التعامل العام كان جائزًا. مثل ما تعورف في العالم كلهٖ أن مشترى الثلاجات والدافئات والماكينات الأخرىٰ يشترط على البائع القيام بتصليحها كل ما عرضها فسادٌ في حدود مدة معلومةٍ، كالسنة أو السنتين مثلاً، فإن هٰذا الشرط جائزٌ لشيوع التعامل بها. (تكملة فتح الملهم ۶۲۹/۱-۶۳۵ مكتبة دار العلوم كراچی، فقه البيوع ۵۰۱/۱ المكتبة النعيمية ديوبند)

اِس بات کی تائید درج ذیل فقہی عبارات سے بھی ہوتی ہے:

کل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین ...... یفسده، إلا أن یکون متعارفًا؛ لأن العرف قاض علی القیاس. (الهدایة، کتاب البیوع / باب البیع الفاسد ۵۹/۳ الأمین کتابستان دیوبند)

إن شرط شرطًا لا یلائم العقد ...... لم یرد الشرع بجوازه، لکنه متعارف کما إذا اشتری نعلاً أو شراکًا علیٰ أن یحذوه البائع جاز استحسانًا وإن کان القیاس یأبی جوازه. (الفتاویٰ التاتارخانیة / فصل الشروط التي تفسد البیع ۴۰۹/۸ رقم: ۱۲۳۳۲ زکریا دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۰؍جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ مطابق ۵؍فروری ۲۰۲۰ء

منظور شدہ تجویز: ''عقود الصیانہ (سروکس کرنٹریکٹ) کی مختلف شکلیں اور اُن کے شرعی اَحکام''

سولھواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ: ۳-۵؍شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷-۱۹؍مارچ ۲۰۲۱ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ

(بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی)

اِدارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کے سولھویں فقہی اجتماع میں ''عقود الصیانہ (سروس کنٹریکٹ) کی مروجہ صورتوں'' پر بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) عقد صیانت (سروس کنٹریکٹ) ایک جدید عقد ہے، جو شرعی تطبیق کے اعتبار سے عقد اِجارہ کے قریب تر ہے؛ لہٰذا اِس پر حسبِ شرائطِ اِجارہ کے احکام جاری ہوں گے۔

(۲) عقد صیانت کی وہ شکل جس میں صائن حسبِ معاہدہ صرف اصلاح ومرمت کا عمل متعینہ مدت کے اندر انجام دیتا ہے، یہ عقد اِجارہ ہی کی ایک شکل ہے اور جائز ہے۔

(۳) عقدِ صیانت کی وہ شکل جس میں صائن (سروس کنٹریکٹر) کی جانب سے عمل (اصلاح ومرمت) کے ساتھ بوقت ضرورت خراب ہونے والے پرزے اور آلات اپنے پاس سے لگانے کی ذمہ داری بھی لی گئی ہو، یہ معاملہ بھی عرف اور تعاملِ ناس کے پیش نظر جائز ہے۔

(۴) عقدِ صیانت کی وہ صورت جس میں صائن متعینہ مدت میں حسبِ ضرورت عندالطلب خدمت کرنے کو تیار رہتا ہو، تو اُس کی محتاط شکل یہ ہے کہ متعینہ مدت میں کم اَز کم ایک مرتبہ عملی نگرانی کا التزام کیا جائے؛ تاکہ اُجرت عمل کے جواز میں کوئی شبہ نہ رہے۔

(۵) مکان کی مرمت اور اصلاح کی اصل ذمہ داری مالک مکان کی ہوتی ہے، اُسے کرایہ دار پر لازم نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن زائد چیزوں (مثلاً اے سی، پنکھا وغیرہ) کی اصلاح اور حفاظت کی ذمہ داری خود کرایہ دار کی ہے؛ تاہم وہ دونوں اپنی رضامندی سے بھی آپسی ذمہ داریاں طے کرسکتے ہیں۔

(٦) اگر صائن سے اِس طرح معاہدہ کیا جائے کہ اُسے ہر مرتبہ حاضری پر خدمت کے عوض ایک متعینہ رقم دی جائے گی اور ایک محدود مالیت کی حدتک پرزے لگانے کی ذمہ داری بھی صائن ہی کی ہوگی، تو یہ معاملہ بھی عرف وتعامل کی وجہ سے شرعاً درست ہے۔

(۷) جس عقدِ صیانت میں صائن مختلف آلات (مثلاً کمپیوٹر وغیرہ) کے پروگراموں کو ایک متعینہ مدت کے اندر تجدید (اپڈیٹ) کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے، تو یہ بھی اِجارہ کی ایک شکل ہے اور جائز ہے۔

(۸) بائع اگر فروختگی کے وقت متعینہ مدت میں مبیع کی مفت سروس یا اُس کے خراب ہونے کی شکل میں تبدیلی کی ذمہ داری لے، تو اِس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے اور عرف وتعامل کی بنا پر بیع میں اِس طرح کی شرطیں لگانا جائز ہے۔

❍❖❍

کتابُ الہبۃ

ہبہ کے مسائل

کیا محض وعدہ سے ہبہ تام ہوجاتا ہے؟

سوال (۱۱۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری دواولاد ہیں: ایک بیٹا اور ایک بیٹی، میری بیٹی نے زمین خریدی تھی اس کے برابر میں میں نے بھی اپنے پیسے سے زمین خریدی اور اس کی چار دیواری بھی کرائی، جس کی رجسٹری میرے نام ہے، اس وقت میرے بیٹے کا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا، حالت خراب تھی، بیٹے کے حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے بیٹی سے کہا تو ہی لے لینا، اب اللہ کا شکر ہے، میرا بیٹا ٹھیک ہے اس کی شادی بھی کردی ہے، اب میں یہ چاہتی ہوں کہ دونوں کا حق ہے دونوں کو ملنا چاہئے؛ لیکن بیٹی ماننے کو تیار نہیں، کہتی ہے کہ کہا کیوں تھا، سب دو، میری بیٹی داماد کے تین پلاٹ میرے نام تھے وہ میں نے ۱۴؍جنوری ۲۰۱۹ء کو ان کے نام واپس کردیئے ہیں، مجھے بے ایمانی نہیں کرنی، میں بیوہ ہوں، بیٹی کی مانوں تو بیٹے کی طرف سے بہت دکھی ہوں، اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ حضور والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آپ نے بیٹے کے دماغی توازن خراب ہونے کی وجہ سے بیٹی کو اپنی زمین دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کا پورا کرنا آپ پر لازم نہیں ہے، اس لئے کہ اس وعدہ کی وجہ سے بیٹے کی حق تلفی لازم آرہی ہے، اور شریعت میں اَولاد کے ساتھ ناانصافی کو ظلم

قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا آپ مذکورہ زمین صرف بیٹی کے نام نہ کریں، بلکہ یا تو زندگی میں دونوں کو برابر برابر دے کر قابض و مالک بنا دیں یا اپنے حال پر چھوڑ دیں، ایسی صورت میں آپ کے انتقال کے بعد اس مکان کے تین حصے کر کے دو حصے بیٹے کے اور ایک حصہ بیٹی کا ہوگا۔

عن النعمان بن بشير رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: …… ألك بنون سواه؟ قال: نعم، قال فكلهم أعطيت مثل هذا، قال: لا، قال: فلا أشهد على جور. (صحيح مسلم، كتاب الهبات / باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة ۳۷/۲ رقم: ۱۶۲۳)

وفي رواية قال: فارجعه. (صحيح البخاري / كتاب الهبة ۳۵۲/۱ رقم: ۲۵۸۶)

يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة – إلىٰ قوله – المختار التسوية بين الذكر والأنثىٰ في الهبة. (البحر الرائق / كتاب الهبة ۴۹۰/۷ زكريا)

عن زيد بن أرقم رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف، ولم يجئ للميعاد (أي لعذر منعه) **فلا إثم عليه.** (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في العدة رقم: ۴۹۹۵، عون المعبود، أول كتاب الأدب / باب في العدة ۲۳۱/۱۳ رقم: ۴۹۹۵ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

زندگی میں والد نے مکان لڑکے کو ہبہ کر دیا

سوال (۱۱۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ماسٹر خورشید تین بھائی ہیں، مجھے میرے والد نے اپنی حیات میں مکان کا مالک بنا دیا اور قبضہ بھی دے دیا، اور دیگر بھائیوں کو ایک جگہ دے دی تھی، میں نے اپنی کمائی سے

مکان کی تعمیر کروائی، کسی بھائی کا کوئی تعاون نہیں ہے، اب میں اپنے مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہوں، شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر واقعۃً آپ کے والد صاحب نے آپ کو مذکورہ مکان ہبہ کر کے زندگی ہی میں مالک وقابض بنا دیا تھا، تو آپ کی ملکیت اُس مکان پر ثابت ہوگی، اَب آپ اُس میں ہر طرح کا تصرف کرنے اور فروخت کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، اور اگر ہبہ ثابت نہ ہو یا قبضہ متحقق نہ ہو، تو آپ اُس کے مالک نہ ہوں گے؛ بلکہ اُس میں سب ورثہ حسبِ حصصِ شرعیہ حق دار ہوں گے۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الهبة ٤٩٣/٨ زكريا، ٦٩٠/٥ كراچی، شرح المجلة لسليم رستم باز ٤٦٢ رقم المادة: ٨٣٧ كوئٹه، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر / كتاب الهبة ٤٨٩/٣ مكتبة فقيه الأمة ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۲/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زندگی میں اولاد اور لے پالک کے درمیان جائیداد کی رقم تقسیم کرنا

سوال (۱۱۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاتون کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اُن کے تین اَولادیں ہیں، اُن میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی لے کر پالی ہے، وہ ایک مکان فروخت کر کے اُس کی رقم اپنی اَولاد کو تقسیم کرنا چاہتی ہیں، تو کس کے حصہ میں کتنا آئے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ خاتون کو چاہئے کہ اگر اپنا مال زندگی میں تقسیم کرنا چاہیں تو اپنی سگی اَولاد یعنی دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کو برابر برابر دے کر قابض ومالک

بنادیں اور لے پالک لڑکی کا شرعی طور پر آپ کے مال میں کوئی حق نہیں ہے؛ لیکن اگر آپ اخلاقی طور پر کچھ دینا چاہیں تو اِس کی بھی گنجائش ہے، اُسے حسبِ مصلحت جو مناسب سمجھیں دے سکتی ہیں۔

یسوي بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتویٰ. (الدر المختار / كتاب الهبة ۵۰۱/۸ زکریا)

والمتبنى لايلحق في الأحكام بالابن فلا يستحق الميراث ولا يرث عنه. (أحكام القرآن ۱۸٤/۵)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف يشاء من الملک الخ. (تفسير البيضاوي [سورة الفاتحة: ۵] ۸/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

فلا يثبت بالتبنى شيء من أحكام البنوة من الإرث وحرمة النكاح وغير ذلک. (التفسير المظهري [الأعراف: ٤] ۲۹۲/۷ زكريا)

كان من مزعومات الجاهلية ...... أن الرجل إذا تبنى ولد غيره صار ملحقا ببنيه، أجريت عليه سائر أحكام البنوة من الميراث والحرمات، وكان هذا تغيير شرائع اللّٰه سبحانه وتعالىٰ من عند أنفسهم كما كان دأبهم في أمثالها. (أحكام القرآن للتهانوي [الأحزاب آيت:۵] قوله تعالىٰ: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَائَكُمْ اَبْنَائَكُمْ ۳/۲۹۰-۲۸۹ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۲/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا باپ اپنے نابالغ بچوں کو ملے ہوئے پیسے خرچ کرسکتا ہے

سوال (۱۱۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کبھی باپ اپنے نابالغ بچوں کو کسی بھی خوشی کے موقع پر اور بچوں کے رشتہ دار اُن کو پیسے دیتے رہتے ہیں، بچے اُن پیسوں کو جوڑ لیتے ہیں، کبھی باپ کی ضرورت کی وجہ سے اُن نابالغ

بچوں سے پیسہ لے کر اپنی یا گھریلو کسی ضرورت پر خرچ کر دیتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ باپ کا اپنے نابالغ بچوں سے اِس طرح پیسہ لے کر خرچ کرنا جائز ہے؟ یا یہ رقم شرعاً قرض کہلائے گی جس کی اَدائیگی باپ پر فرض ہوگی؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - باپ یا دیگر رشتہ داروں کی جانب سے جو تحفے اور روپئے بچوں کو دئے جاتے ہیں وہ سب بچوں کی ملکیت ہوتے ہیں، انہیں بچوں کی ضروریات ہی میں صرف کرنا چاہئے اور والدین کے لئے اُنہیں دیگر مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر خرچ کرلیا تو جب وسعت ہو تو اُسے واپس کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳۱۵/۹، اِمداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۶۲/۸ زکریا)

مستفاد: رجل اشتریٰ لنفسه من مال ولده الصغير أو استهلک مال ولده الصغير أو اغتصب حتى وجب عليه الضمان. (خانية على الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوصايا / فصل في تصرفات الوصي في مال اليتيم وتصرفات الوالد في مال ولده الصغير ۵۳۰/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۶/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹے کی بیماری میں خرچ شدہ رقم کو باپ کا لینے سے انکار کرنا

سوال (۱۱۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مثلاً زید نے اپنی زندگی میں لڑکوں کو الگ کر دیا اور سارے لڑکے اپنا کھانے کمانے لگے؛ لیکن زید کے ایک لڑکے کے گھر میں ایک پریشان کن بیماری آگئی جس کے علاج میں خرچ کے لئے اس کے پاس رقم نہیں تھی تو مجبوری میں اس نے (والد صاحب) کی مخصوص جمع شدہ رقم میں سے جو ایک دوسرے بھائی کے پاس جمع تھی بقدر ضرورت لے کر خرچ

کی اور والد نے بھی انکار نہیں کیا، اس جمع شدہ رقم کو خرچ کرنے کے بعد والد صاحب تین سال سے زیادہ حیات رہے اور ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ وہ رقم جو تم نے میری جمع شدہ تھی لے کر علاج میں خرچ کیا ہے وہ اب واپس نہیں کرنا ہے، اور بعض بھائیوں سے بھی کہا کہ اس سے علاج میں خرچ شدہ رقم واپس مت لینا اور بعض بھائیوں کو اس بات کا اقرار بھی ہے کہ والد صاحب نے علاج میں خرچ شدہ رقم واپس لینے سے منع کیا ہے؛ لیکن اب والد صاحب کے انتقال کے بعد بعض بھائیوں کا کہنا ہے کہ اس رقم میں سے میرا جو حصہ بنتا ہے مجھے دیدو تو کیا اس کا یہ مطالبہ شرعاً جائز اور درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر سوال میں ذکر کردہ تفصیل واقعہ کے مطابق ہے اور آپ کے والد صاحب نے آپ کی بیماری کے علاج کے لئے جو رقم دی تھی، اُس کے بارے میں یہ کہہ دیا تھا کہ ''اُسے واپس نہیں کرنا ہے'' تو یہ ہبہ اُن کی زندگی ہی میں تام ہو چکا ہے، اَب اُس رقم میں دیگر بھائیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اُنہیں اُس میں کسی مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

ولو وهب الدين من الغريم أو أبرأه منه لم يفتقر إلى القبول عند أبي حنيفة. (الجوهرة النيرة / كتاب الهبة ۳۲۵/۱ مطبع خيرية)

ولذا لو وهب الدين من الغريم لم يفتقر إلى القبول. (رد المحتار / كتاب الهبة ۴۹۰/۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنی زندگی میں لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کو زیادہ مال دینا

سوال (۱۱۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: الحمد للہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اَولاد کی نعمت سے نوازا ہے، میرے دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں، اللہ نے مجھے مال کی نعمت سے بھی نوازا ہے، میرا مال فتنہ نہ بنے، اِس لئے میں اپنی

حیات میں اپنا مال تقسیم کردینا چاہتا ہوں؛ جیسا کہ شریعت کا قانون یہ ہے کہ حیاتی میں تمام اَولاد کے درمیان مال برابر برابر تقسیم کیا جائے؛ لیکن میرے بیٹے کاروبار میں محنت وغیرہ میں شریک رہے ہیں، میرا ساتھ دیا ہے اور آج بھی میرا ایک بیٹا میرے ساتھ ہی ہے۔ دوسری طرف حسبِ توفیق اپنی تین لڑکیوں پر اَب تک خرچ کرتا چلا آیا ہوں، جس کا کوئی حساب اور شمار نہیں ہے، اِس وجہ سے میں لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کو کچھ زیادہ دینا چاہتا ہوں، تو کیا میں ایسا کرسکتا ہوں، شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- بہتر تو یہی ہے کہ زندگی میں تقسیم کے وقت سب لڑکے اور لڑکیوں کو برابر برابر حصہ دیا جائے؛ تاہم اگر تعاون اور فرماں برداری کی بنیاد پر لڑکوں کو کچھ زائد حصہ دے کر قابض ومالک بنادیا جائے تو اِس کی بھی شرعاً گنجائش ہے۔

وروي عن أبي حنيفة أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين وإن كانا سواء يكره وروي المعلى عن أبي يوسف رحمه الله أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم ...... هكذا في فتاوىٰ قاضي خان وهو المختار. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الهبة / الباب السادس في الهبة للصغير ٤/٤١٦ زكريا، ٤/٣٩١ مكتبة الاتحاد ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کے بعد وفات کے بعد دوبارہ تقسیم کرنا

سوال (۱۱۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فریدہ پروین نے اپنی سب جائیداد اپنی زندگی میں ہی اپنی اولادوں میں تقسیم کردی تھی مرحومہ کی ۳/ اولاد ہیں، ۲/ بیٹے اور ایک بیٹی، شوہر پہلے ہی مرحوم ہوچکے تھے۔ معلوم

یہ کرنا ہے کہ مرحومہ نے اپنی تمام پراپرٹی اپنی زندگی میں ہی تینوں اولادوں میں برابر تقسیم کردی ہے، تو کیا مرحومہ کے انتقال کے بعد اس کی دوبارہ تقسیم کی جائے گی یا پہلی ہی تقسیم کے مطابق عمل کیا جائے گا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحت سوال اگر مرحومہ فریدہ پروین نے اپنی زندگی میں اپنی سب مملوکہ جائیداد اپنے تینوں بچوں میں برابر برابر تقسیم کرکے ہر ایک کو مالک وقابض بنادیا تھا، تو مرحومہ کے انتقال کے بعد دوبارہ تقسیم کی ضرورت نہیں، وہی تقسیم کافی اور درست ہے۔

یعطي الابنة مثل ما یعطي للابن وعلیه الفتویٰ وهو المختار. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الهبة / الباب السادس في الهبة للصغير ٣٩١/٤ زكريا، رد المحتار، كتاب الهبة / قبيل باب الرجوع في الهبة ٥٠١/٨ زكريا، ٦٩٦/٥ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱۰/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اپنی زندگی میں نواسوں کو جائیداد کا مالک بنادینا

سوال (۱۱۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے ایک مکان تقریباً ۷۰ گز دومنزلہ واقع وارثی نگر جامع مسجد میں خریدا تھا، اُس وقت وارثان میں صرف ۳ لڑکیاں تھیں، اُن میں سے ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا، اُس کی ایک لڑکی شادی شدہ ہے، اور ایک لڑکی کے دو بچوں نے ذاتی طور پر مکمل پرورش کی ہے، ان دونوں بچوں نے بہت خدمت کی ہے، جس سے متأثر ہوکر ایک حصہ ان دونوں کو دینا چاہتا ہوں وہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ صاحب اپنی زندگی میں اپنی خریدی ہوئی زمین کے خود مالک ہیں، اس میں ان کو ہر طرح کا تصرف کا حق ہے؛ لہٰذا وہ اپنے دونوں خدمت گذار نواسوں کو مذکورہ زمین کا کچھ حصہ دے کر قابض و مالک بنا سکتے ہیں، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف یشاء من الملک الخ. (تفسیر البیضاوي [سورة الفاتحة: ٥] ٨/١ دار إحیاء التراث العربي بیروت)

کل یتصرف في ملکه کیف شاء . (شرح المجلة لسلیم رستم باز ٦٥٤/١ رقم: ١١٩٢)

وتصح الهبة بالإیجاب والقبول والقبض. (الهدایة ٥٢٨/٣ المکتبة النعیمیة دیوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳؍۲؍۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی اَولاد اور پوتی کے درمیان زندگی میں جائیداد کی تقسیم

سوال (۱۱۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حاجی ضیاء الدین کا ایک رہائشی مکان ۳؍منزلہ ۱۱۰؍میٹر کا ہے، اور ۱۶؍دوکانیں ایک منزلہ ۶۲۴؍میٹر کی ہیں۔

حاجی ضیاء الدین کی ۱؍اہلیہ، ۴؍لڑکیاں، ۳؍لڑکے ہیں، حاجی ضیاء الدین اپنی زندگی میں رہائشی مکان اہلیہ اور ۴؍لڑکیوں کو اور ۱۵؍دوکانیں ۳؍لڑکوں کو برابر زمین کے اعتبار سے بطور ہبہ دینا چاہتے ہیں، اور بقیہ ایک دوکان اپنی پوتی اسماء کو جو صرف ۱۸؍دن کی تھی، اُس وقت سے آج تک حاجی صاحب کی پرورش میں ہے اور اِس وقت بالغ ہے، کیا اِس طرح اہلیہ اور اَولاد کو ہبہ کرنا جائز ہے، اگر یہ شکل جائز نہیں تو پھر موصوف کی مالیت اہلیہ، لڑکوں، لڑکیوں اور پوتی کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگی؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حاجی ضیاءالدین صاحب اپنی زندگی میں اپنی جائیداد وغیرہ کے خود مالک ہیں، اُن کے جیتے جی اَولاد کا کوئی حق نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ زندگی میں ہبہ کرنا چاہتے ہیں تو جائیداد کی قیمت لگا کر سب بیٹے بیٹیوں کو برابر دینا چاہئے، بلا وجہ کمی بیشی کرنا صحیح نہیں ہے۔ سوال میں جس طرح ہبہ کے اِرادہ کی بات لکھی گئی ہے اُس میں لڑکے لڑکیوں کا حصہ برابر معلوم نہیں ہورہا؛ اِس لئے اس کے بجائے برابری کے ساتھ ہبہ کرنا چاہئے۔ نیز حاجی ضیاءالدین صاحب کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی وفات کے بعد کے لئے تقسیم ترکہ سے متعلق ایک اقرار نامہ لکھ دیں کہ اُن کے ترکہ کی تقسیم شرعی اُصول کے مطابق کی جائے، تو ایسی صورت میں ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلے میں دوہرا حصہ ملے گا اور بیوی کل مال میں سے آٹھویں حصہ کی حق دار ہوگی اور سوال نامہ میں اپنی پوتی کے لئے ایک دوکان ہبہ کرنے یا وصیت کرنے کی جو بات لکھی گئی ہے وہ درست ہے، حاجی صاحب کو اِس کا اختیار حاصل ہے۔

الإرث يجري بعد موت المورث. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۱۵/۲۰ زكريا)

وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقةً أو حكمًا. (رد المحتار / كتاب الفرائض ۴۹۱/۱۰ زكريا)

وهل إرث الحي من الحي أم من الميت المعتمد الثاني. (رد المحتار / كتاب الفرائض ۴۹۳/۱۰ زكريا)

وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة ولو كان ولده فاسقا. (البحر الرائق/ كتاب الهبة ۲۸۸/۷ كراچی، مستفاد: تكملة فتح الملهم ۷۵/۲ دار العلوم كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ایک بیٹے کو جائیداد کا مالک بنادینے کے بعد دیگر بہن بھائیوں کا حصہ

سوال (۱۱۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری والدہ نے مکان کا وہ حصہ جسے والد صاحب نے ان کے نام پر خریدا تھا، والدہ نے ۲۰۰۴ء میں اپنا وہ حصہ میرے نام کر کے مجھے قابض و مالک بنا دیا تھا، دو گواہوں کی موجودگی میں، پھر ۲۰۱۳ء میں والدہ محترمہ کی وفات ہوگئی، اِن نو سالوں کے درمیان کسی نے بھی حصے کے بارے میں کچھ نہیں کہا، اَب ۲۰۱۷ء میں میری ایک بہن کہہ رہی ہے کہ مجھے والدہ کی جائیداد میں حصہ چاہئے، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ والدہ کی جائیداد میں صرف لڑکیوں کا ہی حصہ ہوتا ہے، تو مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ کیا اس حصہ میں میری بہنوں کا حق ہے؟ اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ جائیداد میں صرف لڑکیوں کا ہی حصہ ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر یہ بات درست ہے کہ آپ کی والدہ صاحبہ نے مذکورہ مکان میں اپنی ملکیت والا حصہ آپ کو دے کر قابض و مالک بنا دیا تھا، تو اُس حصہ کے شرعاً آپ مالک بن چکے ہیں، اُس میں بہنوں یا دیگر وارثین کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور یہ کہنا کہ والدہ کے مال میں صرف بچیوں کا حصہ ہوتا ہے شرعاً درست نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ والد اور والدہ دونوں کے مال میں لڑکے لڑکیوں سب کا حصہ حسبِ ضابطہ مقرر ہوتا ہے۔

يملك الموهوب له الموهوب بالقبض. (مجلة الأحكام العدلية / الباب الثالث في بيان أحكام الهبة ١٦٦/١ رقم المادة: ٨٦١ نور محمد كارخانه تجارت كتب آرام باغ كراچي)

حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الهبة / الفصل الأول معنى الهبة وركنها الخ ٤١٣/١٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۵/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پہلی اور دوسری بیوی کے بچوں کے درمیان ہبہ میں تفریق کرنا

سوال (۱۱۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے ۶/ بیٹے اور ۲/ بیٹیاں ہیں، بڑے ۳/ بیٹے اور ایک بیٹی زید کی زوجہ اول سے ہیں، جب کہ چھوٹے ۳/ بیٹے اور ایک بیٹی زوجۂ ثانی سے ہیں، زید زوجۂ ثانی کی اولاد کو اپنی وراثت سے حصہ دے رہا ہے، جب کہ زوجۂ اول سے زید کی جو اَولاد ہیں، اُن کو محروم کررہا ہے، مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

(۲) اگر زید زوجۂ اول کی اولاد کو اپنی ملکیت سے حصہ نہیں دیتا ہے تو کیا وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ نیز یہ دلیل بھی دیتا ہے کہ زید کی زوجۂ اول سے جو اولاد ہے ان کے اپنے مکانات ہیں؛ لہٰذا ان کو حصہ دینے کی ضرورت نہیں، جب کہ زوجۂ ثانی کی اولاد بالمقابل زوجۂ اول کے زیادہ خوشحال اور صاحب حیثیت ہیں، کیا زید کا یہ دلیل دینا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اس طرح اپنی سبھی اولاد میں تفریق کرنے سے وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- زندگی میں وراثت تقسیم نہیں ہوتی؛ بلکہ وراثت کا تعلق موت کے بعد چھوڑے ہوئے ترکہ سے ہوتا ہے، جس میں حسبِ حصصِ شرعیہ سبھی موجود وارثین حق دار ہوتے ہیں اور زندگی میں جو مال دیا جاتا ہے اُس کو ہبہ کہتے ہیں اور اَولاد کے درمیان ہبہ کرنے میں برابری ہونی چاہئے، زندگی میں بعض اَولاد کو دینا اور بعض کو بلا وجہ محروم کردینا نہ صرف یہ کہ حق تلفی ہے؛ بلکہ اِس کی بنا پر اَولاد کے درمیان اکثر نفرت وعداوت پیدا ہوجاتی ہے جس کا سخت نقصان ہوتا ہے؛ اِس لئے مسئولہ صورت میں پہلی اور دوسری بیوی کی سبھی اَولادوں کو برابر برابر ہبہ کرکے قابض ومالک بنادینا چاہئے، کمی بیشی نہیں کرنی چاہئے۔

عن النعمان بن بشير رضي اللّٰه عنه قال: أتي بي أبي إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلامًا فقال أكل لبنيك

نحلت؟ قال لا، قال فاردده. (صحیح مسلم، کتاب الهبات / باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة ۳۷/۲ رقم: ۱٦۲۳)

عن النعمان بن بشير رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألک بنون سواه؟ قال نعم، قال: فكلهم أعطيت مثل هذا؟ قال لا، فلا أشهد على جور. (صحیح مسلم، کتاب الهبات / باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة ۳۷/۲ رقم: ۱٦۲۳)

وفي حديث نعمان ابن بشير ...... قال مغيرة في حديثه: أليس يسرّک أن يكونوا لک في البر واللطف سواء قال نعم، قال: فاشهد على هذا غيري. (سنن أبي داؤد، أبواب الإجارة / باب في الرجل يفضل بعض ولده في النحل ۴۹۹/۲ رقم: ۳۵۴۲)

يعطي الابنة مثل ما يعطي للابن وعليه الفتوىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الهبة / الباب السادس في الهبة للصغير ۳۹۱/۴، رد المحتار / كتاب الهبة ۵۰۲/۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرض الوفات میں بیوی اور لے پالک کے لئے ہبہ نامہ

سوال (۱۱۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فیاض نبی کے دو بیٹے اعجاز نبی اور فراز نبی اور چار بیٹیاں ہیں، سب بچے شادی شدہ ہیں اور اپنے گھروں کی ہیں، فیاض نبی اور اُن کی اہلیہ دونوں کا انتقال ہوگیا، اُس وقت ایک مکان رہائشی اور کاروبار چھوڑا جس کی ورثہ میں تقسیم نہیں کی گئی۔

بعدۂ اعجاز نبی اور فراز نبی دونوں بھائیوں کا اشتراک میں کاروبار چلتا رہا، جس کی آمدنی سے دو مکان دونوں بھائیوں کے نام مشترکہ جائیداد اور خریداری کی گئی جس کا کرایہ آرہا ہے، فراز نبی لاولد ہے، اُس نے اپنی زندگی میں ایک بچہ عیان نبی کو قانونی طور پر لے کر پالا ہے، عدالت

کے ذریعہ فراز نبی نے اپنی بیماری کی وجہ سے ایک ہبہ نامہ تحریر بتاریخ ۱/۶/۲۰۲۰ء اپنی بیوی اور بچے کے لئے دو گواہوں کی موجودگی میں اسٹامپ پر لکھ دیا جو منسلک ہے، فراز نبی کا انتقال بتاریخ ۴/۶/۲۰۲۱ء کو ہوگیا، اُس کے ورثہ میں بیوی آفرین وعیان نبی (لے پالک) بھائی اعجاز نبی اور چار بہنیں ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ والد کا ترکہ اور فراز نبی کا ترکہ دونوں کی تقسیم ایک ہے یا الگ؟ ہر ایک کا کتنا کتنا حصہ بنتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مرحوم فراز نبی کی طرف سے مرض الوفات میں اپنی بیوی اور لے پالک کے لئے تحریر شدہ تفصیلی ہبہ نامہ پڑھا گیا، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ موہوب لہم (بیوی اور لے پالک) حصہ مشاع ہونے کی وجہ سے فراز نبی کی حیات میں موہوبہ جائیدادوں پر قبضہ نہیں کر سکے تھے، بریں بنا ہبہ تام نہیں ہوا؛ بلکہ صرف وصیت کے درجہ میں ہے، پس فراز نبی کی وفات کے بعد اُس کی کل جائیداد میں سے ایک تہائی حصہ بطور وصیت لے پالک کو ملے گا اور بیوی کے حق میں دیگر وارثین کی اجازت کے بغیر یہ وصیت معتبر نہ ہوگی؛ بلکہ وہ صرف حسبِ ضابطہ کل ترکہ کے چوتھائی حصے کی مالک ہوگی۔

وإذا وهب الرجل للرجل نصيبًا مسمى من دار غير مقسومةٍ، وسلمه إليه مشاعًا، أو سلم إليه جميع الدار لم يجز يعني لا يقع الملك للموهوب له بالقبض قبل القسمة عندنا. (المبسوط للسرخسي، كتاب الهبة / باب ما يجوز من الهبة وما لا يجوز ۱۲/۶٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضًا غير مشاع مميزًا غير مشغولٍ. (قرة عيون الأخيار، تكملة رد المحتار على الدر المختار / كتاب الهبة ۱۲/۵٦٦-۵٦۸ زكريا)

وهب في مرضه ولم يسلم حتى مات بطلت الهبة؛ لأنه وإن كان وصية

حتى اعتبر فيه الثلث فهو هبة حقيقة فيحتاج إلى القبض. (رد المحتار، كتاب الهبة / باب الرجوع في الهبة ٦٢٧/١٢ زكريا)

ولا لوارثه ...... إلا بإجازة ورثته؛ لقوله عليه السلام: لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة، يعني عند وجود وارث آخر كما يفيده آخر الحديث. (الدر المختار / كتاب الوصايا ٣٤٦/١٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۷/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صرف پہلی بیوی کے بیٹوں کو ہوٹل گفٹ کرنا

سوال (۱۱۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ''سیدہ بانو'' ولد محمد یاسین مرحوم ہلدوانی میں رہتی ہوں، میرے والد صاحب محمد یاسین کے دو بیویاں تھیں، میں اور ۳/ بہنیں کل ۴/ بہنیں اور ۵/ بھائی پہلی بیوی سے ہیں، اور دوسری بیوی سے ایک بہن اور دو بھائی ہیں، والد صاحب ممبئی میں رہتے تھے، ۱۹۹۳ء میں اُن کا انتقال ہو چکا ہے، ہم پانچ بہنوں نے اپنے بھائیوں سے اَب اپنا حق مانگا، تو بھائیوں نے کہا کہ ہوٹل کے علاوہ جو بھی جائیداد وغیرہ ہے اُس میں ہم تمہیں حق/ حصہ دیں گے، مگر ہوٹل (جو کل جائیداد کا ۸۰/ فیصد ہے اور ممبئی میں اہم جگہ پر واقع ہے) کو والد صاحب نے ہمیں گفٹ کر دیا تھا، یعنی پہلی بیوی کے ۵/ بیٹوں کو گفٹ کر دیا تھا اور اُن کے نام بھی کاغذات میں لکھا دئے، اَب جب یہ بات ہم بہنوں کے سامنے آئی تو ہم نے اپنے ایک بڑے بھائی سے ممبئی جا کر بات کی تو اُنہوں نے کہا کہ ہماری سوتیلی ماں یہ ساری چیزیں اپنے اور بچوں کے نام کرانا چاہتی تھیں تو والد صاحب نے اُن سے بچانے کے لئے اس وقت ہوٹل میں اپنی پہلی بیوی کے ۵/ بیٹوں کے نام ڈلوا دئے اور گفٹ کر دیا، تو ایسی صورت میں ہم ۵/ بہنیں ہیں اور ایک سوتیلے بھائی کو والد صاحب نے زندگی میں بے دخل کر دیا تھا اور دوسرے سوتیلے بھائی کو سگے بھائیوں نے اس گفٹ شدہ ہوٹل میں شامل کر لیا جس میں اس کا نام نہیں تھا، تو ایسی صورت میں والد صاحب کا ہدیہ

گفٹ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ گفٹ نہیں ہے جیسا کہ بھائی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے تو ہم بہنوں کا اس میں کتنا حصہ ہوگا؟ شریعت کی روشنی میں بیان فرما کر ممنون ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ والد کی زندگی میں اُس ہوٹل اور اُس کی آمدنی پر مکمل تصرف کس کا رہا؟ اگر اُن لڑکوں کا رہا جن کے نام یہ ہوٹل ہبہ کیا گیا تو وہ بلاشبہ مالک ہوں گے اور دیگر وارثین کا اس میں حق نہ ہوگا۔

اور اگر صرف ظاہری طور پر ہبہ کیا؛ لیکن تصرف اور اختیار خود اپنا ہی رکھا، لڑکے صرف معاون کے طور پر رہے تو یہ ہبہ تام نہ ہوگا، اور اس میں دیگر وارثین کا حق ختم نہ ہوگا، اور ہبہ درست ہونے کی شکل میں موہوب لڑکوں کا اپنے ساتھ بھائی کو شامل کرنا درست رہے گا۔

والقبض لا بد منه لثبوت الملک ...... ولنا قوله عليه السلام: لا تجوز الهبة إلا مقبوضة. (الهداية / كتاب الهبة ٢٨٦/٣ مكتبة بلال ديوبند)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الشركة / الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان الخ، الفصل الأول في أحكام الأملاك ٦٥٤/١ رقم المادة: ١١٩٢ مكتبة الاتحاد ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دادی کا پوتے کو بغیر واپسی کے مطالبہ کے زیور دینا

سوال (۱۱۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پوتے کو کاروبار کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی، دادی نے اپنا کچھ زیور نکال کر دیدیا، واپسی کا کوئی مطالبہ نہیں کیا، اب ان کا انتقال ہو چکا ہے، ان کے وارثین کا مطالبہ ہے کہ ہماری والدہ کی وہ چیز واپس کرو یا اس کی رقم واپس کرو اور زیور لیتے وقت ۲ رگواہ کے طور موجود

تھے (ایک مرد اور ایک عورت) جو کہتے ہیں کہ اُنہوں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا، کیا اس پوتے پر واپسی آتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر سوال میں ذکر کردہ تفصیل درست ہے، تو دادی نے پوتے کو جو زیور اپنی زندگی میں دیا تھا اُس کی واپسی پوتے پر لازم نہیں ہے۔

تتم الهبة بالقبض الكامل. (الدر المختار / كتاب الهبة ٨/٤٩٣ زكريا)

حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٤/٤١٣ رقم: ١٢٥٣٧ زكريا)

ولا يرجع في الهبة من المحارم بالقرابة كالآباء والأمهات وإن علوا، والأولاد وإن سفلوا الخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الهبة / الباب الخامس في الرجوع في الهبة الخ ٤/٤١١ مكتبة الاتحاد ديوبند، ٤/٣٨٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا دادا پوتے کو اپنی کچھ جائیداد دے سکتا ہے؟

سوال (۱۱۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اشفاق احمد کے ۵ رلڑکے اور ۲ رلڑکیاں ہیں، اشفاق احمد اپنے ایک لڑکے محمد کلیم کے ساتھ رہ رہے ہیں، اور بقیہ ۴ رلڑکے محمد ندیم، ابونصر، محمد آصف، محمد حذیفہ اور ۲ رلڑکیاں: غزالہ پروین، ثنا کوثر اپنی والدہ کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ معاملہ کچھ یوں ہے کہ محمد کلیم کے ایک لڑکے کو اشفاق احمد اپنی کچھ جائیداد ہبہ کرنا چاہ رہے ہیں، تو کیا شریعت کی رو سے کلیم کے لڑکے یعنی پوتے کو جب کہ والد زندہ ہیں، ہبہ کر سکتے ہیں؟ حضور والا سے درخواست ہے کہ ہمارے اِس مسئلہ کی بالتفصیل وضاحت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- مسئولہ صورت میں اشفاق احمد اپنی زندگی میں اپنے مال ودولت اور جائیداد میں پوری طرح تصرف کا حق رکھتے ہیں، اگر وہ کسی مصلحت سے اپنے پوتے کو کچھ جائیداد ہبہ کرنا چاہیں تو اُنہیں اختیار ہے، اُن کا یہ عمل شرعاً ناجائز نہ ہوگا؛ بشرطیکہ دیگر اَولاد کوضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف يشاء من الملك الخ. (تفسير البيضاوي [سورة الفاتحة: ۵] ۸/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إذا لم يقصد به الإضرار. (رد المحتار / كتاب الهبة ۵۰۱/۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خدمت گذار بیٹے کے نام اپنے حصے کی زمین رجسٹرڈ کرانا

سوال (۱۱۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کے ۳؍ بیٹے ہیں: عبدالرشید، محمد ارشد، محمد اسعد، والد کا انتقال ہو چکا ہے، جب والد کا انتقال ہوگیا تو ورثہ میں ماں اور تینوں بیٹوں کا نام چڑھا، اَب ماں اپنے بڑے بیٹے عبدالرشید کے ساتھ رہتی ہے اور باقی ۲؍ بیٹوں سے کوئی مطلب نہیں؛ بلکہ اُن میں سے ایک بیٹا محمد ارشد تو سلام کرنا گوارہ نہیں کرتا، اَب ماں کے نام سے جو زمین تھی، اُس میں سے کچھ زمین ماں نے اپنے بڑے بیٹے عبدالرشید کے نام سے رجسٹری کردی ہے اور چھوٹا بیٹا بھی اِس رجسٹری پر راضی ہے اور ماں کے حصہ کی کچھ زمین ابھی بچی ہے، جو ماں کے انتقال کے بعد تینوں آپس میں تقسیم کرلیں گے، تو کیا ماں نے جو زمین بڑے لڑکے کو دی ہے، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے، دوسرا لڑکا محمد ارشد سے ماں کو بالکل مطلب نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیرِ صحت سوال اگر خدمت گذاری اور اطاعت شعاری کی بنا پر والدہ صاحبہ نے اپنے حصہ کی زمین بڑے بیٹے کے نام رجسٹری کرائی ہے اور نافرمان بیٹے کو نہیں دی ہے، تو شرعاً اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وروي عن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ: أنه لا بأس به إن کا ن التفضیل لزیادة فضل له في الدین. (الفتاویٰ الهندیة / کتاب الهبة ۳۶۷/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بالغ غیر معذور لڑکے کا اپنی والدہ سے اُن کے مکان میں حصہ مانگنا

سوال (۱۱۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سعید احمد کی ۶ / بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے، سعید احمد نے ۳ / بیٹیوں کی شادی کرادی اور ایک لڑکے کی، اور ۳ / بیٹیاں بغیر شادی کے ہیں، سعید احمد کے پاس کچھ رقم نہیں ہے اور سعید احمد کی بیوی کے نام مکان کی رجسٹری ہے، اُس مکان کی مالک سعید احمد کی بیوی ہے جو کہ ۵۰ / گز میں ہے، بیوی کا کہنا ہے کہ میں مکان بیچ کر تینوں بیٹیوں کی شادی کردوں گی اور تینوں بیٹیاں جوان ہیں، اور والدین کا بیٹے سے کوئی مطلب نہیں ہے، اور باپ کے پاس کچھ نہیں ہے، کیا بیٹا باپ سے حصہ لے گا یا ماں سے؟ اور کیا اُس بیٹے کا حق اس مکان میں ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا حق اُس مکان میں کتنا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- والدین کی زندگی میں بالغ غیر معذور اَولاد کو والدین کے مال میں کسی مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے؛ بلکہ والدین اپنے مال کے خود مالک ومختار ہیں، وہ جہاں چاہے خرچ کرسکتے ہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مذکورہ بیٹا والدہ کے مکان میں اُن کی زندگی میں کسی حصہ کا حق دار نہیں ہے۔

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الشركة / الباب الثالث في أحكام الأملاك ٦٥٤/١ رقم المادة: ١١٩٢ مكتبة الاتحاد ديوبند)

قال مشائخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحر الرائق / كتاب الفرائض ٣٦٤/٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱۰/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا بینک اکاؤنٹ میں بیٹی کا نام شامل کرنا اُس کے نام ہبہ کہلائے گا؟

سوال (۱۱۹٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کا بینک میں اکاؤنٹ تھا، ایک دن وہ اپنی بیٹی کو بینک میں لے گیا اور اپنے اکاؤنٹ میں اُس بیٹی کا نام شامل کرایا، اِس کے لئے بینک کی تمام کارروائی بھی انجام دی گئی، اور لڑکی سے کہا کہ اِس اکاؤنٹ سے اَب تو بھی پیسے نکال سکتی ہے اور یہ پیسے تمہارے ہیں، یہ سب بات چیت منیجر اور دوسرے دو آدمیوں کے رو برو ہوئی، بعد اَزاں کسی سبب سے نام باقاعدہ داخل نہیں ہوا کہ وہ لڑکی اکاؤنٹ سے پیسے نکال سکے، پھر معاملہ یہ ہوا کہ والد (اصل اکاؤنٹ ہولڈر) کا انتقال ہوگیا اور اکاؤنٹ میں والد کے نام کے ساتھ لڑکی کا نام شامل نہیں ہوسکا۔ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹ میں نام شامل کرانے اور لڑکی کو کہنے سے کہ یہ رقم تمہاری ہے، ہبہ تام سمجھا جائے گا یا نہیں؟ نیز مرحوم کے بینک میں جو رقم ہے کیا وہ پوری رقم صرف ایک لڑکی کی ہوگی جس کا نام اکاؤنٹ میں درج کرایا گیا؟ یا تمام ورثہ میں تقسیم ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحتِ سوال چوں کہ بیٹی کو والد کی حیات میں بینک سے رقم نکالنے کا اختیار نہ ہوسکا، اِس لئے یہ ہبہ تام نہیں ہوا؛ البتہ اِسے وصیت مانا جاسکتا ہے، اور وارث کے حق میں وصیت کا حکم یہ ہے کہ اگر دیگر وارث راضی ہوتو اُس کا نفاذ

ہوتا ہے ورنہ نہیں، پس اگر مسئولہ صورت میں مرحوم کے دیگر وارثین اِس بیٹی کو اکاؤنٹ کا مالک بنانے پر راضی ہوں تو یہ صرف بیٹی کی ملک ہوگی، ورنہ اُس میں حسبِ ضابطہ سبھی وارثین حق دار ہوں گے۔

لقوله عليه الصلاة والسلام: لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة. يعني عند وجود وارث آخر كما يفيده آخر الحديث الخ ...... ولو أجاز البعض ورد البعض جاز على المجيز بقدر حصته. (الدر المختار / كتاب الوصايا ١٠/٣٤٦-٣٤٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۷/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بہنوں نے اپنا حصہ بھائیوں کو ہبہ کردیا

سوال (۱۱۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم ۵/ بھائی اور ۷/ بہنیں ہیں، والد صاحب انتقال کے وقت تقریباً ۸/ بیگھہ زمین چھوڑی، ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے ساتوں بہنیں کہہ رہی ہیں کہ والد صاحب کی زمین میں سے ہمیں جو حصہ ملے گا وہ ہم نے اپنے ۵/ بھائیوں کو ہبہ کردیا؛ چناں چہ ہم ۵/ بھائیوں نے اُس زمین کو برابر تقسیم کرلیا۔ اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا ہبہ مشاع درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- صورت مسئولہ میں ابتداء ہبہ مشاع ناجائز ہے؛ لیکن جب کہ بہنوں کی اجازت اور مرضی سے بھائیوں نے زمین برابر سرابر تقسیم کرکے اس پر قبضہ کرلیا تو یہ ہبہ درست ہو جائے گا اور بھائیوں کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۲۱/۳۰۶-۳۰۷، احسن الفتاویٰ ۷/۲۶۲)

فإن قسمه و سلمه صح لزوال المانع (الدر المختار) وتحته في الشامية: فإن قسمه أي الواهب بنفسه أو بنائبه أو أمر الموهوب له بأن يقسم

مع شريكه كل ذلك تتم به الهبة كما هو ظاهر لمن عنده أدنىٰ فقه. (رد المحتار / كتاب الهبة ٤٩٥/٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۸/۱۴۳۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ریٹائرمنٹ پر ملنے والے سرکاری گریجویٹی فنڈ اپنی بہن کے نام کرانا

سوال (۱۱۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندہ سرکاری ملازمہ ہے، بوجہ عارض شادی نہیں کی، عمر کافی ہوچکی ہے، اس کے وارثین میں ایک بہن دو بھائی ہیں، بہن کی اولاد اس کی بے حد خدمت کرتی ہیں، جن کو وہ بالکل اپنی اولاد تصور کرتی ہے، اب ہندہ چاہتی ہے کہ سرکاری ملازمت سے رٹائرمنٹ پر یا بصورت انتقال سرکار کی طرف سے ملنے والا گریجویٹی فنڈ جو تقریباً ۲۰/ لاکھ روپئے ہوگا، میری بہن کو مل جائے، جس کی وجہ سے اُس نے تمام رجسٹروں اور بینک وغیرہ میں اپنی بہن کا نام درج کروادیا ہے اور بینک کی کاپی، اے ٹی ایم کارڈ پاس ورڈ وغیرہ تمام متعلقہ چیزیں اپنی بہن کو سونپ دی ہیں، از روئے شرع یہ ہبہ تمام ہوجائے گا یا اس میں وراثت جاری ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر آپ کی زندگی میں ریٹائرمینٹ کے بعد آپ کی بہن گریجویٹی فنڈ کی رقم پر قبضہ کرلے اور یہ رقم اس کے ذاتی کھاتے میں منتقل ہوجائے، تو ایسی صورت میں ہبہ تام ہوجائے گا اور وہ ساری رقم بہن کی ملکیت قرار پائے گی؛ لیکن اگر ریٹائرمینٹ سے پہلے آپ کا انتقال ہوجائے اور اس کے بعد یہ رقم بہن کو ملے تو پھر یہ ہبہ کی صورت نہ ہوگی؛ بلکہ وصیت کی صورت ہوگی، اور وصیت کے بارے میں شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ کسی وارث کے حق میں معتبر نہیں ہوتی، پس اس رقم پر آپ کے سبھی وارثین کا حق ہوگا اور اُس میں حسبِ حصص شرعیہ وراثت جاری ہوگی۔

وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضًا غير مشاع مميزًا غير مشغول. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الهبة ٤٨٩/٨ زكريا)

وتتم بالقبض الكامل. (مجمع الأنهر / كتاب الهبة ٤٨٩/٣ فقيه الأمت ديوبند)

عن النضر بن أنس أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قضى في الأنحال ما قبض منه فهو جائز وما لم يقبض منه فهو ميراث. (المصنف لابن أبي شيبة ٥٢١/١٠ رقم: ٢٠٥٠٢ المجلس العلمي)

عن أبي أمامة الباهلي قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن اللّٰه تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث الخ. (سنن الترمذي، أبواب الوصايا / باب ما جاء لا وصية لوارث ٣٢/٢ رقم: ٢١٢٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۲/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والدہ کا بیٹوں کی شادی کے موقع پر کچھ سونا ان کے نام کرنا

سوال (۱۱۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احقر کی والدہ صاحبہ کا انتقال یکم اکتوبر ۲۰۱۸ء کو ہوگیا تھا، والدہ صاحبہ نے سونے کا زیور جو کہ تقریباً دس سے بارہ تولہ ہوسکتا ہے، تھوڑا چاندی کا زیور، کچھ برتن، جو کہ تقریباً ۱۰ سے ۲۰/ تولہ کے اندر ہوسکتے ہیں، تانبے، پیتل کے برتن، کپڑے سلے ہوئے اور بغیر سلے ہوئے، لوہے کے ٹونک جن کی تعداد ۱۰/ سے ۱۲/ ہے ایک عدد لکڑی کا صندوق وغیرہ چھوڑا ہے، ہم کل ۱۲/ بھائی بہن ہیں، جس میں ۴/ بھائی اور ۸/ بہنیں ہیں جو کہ سب حیات ہیں، سب کی شادی ہوچکی ہے۔

(۱) سب سے چھوٹے بیٹے کی شادی جنوری ۲۰۰۰ء میں ہوئی تھی، اس میں والدہ صاحبہ نے اپنا ایک زیور جو کہ تقریباً ۵/ تولے وزن کا تھا، اس کو دے دیا تھا۔

(۲) سب سے بڑے بیٹے کو ۲۰۱۱ء اکتوبر میں ایک سونے کا ہار جس کا وزن تقریباً ۷؍ تولہ ہے، دے دیا ہے، جس کی لکھت موجود ہے۔

(۳) تیسرے بھائی کو چند سال قبل ایک زیور جو کہ تقریباً ۶؍ تولہ وزن کا ہے دے دیا ہے۔

(۴) انتقال سے تقریباً ایک ہفتہ قبل دوسرے نمبر کے بیٹے کے لئے زبانی وصیت کی کہ جو زیور میرے پاس ہیں اس میں سے تقریباً ۷؍ تولہ کا زیور اس کے بیٹے کو دیا جانا ہے، جس کی گواہی میں ایک بہن اور میں بھی گواہ ہوں۔

آپ حضور والا سے درخواست ہے کہ بقایا سونے چاندی، کپڑوں، ٹونک، پیتل، تانبے کے برتن وغیرہ میں بٹوارہ کس طرح کیا جائے، کیا بٹوارہ کے وقت سارے بہن بھائی کا ہونا ضروری ہے؟

نوٹ:- ایک اہم بات اور معلوم کرنا چاہتا ہوں، والدہ صاحبہ کا انتقال ۲۰۱۸ء میں ہوا تھا، قطعی یہ بات ذہن میں نہیں رہی کہ والدہ کے پاس جو زیور تھا اس کی زکوٰۃ اَدا ہوئی تھی کہ نہیں؟ تو اب اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ براہ کرم مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال والدہ صاحبہ نے اپنی زندگی میں اپنے تین بیٹوں کو جو زیور دے کر مالک وقابض بنا دیا تھا وہ انہی بیٹوں کی ملکیت ہے، اس میں دیگر بھائی بہنوں کا حق نہیں اور دوسرے نمبر کے بیٹے کے لئے جس سات تولے کے زیور کی وصیت کی ہے وہ اگرچہ شرعاً نافذ نہیں؛ لیکن اگر سب بھائی بہن بخوشی اجازت دیں تو اس وصیت پر عمل کیا جا سکتا ہے اور اگر راضی نہ ہوں تو وصیت پر عمل نہ ہوگا اور یہ زیور بھی دیگر ساز وسامان کے ساتھ ترکہ میں شامل ہوگا اور سارا متروکہ مال سولہ برابر حصوں میں تقسیم کر کے دو دو حصہ ہر ایک بھائی کو اور ایک ایک حصہ ہر ایک بہن کو ملے گا۔

نوٹ:- والدہ کے ذمہ جو زکوٰۃ واجب الادا رہ گئی ہے اس کی ادائیگی متروکہ مال میں سے شرعاً ضروری نہیں؛ کیوں کہ انہوں نے اس بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے، اگر وصیت کی ہوتی تو تہائی مالِ متروکہ سے اُس کی اَدائیگی کی جاتی؛ تاہم اگر سب یا بعض اولاد دیں اپنے

ذاتی مال میں سے ان کی طرف سے زکاۃ ادا کردیں تو یہ اولاد کی طرف سے تبرع واحسان ہوگا اور امید ہے کہ والدہ کا ذمہ بھی ساقط ہوجائے گا۔

والقبض لا بد منه لثبوت الملك لقوله عليه السلام: لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (الهداية / أول كتاب الهبة ٢٦٧/٣ المكتبة الأشرفية ديوبند، الفتاویٰ التاتارخانية ٤١٢/١٤ رقم: ٢١٥٣٦ زكريا)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الهبة ٤٩٣/٨ زكريا)

وأما دين الله تعالىٰ فإن أوصىٰ به وجب تنفيذه من ثلث الباقي وإلا لا (الدر المختار) قال الشامي – رحمه الله –: قوله وأما دين الله تعالىٰ الخ: محترز قوله: من جهة العباد وذلك كالزكاة والكفارات ونحوها، قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلا يلزم الورثة أدائها إلا إذا أوصىٰ بها أو تبرعوا بهم من عندهم، لأن الركن في العبادات نية المكلف وفعله، وقد فات بموته فلايتصور بقاء الواجب عنه، وظاهر التعليل أن الورثة لو تبرعوا بها لايسقط الواجب،لعدم النية منه، ولأن فعلهم لايقوم مقام فعله بدون إذنه. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الفرائض ٤٩٥/١٠ زكريا)

مستفاد: ثم عندنا إذا مات بعد فرض الحج ولم يوص فحج رجل عن الميت من غير وصية أو تبرع الوارث بذلك فحج عن أبيه او عن أمه من حجة الإسلام من غير وصية أوصىٰ بها الميت، قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: يجزيه ذلك إن شاء الله تعالىٰ. (البحر العميق / الباب الثامن عشر في الحج عن الغير، الفصل الثاني الحج عن الميت الذي فاته الحج في عمره ٢٣٤٨/٤ المكتبة المكية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

خفیہ طریقہ پر بیوی کے نام باپ سے زمین لکھوانا

سوال (۱۲۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے چار لڑکے ہیں، ان لڑکوں میں سے ایک نے ایک انتہائی قیمتی زمین لب سڑک ۲۸ ر ڈسمل در پردہ والد سے اپنی بیوی کے نام کرالیا، اس زمین کے علاوہ بقیہ جائیداد والد صاحب کے انتقال کے بعد ان کے وارثین میں تقسیم ہوئی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید سے ان کے کسی ایک لڑکے کا وہ قیمتی جائیداد اپنی بیوی کے نام در پردہ کرالینا شرعاً کیسا ہے؟ کیا والد کو زندگی میں اپنی اولاد کے مابین اپنی جائیداد تقسیم کرنے میں برابری ضروری ہے؟

میرا مطالبہ ہے کہ اس ۲۸ ر ڈسمل زمین میں سے جو حصہ میرا بنتا ہو وہ مجھے دیا جائے۔

نوٹ:- یہ بات عموماً سامنے آرہی ہے کہ والدین کہتے ہیں کہ ''میری جائیداد ہے'' جس کو چاہیں دیں اور جتنا چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں''

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- زندگی میں جائیداد وغیرہ تقسیم کرتے وقت والدین کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ سب اولاد کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں اور بلا وجہ تفریق نہ کریں، اس کی وجہ سے بعد میں اولاد کے درمیان ناچاقی اور بداعتمادی پیدا ہوتی ہے، تاہم اگر کسی والد نے اس حکم کا لحاظ کئے بغیر اپنی جائیداد کا کچھ حصہ کسی ایک اولاد یا اس کی بیوی کے نام کر کے زندگی میں اسے قابض و مالک بنا دیا تو یہ ہبہ صحیح اور نافذ ہو جائے گا اور والد کے انتقال کے بعد اس حصہ میں دیگر ورثاء کا کوئی حق نہ ہوگا، پس مسئولہ صورت میں ۲۸ ر ڈسمل زمین والد نے اپنی زندگی میں ایک لڑکے کی بیوی کے نام رجسٹری کر کے اگر اسے قابض و دخیل بنا دیا ہے تو اب والد کے انتقال کے بعد آپ کو اس زمین میں کسی حصہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

عن النعمان بن بشير رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

قال ألک بنون سواہ؟ قال نعم، قال فکلهم أعطیت مثل هذا؟ قال لا قال فلا أشهد علی جور. (صحیح مسلم، کتاب الهبات / باب کراهة تفضیل بعض الأولاد في الهبة ۳۷/۲ رقم: ۱٦۲۳)

وفي الخلاصة: المختار التسویة بین الذکر والأنثیٰ في الهبة ولو کان ولده فاسقًا. (البحر الرائق / کتاب الهبة ۷/٤۹۰ زکریا)

وفي الخانیة: رجل وهب في صحته کل المال للولد جاز في القضاء ویکون آثما فیما صنع. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الهبة / الفصل السادس في الهبة من الصغیر ٤٦٥/١٤ زکریا)

لأن الترکة في الاصطلاح ما ترکه المیت من الأموال صافیًا عن تعلق حق الغیر بعین من الأموال. (رد المحتار / کتاب الفرائض ۱۰/٤۹۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۸/۲/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھابھی کے علاج میں بتائے بغیر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا حکم

سوال (۱۲۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فیضان نامی ایک شخص اور اس کی بیوی کا ایکسیڈنٹ ہوا، جس میں فیضان کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی شدید زخمی ہوگئی، جس کا علاج فیضان کے بھائیوں نے کیا، علاج کا طریقہ یہ رہا کہ فیضان نے اپنی بیوی کو جو مہر دیا تھا اس کو علاج میں خرچ کیا اور جو منہ دکھائی کی رسم میں جو روپئے آیا تھا اس کو خرچ کیا اور جو زیور فیضان نے اپنی بیوی کی شادی میں دیا تھا، اس کو بیچ کر اس سے علاج کیا، اس رقم کی مجموعی قیمت ۳؍ لاکھ ۲۵؍ ہزار روپئے بنتی ہے؛ لیکن علاج اس سے مکمل نہیں ہوا، تو فیضان کے بھائیوں نے مزید ایک لاکھ ۷۵؍ ہزار روپئے قرض لے کر بغیر کسی نیت کے علاج میں خرچ کیا اور فیضان کی بیوی کو یہ نہیں بتایا کہ ہم نے یہ ایک لاکھ ۷۵؍ ہزار روپئے تمہارے علاج میں اپنی طرف سے خرچ کیا ہے یا تمہیں قرض دیا ہے، اب فیضان کے سسرال

والے اپنی بیٹی کو دوسری جگہ نکاح کرانے کی نیت سے اپنے گھر لے گئے ہیں تو سوال یہ ہے کہ:

(۱) فیضان کے بھائی اپنی بھابھی یا اس کے گھر والوں سے علاج میں خرچ ہونے والے اپنے ایک لاکھ ۵۷/ ہزار روپئے واپس لینے کے حقدار ہیں یا نہیں؟

(۲) فیضان نے جو زیور شادی میں اپنی بیوی کو دیا تھا اور جو پیسہ دولہن کی منہ دکھائی میں آیا تھا وہ فیضان کا حق ہے یا اس کی بیوی کا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) جو رقم مرحوم کے بھائیوں نے اس کی بیوی کے علاج ومعالجہ میں اسے بتائے بغیر خرچ کی ہے، شرعی طور پر وہ اسے واپس لینے کے حقدار نہیں ہیں اور یہ عمل ان کی جانب سے تبرع شمار ہوگا۔

وإن كفل بغير أمره لم يرجع بما يؤديه لأنه متبرع بأدائه. (الهداية / كتاب الكفالة ۱۱۸/۳ المكتبة الأشرفية ديوبند)

التبرع إذا تم بشروطه الشرعية يترتب عليه أثر شرعي وهو انتقال المتبرع به إلى المتبرع له. (الموسوعة الفقهية / تبرع ۷٦۷/۱۰ الكويت)

(۲) فیضان نے اپنی بیوی کو جو زیور دیا تھا وہ اگر بطور ہبہ تھا تو وہ بیوی کا شمار ہوگا اور اگر بطور عاریت دیا تھا تو وہ فیضان کے ترکہ میں شامل ہوکر اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا، جس میں بیوی بھی اپنے حصۂ شرعی کی حقدار ہوگی، اور اگر دیتے وقت کوئی صراحت نہیں کی تھی تو مرحوم کے یہاں کے عرف کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا اور جو رقم مرحوم کی بیوی کو منہ دکھائی میں ملی ہے وہ صرف اسی کا حق ہے، وہ رقم مرحوم کے ترکہ میں شامل نہ ہوگی۔

حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤١٣/١٤ رقم: ۲۱۵۳۷ زكريا)

ومن حكمه (العارية) أن يكون أمانة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٧/١٦ رقم: ۲٤۲۲۵ زكريا)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتي ص: ۱۵۳ دار الكتاب ديو بند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۵/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کسی مرتد کی رقم ہدیہ کے طور پر لینا

سوال (۱۲۰۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کسی مرتد انسان کے ذریعہ دی گئی رقم کو لے سکتے ہیں، ہدیہ کے طور پر دے تو کیا حکم ہے؟ اور امداد کے طور پر دے تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو شخص (نعوذ باللہ) واقعتاً مرتد ہوگیا تو اس سے ہدیہ یا امداد لینا کچھ بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے اس کی ہمت افزائی ہوگی جب کہ شریعت میں ایسے شخص سے کسی طرح کی بھی راہ ورسم رکھنا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/۵۴۳ ڈابھیل، فتاویٰ دار العلوم دیو بند جدید ۱۲/۲۴۲)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ۲۸]

فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق. (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب / باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع الخ ۹/۲۳۰ رقم: ۵۰۲۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابُ اللقطۃ

گری پڑی چیزوں کے مسائل

لقطہ کے بارے میں قرآن وسنت کی ہدایات

سوال (۱۲۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن وسنت میں لقطہ کے بارے میں کیا ہدایات ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شریعت کی نظر میں لقطہ اَمانت کے درجہ میں ہے اور اَمانت کے بارے میں قرآنِ کریم میں واضح حکم موجود ہے کہ اسے حتی الامکان مالک کے حوالہ کیا جائے گا؛ چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ [النساء: ۵۸] اسی طرح قرآنِ پاک میں جان بوجھ کر امانت میں خیانت کرنے سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الأنفال: ۲۷] اِس کے ضمن میں یہ حکم بھی شامل ہے کہ لقطہ میں بے جا اور ناحق تصرف نہ کیا جائے؛ تاکہ خیانت کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

نیز متعدد احادیثِ شریفہ میں لقطہ کے متعلق ضروری ہدایات وارد ہیں، مثلاً:

الف:- جو شخص لقطہ کی چیز اُٹھائے وہ اس پر دو گواہ بنالے (تاکہ چوری کی تہمت وغیرہ سے محفوظ ہو)

ب:- لقطہ کی چیز کو علامات کے ذریعہ اچھی طرح پہچان کر محفوظ کرلے (تاکہ بوقت ضرورت اس کے تعارف میں کوئی پریشانی نہ ہو)

ج:- حتی الامکان لقطہ کی چیز کو مالک تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

د:- اگر معتد بہ زمانے (جس کی مدت اشیاء کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے) تک اعلان وانتظار کے باوجود مالک کا کچھ پتہ نہ چلے، تو اُسے مالک کی طرف سے صدقہ کردیا جائے۔

ہ:- اگر لقطہ کو اُٹھانے والا خود فقیر ہو اور تلاش کے باوجود مالک کا علم نہ ہوسکے، تو یہ فقیر خود بھی لقطہ سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

و:- اگر صدقہ یا انتفاع کے بعد اصل مالک کا علم ہوجائے، تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ معاف کردے (اور صدقہ کا ثواب لے لے) یا ملتقط سے قیمت کا مطالبہ کرے۔

اِس بارے میں چند روایات درج ذیل ہیں:

عن عياض بن حمار رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من وجد لقطة فليشهد ذا عدل أو ذوى عدل ولا يكتم ولا يغيّب، فإن وجد صاحبها فليردّها عليه، وإلا فهو مال اللّٰه يؤتيه من يشاء. (سنن أبي داؤد / كتاب الزكاة ١/٢٤٠ رقم: ١٧٠٩)

عن زيد بن خالدٍ الجهني رضي اللّٰه عنه أن رجلا سأل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن اللقطة، فقال عرّفها سنة ثم أعرف وكائها وعفاصها، ثم استنفق بها، فإن جاء ربها فأدها إليه، وفي رواية عنه فقال: عرفها سنةً فإن جاء باغيها فأدّها إليه وإلا فاعرف عفاصها ووكائها، ثم كُلْهَا فإن جاء باغيها فأدّها إليه. (سنن أبي داؤد / كتاب الزكاة ١/٢٣٩ رقم: ١٧٠٤-١٧٠٩، صحيح مسلم / كتاب اللقطة ٢/٧٨ رقم: ١٧٢٢)

عن أبي سعيد أن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه وجد دينارًا، فأتى به فاطمة رضي اللّٰه عنها فسألت عنه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. فقال: هو رزق اللّٰه عزوجلّ، فأكل منه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأكل عليّ وفاطمة رضي اللّٰه عنهم، فلما كان بعد ذلک، أتته امرأة تنشد الدينار، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا علي أدّ الدينار. (سنن أبي داؤد / كتاب الزكاة ١/٢٤٠ رقم: ١٧١٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۷/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گمشدہ چیز اُٹھا کر استعمال کرنے والا فقیر مال دار ہوگیا

سوال (۱۲۰۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے گم شدہ سامان اُٹھایا اور مالک کو تلاش کرنے کی حتی الامکان کوشش کی؛ لیکن مالک دستیاب نہ ہوا، پھر اُس نے خود فقیر ہونے کی بنیاد پر اُس چیز کو اپنے استعمال میں لے لیا؛ لیکن بعد میں وہ مال دار ہوگیا؛ تو سوال یہ ہے کہ اب اسے استعمال شدہ سامان کی قیمت صدقہ کرنی پڑے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو شخص خود فقیر ہونے کی بنا پر تعارف واشتہار کے بعد لقطہ کی چیز خود استعمال کرلے اور پھر بعد میں وہ مال دار ہوجائے، تو راجح اور مختار قول کے مطابق اَب اُس کے لئے لقطہ کی قیمت صدقہ کرنا ضروری نہ ہوگا۔

وفي العمدة: وجد لقطة وعرفها ولم یر ربها فانتفع بها لفقره ثم أیسر یجب علیه أن یتصدق بمثله (الدر المختار) قال الشامي: المختار أنه لا یلزمه ذلک في القهستاني عن الظهیریة، وکذا في البحر والنهر عن الولوالجیة. (رد المحتار، کتاب اللقطة / مطلب فیمن علیه دیون ومظالم جهل أربابها ٦/٤٣٤ زکریا)

ثم قال: وجد عرضًا لقطة فعرفها ولم یجد صاحبها وهو فقیر باعها وأنفق الثمن إلی نفسه ثم أصاب مالا، قالوا: لا یجب علیه أن یتصدق علی الفقراء بمثل ما أنفق علی نفسه. (النهر الفائق / کتاب اللقطة ٣/٢٨٣ زکریا، خانیة علی هامش الهندیة / کتاب اللقطة ٣/٣٩٥ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۳/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گمشدہ چیز لانے والے کو انعام دینے کا اعلان کرنا

سوال (۱۲۰۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: زید کی ایک قیمتی کتاب گم ہوگئی اُس نے اعلان کیا کہ جو شخص وہ کتاب مجھ تک پہنچائے گا، میں اسے ایک ہزار روپئے انعام دوں گا، پھر اتفاقاً خالد کو وہ کتاب مل گئی، تو اُس نے وہ کتاب زید کو پہنچا دی، تو خالد کے لئے زید سے اعلان کردہ انعامی رقم لینا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس طرح کا عمومی اعلان اِجارۂ باطلہ ہونے کی وجہ سے بے معنی اور غیر معتبر ہے۔ بریں بنا اِس بنیاد پر ملتقط مالک سے کسی رقم کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتا؛ تاہم اگر مالک اپنی خوشی سے ملتقط کو کچھ انعام دے دے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے۔

رجل ضاع له شيءٌ فقال من دلني عليه فله كذا، فهذا على وجهين: إن قال ذلک على سبيل العموم بأن قال: من دلني عليه فله كذا، فالإجارة باطلة؛ لأن المستأجر له ليس معلومًا، والدلالة والإشارة ليس بعمل يستحق به الأجر، فلا يجب الأجر. (الفتاوى الولوالجية، كتاب الإجارة / الفصل الأول ۳۴۳/۳-۳۴۴ مكتبة دار الايمان سهارنفور)

ولو التقط لقطة أو وجد ضالة أو صبيًا حرًا ضالًا فرده على أهله لم يكن له جعل وإن عوضه شيئًا فحسن. (البحر الرائق / كتاب اللقطة ۲۵۹/۵ زكريا)

ولا شيء للملتقط لمال أو بهيمة أو ضال من الجعل أصلاً ...... أي سواء التقطه من مكان قريب أو بعيد، بخلاف الآبق كما يأتي، وفي كافي الحاكم: وإن عوضه شيئًا فحسن، قوله: فله أجر مثله، علله في المحيط بأنها إجارة فاسدة. (رد المحتار مع الدر المختار / كتاب اللقطة ۴۳۹/۶ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گم شدہ چیز کے اُٹھانے والے کا انتقال ہوگیا

سوال (۱۲۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: اگر ملتقط نے کوئی گم شدہ چیز اٹھائی تھی؛ لیکن مالک تک پہنچانے سے پہلے ہی اُس کا انتقال ہوگیا تو اُس لقطہ کے مال میں اُس کی وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - لقطہ کا مال اُٹھانے والے کی ملکیت نہیں ہوتا؛ بلکہ اُس کے قبضہ میں امانت کے درجہ میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر ملتقط کا انتقال ہوجائے تو لقطہ کا مال اُس کے ترکہ میں شامل نہ ہوگا؛ بلکہ فی الجملہ اُس کے وارثین کی ذمہ داری ہوگی کہ اُسے مالک تک پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کریں اور جب نا اُمیدی ہوجائے تو مالک کی طرف سے صدقہ کردیں۔

وإذا أمسكها وخشي الموت يوصي بها كيلا تدخل في الميراث ثم الورثة أيضًا يعرفونها. (البحر الرائق / كتاب اللقطة ٢٥٨/٥ زكريا)

وفي النهر: ثم إذا أمسكها وحضرته الوفاة أوصى بها ثم الورثة يعرفونها، قال في الفتح ومقتضى النظر أنهم لو لم يعرفوها حتى هلكت وجاء صاحبها أنهم يضمنون؛ لأنهم وضعوا أيديهم على اللقطة ولم يشهدوا أي لم يعرفوا ...... قلت: الظاهر أن كلام الفتح فيها إذا لم يشهد الملتقط ولم يعرفها. (رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٣٨/٦ زكريا)

وإن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال، كما في شروح السراجية. (رد المحتار / كتاب الفرائض ٤٩٣/١٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گمشدہ چیز اُٹھانے پر اعلان کرنے کا خرچ مالک سے لینا

سوال (۱۲۰۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ایک شخص نے نہایت گراں قدر گم شدہ چیز اُٹھائی پھر مالک کی تلاش میں اُس نے اشتہارات چسپاں کئے یا اخبار وغیرہ میں اعلان کرایا، تو جو پیسے اعلان میں خرچ ہوئے ہیں وہ مالک سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اشتہارات میں جو پیسے خرچ کئے ہیں اُن کا اگرچہ مالک سے مطالبہ نہیں کرسکتا؛ لیکن مالک اپنی خوشی سے اگر وہ رقم دیدے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔

ولا شيء للملتقط من الجعل أصلاً. (تنوير الأبصار) **قال الشامي: وإن عوضه شيئًا فحسن.** (رد المحتار / كتاب اللقطة ٦/٤٣٩ زكريا)

إذا احتاج تعريف اللقطة إلى نفقة كأجور الإعلان في الصحف في عصرنا الحاضر مثلًا، فقد قال الحنفية والحنابلة: تكون تلك النفقة على الملتقط؛ لأن هذا أجر واجب على المعرف نفسه. (الفقه الإسلامي وأدلته، اللقطة واللقيط / نوع اللقطة وما يصنع بها ٥/٦٣٨ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرسوں پیسنے کے بعد مشین میں بچے ہوئے تیل کا حکم

سوال (۱۲۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لوگ سرسوں لے کر تیل نکلوانے کے لئے مشین والے کے پاس جاتے ہیں، مشین والا تمام لوگوں کی سرسوں کا تیل نکال کردے دیتا ہے، اُس کے بعد اپنا برتن مشین کے نیچے رکھ دیتا ہے، جس میں مشین سے رِس کر تیل کی ایک مقدار جمع ہوجاتی ہے، تو اس تیل سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تیل نکالنے کے بعد جو تھوڑی بہت سرسوں مشین

میں رہ جاتی ہے، اُس کا مالک کی طرف سے مطالبہ کا دستور نہیں ہے؛ گویا کہ یہ مشین والے کے لئے مالِ مباح کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا اُس سے نکلے ہوئے تیل سے انتفاع اُس کے لئے جائز ہے۔

المستفاد: إذا اجتمع في الطاحونة من دقاق الطحن قال بعضهم: يكون ذلك لصاحب الطاحونة، وقال بعضهم: ليس له ذلك وهذا أحسن ويكون ذلك لمن سبقت يده إليه بالرفع. (الفتاویٰ التاتارخانية / كتاب اللقطة ٧/ ٤٢٠ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب اللقطة / الفصل الأول في أخذ اللقطة والانتفاع بها ٢/ ٢٩٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

صرافہ بازار کی نالیوں سے سونے چاندی کے ذرات تلاش کرنا

سوال (۱۲۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صرافہ بازار کی نالیوں میں جو سونے چاندی وغیرہ کے ذرات تلاش کرنے سے ملتے ہیں، اُن کو جمع کرنا اور فائدہ اُٹھانا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- صرافہ بازار کی نالیوں سے ملنے والے سونے چاندی کے ذرات کے متعلق عرف یہی ہے کہ اُنہیں مالک بے حیثیت سمجھ کر پانی میں بہادیتے ہیں، اور اُن کی طرف سے اُنہیں جمع کرنے یا تلاش کرنے کی کوشش نہیں ہوتی۔ بریں بنا یہ ذرات جس شخص کے بھی ہاتھ آجائیں وہی اُن کا مالک ہے، اِس میں غنی اور فقیر کا بھی کوئی فرق نہیں ہے؛ البتہ اگر نالی سے باقاعدہ کوئی زیور (مثلاً: انگوٹھی یا بندہ وغیرہ) ملے تو وہ لقطہ کے حکم میں ہے، تو اُسے حسبِ ضابطہ مالک تک پہنچانے کی فکر کرنا لازم ہے۔

ولا بأس لغيره أن يلتقط ساحة بيضاء يطرح فيها أصحاب السكة التراب والسرقين والرماد ونحوه، حتى اجتمع من ذلك كثير، فإن كان أصحاب السكة طرحوها على معنى الرمي لها، وكان صاحب الساحة هيأ

الساحة لذلک فهي له وإن کان لم يهيء الساحة لذلک فهي لمن سبق عليها بالرفع. (الفتاویٰ الهندية / کتاب اللقطة ۲۹٤/۲ زکريا، ۳۰۳/۲ مکتبة الاتحاد ديوبند)

نوع آخر يعلم أن صاحبه يطلبه کالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها ويحفظها ويعرضها حتی يوصلها إلی صاحبها. (المحيط البرهاني / کتاب اللقطة ٤۳٤/٥ دار الکتب العلمية بيروت)

معناه: إذا جمع المارة متفرقة لم يکن للمالک أخذه منهم؛ لأنه صار ملکًا للملتقط بالجمع. (إعلاء السنن، کتاب اللقطة / باب إن کانت اللقطة شيئًا لا يطلبها صاحبها جاز الانتفاع به من غير تعريف ۳۰/۱۳ کراچی)

وذکر شيخ الإسلام أنها لو کانت متفرقة فجمعها ليس للمالک أخذها؛ لأنها تصير ملکًا له بالجمع، وعلی هذا التقاط السنابل، وبه کان يفتی الصدر الشهيد وفي غير موضع تقييد هذا الجواب أعني جواز الانتفاع بهما بما إذا کانت متفرقة. (فتح القدير / کتاب اللقطة ۱۱۵/٦-۱۱٦ زکريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

حرمین شریفین میں دروازوں پر پڑی ہوئی چپلوں کا حکم

سوال (۱۲۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حرمین شریفین میں دروازوں پر بہت سے جوتے چپل بڑی تعداد میں پڑے رہتے ہیں تو ضرورت کے وقت اُنہیں استعمال کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر حرمین شریفین وغیرہ کے دروازوں پر رکھے ہوئے چپل ایسے گراں قیمت ہیں کہ اِس بات کا غالب گمان ہے کہ مالک اُسے تلاش کرے گا، یا

اُن چپلوں کو باقاعدہ جوتا رکھنے کی الماریوں میں بحفاظت رکھا گیا ہے، تو اِس طرح کے جوتے اور چپلوں کو اُٹھا کر استعمال کرنا دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور اگر چپلوں کو کسی جگہ بحفاظت نہیں رکھا گیا ہے اور چپلوں کے ڈھیر میں انہیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا ہے، اور وہ اتنے معمولی درجہ کے ہیں کہ گمان یہی ہے کہ اُن کا مالک انہیں تلاش نہیں کرے گا، تو اس طرح کے چپلوں کا دروازوں پر چھوڑنا مالک کی طرف سے اِباحت کی دلیل سمجھا جائے گا اور اُن کو دوسرے کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔

أما لو أخذ مكعب غيره وترك مكعبه غلطًا لظلمةٍ أو نحوها ويعلم ذلك بالقرائن فهو في حكم اللقطة لا بد من السؤال عن صاحبه بلا فرق بين أجود وأدون. (رد المحتار / آخر كتاب اللقطة ٤٤٧/٦ زكريا)

فإن كانت اللقطة شيئًا يعلم أن صاحبها لا يطلبها كالنواة وقشر الرمان يكون إلقاؤه إباحة حتى جاز الإنتفاع به من غير تعريف. (البحر الرائق ٢٥٦/٥ زكريا)

وأما الشيء التافه فقد قال الفقهاء لا خلاف في إباحة أخذ اليسير من الأشياء والانتفاع به من غير تعريف كالتمرة والكسرة والخرقة. (الفقه الإسلامي وأدلته / نوع اللقطة وما يصنع بها ٦٣٧/٥ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گمشدہ مال ملتقط کے پاس سے ہلاک ہوگیا

سوال (۱۲۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کو راستہ میں کوئی قیمتی سامان گرا پڑا ملا، اور اُس نے اُس کی حفاظت اور مالک تک پہنچانے کی غرض سے اُٹھالیا، اور مالک تک پہنچانے سے پہلے پہلے وہ سامان ہلاک ہوگیا یا گم ہوگیا، تو اس صورت میں ملتقط پر ضمان واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- اگر ملتقط نے لوگوں کو یہ بتا رکھا تھا کہ اُس نے گم شدہ سامان بنظر حفاظت اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے، اور پھر اُس کی طرف سے کسی کوتاہی اور تعدی کے بغیر وہ مال ضائع ہوگیا تو بالاتفاق ملتقط پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔ اور اگر اُس نے گم شدہ سامان کے بارے میں کسی دوسرے کو خبر نہ دی تھی، اور اصل مالک کو بھی ملتقط کی نیت پر شبہ تھا (کہ اُس نے بطور غصب یہ مال اُٹھایا ہے) تو ایسی صورت میں مال کے ضائع ہونے پر مالک اُس سے ضمان لے سکتا ہے۔

إذا هلك اللقطة في يد الملتقط، فهذا على ثلاثة أوجه، أحدها: أن يأخذها ليردها على المالك ويشهد عند أخذ شاهدين أنه أخذها ليردها على المالك، وفي هذا الوجه لا ضمان ...... الوجه الثالث: إذا ادعى أنه أخذها ليردها على المالك إلا أنه لم يشهد على ذلك، ولكن صدقه المالك أنه أخذها ليردها عليه، وهنا لا ضمان، وإن كذبه المالك في ذلك فادعى أنه أخذها لنفسه فعند أبي يوسف القول قول الملتقط مع يمينه، وعند أبي حنيفة ومحمد القول قول صاحب اللقطة. وفي الينابيع ذكر في بعض الكتب قول محمد مع أبي حنيفة، والأصح أنه مع أبي يوسف. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل: فيما يضمن الملتقط ٤٣١/٧ زكريا)

فقال الحنفية: اللقطة أمانة في يد الملتقط لا يضمنها إلا بالتعدي عليها أو بمنع تسليمها لصاحبها عند الطلب، وذلك إذا أشهد الملتقط على أنه يأخذها ليحفظها ويردها إلى صاحبها، لأن الأخذ على هذا الوجه مأذون فيه شرعًا ...... فإن لم يشهد الملتقط ولم يتصادقا، وإنما قال الآخذ: أخذتها للمالك وكذبه المالك يضمن اللقطة عند أبي حنيفة ومحمد؛ لأن الظاهر أنه أخذ اللقطة لنفسه، لا للمالك. (الفقه الإسلامي وأدلته / الفصل التاسع: معنى اللقطة وأحكامها ٦٣١/٥ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۴۱/۲/۲۲ھ

لقطہ کا مال مسجد کی تعمیر میں دینا

سوال (۱۲۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب مالک سے نا اُمیدی ہوجائے، تو لقطہ کے مال کو جو صدقہ کیا جائے گا، اُس پر صدقاتِ واجبہ کے احکام جاری ہوں گے یا صدقات نافلہ کے؟ یعنی کیا اس صدقہ کی تکمیل کے لئے کسی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، یا تعمیر مسجد وغیرہ میں بھی اسے خرچ کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اکثر فقہی عبارات سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ جب لقطہ کے مالک سے نا اُمیدی ہوجائے، تو اُس مال کو کسی فقیر پر صدقہ کرکے اُس کو مالک وقابض بنانا ضروری ہوگا اور ایسے مصارف میں خرچ کرنا درست نہ ہوگا، جن میں براہ راست تملیک نہیں پائی جاتی (جیسے: تعمیر مساجد ومدارس وتکفین اُموات وغیرہ) بریں بنا لقطہ کے مال کو مساجد کے گولک کے ڈبے میں ڈالنا صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: جامع الفتاویٰ ۲۳۴/۴، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴۵۰/۱۲)

وينتفع بها لو فقيرًا وإلا تصدّق على أجنبيّ ولأبويه وزجته وولده، لو فقيرًا …… والصدقة إنما تكون على الفقير كالصدقة المفروضة. (البحر الرائق / كتاب اللقطة ٢٦٤/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۶ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

سیلاب میں بہہ کر آنے والے برتنوں کا حکم

سوال (۱۲۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک علاقہ میں سیلاب آیا جس کی وجہ سے زید کے گھر میں پانی بھر گیا، پھر جب پانی اُترا تو زید کے گھر میں مختلف قسم کے برتن وغیرہ دستیاب ہوئے، تو زید اُن کا کیا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سیلاب میں بہہ کر آنے والے برتن لقطہ کے حکم

میں ہیں؛ لہٰذا حسبِ ضابطہ اُن کے مالک کو تلاش کر کے اُنہیں واپس کیا جائے گا؛ تاہم اگر ایک مدت تک تلاش کے باوجود مالک کا پتہ نہ چل سکے، تو اسے مالک کی طرف سے فقراء پر صدقہ کر دیا جائے، اور اگر ملتقط خود فقیر ہو تو وہ بھی استعمال کر سکتا ہے۔ (مستفاد: جامع الفتاویٰ ۴/۲۳۸ ربانی بک ڈپو دہلی، فتاویٰ محمودیہ ۲۳/۳۷۲ میرٹھ)

وعرّف أي نادی علیها حیث وجدها إلی أن علم أن صاحبها لا یطلبها ...... فینتفع الرافع بها لو فقیرًا وإلا تصدق بها علی فقیر. (الدر المختار / کتاب اللقطة ٦/٤٣٨-٤٣٥ زکریا)

نوع آخر یعلم أن صاحبه یطلبه، کالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن یأخذها ویحفظها ویعرضها حتی یوصلها إلی صاحبها. (المحیط البرهاني، کتاب اللقطة / الفصل الأول في أخذ اللقطة والانتفاع بها ٨/١٦٨ دار الکتب العلمیة بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۶ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دریاؤں اور نہروں میں ملنے والے سکوں کا حکم

سوال (۱۲۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں کے قریب ایک نہر ہے غیر مسلم مسافر آتے جاتے اس میں پیسے ڈال دیتے ہیں، بسا اوقات جب اس میں پانی اتر جاتا ہے، تو گڑھوں میں کافی سکے ملتے ہیں، تو اُن کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- دریاؤں اور ندیوں میں غیر مسلم لوگ جو سکے ڈالتے ہیں یہ ان کے فاسد عقیدے کے اعتبار سے غیر اللہ سے تقرب کی ایک صورت ہے جو قطعاً باطل اور حرام ہے؛ لہٰذا کسی مسلمان کے لئے اُن سکوں کو جمع کر کے فائدہ اُٹھانا ہرگز درست نہیں ہے۔

أنه نذرُ مخلوقٍ والنذر للمخلوق لا یجوز لأنه عبادة، والعبادة لا تکون للمخلوق. (البحر الرائق، کتاب الصوم / فل في النذر ۲/۲۰ ۵ زکریا، ۲/۲۹۸ کوئٹه)

اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدرهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقربًا إلیهم فهو بالإجماع باطل وحرام. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم / باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده ۳/۴۲۷ زکریا، ۲/۴۳۹ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۶ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

باغات میں گرے ہوئے پھلوں کا حکم

سوال (۱۲۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: باغات کے وہ پھل جو زمین پر پڑے ہوئے ہوتے ہیں، مالک کی اجازت کے بغیر اُن کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- باغات میں گرے پڑے پھلوں کو مالک کی صراحۃً یا دلالۃً اِجازت کے بغیر استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

وحاصل ما في شرحها عن الخانیة وغیرها أن الثمار إذا کانت ساقطة تحت الأشجار، فلو في المصر لا یأخذ شیئًا منها ما لم یعلم أن صاحبها أباح ذلک نصًا أو دلالةً؛ لأنه في المصر لا یکون مباحًا عادةً وإن کان في البستان، فلو الثمار مما یبقی ولا یفسد کالجوز واللوز لا یأخذه ما لم یعلم الإذن ولو مما لا یبقی، فقیل کذلک، والمعتمد أنه لا بأس به إذا لم یعلم النهي صریحًا أو دلالةً أو عادةً، وإن کان في السواد والقری. (رد المحتار، کتاب اللقطة / مطلب فیمن وجد حطبًا في نهر الخ ۶/۴۴۵ زکریا، الفتاویٰ الهندیة / کتاب اللقطة ۲/۲۹۰ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۴ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

پالتو کبوتری نے دوسرے کے گھر میں انڈے دے دئے

سوال (۱۲۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک محلّہ میں کئی گھروں میں پالتو کبوتر موجود ہیں، تو بعض مرتبہ اُن میں سے کوئی کبوتری کسی دوسرے کے گھر میں انڈے دے دیتی ہے اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس گھر سے آئی ہے، تو گھر والوں کے لئے اُن انڈوں کا استعمال کرنا یا اُن سے کبوتری کے بچے نکلوانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- غیر شخص کی پالتو کبوتری کے انڈوں اور بچوں سے فائدہ اُٹھانا ملتقط کے لئے جائز نہیں ہے؛ بلکہ مالک کو تلاش کرنا ضروری ہے، اگر مالک نہ ملے تو صدقہ لازم ہے۔

فإن كانت الأم غريبة لا يتعرض لفرخه فإنه لغيره. (الفتاویٰ الهندية، كتاب اللقطة / قبيل كتاب الإباق ۲۹٤/۲ زكريا)

فإن كانت الأم غريبة لا يتعرض لفرخها؛ لأنه ملك الغير ...... قلت: وإذا لم يملك الفرخ فإن فقيرًا أكله وإن غنيًا تصدق به. (الدر المختار، كتاب اللقطة / مطلب فيمن وجد حطبًا في نهر الخ ٤٤٥/٦ زكريا)

قال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي: وبهذا تبين أن من اتخذ برج حمام فأوكرت فيه حمام الناس فما يأخذ من أفراخها لا يحل له، وهو بمنزلة اللقطة في يده، فإن كان فقيرًا له أن يتناول لحاجته وإن كان غنيًا ينبغي له أن يتصدق بها على فقير. (البحر الرائق / كتاب اللقطة ٢٦٦/٥ زكريا، ١٥٩/٥ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۴ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

موبائل میں نامعلوم طریقہ پر بیلنس آ گیا

سوال (۱۲۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: ہمارے موبائل میں نامعلوم طریقہ پر دوسو روپئے کا ریچارج (TOP-UP) آگیا، اور یہ پتہ نہیں کہ کس نے ڈالا ہے؟ اور ہمارے لئے اسے ڈیلیٹ (delete) کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، تو اُس سے فائدہ اُٹھانا ہمارے لئے درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کسی کے موبائل میں نامعلوم ذریعہ سے ریچارج ٹوپ اپ (TOP-UP RECHARGE) آجائے تو اُس کے لئے بلا تحقیق اِس سے فائدہ اُٹھانا درست نہ ہوگا؛ بلکہ اُس پر لازم ہوگا کہ وہ حتی الامکان ٹوپ اپ ڈلوانے والے سے رابطہ کرکے یا تو اُس کا بدل اَدا کرے یا معاف کرائے۔ اور اگر بالفرض اس سے رابطہ نہ ہو تو مالک کی طرف سے ٹوپ اَپ کے بقدر رقم صدقہ کرکے اُس سے فائدہ اٹھالے۔

فينتفع الرافع بها لو فقيرًا وإلا تصدق بها على فقير. وفي القنية: لو رجا وجود المالك وجب الإيصاء. (الدر المختار / كتاب اللقطة ٦/٤٣٨ زكريا)

عرف اللقطة إلى أن يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها …… ثم تصدق أي تصدق باللقطة إذا لم يجئ صاحبها بعد التعريف. (تبيين الحقائق / كتاب اللقطة ٤/٢١٢-٢١٦ زكريا)

وهل للملتقط دفعها إلى الغير ليعرفها فقيل نعم إن عجز. (رد المحتار / كتاب اللقطة ٦/٤٣٦ زكريا)

قال أبو يوسف والحسن: له أن يأمر غيره ويعطيها حتى يعرفها يريد به إذا عجز عن التعريف بنفسه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الثاني تعريف اللقطة ٧/٤٢٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۶ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نہر یا ندی میں بہہ کر آنے والے پھلوں کا حکم

سوال (۱۲۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: کچھ بچے نہر میں نہار رہے تھے، اسی درمیان اُن کی نظر پڑی کہ کچھ پھل بہتے آرہے ہیں اور یہ کچھ پتہ نہیں کہ یہ کہاں سے آرہے ہیں؟ اور اِن کا مالک کون ہے؟ تو اِن پھلوں سے فائدہ اُٹھانا اُن بچوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - نہر یا ندی میں بہہ کر آنے والے پھل فروٹ کو اٹھا کر کھانا سب کے لئے درست ہے؛ کیوں کہ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اسے استعمال نہ کیا جائے تو خراب ہوکر ضائع ہوجائے گی اور کسی کے کام نہ آئے گی۔ نیز اس کے مالک کو تلاش کرنا بھی مشکل ہے؛ حتیٰ کہ خود مالک بھی عموماً اسے تلاش نہیں کرتا۔

بخلاف تفاح أو كمثرى في نهر جارٍ فإنه يجوز أخذه وإن كثر؛ لأنه مما يفسد لو ترك. (رد المحتار، كتاب اللقطة / مطلب في من وجد حطبًا في نهر الخ ٤٤٤/٦ زكريا)

وذكر في الفتاوى المختار أنه من النوع الأول التفاح والكمثرى إن وجد في الماء يجوز أخذه وإن كان كثيرًا؛ لأنه يفسد بالماء. (البحر الرائق / كتاب اللقطة ٢٥٦/٥ زكريا)

التفاح أو الكمثرى إذا كان في نهر جارٍ، قالوا: يجوز أخذه وإن كثر، لأن هذا مما يفسد لو ترك. (فتاوىٰ قاضي خان ١٨٠/٣ مكتبة الاتحاد ديوبند)

وإن كان ذلك من الثمار التي لا تبقى يسعه الأخذ بلا خلاف ما لم يعلم النهي. (الفتاوىٰ الهندية / كتاب اللقطة ٣٠٠/٢ الاتحاد ديوبند، ٢٩٠/٢ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۶ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گنے کے ٹرک یا ٹرالی سے کچھ گنے گر گئے

سوال (۱۲۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گنے کے ٹرک یا ٹرولی سے چلتے ہوئے کچھ گنے سڑک پر گر جاتے ہیں، اور یہ کچھ

پتہ نہیں چل پاتا کہ کس کی گاڑی سے گرے ہیں؟ تو ایسے گرے پڑے گنوں کو اٹھانا اور اُنہیں استعمال کرنا کیسا ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ٹرک یا ٹرولی سے اکا دکا گر جانے والے گنوں کو عموماً مالک تلاش نہیں کرتا، اور نہ اُس کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے؛ لہٰذا اِس طرح کے گرے پڑے گنے کو اُٹھا کر استعمال کرنے کی مطلقاً اجازت ہوگی خواہ اُٹھانے والا فقیر ہو یا غنی؛ البتہ اگر بڑی مقدار میں گنے سڑک پر گر جائیں (مثلاً کئی پولی گر جائیں) تو مالک کی اجازت کے بغیر اُس سے انتفاع جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ اُسے مالک کی طرف سے چھوڑنے اور نظر انداز کرنے کا عرف نہیں ہے۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: مر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بتمرة في الطريق، فقال: لو لا أني أخاف أن تكون من الصدقة لأكلتها (رواه البخاري) **قال العلامة العثماني في شرحه: ظاهر في جواز أكل ما يوجد من المحقرات ملقى في الطرقات؛ لأنه صلى اللّٰه عليه وسلم ذكر أنه لم يمتنع من أكلها إلا تورعًا لخشية أن تكون من الصدقة التي حرمت عليه لا لكونها مرمية في الطريق فقط.** (إعلاء السنن، كتاب اللقطة / باب إن كانت اللقطة شيئًا لا يطلبها صاحبها ۲۹/۱۳ المكتبة الأشرفية ديوبند، ۲٦/۱۳ كراچی)

وكذلك الشيء الحقير لا يعرَّف سنةً؛ بل يعرّف زمنًا يُظَنّ أن صاحبه لا يطلبه بعده، وللملتقط أن ينتفع به إذا لم يعرف صاحبه، فعن جابر رضي اللّٰه عنه قال: رخص لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في العصا والسوط والحبل وأشباهه يلتقطه الرجل ينتفع به. أخرجه أحمد وأبو داؤد (فقه السنة / اللقطة ۱۷۱/٤ مكتبة الفتح للإعلام العربي القاهرة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۴ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

خریدے ہوئے مکان کی دیوار سے مال برآمد ہوا

سوال (۱۲۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے پرانا مکان خریدا، اُس میں سے ایک دیوار کے اندر کچھ مال دستیاب ہوا، اور بائع یہ کہتا ہے کہ اِس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں، تو مشتری کے لئے وہ مال اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں بائع کے انکار کردینے کی شکل میں حاصل شدہ مال پر لقطہ کے احکام جاری ہوں گے یعنی مشتری پر لازم ہوگا کہ وہ ایک معتد بہ مدت تک مالک کی تلاش وجستجو کرے، اور جب بالکل نا اُمیدی ہوجائے تو اُس مال کو مالک کی طرف سے فقراء پر صدقہ کردے، اوراگر وہ خود فقیر ہوتو اُسے بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

وفي الينابيع: ولو اشترى دارًا فوجد في بعض الجدر دراهم، قال أبوبكر: إنها كاللقطة وإن ادعاها البائع، قال الفقيه: إن ادعاها البائع ترد عليه، وإن قال البائع: إنها ليست لي فهي كاللقطة. (الفتاوى التاتارخانية / كتاب اللقطة ٤١٨/٧ رقم: ١٠٧٩١ زكريا)

وعرف إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها، فينتفع بها لو فقيرًا وإلا تصدق بها على فقير. (رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٣٨/٦-٤٣٥ زكريا)

وإن كان الملتقط فقيرًا فلا بأس بأن ينتفع بها لما فيه أي من الانتفاع تحقيق النظر من الجانبين؛ ولهٰذا جاز الدفع أي دفع اللقيط إلى فقير غيره من الفقراء. (البناية / كتاب اللقطة ٣٤٤/٧ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ناکارہ موبائل اُٹھا کر اُس کو کارآمد بنالیا

سوال (۱۲۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کو خراب موبائل پڑا ہوا ملا جو بغیر بنوائے استعمال کے لائق نہ تھا، اس نے پیسے لگا کر صحیح کروایا اور استعمال میں لے آیا، اب مالک کہتا ہے کہ یہ موبائل مجھے دو یہ میرا ہے، تو کیا شریعت کی رو سے مالک کو مذکورہ شخص سے موبائل لینے کا اختیار ہے؟ اگر ہے تو کیا مذکورہ شخص اپنی لگائی ہوئی رقم مالک سے وصول کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر مذکورہ موبائل بالکل ناکارہ تھا اور ملتقط نے اُس کی مرمت کراکر کارآمد بنایا ہے، تو مالک مرمت کی قیمت اَدا کرکے اپنے موبائل کو اُس سے واپس لے سکتا ہے۔

(وإن سلخ شاة ميتة فهو له أيضًا) أي ولو دبغ جلدها كان لصاحبها أن يأخذ الجلد منه بعدما يعطيه ما زاد الدباغ فيه؛ لأن ملكه لم يزل بالإلقاء والصوف مال متقوم بلا اتصال شيء، فله أن يأخذه مجانًا، أما الجلد صار متقومًا بالدباغ، فإذا أخذه يعطيه ما زاد الدباغ فيه. (تبيين الحقائق / كتاب اللقطة ٤/٢١٥ زكريا)

ولو أن رجلا قامت دابته فتركها ولا قيمة لها من الهزال ولم يقل وقت الترك فليأخذها من شاء فأخذها رجل وأصلحها، فالقياس أن تكون لآخذها كقشور الرمان المطروحة، وفي الاستحسان تكون لصاحبها. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الأول في أخذ اللقطة والانتفاع بها ٧/٤١٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

فصل کی کٹائی کے وقت کھیت میں رہ جانے والے اَناج کا حکم

سوال (۱۲۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مشین سے فصل کی کٹائی کے وقت مشین کے پیچھے جو فضلات گرتے ہیں اُس کے ساتھ ساتھ کچھ اَناج بھی گر جاتے ہیں، اسی طرح ہاتھ سے کٹائی کی شکل میں فصل کو کھیت سے اُٹھانے کے بعد کچھ بالیاں کھیت میں رہ جاتی ہیں، تو دوسرے لوگوں کے لئے اُن کو جمع کر کے فائدہ اُٹھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر مالک کو کوئی اعتراض نہ ہو تو فصل کی کٹائی کے بعد کھیت میں پڑی ہوئی بالیوں اور دانوں کو اٹھا کر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اِن چیزوں کا کھیت میں چھوڑنا دلالۃً اِباحت کے درجہ میں ہے؛ البتہ اگر کسی جگہ اس کے خلاف عرف ہو یعنی اُن بالیوں کو اُٹھانے پر مالک کو اعتراض ہوتا ہو تو اُسے اُٹھانا درست نہ ہوگا۔

وإن جمع سنبلا بعد الحصاد فهو له لإجماع الناس على ذلك. (تبيين الحقائق / كتاب اللقطة ٤/٢١٥ دار الكتب العلمية بيروت)

المزارعُ إذا التقط السنابل بعد ما حصد الزرع وجمعه، قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: يكون ذلك له خاصةً؛ لأنه لو لم يلتقطها المزارع لا يلتقطها صاحبُ الأرض، وإنما يلتقطها الفقراء. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ٣/٢٨١ مكتبة الاتحاد ديوبند، ٣/٣٩١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

سرکاری میٹریل ٹھیکے دار چھوڑ کر چلا گیا

سوال (۱۲۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: سرکار نے کسی ٹھیکے دار کو سڑک بنانے کا ٹھیکہ دیا، ٹھیکے دار نے اپنا میٹریل لگا کر سڑک کو بنایا؛ لیکن سڑک کی تیاری کے بعد کچھ میٹرئیل بچ گیا، جسے ٹھیکے دار چھوڑ کر چلا گیا، اور کئی سال ہوگئے اَب تک وہ میٹریل اُس میں پڑا ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آس پاس کے لوگوں کو یہ سامان اپنے استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں ٹھیکے دار سے رابطہ کرنا آج کل کوئی مشکل نہیں ہے، اِس لئے اُس کی اِجازت کے بغیر اُس سامان کو کسی کے لئے اپنے ذاتی استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا، اور اگر بالفرض کوشش کے باوجود ٹھیکے دار سے رابطہ نہ ہوسکے تو اُسے سرکاری محکمہ کے حوالہ کردینا چاہئے۔

وعرّف أي نادى عليها حيث وجدها. (تنوير الأبصار) **وهل للملتقط دفعها إلى الغير ليعرّفها؟ فقيل: نعم إن عجز ...... وفي القسهتاني: له دفعها لأمين.** (رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٣٦/٦ زكريا)

وفي المنتقى: قال أبو يوسف والحسن رحمهما الله: له أن يأمر غيره ويعطيها حتى يعرّفها، يريد به إذا عجز عن التعريف بنفسه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الثاني تعريف اللقطة ٤٢٦/٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ٹرین میں ایک شخص سامان بھول کر چلا گیا

سوال (۱۲۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی ہمارے ساتھ، سفر میں تھا، راستہ میں کہیں اتر گیا اور اُس کا سامان ہمارے پاس رہ گیا، اور اُس شخص کو ہم جانتے بھی نہیں ہیں، تقریباً ۷؍ سال ہونے والے ہیں،

اب اُس سامان کا کیا کیا جائے؟ حضور والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ ہمیں اِس مسئلہ کے بارے میں مدلل اور تشفی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اَولاً کسی اجنبی مسافر کا سامان خود اُٹھا کر نہیں لانا چاہئے؛ بلکہ اگر مثلاً بس کا سفر ہو، تو اُس کے کنڈیکٹر کے حوالہ کر دیں، یا ٹرین کا سفر ہو، تو ٹی ٹی وغیرہ کے حوالہ کر دیں، کیوں کہ اُن کے ذریعہ سے وہ سامان مالک تک پہنچنے کی زیادہ اُمید ہے؛ اِس لئے کہ جس شخص کا سامان چھوٹتا ہے، وہ عموماً اسی سواری کے ذمہ داروں سے رابطہ کرتا ہے، پھر بھی اگر کوئی شخص ایسا سامان لے آیا ہے، تو اُسے مالک تک پہنچانے کی ہر ممکن صورت اختیار کرنی چاہئے، اور اگر بالکل نا اُمیدی ہو جائے، تو اُس کی طرف سے فقیر کو صدقہ کر دے۔

عن عبد الرحمن بن عثمان التيمي: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن لقطة الحاج. (صحيح مسلم، كتاب اللقطة / باب لقطة الحاج رقم: ١٧٢٤)

وتخصيص مكة حينئذ لدفع وهم سقوط التعريف بها بسبب أن الظاهر أن ما وجد بها من لقطةٍ، فالظاهر أنه للغرباء، وقد تفرقوا فلا يفيد التعريف، فيسقط فبيّن عليه السلام أنها كغيرها من البلاد في وجوب التعريف. (تكملة فتح الملهم / كتاب اللقطة ٥٤٧/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

خصّ عليه الصلاة والسلام لقطة الحرم بذلك لما لا يوجد صاحبها عادةً، فتبين أن ذا لا يسقط التعريف. (بذل المجهود ٦١٥/٦ مكتبة دار البشائر الإسلامية)

عرّف أي نادى عليها إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها. (تنوير الأبصار مع الدر المختار) وهل للملتقط دفعها إلى غيره ليعرّفها فقيل نعم إن عجز. (رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٣٦/٦ زكريا)

وفي المنتقى: قال أبو يوسف والحسن: له أن يأمر غيره ويعطيها حتى

یعـرّفهـا، يريد به إذا عجز عن التعريف بنفسه. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الثاني تعريف اللقطة ٤٢٦/٧ زكريا)

ولـلـمـلتـقـط أن يتـولـى تـعـريـفهـا بـنفسه، أو يستنيب عنه أحدًا يقوم بالتعريف. (الفقه الإسلامي وأدلته، اللقطة / نوع اللقطة وما يصنع بها ٦٣٦/٥ دار الفكر بيروت)

فينتفع الرافع بها لو فقيرًا، وإلا تصدّق بها على فقيرٍ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب اللقطة ٤٣٨/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۰ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گھر کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے مالک غائب ہوگیا

سوال (۱۲۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے کوئی شخص اپنی بائک یا کار کھڑی کر کے چلا جائے اور ایک مدت تک پتہ نہ چلے کہ یہ کس کی گاڑی ہے؟ تو کیا وہ گھر والا اس گاڑی کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟ یا اُس پر شرعاً کیا ذمہ داری ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِس طرح کی لاوارث گاڑی کو استعمال میں لانا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ اسے پانے والا یا تو مالک کو خود تلاش کرے، اور اگر یہ مشکل ہو تو قریبی پولیس اسٹیشن کے حوالے کردے، وہ خود اُس کی تحقیق کے ذمہ دار ہوں گے۔

عـرّف أي نادى عليها إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها. (تنوير الأبصار مـع الـدر الـمـختار) وهل للملتقط دفعها إلى غيره ليعرّفها فقيل نعم إن عجز. (رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٣٦/٦ زكريا)

وفـي الـمنتقى: قال أبو يوسف والحسن: له أن يأمر غيره ويعطيها حتى

یعـرّفهـا، يريد به إذا عجز عن التعريف بنفسه. (الـفتـاوىٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الثاني تعريف اللقطة ٤٢٦/٧ زكريا)

عرّف أي نادى عليها حيث وجدها وفي الجامع إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ٤٣٦/٦)

ولـلملتقط أن يتولى تعريفها بنفسه، أو يستنيب عنه أحدًا يقوم بالتعريف. (الفقه الإسلامي وأدلته، اللقطة / نوع اللقطة وما يصنع بها ٦٣٦/٥ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۴ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گمشدہ بکری کو گھر پر لاکر چارہ وغیرہ کھلایا

سوال (۱۲۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بکری گلی میں پھر رہی تھی، زید نے یہ سوچ کر کہ کہیں اس پر غلط شخص کی نظر نہ پڑ جائے اُس بکری کو پکڑ کر گھر پر باندھ دیا، اور اُس کے لئے چارہ پانی کا معقول انتظام کیا، اور آس پاس مسلسل اعلان بھی کراتا رہا کہ جس کی بکری ہو وہ نشانی بتا کر لے جائے، ۱۰/دن کے بعد اس کا مالک دستیاب ہوا، تو سوال یہ ہے کہ اِن ۱۰/دنوں میں بکری رکھنے والے کا جو روپیہ اُس کے چارہ پانی میں خرچ ہوا ہے، وہ مالک سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر زید نے قاضی یا اُس کے قائم مقام کی اِجازت سے مذکورہ بکری کے چارہ پانی کا انتظام کیا ہے، تو مالک سے اپنا خرچ شدہ مال لے سکتا ہے، اور اگر قاضی نے اِجازت نہیں دی ہے، تو زید نے جو بھی خرچ کیا ہے وہ محض تبرع اور احسان ہوگا، مالک سے لینے کا حق نہ ہوگا۔

وتـنفرد بحكم آخر وهو النفقة، فإن أنفق عليها بأمر القاضي يكون دينًا

علـى مـالـكهـا وإن أنـفـق بـغيـر إذنه يكون متطوعًا، فينبغي أن يرفع الأمر إلى القاضي. (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة / قبيل كتاب الآباق ٦/٢٠٣ دار الكتب العلمية بيروت)

وإذا وجـد شاةً أو بقرةً أو بعيرًا وحبسها وأنفق عليها في مدة التعريف، ثـم جاء رجل وأقام بينةً أنها له لم يرجع عليه بما أنفق، إلا إذا كان الإنفاق بأمر القاضي. (الـفتـاوى التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الرابع في الخصومة في اللقطة الخ ٧/٤٣٥ رقم: ١٠٨١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

معمولی گری ہوئی چیز کو استعمال کرنے کا حکم

سوال (۱۲۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی ایسی معمولی چیز ہو جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ مالک اُسے تلاش نہیں کرے گا، تو اس چیز کو اُٹھا کر اپنے استعمال میں لانا کیسا ہے؟ مثلاً: کوئی معمولی قلم یا پنسل گری پڑی ملے؟ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- ایسی غیراہم چیز جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہو کہ مالک اُسے تلاش نہیں کرے گا، اُس کو ملتقط اُٹھا کر اعلان وتعارف کے بغیر اپنے کام میں لاسکتا ہے؛ لیکن اگر بعد میں مالک کو پتہ چل جائے اور وہ اُسے (موجود چیز کو) واپس لینے کا مطالبہ کرے تو اُسے واپس کرنا ضروری ہوگا۔

فـكـالنوى في مواضع متفرقة وكقشور الرمان في مواضع متفرقة، وفي الـمـلتـقـط: وقشـر البـطيـخ، وفـي هٰـذا الوجه له أن يأخذها وينتفع بها إلا أن صـاحبهـا إذا وجـدهـا فـي يـده بـعـد ما جمعها فله أن يأخذها، ولا تصير ملكًا

للآخر. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب اللقطة / الفصل الأول في أخذ اللقطة والانتفاع بها ٤١٦/٧ رقم: ١٠٧٨٨ زکریا)

فإن كانت اللقطة شيئًا يعلم أن صاحبها لا يطلبها كالنواة وقشر الرمان يكون إلقاؤه إباحة حتى جاز الانتفاع بهٖ من غير تعريف؛ ولكنه يبقى علىٰ ملك مالكه؛ لأن التمليک من المجهول لا يصح. وفي البزازية: لو وجدها مالكها في يده له أخذها. (البحر الرائق، کتاب اللقطة / التعریف باللقطة ١٦٥/٥ دار الکتاب الإسلامي، ٢٥٦/٥ زکریا، رد المحتار / کتاب اللقطة ٤٣٦/٦ زکریا، الهداية ٥٩٧/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گری پڑی چیز کو اُٹھانے والے پر کیا ذمہ داری ہے؟

سوال (۱۲۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی لقطہ کی چیز اُٹھائی جائے تو اُس کے بعد اُٹھانے والے پر کیا بات لازم ہوتی ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو شخص لقطہ کی چیز اُٹھائے تو اس کے گواہ بنانے کے بعد اس چیز کی حیثیت ومالیت کو دیکھتے ہوئے اتنی مدت تک جس میں مالک کے اسے تلاش کرنے کا غالب گمان ہو؛ حتی الوسع اعلان وتعارف خصوصاً اُٹھائی ہوئی جگہ کے اِرد گرد کرتا رہے (مثلاً جابجا تحریری اعلان لگادے کہ فلاں چیز دستیاب ہوئی ہے جن صاحب کی ہو نشانی بتا کر فلاں سے وصول کرلیں) ایک مدت تک اعلان وتعارف کے بعد جب مالک تک رسائی سے نااُمیدی ہوجائے تو لقطہ کو مالک کی طرف سے صدقہ کردیا جائے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئًا فليعرفه سنةً، فإن جاءه صاحبها فليردها إليه، وإن لم يأت صاحبها فليتصدق بها. (سنن الدار قطني ١٠٨/٤ رقم: ٤٣٨٩ بيروت)

ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب علىٰ ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذٰلک هو الصحيح، ثم بعد تعريف المدة المذكورة، الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة وبين أن يتصدق بها. (الفتاویٰ الهندية / أول كتاب اللقطة ٢٨٩/٢ زكريا)

وأسند إسحاق بن راهويه عنه صلى الله عليه وسلم: من أصاب لقطة فليشهد ذا عدل. (فتح القدير / أول كتاب اللقطة ١١١/٦ زكريا، ١١٨/٦ دار الفكر بيروت)

وعرف أي نادى عليها حيث وجدها إلىٰ أن علم أن صاحبها لا يطلبها أو أنها تفسد إن بقيت كالأطعمة والثمار. (الدر المختار) قوله: إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها، لم يجعل للتعريف مدة اتباعًا للسرخسي فإنه بنى الحكم علىٰ غالب الرأي فيعرف القليل والكثير إلىٰ أن يغلبه علىٰ رأيه أن صاحبه لا يطلبه، وصححه في الهداية. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٣٦/٦ زكريا)

قال الشيخ شمس الأئمة الحلواني: أدنىٰ ما يكون في التعريف أن يشهد عند الأخذ ويقول: أخذتها لأردها، فإن فعل ذٰلک ثم لم يعرفها بعد ذٰلک كفى. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الثاني في تعريف اللقطة وما يصنع بها بعد التعريف ٤٢٣/٧-٤٢٤ رقم: ١٠٨٠٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گری پڑی چیز دیکھ کر اُٹھانا چاہئے یا نہیں؟

سوال (۱۲۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی جگہ گم شدہ چیز پر نظر پڑے تو اسے دیکھنے والے کی شرعی ذمہ داری کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- لقطہ والی چیز پر اگر نظر پڑے تو اُس کے اُٹھانے اور نہ اُٹھانے کے بارے میں لقطہ اور ملتقط دونوں کی حالتوں پر غور کر کے حکم واضح کیا جائے گا، پس اِس کی درج ذیل تین صورتیں نکلیں گی:

الف:- اگر ملتقط کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ وہ لقطہ کو اُٹھا کر بحفاظت مالک تک پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے، اور صورتِ حال یہ ہے کہ اگر لقطہ کو نہ اُٹھایا گیا تو اُس کے ضائع ہونے کا قوی امکان ہے، تو ایسے شخص کے لئے لقطہ کو اُٹھانا مطلقاً واجب ہے (تاکہ وہ مالک کے مال کی حفاظت میں معاون بن سکے)

ب:- اگر ملتقط کو اپنے اوپر اطمینان تو ہے؛ لیکن لقطہ کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے (مثلاً وہ ایسی جگہ پر ہے کہ اسے دوسرے لوگ بھی اُٹھا سکتے ہیں) تو ایسی صورت میں اس شخص کے لئے لقطہ اٹھانا محض مستحب ہے؛ واجب نہیں۔

ج:- اگر ملتقط کو اپنے اوپر اطمینان نہ ہو (مثلاً وہ اتنا کمزور ہو کہ مالک کو تلاش کر کے لقطہ اس کے پاس نہ پہنچا سکے) تو ایسی صورت میں اس شخص کے لئے لقطہ کے مال کو اُٹھانا بہتر نہیں، خواہ لقطہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔

ندب رفعها لصاحبها إن أمن علیٰ نفسه تعریفها وإلا فالترک أولیٰ، ووجب عند خوف ضیاعها (الدر المختار) وتحته في الشامیة: وهٰذا أمن علیٰ نفسه وإلا فالترک أولیٰ. (الدر المختار مع رد المحتار / أول کتاب اللقطة ٦/٤٣٤ زکریا)

التقـاط اللـقـطة على نوعين: نوع من ذلک يفترض وهو ما إذا خاف ضيـاعها، ونوع من ذلک لا يفترض وهو، ما إذا لم يخف ضياعها ولكن يباح له أخذها، أجمع العلماء عليه واختلفوا فيما بينهم أن الترک أفضل أو الرفع؟ ظاهر مذهب أصحابنا أن الرفع أفضل، وفي الينابيع: وهو المختار …… وبعض الـمتقـدميـن مـن أئمة التابعين قالوا: الترک أفضل، ومن العلماء من قال: إن كـان الـرجـل عـدلاً يـأمـن علىٰ نفسه الخيانة فالرفع أفضل، وإن كان فاسقًا لا يـأمـن علىٰ نفسه الخيانة فالترک أفضل. وقال في شرح الطحاوي: أخذ اللقطة والـضـالة والآبـق لـلرد على المالک أفضل من الترک عند الجمهور. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الأول في أخذ اللقطة والانتفاع بها ٤١٥/٧ رقم: ١٠٧٨٦ زكريا)

وفي الذخيرة: إن خاف الضياع كان فرضًا وإلا كان مباحًا، أجمع عليه الـعـلماء، ثم اختلفوا في الأفضل …… والمذهب عن علمائنا وعامة العلماء أن الـرفـع أفـضـل …… وقيده في السراجية بأن يأمن علىٰ نفسه ردّها، فإن كان لا يأمن فالترک أولىٰ. (النهر الفائق / كتاب اللقطة ٢٧٦/٣-٢٧٧ زكريا)

وفي المحيط: أن الأخذ مندوب إن أمن علىٰ نفسهٖ التعريف والرد علىٰ صـاحبهـا وإن خـاف الـضياع فعليه أن يأخذها صيانةً لحق المسلم؛ لأن لماله حـرمة كـمـا لـنـفسهٖ، وإن كان لا يأمن علىٰ نفسهٖ فالترک أولىٰ. (البحر الرائق / كتاب اللقطة ٢٥٢/٥ دار الكتاب ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۸ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ٹرین میں گمشدہ چیز دستیاب ہو

سوال (۱۲۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: اگر ٹرین میں کوئی گم شدہ چیز دستیاب ہو تو دیکھنے والے کو اُسے اُٹھانا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر اُٹھالیا تو مالک کی تلاش کی کیا شکل ہوگی؟ کیا پولس کے حوالے کردینے سے ملتقط کی ذمہ داری پوری ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ٹرین وغیرہ میں گری پڑی قیمتی چیز اور سامان کو اُٹھانے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ آس پاس کے ڈبے والوں سے رابطہ کرکے مالک کا پتہ لگانا چاہئے، اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس چیز کو چھوڑنے سے وہ ضائع ہوجائے گی تو اُسے اٹھا کر GRP (ریلوے پولیس) کے حوالہ کرکے باقاعدہ رسید حاصل کرلی جائے اِس سے اُٹھانے والے کا ذمہ شرعاً بری ہوجائے گا۔

(۱) لہ أن یأمر غیرہ ویعطیها حتی یعرفها یرید به إذا عجز عن التعریف بنفسه، وإن ماتت في یدہ فلا ضمان علی أحد في ذلک. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب اللقطة / الفصل الثاني: تعریف اللقطة ۴۲۶/۷ زکریا)

(۲) وهل للملتقط دفعها إلی غیرہ لیعرفها؟ فقیل نعم إن عجز. (رد المحتار / کتاب اللقطة ۴۳۶/۶ زکریا)

(۳) وللملتقط أن یتولی تعریفها بنفسه أو یستنیب عنه أحدًا یقوم بالتعریف. (الفقه الإسلامي وأدلته، اللقطة / نوع اللقطة وما یصنع بها ۶۳۶/۵ دار الفکر بیروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۸ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

درزی کے پاس ایک شخص کپڑا دے کر غائب ہوگیا

سوال (۱۲۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں کہ: درزی کے پاس ایک شخص کرتہ سلوانے آیا، اُس نے اپنا کپڑا دیا اور ناپ دے کر چلا گیا، درزی نے اُس کی شرط کے مطابق کپڑا اسی کرتیار کردیا؛ لیکن کئی سال گذرنے کے باوجود وہ کپڑا لینے نہیں آیا، اور اس سے رابطہ کی کوئی شکل بظاہر نہیں ہے، تو کیا یہ درزی اُس کپڑے کو فروخت کرکے اپنی سلائی کی اُجرت وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر ہر ممکن کوشش کے باوجود کپڑے کے مالک کا پتہ نہ چل سکے، اور اتنی مدت گذر جائے جو درزیوں کے عام عرف میں ضمانت کے لئے معروف ہے، تو یہ کپڑا لقطہ کے حکم میں قرار دیا جائے گا، اَب کپڑا سینے والا اسے فروخت کرکے اپنی اُجرت وصول کرسکتا ہے اور مابقیہ رقم محفوظ رکھی جائے اور مالک کے آنے پر اسے واپس کردی جائے اور جب بالکل ناامیدی کی صورت ہو تو وہ رقم مالک کی طرف سے صدقہ کردی جائے۔

وجد دنانير مديونه وله عليه درهم له أن يأخذه لاتحادهما جنسًا في الثمنية ...... قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوىٰ اليوم علىٰ جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان. (رد المحتار / كتاب الحجر ۲۲۱/۹ زكريا)

فإن أشهد عليه وعرّف إلىٰ أن علم أن صاحبها لا يطلبها ...... كانت أمانة لم تضمن بلا تعد ...... فينتفع الرافع بها لو فقيرًا وإلا تصدق بها علىٰ فقير ...... فإن جاء مالكها بعد التصدق خير بين إجازة فعله، ولو بعد هلاكها وله ثوابها أو تضمينه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب اللقطة ۴۳۵/۶-۴۳۹ زكريا)

ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة

وبين أن يتصدق بها؛ فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها.

(الفتاویٰ الهندية / كتاب اللقطة ۲۸۹/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۸ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مسجد میں چپل بدل جائے یا گم ہو جائے

سوال (۱۲۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مسجد میں کسی کا چپل گم ہو جائے اور سب نمازی چلے جائیں اور کوئی دوسرا چپل رکھا رہ جائے اور اِس بات کا گمان غالب ہو کہ یہ جس کا چپل ہے وہی بدل کر ہمارا چپل لے گیا ہے، تو ہمارے لئے اُس چپل کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر قرائن سے یہ بات واضح ہو جائے کہ چپل کی چوری کی گئی ہے، اور چور عمدہ کے بدلہ میں خراب چپل چھوڑ کر چلا گیا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ شخص کے لئے اُس چھوڑے ہوئے چپل سے بلا تاخیر انتفاع درست ہے۔ اور اگر یہ اندازہ ہو کہ چپل کو چرایا نہیں گیا ہے؛ بلکہ محض اشتباہ کی وجہ سے کوئی شخص بدلہ میں پہن کر چلا گیا ہے، تو ایسی صورت میں یہ چھوٹا ہوا چپل لقطہ کے حکم میں ہوگا، اور جو اُسے اٹھائے اُس پر حتی الامکان مالک کی تلاش ضروری ہے، بلا اعلان وتعارف اس سے براہ راست انتفاع کی اجازت نہ ہوگی۔

وفي الخانية: وضعت ملائتها ووضعت الأخرى ملائتها ثم أخذت الأولى ملائة الثانية لا ينبغي للثانية الانتفاع بملائة الأولى ...... وكذلك الجواب في المكعب إذا سرق، وقيده بعضهم بأن يكون المكعب الثاني كالأول أو أجود فلو دونه له الانتفاع به بدون هذا التكلف؛ لأن أخذ الأجود وترك الأدون دليل الرضا بالانتفاع به ...... أما لو أخذ مكعب غيره وترك

مکعبه غلطا لظلمة أو نحوها ويعلم ذلك بالقرائن فهو في حكم اللقطة لا بد من السؤال عن صاحبه بلا فرق بين أجود وأدون. (رد المحتار / آخر كتاب اللقطة ٦/٤٤٦-٤٤٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۸ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کولڈ اسٹور میں آلو کی بوریاں رکھ کر مالک لاپتہ ہوگیا

سوال (۱۲۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کولڈ اسٹور میں مقررہ کرائے پر آلو کی بوریاں رکھی جاتی ہیں، جن کا یومیہ یا ماہانہ کرایا مقرر ہوتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بازار میں آلو کا نرخ، اتنا سستا ہوجاتا ہے کہ اس کی قیمت سے کولڈ اسٹور کا کرایہ بھی نہیں نکل پاتا، اِسی بنا پر بسا اوقات آلو کا مالک کاشتکار کولڈ اسٹور سے اپنی بوریاں اٹھانے نہیں آتا، اوراس میں مہینوں اور سالوں گذر جاتے ہیں اور کرایہ پر کرایہ چڑھتا رہتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ طویل مدت گذرنے کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے، تو کیا کولڈ اسٹور والا اُن بوریوں کو بیچ کر اپنا کرایہ وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہاں پر دو معاملے ایک ساتھ مربوط ہوگئے ہیں، اول یہ کہ آلو کی بوریوں کو مقررہ اُجرت کے عوض کولڈ اسٹور میں رکھوانا، یہ عقد اجارہ ہے اس اعتبار سے حسبِ شرط مالک پر یومیہ یا ماہانہ اُجرت لازم ہوئی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ بڑھتی چلی جاتی ہے، اس اعتبار سے بوریوں کا مالک مدیون ہے اور کولڈ اسٹور کا مالک دائن ہے۔ اور اس معاملہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب بوریوں کا مالک بوریاں چھوڑ کر لاپتہ ہوگیا، تو یہ بوریاں لقطہ کے درجہ میں آگئیں، مگر یہ لقطہ عام لقطہ کی صورتوں سے ایک گونہ مختلف ہے؛ کیوں کہ اُس کے ساتھ اُجرت کا ضمان بھی لگا ہوا ہے؛ حتیٰ کہ اگر مالک بھی آجائے تو اُجرت اَدا کئے بغیر وہ بوریاں

چھڑانے کا حق دار نہ ہوگا۔ بریں بنا جب مالک کی طرف سے قطعاً ناکامی ہوجائے تو کولڈ اسٹور والا ان بوریوں کو فروخت کر کے حسبِ شرط اپنی اُجرت وصول کرسکتا ہے؛ البتہ اُجرت وصول ہونے کے بعد اگر مزید رقم بچ جائے تو اُسے مالک کی طرف سے صدقہ کردیا جائے۔

وجد دنانير مديونه وله عليه درهم له أن يأخذه لاتحادهما جنسًا في الثمنية ...... قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوىٰ اليوم علىٰ جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان. (رد المحتار / كتاب الحجر ٢٢١/٩ زكريا)

فإن أشهد عليه وعرّف إلىٰ أن علم أن صاحبها لا يطلبها ...... كانت أمانة لم تضمن بلا تعد ...... فينتفع الرافع بها لو فقيرًا وإلا تصدق بها علىٰ فقير ...... فإن جاء مالكها بعد التصدق خير بين إجازة فعله، ولو بعد هلاكها وله ثوابها أو تضمينه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب اللقطة ٤٣٥/٦-٤٣٩ زكريا)

ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة وبين أن يتصدق بها؛ فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها.

(الفتاوىٰ الهندية / كتاب اللقطة ٢٨٩/٢ زكريا)

وإذا جاء صاحبها وطلبها منعها إياه، حتى يوفى النفقة التي أنفق عليها.

(الفتاوىٰ الهندية / كتاب اللقطة ٢٩٠/٢ زكريا)

وفي الخلاصة: له بيعها أيضًا وإمساك ثمنها، ثم إذا جاء ربّها ليس له نقض البيع لو بأمر القاضي. (رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٢٧/٦ زكريا)

فإذا حضر يعني المالك فللملتقط أن يمنعها منه حتى يحضر النفقة.

(الهداية / كتاب اللقطة ٥٩٨/٢ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

حرمین شریفین میں اگر کوئی قیمتی چیز ملے تو کیا کریں؟

سوال (۱۲۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حرمین شریفین میں اگر کوئی قیمتی چیز پڑی ہوئی ملے تو اسے اٹھا کر ''مکتبۃ الامانات'' میں جمع کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حرمین شریفین میں گمشدہ چیز کو اُٹھا کر ''مکتبۃ الامانات'' میں پہنچانا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے؛ اِس لئے کہ اِس میں اُس چیز کے مالک تک پہنچنے کا غالب گمان ہے؛ کیوں کہ حسبِ عرف مالک اپنی گمشدہ چیز کی تلاش کے لئے ''مکتبۃ الامانات'' سے رابطہ کرتا ہے، اور وہاں جمع شدہ چیز تحقیق کے بعد اُس کے حوالہ کردی جاتی ہے۔

وفي السير الكبير يقول: الأفضل لمن وجد لقطة أن يدفعها إلى الإمام.

(الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة / الفصل الثاني تعريف اللقطة ٤٢٦/٧ زكريا)

هل للملتقط دفعها إلى غيره ليعرّفها؟ فقيل نعم إن عجز …… وفي القهستاني: له دفعها لأمين، وله استردادها منه وإن هلكت في يده لم يضمن.

(رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٣٦/٦ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۴۱/۲/۸ھ

اشتباہ کی وجہ سے فلائٹ میں سامان بدل گیا

سوال (۱۲۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر اشتباہ کی وجہ سے فلائٹ میں سامان ادل بدل ہوجائے تو کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جہاز میں سامان اَدل بدل ہوجانے کی شکل میں

اُٹھانے والے کے لئے اُس میں انتفاع جائز نہیں؛ بلکہ جو بھی سامان اٹھائے وہ یا تو خود مالک تک پہنچانے کی کوشش کرے یا ایئر لائن والوں کے حوالے کردے، وہ ایئر ٹیگ کے ذریعہ بآسانی مالک سے رابطہ کرسکتے ہیں، جس کی وجہ سے سامان مالک تک پہنچنے کا غالب گمان ہوجاتا ہے۔

المستفاد: أما لو أخذ مكعب غيره وترك مكعبه غلطًا لظلمةٍ أو نحوها ويعلم ذلك بالقرائن فهو في حكم اللقطة لا بد من السؤال عن صاحبه بلا فرق بين أجود وأدون. (رد المحتار / آخر كتاب اللقطة ٦/٤٤٧ زكريا)

وهل للملتقط دفعها إلى الغير ليعرفها فقيل نعم إن عجز ...... وفي القهستاني: له دفعها لأمين. (رد المحتار / كتاب اللقطة ٦/٤٣٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۳ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

Zomato ایپ سے کھانا آرڈر کرایا مگر کھانا وصول ہونے کے بعد کمپنی نے آرڈر ملنے سے انکار کردیا

سوال (۱۲۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے چندروز قبل Zomato ایپ سے ایک آرڈر بک کیا، اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ ہم Zomato ایپ سے کھانا بک کرتے ہیں، پھر زومیٹو والا ہم کو کھانا فراہم کردیتا ہے اور جہاں سے وہ کھانا فراہم کرتا ہے وہاں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ہمارا تعلق صرف اس ایپ سے ہوتا ہے، اب اتفاق ایسا ہوا کہ ایک آرڈر دیا جس میں مختلف انواع تھیں، اس میں کچھ آرڈر دستیاب ہوگئے، مابقیہ کینسل ہوگئے، جو دستیاب ہوئے تھے وہ ہمارے اہل خانہ نے کھالیا، جب کمپنی کو شکایت بھیجی تو کمپنی کہتی ہے کہ ہم نے آپ کا کوئی آرڈر نہیں بھیجا اور ہمارے اکاؤنٹ سے پیسہ نہیں کٹا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو کھانا ہم نے کھالیا، اس کی قیمت کی اَدائیگی کیسے ہو؟ اس

لئے کہ کمپنی تک اس قیمت کو پہنچانے کی کوئی شکل نہیں ہے اور اگر ہم آئندہ آرڈر کریں تو اتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے گی جتنے کا سامان ہو، اب جو کھانا اہل خانہ نے کھا لیا، اس کی قیمت کی اَدائیگی کیسے ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آپ نے کمپنی کا جتنا کھانا کھایا ہے، اُس کی قیمت کا اندازہ لگا کر کسی بھی طرح اس کمپنی کو لوٹا دیں گے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو اتنی رقم کسی غریب کو صدقہ کردیں، یہ لقطہ کے حکم میں ہے۔

المستفاد: عليه ديون ومظالم جهل أربابها وأيس من عليه ذلک من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله الخ. (الدر المختار / كتاب اللقطة ٦/٤٣ ٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

○❖○

لاوارث بچہ کے مسائل

DNA ٹیسٹ سے باپ کا پتہ لگانا

سوال (۱۲۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر دو شخص لقیط کے متعلق نسب کے مدعی ہوں، اور اُن میں سے ایک بینہ پیش کردے، اور دوسرے کے دعویٰ کی تصدیق DNA ٹیسٹ سے ہو، تو لقیط کا نسب کس مدعی سے ثابت ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر بیک وقت دو شخص لقیط کے بارے میں اپنا بچہ ہونے کا دعوی کریں اور اُن میں سے ایک اس بات پر بینہ پیش کرے کہ یہ بچہ اُس کی منکوحہ سے پیدا شدہ ہے، جب کہ دوسرے مدعی کے پاس بینہ تو نہ ہو؛ لیکن DNA ٹیسٹ سے اُس کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہو، تو ایسی صورت میں بینہ پیش کرنے والے مدعی ہی سے لقیط کا نسب ثابت ہوگا، اور دوسرے مدعی کے دعویٰ کو قبول نہیں کیا جائے گا؛ اس لئے کہ بینہ سے جو بات ثابت ہو، وہ شریعت کے نزدیک زیادہ راجح ہوتی ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / تفسير المشبّهات ۲۷٦/۱ رقم: ۲۰۰۷، سنن الترمذي ۲۱۹/۱، سنن النسائي، كتاب الطلاق / باب إلحاق الولد بالفراش ۹٤/۲، مشكاة المصابيح / باب اللعان، الفصل الأول ۲۸۷)

وإن ادعاه خارجان، ووصف أحدهما علامة به أي بجسده لا بثوبه

ووافق فهو أحق إذا لم يعارضها أقوى منها كبينة الآخر. (رد المحتار، كتاب اللقيط / مطلب في قولهم الغرم بالغنم ٦/٤٢٨ زكريا)

ولـو ادعـاه إثنان خارجان معًا، ووصف أحدها علامة في جسده فطابق، فهـو أولى به من الآخر إلا ان يقيم الآخر البينة، فيقدم على ذي العلامة. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق ٤/٢٠٤ زكريا)

ثـم اعـلـم أن الـعـلامة مـرجـحه عند عدم مرجح أقوى منها، فيقدم ذو البرهان على ذي العلامة. (البحر الرائق / كتاب اللقيط ٥/٢٤٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۳ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

لقیط کے بارے میں بیک وقت دوعورتوں کا دعویٰ

سوال (۱۲۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی جگہ حادثاتی اَموات میں معصوم بچے مشتبہ ہوجائیں اور کئی عورتیں نونہال بچوں کے بارے میں اپنا اپنا بچہ ہونے کا دعویٰ کریں، تو ایسی صورت میں کون سا بچہ کس عورت کو دیا جائے گا؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر بیک وقت دوعورتوں نے لقیط کے بارے میں اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا، تو ثبوت کے بغیر کسی کا دعوی قبول نہ ہوگا، پھر اگر اُن میں سے ایک نے بینہ پیش کردیا تو اسی کے حق میں فیصلہ ہوجائے گا، اور اگر دونوں نے بینہ پیش کیا تو اِمام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس بچے کو دونوں کی طرف منسوب کردیا جائے گا (کیوں کہ ترجیح کی کوئی وجہ نہیں اور بچے کا اس میں نفع ہے کہ وہ دونوں کا وارث ہوگا)

ولـو ادعتـه امـرتـان وأقـامـت إحـداهـما البينة فهي أولى به، وإن أقامتا جميعًا فهو ابنهما خلافًا لهما. (الدر المختار / كتاب اللقيط ٦/٤٢٧ زكريا)

ولـو ادعـت امـرأتـان قضى به لهما عند أبي حنيفة، وعندهما لا يقضي لواحد منهما؛ لأنّ ثبوت النسب منهما يتعلق بحقيقة الولادة وهو محال منهما بخلاف الرجل. (تبيين الحقائق / كتاب اللقيط ٢٠٤/٤ زكريا)

ولـو ادعـاه امـرأتـان وأقامت إحداهما البينة فهي أولى به، وإن أقامتا جميعًا فهو ابنهما عند أبي حنيفة. (بدائع الصنائع / آخر كتاب اللقيط ٢٩٤/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۳ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

DNA ٹیسٹ کے ذریعہ لاوارث بچہ کا نسب ثابت کرنا

سـوال (۱۲۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا DNA ٹیسٹ کے ذریعہ سے لقیط کا نسب ثابت کیا جاسکتا ہے جب کہ مدعیان کی تعداد ایک سے زائد ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- جب لقیط کے بارے میں دو مسلمان آزاد مرد اپنا بچہ ہونے کا دعوی کریں اور بینہ کسی کے پاس نہ ہو تو DNA ٹیسٹ کے ذریعہ جس کے دعویٰ کی تصدیق ہو اُس سے لقیط کا نسب ثابت کردیا جائے گا۔

وإن كـانـا مسـلـميـن حـريـن فـإن وصف أحدهمـا علامة في جسده فـالـواصف أولـىٰ بـه عندنا؛ لأن الدعوتين متى تعارضتا يجب العمل بالراجح مـنهـما، وقد ترجح أحدهما بالعلامة؛ لأنه إذا وصف العلامة ولم يصف الآخر دل عـلـىٰ أن يـده سـابـقة فـلا بـد لزوالها من دليل، والدليل علىٰ جواز العمل بـالعلامة قوله تعالىٰ عز شانه خبرًا عن أهل تلك المرأة: ﴿اِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ﴾ (بدائع الصنائع / الأحكام المتعلقة باللقيط ٢٩٣/٥-٢٩٤ زكريا)

وإذا وصف أحـدهـمـا عـلامة بـه أي بـالـولد فهو أحق به ...... ثم اعلم أن

العلامة مرجحة عند عدم مرجح أقویٰ منها. (كنز الدقائق / كتاب اللقيط ٢٤٥/٥ زكريا)

فإن وصف أحدهما علامة به ووافق فهو أحق …… وحيث كانت العلامة مرجحة فالظاهر اعتبارها هنا أيضًا فيقضى به لذي العلامة. (تنوير الأبصار مع رد المحتار / كتاب اللقيط ٤٢٧/٦-٤٢٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ہسپتال والوں کا لاوارث بچہ کو اپنی مرضی سے کسی کو دینا

سوال (۱۲۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ہسپتال والے لاوارث بچہ کو اپنی مرضی سے کسی اور کو دے سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر ہسپتال والے کسی لاوارث بچہ کو کسی ایسے مسلمان شخص کی کفالت میں دے دیں جو اُس بچہ کی دیکھ بھال کا ذمہ لے تو اِس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

ولا يأخذه منه أحد، ولو دفعه هو إلیٰ غيره ليس له أن يستردّه. (الفتاوىٰ الهندية / كتاب اللقيط ٢٩٥/٢ زكريا)

لا يأخذ اللقيط من الملتقط أحد بغير رضاه؛ لأنه ثبت حق الحفظ له لسبق يده وقيدنا بالجبر؛ لأنه لو دفعه إلیٰ غيره باختياره جاز. (البحر الرائق ٢٤٣/٥ زكريا)

فله أن يدفع إلیٰ غيره باختياره، فلو دفع إليه لم يأخذه منه؛ لأنه أبطل حقه بالاختيار. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر / كتاب اللقيط ٧٠٢/١ دار إحياء التراث)

وإذا أخذه منه يضعه علیٰ يد رجل عدل ليحفظه. (الفتاوىٰ التاتارخانية / كتاب اللقيط ٤٠٣/٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ہسپتال میں لاوارث بچہ پایا جائے

سوال (۱۲۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی ہسپتال میں لاوارث بچہ پایا جائے تو ہسپتال والوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو لاوارث نومولود بچہ ہسپتال میں چھوڑ دیا جائے تو جب تک کوئی اور اُس کی ذمہ داری نہ لے اُس وقت تک ہسپتال والوں پر اُس بچہ کی جان کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا واجب ہے۔

التقاطه فرض كفاية إن غلب علىٰ ظنه هلاكه لو لم يرفعه ولو لم يعلم به غيره ففرض عين (وإلا فمندوب) لما فيه من الشفقة والإحياء. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب اللقيط ٤٢٣/٦ زكريا، الهداية ٦١١/٢)

ندب التقاطه ووجب إن خاف الضياع لما فيه من إحياء النفس؛ لأنه علىٰ شرف الهلاك. قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (تبيين الحقائق / كتاب اللقيط ٢٠١/٤ زكريا)

ورفعه أفضل من تركه لما فيه ترك الرحم على الصغير، وقد قال عليه السلام: "من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا فليس منا" قالوا: هٰذا إذا كان لا يخاف عليه لا محالة، أما إذا كان يخاف عليه لا محالة بأن وجده واقعًا في الماء أو بين يدي سبع يفترض عليه الأخذ. (المحيط البرهاني ١٥٤/٨، فقه السنة للسيد السابق ٢٢٩/٣)

التقاطه فرض من فروض الكفاية كغيره من كل شيءٍ ضائع لا كافل له؛ لأن في تركه ضياعه. (فقه السنة للسيد السابق ٢٢٩/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا لاوارث بچہ کے والد کی جگہ اٹھانے والے کا نام لکھ سکتے ہیں؟

سوال (۱۲۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لقیط اگر بڑا ہو جائے اور اس کی شادی کی نوبت آئے تو اس کے نکاح کے رجسٹر میں باپ کی جگہ ملتقط کا نام لکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مجہول النسب لاوارث بچہ کے والد کی جگہ پر ملتقط (اسے اٹھانے والے) کا نام نہیں لکھا جائے گا؛ کیوں کہ وہ اس کا حقیقی والد نہیں ہے، اور نہ ہی اس نے اس بچہ کے بارے میں اپنا بیٹا ہونے کا دعوی کیا ہے؛ لہٰذا وہ بچہ مجہول النسب ہی سمجھا جائے گا؛ البتہ سرپرست کی جگہ ملتقط کا نام لکھا جا سکتا ہے؛ اِس لئے کہ وہ اس کی حفاظت اور نگرانی کا ذمہ دار ہے۔

ولا ولاية للملتقط على اللقيط، إنما له حق الحفظ والتربية. (المحيط البرهاني / كتاب اللقيط ۱۵۷/۸ إدارة القرآن كراچی)

وليس للملتقط أن يفعل شيئًا من ذٰلک؛ لأنه لا ولاية له عليه لانعدام سببها وهو القرابة والسلطنة. (بدائع الصنائع، كتاب اللقيط / الأحكام المتعلقة باللقيط ۲۹۳/۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ